

مَقَامُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

CHECKED ۱۹۷۸

الْحَنَاتُ كَرَامَةُ الشَّعَائِرِ

نَوْلًا عَلَى النَّوْرِ

سَالَهُ رَوْنِي بِأَرَادَ رَسَالَتِي

جلدياتہ ۱۹۹۹ء

Checked 1987

CHECKED 1995

CHECKED . 1983

مرزا عبد السعی و لباس اُدبیر نے

مطبع آتم پر کاش مراد اکابرین چپوکر

دفتر سارہ روشنی سی شانی کیا

سالانہ چندہ (رستے)

حکم حقوق محفوظ ظاہر

# آخری پیام

میں اذن معاونین کا شکریہ ادا کر رہی تھی اس وقت سے روشنی کی پانچویں جلد تک میں ختم کر سکا مگر نئے  
 ایسا وطن ہو کر اس کام کے لئے اس لئے لکھنؤ رہنا اختیار کیا تھا کہ یہاں نشر و شریعت کا بہت شور  
 مٹا تھا لیکن سب غلط نکلا۔ جو چند بزرگوار لکھنؤ میں چندہ دیتے تھے وہ ہرگز شایفہ نہ حیثیت سے  
 نہیں دیتے۔ یا میری ذاتی واقفیت کی وجہ سے یا اس نوعیت سے کہ جیسے دیگر محتاج و مسکین  
 کو کچھ دے۔ یہ تھے میں دلیسے مجھے ایک سفید پوش قومی فیکر سمجھ کر دیکھتے تھے۔ اتنی ادنیٰ تحریک کی کو بھی  
 میں غنیمت سمجھ کر نہایت شکریہ ادا کر کے ساتھ اسے قبول کرتا ہوں۔ لیکن حقیقت میں رسالہ روشنی  
 کی زندگی کا سبب دیگر اصلاح کے شائقین کی توجہ تھی جو زمانہ کی ضرورت کو مقابلہ صاحبان لکھنؤ  
 کے بہت کچھ زیادہ جانتے والے ہیں۔ بہر حال کچھ نہ کچھ کام بدلائی جاتا تھا لیکن اسال اس کی  
 بھی توقع نہیں رہی کہ بہت سے ویلو دلائل آگئی۔ میں مغربوں کے وقت پر پرچہ نہ شائع ہونا اس کا  
 قومی سبب ہے۔ لیکن اس کے سبب کو میں کیونکر بیان کر سکتا۔ شاید پانچ چھ بزرگ ہوں گے جو  
 جنگی چندہ بھیج دیتے تھے۔ قطع نظر اس کے آخری سال مہارسی سال چھری کی اونکو پہنچی ہو یا نہ پہنچی  
 ہو۔ بعض وہ بزرگ ہیں جو سہ ماہی دو ماہ یا چار ماہ بزرگ و بلند آواز بند کرتے ہیں۔ مگر ایسے بزرگواروں کی  
 ایسی مثال ہے جسے سیر ہر جانوں میں بارہ والے۔ بعض ایسے شائق ہیں کہ پرچہ کو تقاضا تو بڑے  
 شد و دلتے کرتے ہیں۔ مگر چندہ کا ذکر نہیں۔ بہر حال ایسی حالتیں پرچہ جاری نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ  
 تو میں ختم کر دینا چاہی۔ بخیال وصول ہو جائے۔ فیصلہ نہیں کیا۔ چندہ کے اذن بزرگواروں سے جتنا ذکر اور ہوا  
 لیکن مسئلہ کی بابت ادنیٰ بھی عرض کی کہ وہ مشکل چندہ نہ بھیجیں تا وقتیکہ میری کوئی دوسری تحریر نہ نکلا  
 نہ فزادین میں خدا کے فضل و کرم پر بہرہ ور نہ کر سکے یہ کوشش کر رہا ہوں کہ خاص افراد میں اپنی اپنی  
 سرپرستی سے بقیہ مجلدات چھو ادیں۔ اگر میں کامیاب ہوا تب تو مکمل جلدیں بھیجوں گا ورنہ ہمیشہ جلد کے  
 بعد نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ رسالہ روشنی ہمیشہ کے لئے اپنے حقیقی معاونین سے جدا  
 ہو گا۔ اب میں نہایت شکریہ ادا کر کے ساتھ ساتھ دعا کی رسید کا سلسلہ ذیل میں درج کرتا ہوں۔

# جلد ششم سال روشنی بابت ۱۹۹۹ء



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصنف مخاطب خطیبہ شیعہ کے چند فقروں پر بحث کر کے اور اپنی نزاکت پر  
کمال کر کہ حضرت ابو بکر کا خلیفہ ہونا چاہتے تھے ان سے سب مسلمان راضی ہوئے تھے  
اور جناب ابوبکر طرح سختی کا اعلافت ہو سکتے تھے جنکو سب نے چھوڑ دیا اور علی مرتضیٰ  
کا حضرت ابو بکر سے مقابلہ نہ کرنے کو تسلیم نہ کیا حضرت ابو بکر طاہر کے (حکمی  
قرآن) تمام پانچویں جلد روشنی سے ۱۹۹۹ء میں دکھا چکے) یہ کہتے ہیں جناب امیر علیہ السلام  
کو ابو بکر سے لڑنے کا خیال کیوں پیدا ہوا وہ تو خلافت ابو بکر سے مزارحمت کرنا کیا  
نہ نہ سمجھتے تھے ؟

ابو بکر کی ساری کوششوں کے لئے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام خالص غیر نقل کر کے  
ان میں سے ہیں جو ابو بکر امیر علیہ السلام کا کلام ہے جبکہ ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم  
اللہ ورحمہ کی اور عباس وراہیہ ہیں۔ لے جناب امیر سے یہ درخواست کی اُن سے  
خلافت کی اہلیت کین۔ اسے آدمیوں نجات کی کشتیوں کے ساتھ فتنہ کی موجوں سے  
بچو۔ اور نفرت کے رستے سے جدا ہو جاؤ۔ اور فخر کا ناج اتار رکھو ۱۱

اور فقروں کے یہ معنی قرار دیتے ہیں کہ ”یعنی ابو بکر کی خلافت میں شامل وانا فتنہ  
سے اور نفرت کا طریقہ سے اس سے پرہیز کرو اور تم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ خلیفہ  
عبدالمناف کی زوال دیں۔ سب کیوں ہوا یہ غرض اور فخر کا طریقہ ہے۔ اس فخر کے تلخ کو  
سرسے اوتار دو اور یہی تم کو انہی مقابل میں کمیت ہے“ مصنف مخاطب کلام علی رضی اللہ عنہ کا  
جہاد ہے کیا اور اپنی مذاق کی تائید کے لیے غلط پہلو رکھا ہے۔ اور بالخصوص لفظ منافرة

جنوری ۱۳۸۵ھ

۳

جلد ۶ مہرا

کا ترجمہ ہے نفرت ہے اس فقرہ میں کہ ہے اور نفرت سے کہ راستہ سے جدا ہو جائے غلط اور بے عمل دانائی سے کیا ہے۔

مفسر مفاخرۃ ثنائی مزید باب مفاخرۃ سے ہے۔ بجا لائی ہے۔ بیشک مفاخرۃ ہی اور اُس کے معنی جدا اور الگ ہو جانے کے ہیں لیکن باج مفاخرۃ کی خاصیت باہم شریک ہونے کی ہے اس اعتبار سے معنی کلمہ مفاخرۃ کے جو کلام علی مرتضیٰ میں آیا ہے باہم نفرت کر کے ہوئے۔

پس اُس فقرہ کے یہ معنی ہوتے ہیں ہے چوڑا راہ آپس میں نفرت کرنے کی ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ آپس میں نفرت نہیں ہو سکتی جب تک کہ ایک دوسرے پر اپنا خون نہ جتاوے۔ اور اس اعتبار سے مفاخرۃ کے معنی مفاخرۃ کے قرار پاتے ہیں۔ چنانچہ نہایت ابن اثیر میں جو ایک عالم اہلسنت کی مشہور کتاب لغت ہے اس میں صاف لکھا ہے المفاخرۃ المفاخرۃ والمفاخرۃ پس کلام علی مرتضیٰ میں اس موقع پر مفاخرۃ کے معنی مفاخرۃ کے ہیں اور ترجمہ اُس فقرہ کا یوں ہونا چاہیے ہے چوڑا راہ مفاخرۃ کی ہے۔

اور اس سے پر فقرہ آئندہ بھی صاف دلالت کرتا ہے اور اوتار ڈالو تاج مفاخرۃ کو ہے جس سے پہلو استدلال مصنف مفاخرۃ مطلق باقی نہیں رہتا اب میں پورا ترجمہ اُس فقرہ کلام علی مرتضیٰ کا لکھتا ہوں جس پر مصنف نے مطلب سے استدلال کیا ہے تاکہ آسانی سے ظاہر ہو جائے کہ اُس کلام علی مرتضیٰ اس کے کچھ بھی تفسیر معنی مصنف مخاطب کی نہیں ہوتی ہے اور مصنف مخاطب نے خلاف مطلب علی مرتضیٰ کے استنباط کیا ہے۔

بیکہ رسول خدا سے وفات پائی اور عباس اور ابوسفیان بن حرب



یہ حضرت کو مخاسب کیا تھا اس باب میں کہ حضرت کے ساتھ بیعت کر مین  
 یہ لوگو! شق کروا سواج فتن کو کشتی ہلے نجات سے (یعنی اس فتنہ  
 و فساد کے دریا کو کشتی نجات میں بیٹھ کر جیل جانی اور چوڑا دوراۃ مفاخرت  
 کو اور تلج مفاخرت کو اوتار ڈالو)

اس فقرہ کے ہرگز یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ یہ حضرت ابو بکر کی خلافت میں  
 خلل ڈالنا فتنہ ہوئے اور نہ یہ مقصود ہے کہ اس خلافت میں خلل ڈالنا نفرت  
 کا طریقہ ہے اس حیثیت سے کہ خلافت انکی صحیح اور جائز رہتی۔ اور نہ اس فقرہ  
 سے یہ منشاء علی مرتضیٰ کا ظاہر ہوتا ہے کہ یہ علی مرتضیٰ کو لوگوں کو سمجھاتے ہوئے  
 کہ تم کو جو یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ خلیفہ عبد مناف کی اولاد میں سے کیوں نہوا۔  
 بنی تیم میں کیوں ہوا یہ غرور اور فخر کا طریقہ ہے اس فخر کے تاج کو سر سے اوتارو  
 اور بنی تیم کو اپنے مقابلہ میں کم مت سمجھو جیسا کہ مصنف مخاطب استنباط  
 کرتے ہیں۔

بلکہ اس فقرہ کلام علی مرتضیٰ کا یہ مقصود اہل منشا ہے کہ بعد وفات پیغمبر جو  
 واقعات پیش آئے ان سب کو علی مرتضیٰ فتنہ سمجھتے تھے۔ حضرت ابو بکر کا خلیفہ  
 قرار پانا اور حضرت ابو بکر کا مسلمانوں کو لقب مانعین زکوٰۃ اور اتنا داکر  
 قتل کرنا اور سیلہ کذاب کا دعویٰ نبوت کرنا اور ہم غیر کا اُسکے اتباع میں  
 ہو جانا یہ سب واقعات فتنہ تھے۔

چنانچہ علی مرتضیٰ نے جو یہ نصیحت اسی کلام میں فرمائی ہے کہ یہ شق کرو  
 سواج فتن کو کشتی ہلے نجات سے "سواج فتن سے مراد ان تمام واقعات  
 سے ہے اور کشتی نجات سے مراد سکوت کرنے سے ہے جیسا کہ ہم پہلے احادیث  
 دکھا چکے ہیں جبکہ مقصود یہی ہے کہ یہ زمانہ فتنہ میں انسان کو سکوت کرنا چاہیے

علم تھے کے ارثاء میں ایک کلمہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے یہ استنباط ہو سکے کہ وہ خلافت حضرت ابوبکر کو صحیح سمجھے تھیں اور اس میں خلل ڈالنا فتنہ جہانے ہوں۔ ہاں خود خلافت حضرت ابوبکر کو امواج فتنہ فرمایا ہے البتہ حضرت ابوبکر کے خلیفہ قرار دیا جانے کی حالت پر صبر و سکوت پسند فرماتے تھے اسوجہ سے نہیں کہ وہ صحیح خلیفہ قرار دیا ہے تھے بلکہ اسوجہ سے کہ اسلام نازہ تھا اور فتنے برپا ہو چکے تھے کہ حضرت ابوبکر غلط خلیفہ قرار پائے تھے اور باجمہ مسلمانوں کے اور مسلمانوں اہل ارتداد اور کفار کے قتل و قاتل شروع ہو گیا تھا اسوقت اگر علی مرتضیٰ سے اسے ہمراہیوں اور ساتھ دینے والوں کے حضرت ابوبکرؓ اور اولوں کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں سے مقابلہ شروع کرتے تو کچھ شبہ نہیں ہے کہ مسلمان باقی تڑپتے یا اسقدر کم ہو جاتے کہ مذہب اسلام تباہ اور برباد ہو جاتا۔

اسی وجہ سے علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے کہ ۲۲ چوڑا وراہ مفاخرت کو اور تاج مفاخرت کو اوتار ڈالو جسکے صاف معنی یہ ہیں کہ اسے لوگوں کو میرے خاندان میں خلافت اور امارت ہمیشہ سے رہی ہے۔ اور فخر امارت اور خلافت کا میری ذات کے لئے ہے۔ لیکن ابوبکر نے جو اسوقت وہ فخر اپنے لئے وضع کر لیا اور اسکا قبیلہ کوئی اس فخر کے قابل نہیں ہے۔

مگر ایسے زمانہ فتنہ میں جبکہ اسکی امواج جوش زن ہیں مہاری یہ خواہش کہ میرے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت کی مفاخرت یا باہم (مافرت) فخر حاصل کرنے کے لئے پیدا کی جائے یہ گزند یا ہنسنے کی چیز نہیں ہے بلکہ اسلامی سلطنت مسلمانوں کی تباہ ہو جائے گی۔

بلکہ دنیا یہ ہے کہ ایسے زمانہ فتنہ میں مافرت اور مافرت فخر حاصل کرنے کے

جنوری ۱۹۸۷ء

( ۵ )

نمبر ۷

لے قائم کرنا ناپسندیدہ ہے تاکہ مذہب اسلام اور قومی سلطنت مسلمانوں کی تباہی سے محفوظ رہے۔ پس اسی بنابر علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے ”چہرہ و راہ منازعہ یا مذاۃ مخرفہ کر کے لے لی اور آثار دلتان مفاہرت کوٹا اور یہ ارشاد تفسیر ہے اُس فقرہ اول کی کہ منقہ کردا مولج فتن کو کشتی ہائے نجات سے یا بھنے ہمہر و سکوت اختیار کرو جو کشتی نجات ہے اور اوس کے ذریعہ سے مولج فتن کو چیر کر پار ہو جاؤ گے۔

ان فقرات کے بعد آئندہ فقرہ کلام علی مرتضیٰ کا مصنف مخاطب یوں ترجمہ کرتے ہیں ”کامیاب ہوا وہ جو اوٹھا فتن بازو کے ساتھ بااطاعت کی اور راحت دی“

Checked  
1987

اور اوپر یہ استدلال کیا ہے ”یعنی کامیابی دو قسم کے ہے ایک وہ جو فتن کے ساتھ خلافت کا بوجھ اوٹھانے کے لئے تھرا ہو۔ دوسرا وہ جس نے اطاعت کی اور کوئی جھگڑا اور فتنہ نہ کیا اور اپنی جان کو اور سب مسلمانوں کو اپنے فتنے سے راحت دی فتن بازو سے مراد جماعت مہاجرین و انصار کی بیعت ہے جو ابوبکرؓ کو چھل ہوئی ہے۔ اس قول میں بھی جناب امیرؓ نے یہ ارشاد کر دیا کہ خلافت میں کامیابی اوس کو ہے جس سے سب نے بیعت کی اور باقی سب مسلمانوں کو اطاعت میں کامیابی ہے اور اب جو شمرؓ اور اوٹھا بٹکا وہ نامزد ہے حاصل یہ ہوا کہ خلافت کا وہ مستحق ہے جو فتنی ہے اور باقی سب مسلمانوں کی اطاعت چاہتے ہیں“

مصنف مخاطب نے یہ ترجمہ بھی کلام علی مرتضیٰ کا کیا ہے جس سے مقصود اور منشا ہے علی مرتضیٰ بن مصنف مخاطب کو گنجائش اپنے استدلال کی ہو سکے اور اس اعتبار بھی ایسا کیا ہے کہ جو مخالف مقصود اور منشا کے ہے

اصل وہ فقرہ یہ ہے۔

اَظْمَ مِنْ كَفْضِ بَجْنَحٍ اِذَا سَلَسِلَ فَاَسْرَحَ ۚ تَرْمِي صَبِيحًا ۚ فَلَاحٌ (کاسیالی یا سنگاری) پانی  
اُس شخص نے کہ اپنے بازو کی قوت سے ادا تھا یا سر کو جھکا لیا (ای سکوٹ کیا) تو  
اُس نے راحت پہنچائی ۚ

اس فقرہ میں جو اصول عام رہی مرتضیٰ نے فرمایا ہے اُسکی صحت سے کیوں  
انکار نہیں ہو سکتا اور نہ اسوقت اُسکی صحت پر بحث ہے۔ بحث یہ ہے کہ اُسکا  
مصدق کس چیز پر اور کس کے حق میں ہوتا ہے؟ فلاح پانی اُس شخص سے کہ اپنے  
بازو کی قوت سے ادا تھا۔ یا سر کو جھکا لیا تو اُس نے راحت پائی ۚ قوت بازو کی  
اس کلمہ میں اپنی اندرونی اور ذاتی قوت سے مراد ہے نہ قوت بیرونی اور غیر سے  
یعنی وہ قوت ذات سے منفصل نہ ہو۔ اور وہ قوت کیا ہے؟ کار کی قابلیت  
اور قابلیت کسی کار کی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ حقیقت اُس کار کا علم  
نہو اور جملہ اُن اوصاف سے وہ عالم متصف نہ ہو کہ جن اوصاف کا اُس کار کے  
انجام دہی کے لیے ہونا ضرور ہو۔

پیغمبر خدا نے جو کار رسالت کو شروع کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت مسلمانوں  
کی قائم ہو گئی کچھ شبہ نہیں ہے کہ آنحضرت باطنی اور ذاتی قابلیت اُس کار کی  
رکتے تھے اور انکی فکر اور نظر اُس کار میں کوئی اُنکا شریک نہیں تھا اور ان کو  
حقیقت اُس کار کا ایسا علم کامل تھا جس میں اُنکو ایسا عروج ہو گیا کہ انہوں نے  
درجہ معراج پر پہنچ کر خاتمہ کر دیا اور ختم المرسلین کا لقب حاصل کر لیا۔ اور وہ اُن  
کار کی ایسی قابلیت رکھتے تھے کہ کسی دوسرے میں نہیں تھی۔

وہ اس کار کے لیے مجر د اپنی قوت ذاتی کی وجہ سے جو خدا داد تھی مبعوث اور  
برائے نجات اور اولیٰ کثرے ہوئے تھے سبھی مصداق کہ یہ فلاح پانی اُس شخص

جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ

۷

جلد ہفتم

سنے کہ اپنے بازو کی قوت سے اوٹھا

اور فقرہ ثانی کی یہ سر جھکایا تو کہنے سے راحت پہونچائی بلکہ سسڑا قیامت  
حالت پہنچیں کہ قبیل ہجرت سب کفار کی اذیت رسائی اور مخالفت حد  
سے تجاوز ہو گئی یہاں تک کہ مشورہ قتل پہنچیں اُس کے کفار قتل آدہ اور سلم  
ہو گئے اور پیغمبر کے گھر کو گریبا تو پہنچ گئے اُن کی اذیت اور ارادہ جملہ کاغذ  
اور لٹے مقاتلہ نہ کرنا پسند کیا اور دیر و سکوت کو کہے اپنا سر جھکالیا اور جنت  
فرمائی اور قتل و قتال کے وقوع میں نہ لانے سے راحت پہونچائی اور  
سر جھکنے اور راحت پہونچنے کا اطلاق اس پر ہی ہوا کہتا ہوں کہ جن لوگوں  
نے پیغمبر کی قابلیت اور قوت کے سامنے سر جھکالیا تھا اور پیغمبر کی طاقت  
اور قوت اُس کا قبول کر لیا تھا۔

اس جگہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ سر نہ لے اُن کی قابلیت اور قوت کی  
اطاعت کی تھی خواہ ظاہری طور پر خود باطنی طور پر اُن لوگوں نے اُس وقت قتل  
و قتال نہ کرنے کی وجہ اور سر جھکالینے کے باعث راحت پہونچائی اور فتنہ برپا  
کرنے سے اذیت نہیں پہیلی۔

مگر یہ امر نہیں تھا کہ محض لوگوں کے قبول کرنے سے حضرت محمد رسول  
ہو گئے تھے یا انہیں وہ قابلیت اور قوت ذاتی لوگوں کے سر جھکالنے سے  
پیدا ہو گئی تھی۔ نہیں نہیں۔ وہ قوت و قابلیت باطنی اور ذاتی انہیں  
قدرت نے اول و دلیت کی تھی اور پھر لوگوں نے اُس قوت اور  
قابلیت کے سامنے سر جھکایا تھا اور اُس کو قبول یا اُس کی اطاعت کی تھی  
یہ معنی ہیں ارشاد علی مرتضیٰ کے کہ میں فلاح پائی اُس شخص نے کہ اپنے بازو  
کی قوت سے اوٹھا۔ یا سر جھکالیا تو اسے راحت پہونچائی

بعد وفات پیغمبر کے کار رسالت ختم ہو چکا تھا۔ لیکن قایم نہ بنا۔ اور علما اور کلمہ کا بانی تھا۔ اس کے نزدیک اسلام صرف ایک مذہبی سلطنت مسلمانوں کے لیے قائم نہیں تھا۔ اور راج اور شاہی اور سنیوں کا تھا۔ ضرور ہے کہ بعد پیغمبر کوئی ایسا شخص نہ آیا۔ اور جانشین پیغمبر نہ ہو۔ کہ جو اپنی قوت بازو سے اس کار کو جلاوے اور اوہین قیادت باطنی اور ذاتی اس کا کی ہو۔ اور اس کار کے جو نئے بن کوئی نہ کیا نہ کیا نہ ہو۔ اور نہ ہو سکے۔ اور وہ علم حقیقت اس کار کا رکھتا ہو۔ اور اس میں وہ اوصاف ہدایت نفع غیر موجود ہوں۔ جس کے وجود سے وہ اس کام کو چلا سکے۔

جو کوئی عذر کرے گا وہ مندر قائل ہوگا کہ علم اور اوصاف باطنی اور ذاتی علی مرتضیٰ کے ایسے تھے جس میں وہ محتاج غیر کے نہیں تھے۔ اور یہی اس کے علم اور اوصاف باطنی اور ذاتی کی وجہ سے اس کار کو جو پیغمبر نے چھوڑا تھا۔ صحیح طور پر اس کے اصلی مرکز پر چلا سکتے تھے۔ اور اپنی ذاتی قوت اور قابلیت کار خلافت کی رہتے تھے۔

بر خلاف اس کے حالت حضرت ابوبکر کی تھی کہ اون میں ذاتی قوت اور قابلیت اس کار کی نہیں تھی۔ بلکہ وہ سردن کے بیروں پر رہتے تھے۔ اس کار کو قبول کیا تھا جس کا واقعہ سقوط بنی ساعدہ سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کار کے لائق نہ سمجھتے تھے قبول خلافت سے انکار۔ اور حضرت عمرؓ نے ہاتھ پر جمعیت کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ نے زبردستی ان کو خلیفہ بنایا (تاریخ طبری) اور پھر انہوں نے اپنی سچائی سے حقیقت پر ادھار قوت اور قابلیت تھی اس کو اپنے خطیبہ میں ظاہر ہی فرمادیا اور یہ بھی بتا دیا کہ ذاتی قوت اور قابلیت اس کار کی کس میں ہے (علیؓ) (ابوبکر تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی)

پس صریح ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر اپنی ذاتی قوت سے اُس کا رکے لیے نہیں  
اوسٹے۔ بلکہ دوسرے لوگوں نے اُس کا رکے لیے اُنکو اوٹھایا تھا چنانچہ  
اسی موقع پر مصنف مخاطب خود اس امر کو اس پیرایہ میں قبول کرتے ہیں  
کہ قوت بازو سے مراد جماعت مہاجرین اور انصار کی بیعت ہے حالانکہ  
قوت غیر بازو اور ذات حضرت ابو بکر کی تھی۔

اگر حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت نہوتی تو وہ قوت بازو اور ذات حضرت  
ابو بکر میں نہوتی۔ اور چاہیے یہ تھا کہ وہ قوت جس سے حضرت ابو بکر خلیفہ  
برحق ہو سکیں اُنکے بازو کی قوت اور اُنکی ذاتی قابلیت ہوتی۔

کچھ شبہ نہیں کہ حضرت ابو بکر اپنی قوت بازو یعنی قابلیت ذاتی سے  
خلیفہ برحق ہو سکتے تھے نہ قوت بیعت اور دوسروں کے بننے سے۔  
پس علی مرتضیٰ نے جو یہ اصول فرمایا ہے کہ بیہ فلاح پائی اُس شخص نے کہ اپنے  
بازو کی قوت سے اوٹھا، ایک معیار ہے حضرت ابو بکر کی حالت کے  
جانچنے کے لیے۔ اگر وہ اپنے بازو کی قوت سے اوسٹے ہیں تو ضرور وہ  
خلیفہ برحق ہیں اور اگر وہ غیر اپنے بازو کی قوت سے کھڑے ہوئے ہیں  
اور دوسروں نے اُنکو خلیفہ بنایا ہے تو وہ کسی طرح خلیفہ برحق نہیں ہو سکتے  
خود علی مرتضیٰ ہمارے دوسرے لوگ موجودہ اُس وقت بغیر کسی شک  
و شبہ کے جانتے تھے کہ حضرت ابو بکر اپنے بازو کی قوت یعنی ذاتی قابلیت  
کی وجہ سے نہیں اوسٹے بلکہ دوسروں کی قوت سے۔ اور اس وقت تک  
ہی لوگ دل میں اُنکو ایسا ہی جانتے اور مانتے چلے آتے ہیں تو مقصود  
منشا فقرہ کلام علی مرتضیٰ کا آشکارا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق اس فقرہ  
کے نہیں ہو سکتے کہ بیہ فلاح پائی اُس نے جو اپنے بازو کی قوت سے اوٹھا

بلکہ علی مرتضیٰ نے اپنے کلام بلیغ سے لوگوں کو جتنا یا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بازو کی قوت سے نہیں، اٹھائے ہیں بلکہ غیر ذاتی قابلیت سے اس لیے وہ فلاح پانے والے نہیں ہیں اور صنعت مخاطب نے جو کلام علی مرتضیٰ کے فقر سے مستعود بتایا ہے وہ صحیح مخالفت منشاے صحیح علی مرتضیٰ کے ہے اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ سر جھکانے اور راحت پہنچانے کی حالت کے مصداق حضرت ابو بکرؓ ہو سکتے ہیں یا کون اور یہ فخر کس کے حصہ میں آتا ہے؟ یہ فخر حضرت ابو بکرؓ کے حصہ میں اُس وقت آ سکتا تھا کہ جب وہ اُس شخص کے سامنے سر جھکا کر کہ جس میں وہ قوت ذاتی چلانے کا خلافت کی تھی یا یوں کہو کہ وہ اطاعت اُسکی کرتے ماسوا اُسکو خلیفہ مانتے جیسا کہ حضرت محمدؐ کو رسول مانا اُس وقت وہ اپنے سر جھکانے سے راحت پہنچانے والے ہوتے کہ مذہب اسلام صحیح طور پر اپنے مرکز پر چلتا۔

اُنہوں نے بیشک ارادہ کیا کہ ترک خلافت کریں اور علی مرتضیٰ کے حق خلافت کو قبول کریں لیکن اُنکو اُس غلط قوت بیعت دوسروں نے اپنے اُس ارادہ میں کامیاب نہ کرنے دیا۔

البتہ یہ فخر سر جھکانے کا جس سے مراد صبر و سکوت ہے علی مرتضیٰ کو حاصل ہوا کہ جب حضرت ابو بکرؓ خلافت سعیا رہے اپنے بازو کی قوت سے اٹھائے بلکہ غیروں نے اُنکو اپنی قوت بیعت سے اڑھایا اور علی مرتضیٰ نے بغیر صلحت حالت زمانہ کے اُن سے قتل و قتال نہ کیا اور صبر و سکوت کر کے اپنا سر جھکا جیسا کہ وقت ہجرت پیغمبرؐ نے عمل کیا تھا اور مذہب اسلام کو راحت پہنچا اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ صنعت مخاطب نے جو تعبیر فقرات علی مرتضیٰ کی کی ہے وہ بالکل بناوٹ ہے۔ اپنے بازو کی قوت



سے اوستے کی یہ مراد کسی طرح نہیں ہو سکتی کہ وہ قوت جماعت مجاہدین اور نصاریٰ کی بیعت ہو، قوت جماعت مجاہدین و انصار کی بیعت جسم و ذات حضرت ابو بکرؓ سے جہاد تھی اور بازو ہر بشر کا داخل اور شامل جسم و ذات اُس بشر کے ہوتا ہے۔

جو شخص ذاتی قابلیت کسی کار کی رکھتا ہو گا اور وہ اُس کار کے کرنے کے لیے اُسے اُسکو کہیں گے کہ وہ اپنے بازو کی قوت سے اٹھا۔ مصنف <sup>طیب</sup> نے خیر کے بازو کی قوت کو اپنے بازو کی قوت سے تعبیر کی ہے جو سراسر غلط ہے بیشک دوسرے قول میں بھی جناب امیرؓ نے یہ فرمایا ہے کہ خلافت کا مستحق وہ ہے جو اقویٰ اور اعلم ہو جس کا ذکر مصنف مخاطب آئندہ کریں گے لیکن اقویٰ اور اعلم ہونے کی صفت سے جو استحقاق خلافت کے لیے ہے صریح ہی مراد ہے کہ وہ صفت ذات میں اُس مستحق کے ہونے اُس کے غیر میں۔ اور وہ مستحق غیروں کی قوت اور علم پر بہرہ ور نہ کر کے اپنے آپ کو اقویٰ اور اعلم جاننے لگے۔

مصنف مخاطب اُس دوسرے قول علی مرتضیٰؑ پر آئندہ جس جگہ بحث کریں گے اُسی موقع پر ہم بھی حقیقت اُسکی دکھائیں گے۔ اس جگہ مصنف جس کلام علی مرتضیٰؑ پر بحث کر رہے ہیں اُس کے فقرہ آئندہ کو یوں ترجمہ کرتے ہیں: پانی کڑوا ہے اور رقمہ ایسا کہ خلق بند ہوتا ہے اُس سے کہانے والے کا۔

مصنف مخاطب اس فقرہ کے یہ معنی بیان کرتے ہیں یعنی خلافت میں راحت نہیں ہے بلکہ سخت مصیبت ہے اور اُس کے فرائض کا ادا کرنا بہت مشکل ہے اور بہت بڑی جاہد ہی کا کام ہے۔

لیکن مصنف مخاطب کو اُس فقرہ کلام علی مرتضیٰ کا یوں ترجمہ کرنا مناسب تھا جو یہ پانی بد مزہ ہی اور ایسا لقمہ ہی کہ کھانے والے کے گلے میں اُسوجہ سے اچھو ہوتا ہے۔

جب ذائقہ زبان کا درست نہیں ہوتا تو پانی بد مزہ معلوم ہوتا ہے اور جب حلق میں قابلیت لقمہ نگلنے کی نہیں ہوتی اور کوئی امر عارض ہوتا ہے تو اچھو لگ جاتا ہے۔ اس فقرہ میں تشبیہ دی گئی ہے خلافت کے چلانے والے سے۔ یعنی جس کے اپنے بازو میں قوت نہوار اپنی ذاتی قابلیت نہ رکھتا ہو۔ اور اس کا کام د زبان اُس کا مذاق نہ رکھتا ہو اور وہ اُس کے قابل نہو اُس کو وہ کار خلافت مثل آب خوشگوار کے گوارا نہیں ہو سکتا نہ اُس کے حلق سے لقمہ خلافت فرو ہو سکتا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ کار خلافت ٹھیک نہیں چل سکتا۔ اب میں اُسی مراد کو لیتا ہوں جو مصنف مخاطب نے اختیار کی ہے۔ یعنی خلافت میں راحت نہیں ہے بلکہ سخت مصیبت ہے اور اُس کے فرائض کا ادا کرنا بہت مشکل ہے اور بہت بڑی جوابدہی کا کام ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ میں ذاتی قابلیت اور لیاقت کا خلافت میں تھی ان کے لیے یہ کار ایک مصیبت تھی اور اُس کے فرائض کا ادا کرنا انکو بہت مشکل تھا کہ وہ بڑی جوابدہی کا کام تھا۔ جس کسی میں ذاتی لیاقت کسی کار کی نہوگی اور وہ کام اُس کے سپرد کیا جاوے یا اُس کام کو وہ قبول کرے تو ہرگز وہ اُس کام کو ٹھیک ہو نہیں سکتا جو کام ایسے لوگوں کے سپرد ہوتے ہیں یا وہ خود ایسے کام کو اختیار کرتے ہیں ہمیشہ وہ کام خراب ہوتے ہیں اور پیغمبرؐ نے اپنی زندگی میں

ہر ایک کا تجربہ کر لیا تھا اور بتایا تھا کہ کون کس کام کے لائق ہے اور کون کس کا علم اور عملی محمد بن عبد اللہ اور اس کی مہارت پسندیدہ تھی اسی لیے اپنی مرضی میں اس کا زمانہ وقت کے سلیقہ منتخب کر لیا تھا اور اپنے ارشاد میں یہ اس کو بتا دیا تھا۔ اور ان تمام امور کی بنیاد آیات قرآنی میں موجود ہیں۔ اور اس بنا پر ولی مرتضیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ فلاح پائی اس نے جو اپنے باندہ کی قوت سے اٹھتا اور جس کی قابلیت اور اس کا مذاق درست ہوگا اسکو اس کا خلافت کا پانی بدرجہ معلوم ہوگا اور رقمہ خلافت کا اس کے گلے میں پسند ہو جاوے گا یعنی اس سے وہ کام چل نہ سکیگا۔

کچھ شبہ نہیں ہے کہ اس فقرہ تشبیہی کے مصداق حضرت ابو بکرؓ مصنف خطاب پر فقرہ آئندہ اسی کلام علی مرتضیٰ کا یہ ترجمہ کرتے ہیں۔ اور پہلے چنے والا ایسے وقت میں جو ان کی بختگی کا وقت نہیں ہو ایسا ہی جیسے کیتی بونے والا ایسی زمین میں (بونے) جو اسکی زمین میں فقرہ سے یہ مستنبط کرتے ہیں کہ یہ اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ جواب امیر علیہ السلام کو اپنی خلافت حاصل ہونے کا وقت معلوم تھا۔ لیکن اس فقرہ کلام علی مرتضیٰ سے ہرگز یہ مستنبط نہیں ہوتا ہے کہ علی مرتضیٰ کو اپنی خلافت حاصل ہونے کا وقت معلوم تھا اس فقرہ کا مستنبط یہ ہے کہ بختگی سے پہلے پہل توڑنے والے کی حالت ایسی ہوگی کہ جیسے غیر کی زمین میں کوئی زراعت کرے۔ یعنی قبل از وقت پہل کا توڑنا اور دوسرے کی زمین میں زراعت کرنا راہ گمان ہی پہل کا توڑنا قبل رسیدگی کے خود اس پہل کو ہی خراب اور ضائع کرنا ہی اور زمین

انہوں سے کہہ لی کہ تمہارے حاصل نہیں ہو سکتا اور ایسے ہی کسی قدر شہر کی زمین میں کھیت  
بیٹھا دے ہو۔ جس سے کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا اور قبل از وقت پھیل  
کا توڑ دیا کسی دوسرے کی زمین میں نہ راعیت کرنا کسی دانا کا کام نہیں ہے  
اور ایسے کام کرنے والے کو ہر کوئی ناراض کرے گا۔

یہ فقرہ بھی تشبیہی ہے حالانکہ خلافت مسلمانان اور حضرت ابو بکر کی خلافت  
قبولی کر سنبے پر خود مذہب اسلام اور مسلمانان نازہ تھے اور خلافت جو قائم  
ہوئی تھی وہ نارسیدہ تھی اور وہ پختہ نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ بارہ لائق  
اور اعلم لوگوں کے ہاتھ میں نہ آئے بعد دیگر سے نہ رہتی جیسا کہ پھر گئے  
فرمایا ہے کہ جب تک بارہ خلیفہ قریش سے نہ ملین جس سے مراد ائمہ اربعین  
ہیں زمین اسلام عزیز (مطالب) نہوگا۔

ایسی خلافت نارسیدہ اور غیر پختہ کا قبول کرنے والا عالم اور دانا ہونا  
بہت ہی کم ہے۔ حضرت ابو بکر کے قبول کرنے والے ایسے تھے کہ جیسے قبل از  
وقت پھیلنے والے پہل توڑنے والے اور جیسا کہ خلافت جگہ علی رضی  
کرائی زمین غیر میں نہ راعیت کی ہے۔ یہ مثال علی مرتضیٰ نے نہایت  
صاف فرمائی ہے جس سے علامہ غلامی ہر جہاں رہا ہے کہ حضرت ابو بکر کو نہ حق پہل  
توڑنے خلافت کا تھا کہ وہ پہل ہوا نارسیدہ اور غیر پختہ تھا اور قابل ان کے  
توجہ کے نہیں تھا کہ جس کو کوئی دانا توڑ نہیں سکتا تھا اور نہ وہ خلافت  
ان کی زمین تھی جس میں وہ نہ راعیت کرنے لگے تھے ایسی حالت میں حضرت  
ابو بکر کی خلافت قبول کرنے کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔

اس فقرہ کلام علی مرتضیٰ سے یہ استنباط مصنف مخاطب کا کہ  
جناب امیر کو اپنی خلافت حاصل ہونے کا وقت معلوم تھا صیح بتا رہے ہیں۔

مگر مصنف مخاطب اپنے اس مخاطب کی تائید کے لیے یہ کہتے ہیں کہ یہ روایات کتب شیعہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بی بی حفصہ ام المومنین کو راضی کرنے کے لیے یہ بشارت سنائی تھی کہ میرے بعد ابو بکر خلیفہ ہوں گے اُن کے بعد تیرا باپ عمرؓ

اور تفسیر صافی سے عبارت نقل کر کے یہ ترجمہ کرتے ہیں: پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ بیشک ابو بکرؓ خلیفہ ہو گا میرے بعد پھر اُس کے تیرا باپ حفصہؓ نے پوچھا کہ یہ خبر تم کو کس نے دی ہے۔ رسول نے فرمایا کہ مجھے علیم خبر نے خبر دی ہے۔

مصنف مخاطب یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ تفسیر صافی میں یہ حال تفسیر مجمع البیان اور تفسیر عیاشی امام باقر علیہ السلام سے بھی مضمون نقل کیا ہے اور اُس پر یہ استدلال کرتے ہیں کہ جس خلافت کی بشارت پیغمبر نے اپنی بی بی کو راضی کرنے کے لیے سنائی وہ خلافت کیونکر ناجائز ہوگی پیغمبرؐ کی یہ شان نہ تھی کہ اپنی بی بی کو ایسی خبر سے خوش کرتے جو مرضی الہی کے خلاف ہوتی۔ چونکہ یہ امر تقدیری معلوم ہو چکا تھا اور یہ خبر مشہور ہو گئی تھی اب اگر صحابہ کو یہ حکم ہوا تھا کہ بعد رسول کے علیؓ کو خلیفہ بنائیں تو اُس کے معنی یہ ہوتے کہ تقدیر الہی کو پلٹ دیجیو گویا یوں حکم کیا۔

خدا چاہتا ہے کہ دے بعد میرے خلافت ابو بکرؓ کو پھر عمرؓ کو مگر تم علیؓ کو بلا فصل تمہیں بدل دیجو حکم قضا و قدر کو مصنف مخاطب حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ ابو علی بن ابراہیم قمیؒ کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بی بی حفصہ ام المومنینؓ کے

حجرہ میں گئے وہ انہیں کی نوبت کا دل تھا ماریہ ثبیطیہ ہی خدمت کے لیے ساتھ تھیں حصہ کسی کام کے لیے گئی تھیں اس وقت میں رسول نے ماریہ سے خلوت کی حصہ کو اسکی شکایت ہوئی تو رسول اس نے فرمایا کہ ای حصہ تم خفاست ہو میں نے آئندہ ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور میں تم سے ایک راز مخفی کتا ہوں اگر اس کا افشا کرو گی تو اسد بہت ناراض ہوگا حصہ نے پوچھا وہ کیا راز ہے تو رسول اس نے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر والی خلافت ہوگا اسکے بعد عمر۔ حصہ نے پوچھا تم کو کس نے خبر دی ہے تو رسول ائمہ نے فرمایا کہ محکو علیم خیر نے خبر دی ہے۔

پس اگر ابوبکر پہلے خلافت کو قبول نہ کرتے تو پیغمبر کی خبر تکی تکذیب ہوتی حالانکہ مومنین پر پیغمبر کی تصدیق واجب ہے۔

مصنف مخاطب نے مسئلہ فرمائی اکی خوشنودی خدا اور مسئلہ قضا و قدر اور تقدیر اور مسئلہ جبر و اختیار پر یا تو غور نہیں کیا جس کو ہم اپنے رسالجات روشنی میں بقدر ضرورت بیان کر چکے ہیں یہاں بعد بعض بے محل مغالطہ دینے کے لیے اس موقع پر اسکی شان ظاہر کی ہے اور اس امر کو بھی غلط ملط برپا ہے کہ پیغمبر کو کسی امر حق کو ظاہر کرتا ہے اسکی کیا شان ہوتی ہے اور بنظر حالت موجودہ کے لوگوں کے خیالات اور طبائع سے آگاہ ہو کر جو کوئی پیشین گوئی کرتا ہے اور کسی واقعہ آئندہ کی خبر دیتا ہے اسکی کیا صورت ہوتی ہے۔ ؟

پیغمبر کا امر حق بیان کرنا ہدایت ہوتی ہے خواہ وہ اصول دین سے متعلق ہو خواہ فرد عین سے اور وہ ان اوامر و نواہی کو جو خدا کی طرف سے اس پر ہونے پہنچ کر کے اسکی تعمیل کا حکم دیتا ہے اور یہ امر لوگوں کے

فطرۃ اختیارین رہتا ہے کہ اُن اور انہوں ہی پر عمل کرین یا نہ کرین۔  
 قرآن میں خدا نے وہ اوصاف بتائے کہ جن اوصاف کی وجہ سے  
 قابلیت اور حق خلافت پیدا ہوئی ہے اور پیغمبر نے اُن اوصاف کا مصداق  
 علی مرتضیٰ کو ظاہر کر کے بت دیا کہ علی مرتضیٰ کی قابلیت اور حق خلافت کے  
 واسطے ہی ہم اپنے سالہ جات ررشنی میں جابجا دیکھا چکے ہیں کہ۔ قرآن اور  
 اہدیش پیغمبر سے بخوبی واضح ہے کہ مسئلہ خلافت کے متعلق حقیقت اور ضروری  
 سے خدا اور پیغمبر نے اُس کی ہدایت است کو کر دی۔ اور خدا کی اور پیغمبر کی  
 جو کچھ مرضی اور خوشنودی تھی اُس کو اور جس کسی میں خلافت کی قابلیت تھی  
 اُس کو بتا اور بتا دیا۔ لیکن یہ امر کہ بعد پیغمبر کے است رسول جو کچھ خدا اور  
 رسول نے امر خلافت اور اوصاف خلافت کے متعلق ہدایت کی تھی اُس کو  
 مانین یا نہ مانین اور علی مرتضیٰ کو خلیفہ قبول کرین یا نہ کرین۔ است کے اختیار  
 میں تھا خواہ موافق مرضی اور خوشنودی خدا اور رسول کے جس کی ہدایت ہوگی  
 تھی وہ عمل کرین یا اُس سے انحراف اور تجاوز کرین۔ کہ انسان افعال خیر و  
 شر کرنے کا فطرۃ مختار ہے۔ بر خلاف ہدایت شان امر حق کے پیشین گوئی  
 کی دوسری صورت ہے۔ کہ پیغمبر بنظر حالت موجودہ زمانہ کے اپنی است کی عادت  
 اور خصلت اور اُن کی خواہشات پر غور کر کے آگاہ کرتا ہے کہ بعد میرے کیا  
 حالت میری است کی ہوگی۔ اور خبر دیتا ہے کہ بعد اُس نبی کے کس قسم کے  
 واقعات پیش آئینگے۔ خواہ وہ حالت کسی کے لیے اچھی ہو اور کسی کے لیے بری  
 اور وہ واقعات سرسخت خیر ہوں یا درد انگیز۔ اور خدا اور رسول کی مرضی اور  
 خوشنودی کے موافق ہوں یا مخالفت۔ اور امتیاز اُس حالت اور اُن واقعات  
 کا کہ وہ خیر ہی یا شر اسی امر پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ حالت اور واقعات

آئندہ موافق مرضی اور خوشنودی خدا اور رسول کے ہیں یا نہیں۔ اگر اپنی حالت امت ایسی بنانے والی ہو اور قوم اپنی نفسوں سے اپنے آپ کو تنقیہ کرنے والی ہو کہ خدا کسی قوم کو پیغمبر نہیں کرتا ہی بلکہ اُس قوم کے نفس جیسا کہ خود خدا نے فرمایا ہے) یا ایسے واقعات پیش کرنے والی ہو کہ جو مخالفت مرضی اور خوشنودی خدا اور رسول کے ہوں ایسی حالت اور واقعات مذموم ہوتے ہیں اور جو حالات اور واقعات موافق مرضی اور خوشنودی خدا اور رسول کے ہوں وہ محمود ہوتے ہیں۔

ہم کو اس موقع پر ان بعض پیشین گوئیوں اور اختیار آئندہ کے نظریات دلانے کی ضرورت ہے جو حالات اور واقعات مذموم سے متعلق ہیں۔

پیغمبر نے فرمایا ہے کہ بعد میرے میرے اصحاب احداث دین میں کریں گے اور فتنے برپا ہوں گے، ایسی احادیث پیغمبرؐ اپنے رسالہ جات روشنی میں پہلے بعض موقعوں پر خود کتب اہل سنت سے لکھ چکے ہیں اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ پیشین گوئی ان اور اخبار آئندہ۔ حالت اور واقعات مذموم سے تعلق رکھتے ہیں اور جو لوگ ایسی حالت اور واقعات پیش لاویں وہ کسی طرح محمود نہیں ہو سکتے۔

ایسی پیشین گوئی ان اور اخبار آئندہ اسی واسطے پیغمبرؐ نے فرمائی ہیں کہ لوگ احداث اور فتنے برپا کرنے سے باز رہیں۔ اور ایسے ارشادات پیغمبرؐ صرف بغرض نبی اور اجتنباب کے اُس مذموم حالت اور واقعات سے صلہ ہوتے ہیں۔ یہ غرض نہیں ہے کہ لوگ بعد پیغمبرؐ کے ان احداث کو عمل میں لاویں اور ان فتنوں کو برپا کریں اور وہ عمل اُنکا صحیح ہو گا اور ان احداث اور فتنوں کا برپا کرنا واجب یا جائز سمجھا جاویگا۔



جس روایت کتب شیعہ پر مصنف مخاطب نے استدلال کیا ہے وہ روایت خبر واقعہ آئندہ کی ہے جس میں پیغمبر نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ واقعہ امر حق ہو گا۔ اور نہ حضرت ابو بکر اور عمر میں اوصاف قابلیت خلافت کے کبھی پہلے پیغمبر نے فرمائے تھے اس واقعہ کے خبر دینے کے وقت پس غزوہ یہ خبر آئندہ واقعہ مذکور کی ہے۔ اور جب اوصاف قابلیت خلافت کے پیغمبر بارہا علی مرتضیٰ میں بتا اور جانتے تھے اور خدا کی اور اپنی مرضی اور خوشنودی بہت موقعوں پر علی مرتضیٰ کے لیے ظاہر کر چکے تھے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ خلاف اسکے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو خلافت کا مل جانا قابل مدح ہو بلکہ برا جینے؟ اس کا اظہار بحیثیت ذمہ کی ہے۔ اور یہ ارشاد پیغمبر و حضرت تفصیل اور شرح بتی اسی اظہار آئندہ پیغمبر کی جس میں اُنہوں نے فرمایا ہے کہ بعد میرے میرے اصحاب احداث کر نیگے اور بعد میرے فتنے برپا ہوں گے، جس میں اجمال تھا کہ کون احداث کرے گا اور کس امر میں احداث کرے گا۔ اور کون فتنے برپا کرے گا اور کس امر کے لیے فتنے برپا ہوں گے اُن اخبارات بحال میں نہ کسی صحابی کا نام تھا نہ اُس چیز کا نشان تھا جس میں کہ وہ صحابہ احداث اور فتنے برپا کرنے والے تھے اور جس چیز میں کہ فتنے اور احداث ہونے والے تھے۔

اس تفصیلی خبر احداث اور فتنے برپا کرنے میں چونکہ نام احداث اور فتنے برپا کرنے والوں کے تھے اور اُس خبر کا نشان بھی تھا کہ میں احداث اور فتنے ہونے والے تھے اسی واسطے پیغمبر نے بی بی خدیجہ کو منہ کیا تھا کہ وہ اس خبر کو جو حضرت ابو بکر اور عمر کے لیے مذکور تھی کسی دوسرے پر ظاہر کر کے فاش نہ کریں کہ حضرت ابو بکر اور عمر کو ام خلافت میں وہ لوگ نہ تھے مذکور خبر پہنچنا خلاف مصلحت اور اخلاق پیغمبر کے تھا۔ لیکن بی بی خدیجہ

صاحبہ کو اس قدر تاب کھان تھی کہ وہ اس خبر کو جس میں بی بی عائشہ صاحبہ اُن کی بہنٹی مقدم تھیں کہ اُن کے پدر بزرگوار اول خلیفہ ہو جانے والے تھے بی بی عائشہ صاحبہ سے چہ پائین۔ ان دونوں کی اور اُن کے پدران بزرگواروں کی خواہش اور آرزو یہی تھی کہ خلافت کسی طرح سے اُن کے ہاتھ لگ جاوے گو اُس میں اُن کا اہل کیسا ہی ہو کہ اُن دونوں بیبیوں کی خوشی اسی میں تھی اور اُن دونوں کے یہ پدران بزرگوار ایسی خبر پر خوش ہونے والے تھے۔ جن کو کچھ پروا خبر مذموم کی نہیں تھی۔ اور اسی خوشی نے پیغمبر کے بھی افشاء خبر پر کچھ اعتنا منونے دیا اور حبیب بی بی حفصہ صاحبہ سے بی بی عائشہ صاحبہ کو اس خبر سے آگاہ کر دیا۔ وہ گئی تھی تو چاہیے یہ تھا کہ اپنے ابوین کو خلافت کے لینے سے منع کر تین اور اُن کے بزرگ ابوین کو جب اُس خبر کا علم ہو گیا تھا۔ تو اُن پر بھی لازم تھا کہ وہ خود خلافت کے لینے سے انکار کرتے اور واقعہ مذموم کو اپنے عمل سے صادر منونے دیتے کہ یہ امر بالکل اُن کے اختیار میں تھا۔ خدا اور رسول کو امر خلافت کے متعلق امر و نہی سے جو حکم و ہدایت ضروری تھا اُس کا اظہار کر دیا گیا۔ فطرتی اختیار جو خدا نے انسان کو عمل خیر اور شر کا دیا ہے اُس پر صدور فعل کے تحت توجہ کرنے کا انسان مختار ہے لیکن حکیم صانع کی حکمت مقتضی اس کی نہیں ہوتی کہ خلافت فطرت انسان کو کسی عمل خیر یا شر سے روکے۔ کہ ایسی توجہ طرف امر محال کے ہوتی ہے اور فعل محال کی طرف توجہ عیب ہی جس کو کوئی حکیم دانا پسند نہیں کر سکتا ہے۔

پیغمبر نے اس روایت میں جو خبر دی ہے جس کا ترجمہ بصفیٰ مخاطب کیا ہے۔  
 ۱۔ ان ابابکر علیہ السلام الخلفاء بعدی (مرفوعاً رسول نے کہ بے شک ابوبکر  
 ۲۔ بعدہ ابوبکر " والی خلافت ہوگا میرے بعد

اپر اُس کے بعد تیرا باپ (عمرؓ) والی خلافت کی جگہ ترجہ ہونا چاہیے تھا۔ کہ مل جاوے گی خلافت ابو بکر کو۔ اور والی خلافت کے ہی یہ معنی ہیں کہ بادشاہ ہو جانا یا مستطرف ہو جانا بادشاہت پر۔ پیغمبرؐ نے اپنے اس ارشاد میں کوئی کلمہ ایسا نہیں فرمایا کہ بی بی عائشہ کے باپ یا بی بی حفصہ کے باپ اوصاف خلافت یا اوس کا استحقاق رکھتے ہیں بلکہ پیغمبرؐ نے جو کلمہ اپنے اس ارشاد میں فرمایا ہے وہ اس واقعہ کے سوال کا جواب ہو سکتا ہے کہ پیغمبرؐ آپ کے بعد کون بادشاہ سلطنت سلیمانوں کا ہو گا؟ اُس کا یہ جواب ہے کہ بے شک ابو بکرؓ والی خلافت ہو گا میرے بعد اور بعد اُس کے عمرؓ جس سے ظاہر ہے کہ تعلق اُس کا ایک واقعہ کے اظہار سے ہے اور وہ ارشاد پیغمبرؐ جبر ایک واقعہ آئندہ کی ہے۔

پیغمبرؐ کا یہ کلمہ ارشاد ہے کہ بعد میرے بے شک ابو بکرؓ والی خلافت ہو گا اور بعد اُس کے عمرؓ جو اب اس سوال کا نہیں ہو سکتا کہ اے پیغمبرؐ استحقاق خلافت کے لیے کیا اوصاف ہیں اور بعد آپ کے کون سخی و لا خلافت کا ہے جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ پیغمبرؐ کا وہ ارشاد متعلق استحقاق ولایت بادشاہت کے نہیں ہے۔ بلکہ وہ خبر ایک واقعہ مذموم کی ہے جس سے لوگوں کو یہ سیر کرنا لازم تھا۔

جیسا کلمہ خبر ظہور ایک واقعہ کا اس روایت میں ہے ویسا ہی کلمہ اوس روایت میں ہے جس کو صاحب تفسیر صافی نے تفسیر مجمع البیان سے نقل کیا ہے اور جس کا ذکر مصنف مخاطب کرتے ہیں۔ وہ فقرہ یہ ہے کہ جب پیغمبرؐ نے حرام کر لیا ماریہ قطبیہ کو اپنے اوپر اُس وقت جبروی پیغمبرؐ نے حفصہ کو عائدہ نکالت من بعد کا ابو بکرؓ و عمرؓ بے شک بات یہ ہے کہ مالک ہو جاوے گی

بعد اُس پیغمبر کے ابو بکر و عمرؓ بے شبہ یہ خبر ایک ایسے واقعہ کی تھی جو خوش کرنے والی بی بی حفصہ کو اور مغوم کرنے والی پیغمبر کو تھی لیکن وہ واقعہ مذموم یوں ہی پیش آنے والا تھا اُس لیے پیغمبرؐ خود رستے کہ جو کچھ واقعہ پیش آنے والا ہو اُس کی خبر دین گو وہ پیغمبر کو مغوم اور غیبِ اہلبیت پیغمبر کو سرور کرنے والا ہو۔

یہ واقعہ مذموم پیغمبر کو مغوم اور غیر اہلبیت پیغمبر کو سرور کرنے والا اس وجہ سے تھا کہ وہ مخرج واقعات احداث دین اور فتنے برپا کرنے کی ہی کیا ان احداث صحابہ سے جو دین اسلام میں پیدا اور مسلمانوں میں فتنے بغیر پیغمبرؐ برپا ہوں پیغمبر مغوم نہیں ہو سکتے تھے۔ نہیں وہی لوگ اُن احداث اور فتنے سے سرور اور اُس سے فوائد متعین اور دولت کا حاصل کر سکتے تھے جو خلاف پیغمبرؐ راہ چلنے والے ہوں۔ ایسے احداث اور فتنے برپا ہونے کی تفصیل امر خلافت اور خلفاء را بعد نبی کے لیے کتب اہلسنت میں موجود ہے۔ بہین حالت اور واقعات مذموم کی خبر پیغمبرؐ نے دی ہی اور مجملات سابق میں ہم بہت کچھ روایات لکھ چکے ہیں۔

تفسیر کبیر میں تحت سورۃ قدر کی اس آیت کے

وَلِيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ { ۱۰۰ } لِيْلَةِ الْقَدْرِ بَہتر ہے ہزار مہینہ سے  
الف مشہور { ۱۰۰ } قاسم سے سلسلہ رواۃ یہ روایت ہی

راوی کہتا ہے کہ ۱۰۰ مین نے حسن بن علی سے کہا کہ اے سیاہ کرنے والے  
منہج مسلمانوں کے تو نے قصد کیا اس کی طرف اور بیت کی تو نے تقدیم  
کر کے اسکی بیٹے ساویہ کی۔ پس فرمایا اُن علیہ السلام نے۔ بے شک  
رسول اللہ نے دیکھا آپ نے خواب میں نبی اسیمہ کو کہ اُچھلتے ہیں ایک بعد

ایک کے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ۔ کو دسے ہیں اوپر ستر اُس پنہیگر کے  
 بدنامہ ردون کا۔ اور ناگوار گذرا وہ اوپر اُس (پنہیگر) کے پس نازل  
 کیا اسد سے انا ان زمانہ فی سئلہ القدر اس قول تک۔ خیر من الف  
 شہر۔ یعنی مالک ہوئے بنی امیہ داسے جس ہزار مینہ کے بنی امیہ مالک  
 ہوئے اُس سے بہتر ہی ایک رات قدر کی جو ہم نے نازل کی ہی علی اور ائمہ  
 اہلبیت کے لیے) قاسم آتا ہے پس حساب کیا ہم نے مالک ہونے بنی امیہ  
 کا تو وہ ہزار مینہ ہیں ۷

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت عثمان بنی امیہ کے مسن سردار اور اول  
 خلیفہ ہیں جب اہل سنت نے دیکھا کہ بنی امیہ کی مثال ایسے جا نوروں سے  
 دی گئی ہے جو بعض حرکات انسانوں کی سی کرتے ہیں اور درحقیقت انسان  
 نہیں ہیں اور اُن کی مملکت پنہیگر پر شاق گذری ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں  
 اُس امر سے جو پنہیگر کو ناپسندیدہ ہوا ہے اور اُن کو اپنا خلیفہ اور امیر بنایا  
 ہے تب اُن کی مدح کی حد تین وضع کرنی شروع کر دیں۔ چنانچہ اس حدیث  
 سے باطل اور وضعی ہونا اس روایت کا ظاہر ہو جاتا ہے جو اہل سنت کے  
 بیان منقول ہوئی ہے بنر زمانہ یا لوگ یا امت میری وہ ہے جو میرے  
 زمانہ سے نزدیک ہوں۔ پھر وہ لوگ ہیں جو اُن سے متصل ہوں پھر وہ لوگ  
 ہیں جو اُن سے متصل ہوں۔ یعنی پھر وہ لوگ ہیں جو دالی ہونگے بعد پھر وہ لوگ ہیں  
 جو دالی ہوں گے بعد واضح رہے کہ اصل لفظ عربی یلونم ہے جس کے معنی ہونے والی  
 کے بتائے اُسی اعتبار سے کہ جس اعتبار سے مصنف مخاطب نے وہ  
 ان لیے ۷ کا ترجمہ روایت کتب شیعہ سے اسی بحث میں کیا ہے کہ ابو بکر دالی  
 خلافت ہوگا ۷ اور جسکی مراد یہ ہے کہ مل جاوے گی خلافت ابو بکر کو ۷

جنوری ۱۹۹۹ء

۲۴

جلد ۶ نمبر ۱

ضمنی نہ رہے کہ اصل مصدق علی اور یلو کسو کا ولی اور ولایت ہی۔ اس حدیث کے اعتبار سے خلفائے اربعہ اور بنی امیہ اور بنی عباس خلیفہ برحق قرار پاتے ہیں۔ اور درحقیقت اہلسنت اسی حدیث و ضمنی کے اعتبار سے فضل ہر ایک صحابی اور تابعین صحابی اور تبع تابعین کے قائل ہوئے ہیں۔ (اہل سنت کی اصطلاح میں تابعین اُن کو کہتے ہیں جنہوں نے کسی صحابی پیغمبر کو دیکھا ہو اور جس نے اُس صحابی کے دیکھنے والے کو دیکھا ہو اُن کو تبع تابعین کہتے ہیں۔)

جاس الاصول میں جہاں تذکرہ عبد الملک بن مروان کا جو مخالف بنی امیہ سے تھا لکھا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ وہ قرشی اموی تابعین میں سے مدینہ کے اور اُس کے فقہار سے تھا اُس نے شام میں سکونت اختیار کی اور دیکھا تھا اُس نے عثمان بن عفان کو بچا اسکے عجیب یہ مضمون چسپان ہی یہ تحقیق سنائیں نے بارہا بے شک بنی امیہ مذمت کیے گئے ہیں بضرورت اسلام اور اعتراف خاص و عام کے اور تحقیق کثرت سے آیات اور اخبار صریحہ اُن کے بارہ میں وارد ہوئے ہیں اور سب حرکات اور نشان قبیحہ اُن سے صادر ہوئے ہیں ایک آیت یہ ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّوِيَاءَ لَكُنَّ  
أَرْبَابًا لَّكَ الْفِتْنَةُ لِلنَّاسِ  
وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُونَةُ  
فِي الْقُرْآنِ ۝  
اور بنیں گردانا ہم نے خواب کو ایسے کہ دکھائے ہم نے تجھ کو مگر فتنہ دوزخ میں  
ہی لوگوں کے واسطے اور درخت ملعونہ  
قرآن میں اُسے وہ خواب پیغمبر پر  
ذکر حضرت امام حسن علیہ السلام سے اوپر نقل ہوا ہے اور درخت ملعونہ جو قرآن میں ہی فتنہ ہی لوگوں کے لیے لگا

اور احادیث سے ایک وہ حدیث ہے جو کثافت میں ہی بوشیک  
دیکھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے خواب میں کہ تحقیق اولاد  
حکم کی دست بدست گھماتے ہیں منبر اُس (پیغمبر) کو جیسے کہ دست بدست  
گھماتے ہیں لونڈے گیند کو۔ اور شارحین نے کہا ہے کہ اولاد حکم سے مراد  
خاندانی بچوں حکم سے ہی اور وہ جدا علی حضرت معاویہ اور زید کا تھا اور  
جو کچھ انہوں نے کسے اور حنین سے کیا وہ تفسیر اس خواب کی ہے۔

اور صاحب تفسیر نیشاپوری نے جو روایت عطا میں ہی یہ نقل کیا ہے  
کہ تہ بشیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے دیکھا خواب  
میں بنی اسیرہ کو کہ کو دتے ہیں اور منبر اُس (پیغمبر) کے کو دنا بندرون کا  
پس برا معلوم ہوا یہ اُس پیغمبر کو ہے۔

اور بیان شجرہ ملعونہ میں ابن عباس سے یہ روایت لی ہے کہ شجرہ  
ملعونہ بنی اسیرہ ہیں۔ اور اس روایت کو تفسیر کبیر میں کچھ زیادتی ملے ساتھ  
فخر رازی نے بھی نقل کیا ہے۔

ابن ماجہ نے یہ روایت لی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ درمیان اس کے  
کہ ہم پیغمبر کے پاس بیٹھے تھے ناگاہ ایک جوان بنی ہاشم سے سامنے آیا پس  
جس وقت انہوں نے دیکھا اُس کو ڈبڈبا آئیں دونوں آنکھیں اُس پیغمبر  
کی اور متغیر ہو گیا رنگ اُس پیغمبر کا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا کہ میں نے  
کبھی آپ کے چہرہ کو ایسا نہیں دیکھا کہ ہلکونا خوشی ہو پس فرمایا اُس پیغمبر  
نے کہ ہم اہلبیت ہیں کہ اختیار کیا اللہ نے واسطے ہمارے آخرت کو  
اور دنیا کے اور بیشک اہلبیت میرے قریب ہی کہ دیکھیں گے بعد میرے  
بلاے شدید کو اور حالت ٹپک دیے جانے کو یہاں تک کہ آدے

لے ناہجان بنی ہاشم عداوت کیا گیا ہو مگر یقیناً وہ مرد اہلبیت پیغمبر سے ہوا جیسا کہ آئندہ ملاحظہ فرمائیے  
ظاہر ہوگا۔

ایک قوم مشرق کی طرف سے جن کے ساتھ سیاہ جھنڈے ہونگے اور مانگین کے وہ خیر (بھلائی) کو پس وہ ان کو نہ دی جائے گی پس وہ کشتی خون کریں گے اور نصرت پائیں گے پس دیا جائے گا ان کو جو کچھ کہ وہ مانگتے تھے پس نہیں قبول کریں گے وہ اُس کو بیان تک کہ وہ حوالہ کر دین اُس غلات فی الارض کو طرف ایک مرد کے سر سے اہلبیت سے پس بہر دے گا وہ اُس کو عدل سے جیسے کہ بہر دیا ہوگا انہوں نے اُس کو جو رہے گا۔

اور حاکم نے صحیح یہ حدیث لی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اہل بیت میرے کو قریب ہو کہ وہ دیکھیں بعد میرے امت کے ہاتھ سے قتل اور پرانگندہ ہونا اور بے شک شدید تر ہماری قوم سے ہمارے واسطے بغض ہوئی اسبہ اور بنی مغیرہ اور بنی مخزوم کا۔

بیضاوی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ خواب میں دیکھا رسول اللہ نے ایک گروہ کو بنی اسبہ سے چڑھتے ہیں سنبر پر اُس (پیغمبر) کے اور کو دستے ہیں وہ اُس پر کو نہا بند روں کا۔ اور فرمایا کہ وہ حصہ ان کا ہے دنیا سے دیا گیا ان کو بدلے ان کے اسلام کے۔ اور اس بنا پر مراد قول خدا کی کہ جو مکرمت نہ ہو واسطے لوگوں کے اس سے ہے کہ جو کچھ احداث کیا انہوں نے اپنے زمانہ میں اور نہ الشجرۃ الملعونۃ فی القرآن۔ عطف ہے اوپر رو یا (خواب) کے۔

ان اخبارات آئندہ اور پیشین گوئیوں پیغمبر سے جو صحت کے ساتھ اہل سنت کے بیان منقول ہوئے ہیں صاف ظاہر ہے کہ پیغمبر نے اپنی امت کو آگاہ کیا تھا کہ بنی اسبہ پیغمبر کے سنبر پر اوچل کو د لگا دین گے اور وہ مالک اُس خلافت کے ہو جائیں گے جس کو پیغمبر بعد اپنے چوڑنے والا تھا۔ اور وہ اخبار اور پیشین گوئیوں پیغمبر کی ان روئے آیات قرآن کے



متین۔ اور جیسے کہ پیغمبر نے اس واقعہ آئندہ کی خبر دی تھی ویسے ہی وقوع میں آیا۔

پس بنی امیہ کے لیے بشارت اور خوشخبری اُس خلافت کی (جو سلطنت چوڑی ہوئی) پیغمبر کی تھی ہوا فق مذاق مصنف مخاطب کے مصداق ہو سکتی ہے کہ جس میں بنی امیہ اور خلافت کے لیے لینے میں اور مختصر من ہونے میں حضرت عثمان داخل ہیں بلکہ اُن کی وجہ سے بنی امیہ میں خلافت کی بنیاد پڑی ہے اور اُن کے بعد حقیقت دست بدست بنی امیہ کو ملتی رہی ہے کہ بعد حضرت عثمان کے حضرت معاویہ نے اپنے آپ کو خلیفہ مستقل قرار دیا۔ اور اُن کے بعد حضرت یزید اور حضرت مروان اعلیٰ درجہ کے خلیفہ اور مالک خلافت ہوئے وہاں تک کہ جب اُس خاندان سے خلافت بنی عباس نے نکالی اور خود مالک ہوئے۔

لیکن درحقیقت یہ اخبار آئندہ اور پیشین گوئی پیغمبر کی بنی امیہ کے لیے بشارت اور خوش خبری نہیں ہو سکتی کیونکہ اُن اخبار سے اُن کی مذمت اور اُس واقعہ کے مذموم ہونے کی خبر ہے جس سے اُن لوگوں کو اجتناب کرنا لازم تھا۔ اور بنی امیہ کی اور اُس واقعہ کی مذمت اسی وجہ سے ہے کہ وہ خلافت اور سلطنت حق اہلبیت پیغمبر تھا اور اہل بیت پیغمبر اُس کی قابلیت رکھتے تھے اور بنو امیہ اُس کی نہ قابلیت رکھتے تھے نہ اُن کا حق تھا اور باوجود اس کے خلافت مرضی خدا اور رسول وہ اُس خلافت پر تصرف کرنے اور خلافت کے والی اور مالک بن جانے والے تھے اس لیے اُن کی مذمت اور اُس واقعہ کے مذموم ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ ایسے اخبار اور پیشین گوئی سے بنو امیہ کی خلافت جس کے اہل بیت

حضرت عثمان بن جابر نہیں ہو سکتی بلکہ صریح ناجائز اور مذموم ہے۔ اور نہ ایسی خلافتوں کے وقوع میں آنے سے جس کے وقوع کی خبر دی جا چکی ہو یہ لازم آتا ہے کہ یہ امر تقدیری ایسا تھا کہ حکم خدا یوں ہی تھا خلافت اُسی تقدیر الہی کا پلٹ دینا یا حکم قضا و قدر کا بدل دینا تھا یا مجرد اُس کے وقوع سے وہ امر وقوعی تقدیری یا تقدیر الہی یا حکم قضا و قدر سمجھا جاوے اور اُس سے وہ واقعہ جائز قرار پاوے۔

جن امور میں کہ انسان مختار ہے اُس کے لیے خود اعمال اُس کے مقدر ہو جاتے ہیں خلافت کے لیے لینے میں خود اُن کا اختیار تھا چاہتے لیتے چاہتے نہ لیتے اور معاویہ بن یزید کی طرح چوڑ دیتے یہ ظاہر کر کے کہ وہ خلافت حق اہلبیت پیغمبر ہی اور دیگر مسلمانوں کو بھی لازم تھا کہ بنو امیہ کو خلیفہ قبول نہ کر لیتے بلکہ سب مسلمانوں کو لازم تھا کہ شفق ہو کر اہل بیت پیغمبر کو خلیفہ قبول کرتے لیکن جن بنو امیہ نے خلافت کو لے لیا اور جن مسلمانوں نے اُن کو خلیفہ قبول کیا انہوں نے (خلافت مرضی اور خوشنودی خدا کے جو ظاہر ہو چکی تھی) اپنے اختیار سے ایسا عمل کیا جو مذموم تھا اور عمل قابل مدح کو اختیار نہیں کیا اس لیے وہ فعل اور عمل اُنکا مذموم قرار پایا۔

جو کفار کہ عہد پیغمبر میں ایمان نہیں لائے یا اب تک ایمان نہیں لاتے ہیں اُن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ امر تقدیری تھا اور ہی اور حکم خدا یوں ہی تھا اور ہی۔ اور خلافت اُس کے ہونا تقدیر الہی کا پلٹ دینا یا حکم قضا و قدر بدل دینا ہی اُن کا ایمان نہ لانا تقدیر الہی اور حکم قضا و قدر ہی اور وہ امر اُن کے لیے جائز ہے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ کسی سزا کے قابل

دنیا اور آخرت میں قرار نہ پاوینگے۔ اور جو کوئی اُن سے سن کر ایسی وحید کو یہ  
یا اُن کو سزا دے وہ ظالم ہے۔

پیغمبرؐ نے جو اخبار احداث اور فتن کے بالا حوالہ فرمائے ہیں اُس کی  
تفصیل اہل سنت کے یہاں بنو امیہ کے یہ امر خلافت کے متعلق حسین  
حضرت عثمانؓ پر مشرو اُن کے بن خود پیغمبرؐ سے لی گئی ہے جو اُس واقعہ سے  
علاقہ رکھتی ہے جس کو پیغمبرؐ نے بعد اپنے وقوع میں آنا ظاہر فرمایا ہے یعنی  
بنو امیہ کی خلافت بعد پیغمبرؐ احداث اور فتنہ ہے۔ ویسے کتب شیعہ میں وہ  
روایات ہیں جنہیں پیغمبرؐ نے تفصیلاً احداث اور فتنہ کو بیان فرمایا ہے کہ تعبیر  
والی اور تصرف اور مالک خلافت ابو بکر اور عمرؓ ہو جائینگے کسی احداث اور  
فتنہ کو تفصیل سے فرمانا پیغمبرؐ کا بشارت اور خوشخبری احداث اور فتنہ برپا  
کرنے والوں کے لیے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وہ احداث اور فتنہ خود احداث اور  
فتنہ ہی ہونگے نہ کچھ اور۔

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ حضرت ابو بکر اور عمرؓ کا خلافت و سلطنت رسول  
کالے لینا اور اُس کو رسولؐ کے اہلبیتؑ سے نکالنا کیونکر احداث اور  
فتنہ قرار پاتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ امارت قوم اور حفاظت اور اہتمام خانہ کعبہ خاندان  
رسالت میں مدت سے چلا آتا تھا اور باعتبار معاملہ ملک کے ہی وہ حق  
اہلبیتؑ پیغمبرؐ قرار پا گیا تھا۔ اگر پیغمبرؐ ایسی رائے رکھنے والے ہوتے  
یا اُن کی ایسی مرضی ہوتی کہ وہ حق خلافت اہل بیتؑ پیغمبرؐ سے نکل جاوے  
یا پیغمبرؐ کے اہل بیتؑ اُس حق سے محروم ہو جاوین تو صریح ہے کہ ایسا امر  
قطعی بد اخلاقی حق میں اُن کے اہلبیتؑ کے متعلق ہے۔

صفحہ ۳۳۳ جلد پنجم رسالہ روشنی

دیہ یاد رکھنا چاہیے کہ پیغمبر کی مرضی خدا کی مرضی اور خوشنودی کے موافق تھی، جو کوئی ایسا مسئلہ مذہب اسلام میں قبول کرنے والا ہو گا کہ پیغمبر اپنے اہلبیت کو ان کے حق سے محروم کرنے والے تھے وہ پیغمبر کو بدخلق اور مذہب اسلام میں بد اخلاقی کے مسائل ماننے والا ہو گا۔

اسی بنا پر اوصاف امامت علی مرتضیٰ میں دیکھ کر پیغمبر نے بتا اور بتایا تھا کہ کار خلافت پیغمبر بعد پیغمبر بنفس نفس علی مرتضیٰ جو داخل اہلبیت پیغمبر ہیں اور اہلبیت پیغمبر چلائے والے ہیں۔ یہ بھی ضرور تھا کہ وقت و قیام پیغمبر وہ امام خلافت معین اور موجود ہوتا کہ وقت وفات رسول سے وہ امام اپنے کام میں مشغول ہو اور جو امور کہ وقت وفات رسول سے وقوع میں آئے ان کو طوطی اور ان کا انصرام اور جو جرائم لوگوں سے سرزد ہوں ان کا تدارک کرے۔

چنانچہ سب سے پہلے جو امام کا کام تھا وہ یہ تھا کہ پیغمبر کی تجویز و تکفین میں مشغول ہوئے اور قرآن کو جمع اور مرتب کرے جس کے احکام رعایا پر نافذ ہو سکیں۔

اگر یہ امر قبول کیا جاوے کہ وقت وفات رسول امام معین اور موجود نہ ہو اور بعد وفات رسول امام اور جانشین اس کا معین اور پید کیا جاوے تو اس میں بڑی قیاحت لازم آتی ہے۔ کہ وقت وفات رسول سے وقت تعیین خلیفہ تک امت رسول بے سردار کے رہیگی۔ اور کوئی پیغمبر کی تجویز و تکفین کا کرنے والا اور اس مدت میں جو واقعات اور جرائم پیش آویں ان کا طوطی اور انصرام اور تدارک کرنے والا نہ ہو گا۔ اور نہ کوئی ذمہ دار ان امور اور واقعات کے تدارک کا ہو سکتا ہے۔ اس قدر مدت

تک ہر نفس کا نفس حاکم رہے گا اور اس خلیفہ مابعد کو کوئی حق تدارک اس مدت کے بابت نہوگا۔

دیکھو وقت و فات پیغمبر سے حضرت ابو بکر کے سقیفہ بنی ساعدہ میں سعین اور کل است رسول میں مسلم اور مقبول ہوئے خلیفہ تک کے تقد زمانہ گذرا اور اس وقت سے حضرت ابو بکر کو منصب کا رخلافت پیدا ہوا مگر علی مرتضیٰ عین وقت و فات رسول نکرا اور تدبیر تجیز و تکفین پیغمبر کی نگرانی تو باسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ پیغمبر کی لاش کا کیا حال ہو جاتا ہے؟

اور ایسے ہی حج قرآن اور اس کی تکمیل ترتیب جس نوعیت سے کی گئی جو محمد حضرت عثمان عین ختم اور تمام ہوئی اور اس پر غور کامل اور علم تمام ہونے کے باعث اجراء احکام خداوندی میں کیا کیا دشواہ پان اور تکلیفیں پیش آئیں جس کو علی مرتضیٰ حل کرنے رہے اور جہان علی مرتضیٰ سے نہ بوجھایا تھا ان کو دخل کا موقع نہ ملایا جہان ان کی بات کو نہ مانا گیا وہاں کیا کیا خطائیں اور غلطیاں ہوئیں؟

کل است کو لازم تھا کہ عین وقت و فات رسول کے جبکہ علی مرتضیٰ (جس کو پیغمبر اپنا امام اور جانشین اور چلاسنے والا کا رخلافت کا بتایا اور جتا گئے تھے) موجود تھے تو کوئی دوسرا فکر اور تدبیر خلیفہ اور امام بنانے کی نہ کی جاتی جس کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن جب لوگوں نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان کو اور بعد شہادت علی مرتضیٰ کے بجائے طلبیت پیغمبر کے بنی امیہ اور بنی عباس کو خلافت بتائے اور جتائے اور مرضی اور خوشنودی خدا اور رسول کے خلیفہ بنایا۔ اور خلافتیں انہوں نے لے لیں اور اہل بیت پیغمبر کے ساتھ وہ سلوک کیے جس کی پیغمبر خیر

جنوری ۱۹۹۹ء

۳۲

جلد نمبر ۱

دے گئے تھے اور جس کی تصدیق علماء اہلسنت نے کی ہے اور کتب تاریخ اہلسنت جس سے مالا مال ہیں تو یہ تمام خلافتیں احداث اور فتن نہیں تو کیا ہے؟ اور کیا کتب فریقین میں جو احادیث اور روایات منقول ہوئے ہیں ان سے ان خلافتوں کے وقوع میں آنے سے ہرگز ہرگز ناپیشین ہو سکتے ہیں۔ اس کا جو احداث اور فتن کے متعلق پیغمبر فرمائے تھے لازم نہیں آتا ہے۔ اس حقیقت کے ظاہر ہونے بعد یہ حقیقی استدلال مصنف مخاطب کی صریح واضح ہو جاتی ہے اور صاف نمایاں ہو جاتا ہے کہ پیغمبر نے جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کی دی تھی وہ بشارت اور خوشخبری نہیں تھی بلکہ خبر احداث اور فتنہ بپا کرنے کی تھی وہ امر تقدیری صحابہ اور خلفائے بنی اسیمہ اور بنی عباس کا تھا۔

### اشعار

|   |   |
|---|---|
| یہ مرضی خدا و پیغمبر کی تھی<br>مگر فتنہ تھا اور احداث تھا<br>خلافت عمرؓ اور عثمانؓ کی<br>وہ فتنہ ہوا ان کے احداث سے<br>عمل سے وہ احداث ان کے ہوا<br>مقدر ہوا ان کا یہ اس لیے<br>مقدر بدل جاتا ان کا حرکتے | کہ بعد بنی ہو خلیفہ علیؓ<br>خلافت ابوبکرؓ کو جو ملی<br>اُسی فتنہ کی خیال پر وہ چلی<br>کہ آئندہ کو راہ جس کی کہلی<br>اسی سے وہ تقدیر ان کی بنی<br>کہ مرضی تھا کی رعایت نہ کی<br>نصائے خدا کی اگر پیروی |
|---|---|

نہ احداث ہوتے نہ کچھ فتنہ ہوتے  
سبھی چین سے اپنی قبروں میں سوتے

مصنف مخاطب بعد استدلال کے اس روایت پر جس میں پیغمبر صلعم

نے غیر واقعہ مذکور کے لیے بی بی عنبرہ کو دمی ٹھی اسی فقرہ (توڑنے والا) پہل کا بغیر وقت کے مثل نہ راعت کر کے سکے ہی ٹھیک (زمین میں) کلام علی مرتضیٰ سے پورن استنباط کرتے ہیں کہ جناب امیر کو بھی یہ مضمون دغیر واقعہ خلافت (معاوم تھا اسی لیے انہوں نے کہا کہ اس وقت میں ہماری خلافت طلب کرنا قبل از وقت ہی ہے ایسا ہی جیسے پہلوں کی تباری سے پہلے کوئی شخص پہل توڑنے کا ارادہ کرے وہ اسطرح ناکام رہتا ہے جیسے کوئی شخص ایسی زمین میں کھیتی کرے جس میں اسکا زمین نہیں نکلتی سے اُس بوئے واسے کو فائدہ نہوگا یعنی اس وقت سخی خلافت ابوبکر بن اُن کی خلافت میں ہم کو دخل دینا ایسا ہی جیسے کہ دوسرے کی زمین میں کھیتی کرنا اور جب کہ جناب امیر کو یہ معلوم تھا کہ ابھی میری خلافت کا وقت نہیں ہی پر کہا وجہ جو وہ یہ سوچتے تھے کہ دست بردہ سے لڑوں یا صبر کروں ۵۵

لیکن یہ استنباط مصنف مخاطب کا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ جناب امیر کو یہ مضمون بیشک معلوم تھا کہ جس کی خبر بغیر سنے دی تھی بعد پیغمبر اصحاب احداث اور فتنے بپا کرینگے اور خلافت پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر شریف ہو جاوینگے ایسی حالت میں کہ خلافت ابی مستقل حالت کو نہیں پہنچی ہوگی اور مذہب اسلام اور مسلمان تازہ ہونگے اور ارض خلافت حضرت ابوبکر کی بنیں ہوگی اور اس وجہ سے علی مرتضیٰ نے حضرت ابوبکر کی نسبت یہ تشبیہ دی ہو کہ یہ پہلوں کی تباری سے پہلے کسی شخص کا پہل کو توڑنا ایسے وقت میں کہ اُس کے توڑنے کا وقت نہ آیا ہو ایسا ہی ہے جیسے کسی غیر کی زمین زراعت کرنا جس سے مراد علی مرتضیٰ کی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر

کو اسحق قمر نے اور تسلط کا خلافت پر نہیں تھا کیا باعتبار اس کے کہ خلافت  
 بوجہ ختم نہ ہو جانے کے ایسی تھی کہ حضرت ابو بکر قلیبیت اُس پر تصرف  
 کی نہیں رکھتے تھے اور کیا باعتبار اس کے کہ وہ خلافت اُن کی زمین نہ تھی  
 جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر نے خلافت کو بھی ضرر پہنچایا اور خود بھی اُس  
 کے حق متبع نہیں رکھتے تھے کچھ متبع جاتر حاصل نہیں کیا۔ حضرت ابو بکر کے خلافت  
 قبول کر لینے سے مسلمانوں کی سلطنت کو یہ ضرر پہنچا کہ اُن لوگوں کے  
 ہاتھ میں خلافت نہ آنے اور نہ رہنے سے جو قلیبیت اور حق اُس کا رکھتے تھے  
 سلطنت مسلمانوں کی اور مذہب اسلام تمام رو سے زمین قائم بوجہ ہوا  
 ٹوسکا۔ اور اہل حق اور قلیبیت رکھنے والوں خلافت کی تجدید کی بنا پر  
 قائم ہوئی۔ اور امت رسول میں ہر کسی کو حوصلہ اور جرأت حصول خلافت  
 کا بڑھ گیا اور اہل بیت پیغمبر ضعیف و ناتوان ہو گئے۔ درحقیقت علی مرتضیٰ  
 نے یہ تشبیہ اپنے حق میں نہیں دی ہے بلکہ حضرت ابو بکر کے حق میں دی ہے  
 اور علی مرتضیٰ کا وہ اشاد تشریح ہی اُن احادیث پیغمبر کی جن میں اُنہوں نے اعتقاد  
 اور فتنہ کیا کرنے اور حضرت ابو بکر اور عمر کے خلافت پر تصرف ہو جانے کی  
 خبر دی تھی اور یہ تشبیہ صریح ہے کہ حضرت ابو بکر کے متعلق ہے کہ اُس کے اوپر کا  
 فقرہ یہ ہے کہ یہ بانی ہر مزرہ ہے اور ایسا القمہ ہے کہ کمانے والے کے نگلے میں  
 اُٹھو ہوتا ہے جس کا اطلاق صاف و صریح حضرت ابو بکر پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابو بکر  
 بیان ہوا۔

علی مرتضیٰ نے جیسا کہ اپنے دیگر خطبوں اور کلاموں میں فرمایا ہے کہ حضرت  
 ابو بکر مستحق خلافت نہیں تھے تو لہذا ہی اس کلام میں ظاہر کیا ہے اور علی مرتضیٰ  
 برابر فرماتے رہے ہیں کہ خلافت میراث ہے اور میں اُس کا مستحق ہوں پہر



اس فقرہ کلام علی مرتضیٰ کے یہ معنی کیسے ہو سکتے ہیں کہ مستحق خلافت ابوبکرؓ ہیں اور ارض خلافت انکی ہی ہے۔

علی مرتضیٰؓ کو بموجب ارشادات پیغمبرؐ کے صرف استحقاق خلافت اپنے لیے اور واقعہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے خلیفہ ہو جانے کا معلوم تھا۔ اور پیغمبرؐ کے کسی ارشاد سے ہرگز یہ نہیں پایا جاتا ہے کہ علی مرتضیٰؓ کوئی از روئے واقعہ خلیفہ ہو سکیں گے یا نہیں یا ان کے خلیفہ ہونے کا کون وقت ہو گا اور ایسی خبر سے بھی نہیں سکتے تھے کہ جس کا ظہور مطابق واقعہ کے منو کہ علی مرتضیٰؓ کی کسی وقت بلا غلش خلافت قائم نہیں ہوئی۔ اور جبکہ پیغمبرؐ استحقاق خلافت علی مرتضیٰؓ اور اپنے اہلبیت کے لیے بنا اور جتنا چکے تھے اور بعد اپنے ہر زمانہ کے لیے علی مرتضیٰؓ اور اپنے اہل بیت کے واسطے حق اور قابلیت ظاہر کر کے تھے تو پھر کوئی خاص وقت خلافت کا علی مرتضیٰؓ اور اہلبیت کے لیے معین نہیں فرما سکتے تھے نہ ایسے فرمانے کی ضرورت تھی۔ اور نہ کوئی ایسا علم جس سے پیغمبرؐ آگاہ نہ کیا ہو علی مرتضیٰؓ کو ہو سکتا تھا اور نہ علی مرتضیٰؓ کے کسی کلام سے ایسا علم ان کا ظاہر ہو سکتا ہے۔

پس علی مرتضیٰؓ کا سوچنا اس بابت کو کہ دست یریدہ سے لڑوں یا جبر کروں نہایت ضروری تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا خلافت قبول کرنا احداث اور فتنہ اور واقعہ مذکور تھا جس کے خلافت خلافت کو علی مرتضیٰؓ اپنا حق جانتے تھے۔ لیکن جب سے اس فتنہ واحداث کو فرو اور دور کرنا روا تھا اور دوسری بہت سے کہ بیعت حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر ہو چکی تھی اور وہ خلیفہ بن بیٹھے تھے اور مسلمان جدید اور مذہب اسلام نازہ تھا اور اہل کفر و ارتداد کی شورش تھی حضرت ابوبکرؓ پر حملہ کرنا اور مسلمانوں کا قتال خلافت مصلحت وقت تھا جس میں

سید انوکھے تباہ اور برباد ہو جانے کا سخت اندیشہ تھا۔ اور یہ مسئلہ ایسا اہم اور مشکل تھا جیسے سوچنا لازماً تھا اور اس کے کسی پہلو کا اختیار کرنا کچھ آسان نہ تھا۔ علی مرتضیٰ کا سانی نفس پاک، متحمل اسکا ہو سکتا تھا کہ اس خلافت پر حملہ نہ کر کے صبر کیا جائے۔ لیکن دل و دماغ میں ذرہ برابر شائبہ طمع خلافت کا نہ تھا۔ صرف سچی محبت دین اسلام کی تھی جس نے اُن کو اس حملہ سے باز رکھا۔ اور دین اسلام کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔ یہ عمل علی مرتضیٰ کا حقیقی معجزہ ہی جو دوسرے کسی انسان سے نہیں ہو سکتا تھا۔ دوسرا انسان طمع خلافت میں بہنس جاتا اور کچھ برفا تباہی اور بربادی اسلام کی نہ کرتا۔

مصنف مخاطب اُسی کلام علی مرتضیٰ کے فقرہ آئندہ کا یوں ترجمہ کرتے ہیں کہ وہ اب میں دعویٰ کروں گا تو کہیں گے کہ حکومت کا حریص ہی اور جو ساکت رہوں گا تو کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا اور اسکا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ تمام ہاجرین و انصار ابوبکر سے بیعت کر چکے اسکے بعد اگر میں دعویٰ کروں تو سب لوگ یہ کہیں گے کہ حکومت کا حریص ہی یہ اسوجہ سے کہ بعد انقطاع خلافت ابی بکر کے جناب امیر کا دعویٰ کسی حجت شرعی کے ساتھ نہ ہوتا یہ ہی دلیل نفس امامت کے باطل ہونے کی ہی ورنہ اگر نفس امامت موجود ہوتی تو سب لوگ یہی کہتے کہ بموجب نفس رسول کے دعویٰ ہی حریص ملک کیوں بتاتے اگر دعویٰ سے ساکت رہوں تو کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ لیکن مصنف مخاطب نے اس فقرہ کا ترجمہ پورے طور پر ٹھیک نہیں کیا۔ ٹھیک ترجمہ یہ ہی ہے پس میں اگر کچھ کہوں تو لوگ کہیں گے کہ انہوں نے ملک کی طمع کی اور سکوت کروں تو لوگ کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ وہ الفاظ جن کا ترجمہ مصنف مخاطب نے کیا ہے اب اگر میں دعویٰ

کروں ۛ فان اقل ثلثین اس کا ترجمہ دعویٰ کرنے کا کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کا ترجمہ صاف یہی ہوتا ہے ۛ پس اگر میں کچھ کموں ۛ جس سے مراد یہ ہے کہ اگر میں ملک خلافت پر اپنے حملہ کا ارادہ کسی حجت سے ظاہر کروں تو کہیں گے کہ ملک کی طمع کی اور اگر سکوت کروں تو کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا ۛ مراد اسکی ۛ اگر میں کچھ کموں ۛ جو میں نے یہ پی پی کہ ۛ اگر میں کسی حجت سے ملک خلافت پر حملہ کا ارادہ ظاہر کروں ۛ اس مراد کی صحت پر یہ آخر مضمون فقرہ کا حجت ہے اور اگر سکوت کروں تو کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا ۛ یہ ظاہر ہے کہ موت سے خوف کا الزام اسی حالت میں لگایا جا سکتا ہے جبکہ حملہ کا ارادہ نہ کیا جاوے۔ مجرد دعویٰ سے خوف کا الزام پیدا نہیں ہو سکتا ہے۔

پس ظاہر ہے کہ دعویٰ کرنے کی مراد اس فقرہ سے جیسا کہ مصنف محاسب لیتے ہیں ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ وہ مراد مطابق واقعہ کے ہو سکتی ہے کیونکہ نتیجہ اس فقرہ کا موافق مذاق مصنف محاسب کے یہ ہو گا کہ علی رضی نے دعویٰ خلافت نہیں کیا حالانکہ یہ امر خلاف واقعہ ہے۔ علی مرتضیٰ بروجردی و تکفین پیچیدہ کے اسی زمانہ میں اظہار اپنے حق اور بغیر حملہ بطلان انعقاد خلافت حضرت ابو بکر کا برابر کرتے رہے ہیں۔ اور ایسی کوشش جس میں خونریزی کی ٹوہٹ نہ آنے پاوے حصول خلافت کے لیے جس پر غیر اہل حق نے تصرف کر لیا تھا ہمیشہ جاری رکھی ہو جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کتابت میں جو لفظ فان اقل ۛ پایا جاتا ہے کچھ عجیب نہیں ہے کہ وہ لفظ غلطی کتابت سے بجائے فان اقل ۛ یعنی اگر حملہ کروں میں پڑھا گیا ہے۔ کہ مضمون باقیہ جو الزام حرص ملک اور خوف موت سے متعلق ہے اسی پر دلالت کرتا ہے

اقوال اور افعال علی مرتضیٰ سے ظاہر ہے کہ علی مرتضیٰ خلافت حضرت ابو بکر کو قابل حملہ جانتے تھے مگر حملہ نہیں کیا اور اُس حملہ کے کرنے اور نہ کرنے سے جو اعتراض اور الزام علی مرتضیٰ پر لگایا جاسکتا تھا اُس کو اس فقہ میں اپنے کلام کے رفع فرماتے ہیں۔ بس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علی مرتضیٰ انعقاد خلافت حضرت ابو بکر کو یقینی صحیح نہیں جانتے تھے بلکہ اُس کو خلافت امر حق کے احداث اور فتنہ سمجھتے تھے جیسا کہ شروع کلام میں اُسی زمانہ کو اسواج فتن قرار دیا ہے اگر خلافت کو اپنا حق نہ سمجھتے تو ہرگز اظہار اپنے حق کا نہ کرتے اور خلافت حضرت ابو بکر کی احداث اور فتنے اُن کے نزدیک اگر منوئی تو ہرگز اُس کو قابل حملہ کے قرار نہ دیتے۔ گو کسی دوسرے سبب سے حملہ وقوع میں نہ آتا۔ اور یہ فرمانا علی مرتضیٰ کا کہ لوگ مجھ کو بیس ملک کہیں گے دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ خلافت برائے ان کا حق تھا اور وہ اُس کو اپنا حق جانتے تھے اور حضرت ابو بکر کا حق نہیں سمجھتے تھے لیکن حملہ طلب حق میں شائبہ طبع غمیر تہا علیہ اس وقت درگزر کی۔ لوگوں کو اطمینان فلا دیا کہ علی مرتضیٰ میں وصف ردیہ طبع نہیں ہے۔ اگر علی مرتضیٰ خلافت حضرت ابو بکر کو صحیح اور ان کا حق جانتے تو نہایت خوشی اور طبع خاطر سے خود اور تمام بنی ہاشم بلا توقف حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے اور کسی وقت یہ فرما دیتے کہ خلافت اُنکی صحیح ہے۔ یہ نہ تو اُنکی خلافت کو قابل حملہ جانتے۔ جب یہ امر علانیہ ہے کہ علی مرتضیٰ ملک خلافت کو اپنا حق جانتے تھے اور غلام اُس کے جو حضرت ابو بکر پر انعقاد خلافت ہوا اُس کو قابل حملہ تصور کرتے تھے تو قیود ہی کہ ایسا اُن کا جاننا اور سمجھنا واجب تھا اور وہ ایسا نہیں جان سکتے تھے اور نہ سمجھ سکتے تھے جب تک کہ انہوں نے قرآن اور ارشاد پیغمبر کے اُن کو علم نہوا علیہ کہ اُن سے بہتر بعد پیغمبر کے کسی کو علم قرآنی اور علم پیغمبری نہیں تھا۔ اور اسی سے

لازم آتا ہے کہ وہ علم علی مرتضیٰ کا بابت حق خلافت کے اپنے لیے نفی تھا نہ غیر  
کے لیے۔ اور جس کسی نے اُس علم حق خلافت کو نفی نہ مانا۔ وہ درحقیقت علی مرتضیٰ  
سے علم حق کی تکذیب کرنا والا ہے جس تکذیب رسول و خدا کی لازم آتی ہے اور کچھ نہیں بتا سکتا  
علی مرتضیٰ جو خلافت کو اپنا حق نہ غیر کا جانتے تھے وہ حجت شرعی تھے۔

لیکن جو لوگ کہ الزام حرص ملک علی مرتضیٰ پر لگانے والے ہو سکتے ہیں  
وہ اُن کے قول اور فعل کو حجت شرعی نہ ماننے والے اور نفوس کی غلط تاویل  
کرنے والے ہونگے۔ جس پر آخر کار علی مرتضیٰ کو جنگ کرنی پڑی اور جنگ تاویل قرآن  
پیغمبر دے گئے تھے کہ جنگ تو نزل قرآن پر جنگ کرنی پڑی اور جنگ تاویل قرآن  
پر جنگ کرنا ہو گا۔ علی مرتضیٰ کے کلام میں انہیں لوگوں کی طرف یہ اشارہ ہی  
کہ جو لوگ بحالت حملہ کے ایسا کہنے والے ہو سکتے تھے کہ علی ملک کا حریص ہے  
بحالت حملہ نہ ہونے کے اس بات کے قائل ہوئے کہ علی موت سے ڈر گیا  
جو لوگ حضرت ابو بکر سے بیعت کر چکے تھے۔ ایسے لوگ وہی ہو سکتے تھے  
کہ جو غلط تاویل نص کی کرنے والے اور علی مرتضیٰ کے دعویٰ کو حجت شرعی  
پر مبنی نہ سمجھنے والے تھے۔ لیکن جو لوگ کہ جناب امیر کے دعویٰ کو حجت شرعی  
پر مبنی نہ سمجھنے والے اور نص امامت کی غلط تاویل کرنے والے تھے۔ وہ اس کے  
قائل نہیں ہو سکتے تھے کہ علی مرتضیٰ حریص ملک کے ہیں یا موت سے ڈر گئے  
ایسے لوگوں سے وہ کلام علی مرتضیٰ متعلق نہیں ہے نہ ایسے لوگوں کی طرف وہ  
خطاب علی مرتضیٰ کا ہے۔ اُس کلام علی مرتضیٰ میں صرف انہیں لوگوں سے  
خطاب ہے جو حضرت ابو بکر سے بیعت کر چکے تھے اور جو نص امامت کی غلط  
تاویل کرنے والے اور دعویٰ علی مرتضیٰ کو حجت شرعی پر مبنی نہ سمجھنے والے  
تھے مصنف مخاطب نے مطالب کلام علی مرتضیٰ کے بیان میں جو یہ کہا ہے

یہ سب لوگ یہ کہیں گے کہ حکومت کا مرتضیٰ علیؑ اور اُس سے استنباط عدم حجت شرعی اور ابطال نص امامت کرتے ہیں۔ صریح بنیاد فلسفہ کلام علی مرتضیٰ کے ہے اُس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو دلالت کرتا ہو اس امر پر کہ کل لوگ ایسا کہنے والے ہوں گے۔ اُس کے اصلی الفاظ یہ ہیں ”یقولوا احوص علی الملک“ کہیں کے کہنے والے کہ حرص کی ملک پر علی مرتضیٰ علیؑ کا یہ ارشاد مستنبہ کرنے والا ہے اُن لوگوں کو کہ جو علی مرتضیٰ علیؑ پر وجہ حملہ کے غلط التزام حص ملک کا لگانے والے ہوتے۔ اور جب حملہ حص ملک کی وجہ سے نہ سمجھا جائے تو خواہ مخواہ حملہ محض طلب حق کے لیے قرار پاوے گا اس کلام علی مرتضیٰ علیؑ کا صاف نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ملک خلافت میراث ہی جس کے لیے نص ہو چکی ہے اور میراث دعویٰ حجت شرعی پر مبنی ہے اگر طلب حق کے لیے میں حملہ کروں تو جو کو بیعت کر چکے ہیں اور نص امامت کی غلط تاویل کرنے والے ہیں اور حجت شرعی کو نہیں مانتے وہ یہ کہیں گے کہ علی ملک پر حرص کرتا ہے“ علی مرتضیٰ کی طینت مقدس اور سیرت طاہرہ ایسی تھی کہ وہ اپنے کسی فعل میں ذرہ برابر بھی شائبہ نفسانیت انسانی کے مواد انہیں ہو سکتے تھے۔ یاد کرو وہ مشہور واقعہ جبکہ علی مرتضیٰ اپنے ایک کافر دشمن کو مغلوب کر کے اُس کے سینہ پر سوار ہو کر چاہتے تھے کہ اُس کے سر کو بدن سے جدا کریں تو اُس دشمن نے آپ کے روئے مبارک پر اپنا متوک پہنکا۔ اُس وقت فوہ علی مرتضیٰ علیؑ نے اُس کو قتل سے چوڑ دیا۔ اور فرمایا۔ کہ اگر اس وقت میں اُس کو قتل کرتا تو وہ قتل میری نفسانیت پر محمول ہوتا اور خالصتہ مدوہ قتل نہ سمجھا جاتا جس پر پیغمبر سے منہ فیضیلت نہ کرم اللہ وجہہ علیؑ کی پائی“ حضرت ابو بکرؓ ارحم خلق خلافت میں علی مرتضیٰ سے مخالفت نہ کرنے والے تھے۔ غیر ممکن تھا کہ علی مرتضیٰ ایسا

جلد ہفتم ابوبکر پر کرتے جس میں کہنے والے یہ کہہ سکتے کہ علی مرتضیٰؓ کو بصر ملک ہی  
اس لئے کہہ دیا جاسکتا ہے کہ بمقابلہ اس کا دشمن کے حضرت ابوبکرؓ کا مخالف تھا یہ تھا  
وہ دلت دین اسلام کے تھے لیکن سیرۃ پاکیزہ اور طہیثت علی مرتضیٰؓ پر اس وقت  
فرق تھے کچھ فرق اور یہ ہیں اس وقت۔

دوسرے تان را کجا کہنے محروم ہو تو کہ باد شمس ان نظر دار سے  
فی الحقیقت علی مرتضیٰؓ کو آنکے پاکیزہ طہیثت اور تقدیر زندگی تھے، مگر اس  
فصل سے لے کر جس میں شائبہ نقد سائنس اور حرص کا پیدا ہوا۔ اُن سے بچنے  
کے لیے علی مرتضیٰؓ نے حملہ سے اجتناب کیا ہی اور حملہ ٹکرنے کی وجہ کو بیان فرمایا ہی  
جس کے سمجھنے کے لیے دل تعصب صاف ہونا چاہیے ورنہ اُس کا کام  
اُنکے ویسے ہی استنباط غلط حکمیں گئے جیسے کہ نص امامت کی غلط تعبیر کی گئی ہی  
بعد اس کلام کے کہ اگر میں کچھ کہوں (اسے بہت اظہار ملے کہ دن)  
تو کہیں گے کہ ملک کا حریص ہی اگر میں ساکت رہوں تو کہیں گے کہ موت سے  
ڈر گیا۔ اس فقرہ آخر میں جو غلط الزام لگانے والوں کی طرف سے بیان فرمایا  
ہی اُس کو خود علی مرتضیٰؓ یوں رفع فرماتے ہیں اور اُس غلط الزام کے عائد  
کرنے والوں کو یہ تنبیہ کرتے ہیں جس کا مصنف مخاطب نے یہ ترجمہ  
کیا ہے۔

مے افسوس ہی بعد ان سب باتوں کے (صحیح ترجمہ بعد چون و چرا اس کے)  
قسم ہی خدا کی کہ ابھی ابی طالب زیادہ محبت رکھنے والا ہی موت کے ساتھ  
بچھ سے جو اپنی ماں کے پستان کے ساتھ محبت رکھتا ہوا اُس کی مراد  
مصنف مخاطب یہ بتاتے ہیں کہ یہ طلب خلافت سے جو میرا سکوت ہی وہ  
ہرگز اسوجہ سے نہیں کہ مجھ کو موت کا خوف ہو لوگوں کے خیالات پر افسوس ہی

جو میری نسبت ایسا گمان کریں مین تو اپنی موت کا ایسا مشتاق ہوں کہ بچہ بھی مان کے دودھ کا ایسا مشتاق نہیں ہوتا پھر مین موت سے کیوں ڈرتا بلکہ میرا سکوت اس وجہ سے ہے کہ ابو بکر کی خلافت میں مزاحمت کرنا فتنہ ہے اور میری خلافت کا ابھی وقت نہیں آیا۔

پھر مصنف مخاطب اُس پر یہ استدال کرتے ہیں کہ اب انصاف فرمائیے کہ جناب امیر کو تو اپنی شجاعت کا ایسا دعویٰ تھا پر وہ اپنے ہاتھ کو دست بردار کیوں کہتے یا کوئی اُن پر یا اُن کے اہلبیت پر ظلم کرتا تو اُنکو سکوت کی کمان تاب ہو جاتی۔

مصنف مخاطب نے جو شروع میں مراد اُس فقرہ کی بیان کی ہے اُس مضمون سے مجھ کو اتفاق ہے صرف ایک لفظ حملہ کا اُس میں اضافہ ہونا چاہیے۔ یعنی طلب خلافت سے (بند یہ حملہ کے) جو میرا سکوت ہے وہ ہرگز اس وجہ سے نہیں کہ مجھ کو موت کا خوف ہو۔ لوگوں کے خیالات پر افسوس ہے جو میری نسبت ایسا گمان کریں۔ مین تو اپنی موت کا ایسا مشتاق ہوں کہ بچہ بھی مان کے دودھ کا ایسا مشتاق نہیں ہوتا۔ پھر مین موت سے کیوں ڈرتا؟ اس مضمون مراد میں حملہ کا لفظ ہم اس لیے اضافہ کرتے ہیں کہ واقعات ہنگوید کہانے ہیں کہ علی مرتضیٰ نے طلب خلافت کے لیے اظہارِ رجعت اور دلیل کا کیا ہے۔ البتہ طلب خلافت کے لیے حملہ نہیں کیا۔ لیکن آخر میں مصنف مخاطب نے جو وجہ مزاحمت نکرانے کی یہ ظاہر کی ہے کہ یہ علی مرتضیٰ کا سکوت اس وجہ سے ہے کہ ابو بکر کی خلافت میں مزاحمت کرنا فتنہ تھا اور اُنکی خلافت کا وقت نہیں آیا تھا۔ یہ مراد مصنف مخاطب کی کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ وجہ نہ کلام علی مرتضیٰ سے پیدا ہو سکتی ہو نہ نتائج واقعات



اُس کی تائید کرتے ہیں۔

جب یہ امر مسلمہ ہی جیسا کہ کتب فریقین سے پہلے ظاہر ہو چکا ہے کہ علی مرتضیٰ خلافت کو اپنا حق جانتے تھے اور اپنے استحقاق خلافت کا اظہار اور یہی مناسب برابر ہر زمانہ میں کرتے رہے اور بغیر حملہ کے طلب خلافت کی کوششیں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ اور نہ کبھی حضرت ابو بکرؓ یا دوسری خلافت کے صحیح ہونے کو قبول کیا۔ اور علامہ حضرت ابو بکرؓ و دوسروں کے خلیفہ ہو جانے پر اعتراض فرماتے رہے تو صریح ہے کہ علی مرتضیٰ انعقاد خلافت ابو بکرؓ اور غیروں کے خلیفہ ہو جانے کو فتنہ جانتے تھے اور جب خود اُس خلافت اور اُس کے بنون خلافتوں کو فتنہ جانتے تھے تو کیسے یہ امر تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ علی مرتضیٰ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں مزاحمت کرنا فتنہ جانتے تھے۔ حالانکہ علی مرتضیٰ نے حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں بذریعہ اظہار اپنے استحقاق کے اور از روئے کوشش طلب اپنے حق کے مزاحمت کی۔ البتہ اُس اظہار استحقاق اور کوشش طلب حق کے بعد حملہ نہیں کیا۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ اظہار استحقاق اور کوشش طلب حق کے ذریعہ سے مزاحمت کی وجہ جدا گانہ اور بذریعہ حملہ کے طلب حق نہ کرنے کے لیے وجہ جدا گانہ تھی۔ اور چونکہ علی مرتضیٰ نے مزاحمت خلافت حضرت ابو بکرؓ میں بذریعہ اظہار استحقاق اور کوشش طلب اپنے حق کے کی تھی اور صرف حملہ طلب خلافت کے لیے نہیں کیا تھا اور اُس حملہ کے نہ کرنے سے جو غلط الزام علی مرتضیٰ پر لگایا جاسکتا تھا صرف اُس کو اس موقع پر اپنے اُن فقرہ کلام سے رفع فرمایا ہے۔ کہ میرا سکوت حملہ سے بوجہ خوف موت کے نہیں ہے۔ اس فقرہ میں اظہار وجہ سکوت کا حملہ سے سلبی نہیں ہے۔ بلکہ انکار اس وجہ سے ہے جو کہ لوگ غلط وجہ سکوت کی جگہ سے بیان کیا

کر کے واسے تھے اس تقریر سے جیسے غلطی مراد مصنف مخاطب کی نسبت فقرہ کلام علی مرتضیٰ کے ظاہر ہوتی ہے۔ ویسے ہی اُنکا استدلال غلط قرار پاتا ہے۔ شجاعت امر دیگر ہے اور حملہ نہ کرنا امر دیگر ہے۔ علی مرتضیٰ کو صرف دعوتی شجاعت کا نہیں تھا بلکہ وہ وصفت اُن میں فطرتی تھا۔ لیکن وصفت شجاعت کو کام میں لانے کے لیے ضروری ہے کہ اُس کے موقع اور محل کو اور اُس سے ہونے والا پیدا ہو اُس کو پیش نظر رکھا جاوے اور اگر یوں نہ سوچے اور سمجھے شجاعت کو کام میں لایا جاوے تو وصفت شجاعت اپنی حد سے تجاوز کر کے درجہ ثور پر پہنچ جاتا ہے جو مذموم ہے خصوص جبکہ شائبہ طبع خلافت اُس میں شامل ہو جاتا تو وصفت شجاعت اپنے اعتدال پر قائم نہ رہتا لیکن باوصفت سو جہد ہونے فطرتی وصفت شجاعت کے علی مرتضیٰ نے جو حملہ خلافت حضرت ابو بکر پر نہیں کیا وہ نتیجہ اُس پیش بینی اور دور اندیشی کا تھا کہ جو بعد حملہ کے لازم آجاتا اور ہر بیعت خم غدیر سے جو پیغمبر نے کرائی تھی اور لوگوں کا علی کو مثل اپنے پیغمبر نے ولی قرار دیا تھا اُس سے نکتہ و انحراف کر کے سقیفہ بنی سعد میں حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلیفہ بنایا اسکو علی مرتضیٰ نے دست برد ہونا فرمایا جو نہایت شیک تھا۔ اور اس حالت کا پیش رکھنا ضروری تھا اگر اُس امر کو پیش نظر نہ کہ کے اور بغیر سوچے سمجھے مجرد شجاعت پر بہرہ و سہ کر کے حملہ کرتے تو ضرور اندیشہ تھا کہ وصفت شجاعت جو محدود ہے اپنی حد سے تجاوز ہو کر درجہ ثور مذموم پر دجیسے کہ جلتی آگ میں بے سوچے سمجھے کود پڑنا، پہنچ جاتا۔ اور وصفت ردالتطیع خلافت اُس کو لاحق ہو جاتا تو دہریہ نتیجہ بھی آفتاب حملہ کا خطرناک تھا کہ علی مرتضیٰ اُس حملہ میں غالب ہوتے یا مغلوب مگر غرض اسلام اور مسلمان دونوں کمزور ہو کر ضرور تباہ اور برباد ہو جاتے اور ۵

حالت موجودہ ہی مذہب اسلام اور مسلمانوں کی باقی نہ رہتی جسے حیثیت اور  
توحیت سے زمانہ خلافت حضرت ابو بکر مین اُٹھکی توقع ہو سکتی تھی۔

اور اس ناقص حالت اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح بذریعہ  
پہنڈ و نصیحت کے ہو سکتی تھی۔ جیسا کہ باوجود سخت مخالفت خلافت ہر زمانہ  
کے ائمہ اہل بیت اصلاح مذہب اسلام خراب شدہ اور مسلمانوں نقص گرفت  
کے کرتے رہے۔ جس اصلاح کی بدولت اس وقت مذہب اسلام کامل اور  
صحیح کر درون مسلمانوں مین موجود ہی جو دسے زمین کے ہر حصہ مین آبادین  
اور حبکو یقینی اصل سجزہ ائمہ اہل بیت کا کننا رواہی۔

اس پیری تقریر سے علی مرتضیٰ کے فقرہ کی مراد ظاہر ہو جاتی ہے کہ باوصف  
وصف شجاعت کے علی مرتضیٰ نے حملہ خلافت حضرت ابو بکر پر کیوں کیا اور  
کیوں انہوں نے اپنے آپ کو دست بردار فرمایا۔ اُنکا حملہ نہ کہ بنا بوجہ خوف  
سوت کے نہیں تھا اور گو بیعت خم غدیر کو بیعت سقیفہ بنی ساعدہ نے قطع  
کر دیا تھا لیکن علی مرتضیٰ اگر اسوقت حملہ کرنے تو کچھ شبہ نہیں ہے کہ مذہب  
اسلام اور مسلمان اور مسلمانوں کی خلافت سب تباہ و برباد ہو جاتی۔ اور  
اس وقت علی مرتضیٰ پر یہ الزام لگایا جاتا کہ طبع خلافت نے اصل مذہب اسلام  
اور مسلمانوں اور اُن کی بادشاہت کو تباہ و برباد کر دیا۔ جیسا کہ اب حملہ  
نہ کرنے سے خوف سوت کا الزام لگایا جاتا ہے اور علی مرتضیٰ کی بے استغاثی  
کا حق خلافت سے قیاس کیا جاتا ہے۔

اس فقرہ کے بعد جو فقرہ کلام علی مرتضیٰ مین ہے اس کا ترجمہ ضعیف و طویل  
ہون کرتے ہیں۔

یہ بلکہ مجھے معلوم مین ایسی پوشیدہ باتیں کہ لگو مین اُن کو ظاہر کر دیں تو

تم اس طرح تڑپو جیسے گھر سے کنوین مین رشتیان تڑپتی ہیں ۱۱ اند اس کی مراد یہ بیان کرتے ہیں جسے یعنی تم مجھے دعویٰ خلافت کی ترغیب دیتے ہو مگر مجھے آئندہ کے حالات ایسے معلوم ہیں کہ اگر میں تم پر ظاہر کروں تو تم ایسے تڑپ جاؤ جیسے رستی گھر سے کنوین مین تڑپتی ہو وہ باتیں شاید یہ ہیں کہ ابوبکرؓ کے بعد جو خلافت لیکاوہ قتل ہوگا اُن کے بعد جو خلیفہ ہوگا وہ قتل ہوگا اُن کے بعد میں خلیفہ ہوں گا میں ہی قتل ہوگا پس ابوبکرؓ تو خلافت لے چکے اب اُس کے بعد تم خلافت کی میرے لیے کوشش کرتے ہو حالانکہ اُس کا نتیجہ قتل ہوگا اور جو چیز باعث قتل ہو اُس سے تو بچنا چاہیے نہ کہ اُس کو طلب کرنا ۱۲

علی مرتضیٰؓ نے اس فقرہ میں یہ بھی توارشاد فرمادیا ہے کہ مجھ کو ایسا علم مکنون حاصل ہوا ہے کہ اگر میں اُس کو ظاہر کروں تو تم ایسے مضطرب ہو جاؤ گے جیسے گھر سے کنوین مین نہیں رستی مضطرب ہوتی ہے جس کی مراد یہ ہے کہ بعد پیغمبرؐ جو فتنہ اور احداث ہونے والے ہیں اور جو جو روستم اہلبیت پیغمبرؐ گذرنے والے ہیں جن پر اہلبیت پیغمبرؐ صبر کریں گے وہ امور مجھ کو معلوم ہیں اگر اُن کو ظاہر کروں تو تم مضطرب ہو جاؤ گے۔ اس ارشاد کی یہ مراد کسی طرح نہیں ہو سکتی جو مصنف مخاطب لیتے ہیں وہ مراد ایک ایسی مراد ہے جسکے حقیقی ہونے پر خود مصنف مخاطب کو بھی اطمینان نہیں ہو چنانچہ وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ باتیں دپوشیدہ جس کو سنگروہ لوگ جن سے علی مرتضیٰؓ خطاب فرما رہے ہیں مضطرب ہو جاویں۔ شاید یہ تعین کہ ابوبکرؓ کے بعد جو خلافت لے گا وہ قتل ہوگا اور اُن کے بعد کا خلیفہ بھی قتل ہوگا اُن کے بعد میں خلیفہ ہوں گا میں ہی قتل ہوں گا ۱۳ اول تو یہ مراد دعویٰ خلافت

کی ترغیب سے مطلق نہیں ہو سکتی بلکہ ترغیب حملہ سے مطابق ہوتی ہے۔ اور علی مرتضیٰ نے دعویٰ خلافت علانیہ برابر کیا ہی صرف حملہ نہیں کیا۔ دوسرے اگر اُس فقرہ سے وہ مراد لی جائے تو علی مرتضیٰ بنامہ حیات حضرت ابو بکر کے ضرور اُن کو بغیر قتل کے زندہ خلافت سے ہٹا دیتے اس لیے کہ اگر اُن کو یہ پوشیدہ امر معلوم ہوا تھا کہ حضرت ابو بکر کے مرنے کے بعد جو تین خلفا ہونگے جنکے آخری خود علی مرتضیٰ ہونگے قتل ہو جاوین گے تو اُن کو یہ بھی ضرور معلوم تھا کہ حضرت ابو بکر کی زندگی میں اگر کوئی خلیفہ مقرر ہو جاوگا تو سلسلہ قتل خلفا کا وقوع میں نہ آئے گا۔ کیونکہ تین خلفا کا قتل ہونا موقوف اُسی حالت پر تھا کہ جب بعد وفات حضرت ابو بکر کے وہ خلفا یکے بعد قتل دیگرے خلافت کو قبضہ میں لیں۔ اور اگر مصنف مخاطب کو یہی مراد اپنی منظور خاطر تھی تو بعد قتل علی مرتضیٰ کے ذکر خلافت بنی امیہ اور بنی عباسیہ کا بھی اپنی مراد میں کرنا ضرور تھا کہ علی مرتضیٰ کے مخاطب کلام اُس وقت حضرت ابوسفیان اور حضرت عباس تھے جو مارے خوشی کے دیر تک مثل لبنی رسی کے جو گہرے کنوین میں چوڑنے کے وقت تڑپتی ہی تڑپتے رہتے۔

تیسری جہاں مراد مصنف مخاطب نے ظاہر کی ہے اُس سے زمانہ حضرت ابو بکر میں نتیجہ طلب خلافت نہ کرنے کا خوف موت علی مرتضیٰ کے لیے پیدا ہوتا ہے۔

چنانچہ بتصریح مصنف مخاطب نے آخر کار لکھا ہے میری وجہ باعث قتل ہو اُس سے بچنا چاہیے نہ کہ اُس کو طلب کرنا حالانکہ علی مرتضیٰ نے خود اپنے اسی کلام میں اسی فقرہ سے اوپر ایسی ترغیب طرف موت

کے ایسی ظاہر فرمائی ہی جیسے بچہ اپنے ماں باپ کے پستان کی طرف غصہ کر رہا ہو۔ اور بوجہ خوف موت کے حملہ خلافت پر نہ کر سکتا، نہ صاف انکار کیا ہی اور جو لوگ علی مرتضیٰ پر الزام خوف موت کا حملہ خلافت پر نہ کرنے سے لگانے والے ہوں ان کو علی مرتضیٰ نے منہ پر مار دیا ہے۔ لیکن مصنف مخاطب کی جرات قابل تماشایا و صفت تنبیہ علی مرتضیٰ کے کلام علی مرتضیٰ کے فقرہ کی ایسی مراد لیتے ہیں جس سے جہٹلاتا علی مرتضیٰ کا لازم آتا ہے یعنی علی مرتضیٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو رعیت، طرفت، موت کے ایسی ہی کہ جیسے بچہ کو پستان مادر کی طرف اور مصنف مخاطب فقرہ کی مراد یہ بتاتے ہیں کہ بوجہ علم قتل ہو جانے کے طلب خلافت نہیں کی۔ درحقیقت علی مرتضیٰ کے اس فقرہ کی مراد صاف و صریح یہ ہے جیسا کہ تمام اس کلام علی مرتضیٰ سے قیاساً ہے۔ یعنی تم ای جیسا اور ابوسفیان مجھ کو خلافت پر حملہ کرنے کی کیا ترغیب دیتے ہو مجھ کو ایسے پوشیدہ راز معلوم ہوئے ہیں کہ اگر میں حملہ کروں گا تو خدا بہ اسلام اور مسلمان اور مسلمانوں کی بادشاہت قومی برہم درہم ہو جاوے گی کہ اہل رتداد جدا خدایہ اسلام پر اور مرتدین مسلمانوں اور ان کی قومی خلافت پر حملہ کر رہے ہیں اور زکوٰۃ کے شعلہ جدا جگ و جدل باہم مسلمانوں کے ہو رہا ہے اور جب مسلمان اولطنت مسلمانوں کی اور مذہب اسلام میرے حملہ سے تباہ و برباد ہو جاوے گا (جس کی طبع و فہم مجھ کو دے گئے ہیں اور وصیت (نصیحت) صبر کی فرمائی گئی ہیں) تب تم لوگ دیر تک ایسے تڑپو گے جیسے بھٹی رسی گھرے کنوین میں تڑپتی ہی بیٹھے تم کو قومی سلطنت مسلمانوں کی تباہی کا مدت تک افسوس رہے گا۔

اس کلام علی مرتضیٰ پر بحث اور غلط اس کے معنی اور مراد خلا پر  
کونے کے بعد جسکی حقیقت ہماری تقریر سے عیاں ہو گئی مصنف مخاطب یہ  
دعویٰ کرتے ہیں کہ جناب امیر کو ابو بکر سے لڑنے کا کیوں خیال پیدا ہوتا  
وہ تو اپنے بیعت کرنے سے پہلے ہی ابو بکر کی اطاعت کو اپنے ذمہ واجب  
سمجھتے تھے اور اس دعویٰ کی تائید کے لیے نبی البلاغہ سے کلام علی مرتضیٰ  
کو سنبھلاتے ہیں وہ اصل فقرہ اور ترجمہ مصنف مخاطب یہ ہے۔

والذلیل عندی عزیز حتی عاجز آدمی میرے نزدیک زبردست  
اخذا الحق له والقوی عندی ہو تاکہ اس کا حق اور قوی سے لے کر  
ضعیف حتی اخذا الحق منه ولا یؤن اور زبردست میرے نزدیک  
ضعیف ہو تاکہ اس سے حق لوں ۷

یہ ترجمہ ٹیک نہیں ہے۔ ذلیل کا ترجمہ عاجز اور عزیز کا ترجمہ زبردست  
کیا ہے۔ ذلیل کا ترجمہ خوار کا ہے اور عاجز کا تو ان کو کہتے ہیں اور عزیز کا ترجمہ برتر ہے  
اور زبردست قوی کو کہتے ہیں جنیسا کہ خود مصنف مخاطب نے دوسری جگہ  
اسی فقرہ میں قوی کا ترجمہ زبردست کیا ہے۔ ٹیک کا ترجمہ کل فقرہ کا یہ ہے  
میرے نزدیک برتر ہو تاکہ لوں میں حق اس کے لیے اور زبردست میرے  
نزدیک کم زور ہو تاکہ لوں میں حق اس سے ۷ اپنے ترجمہ پر مصنف مخاطب  
یہ اسرار لال کر رہے ہیں۔

عجب جناب امیر کی یہ حالت تھی تو پھر وہ کسی زبردست سے کیوں لڑے  
اور اپنے ہاتھ کو دست بریدہ کیوں کہتے اور اگر خلافت کو اپنا حق سمجھتے تو کیوں  
چھوڑ دیتے ۷

دوسرا فقرہ کلام علی مرتضیٰ کا یہ ہے ۷ رضینا عن الله تضاہ وسلمنا

۷ شیخ مہدی طبرانی جلد دوم

فروری ۱۹۹۹ء

۵۰

جنرل مجاہد

اس سے پہلے جس کا وہ انتہائی خطاب یہ ترجمہ کرتے ہیں وہ ہم اس کی نقد پر مبنی  
ہیں اور جو اس کا حکم ہو اس کو تسلیم کرتے ہیں ۱۱

اس ترجمہ میں فقہان کا ترجمہ مصنف خطاب سے تقدیر کیا ہے حالانکہ فقہان  
سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ بیان ہو جائے یا گذر جائے اور اپنے اس ترجمہ سے  
مصنف مباحثہ نہ دراد لیتے ہیں یعنی چکو سلام ہو کہ اس کے پہلے خلافت  
ابو بکر کے لیے مقرر کی ہی ہم اس کی اس تقدیر پر مبنی ہیں کہ انہیں کوئی نیا  
نہیں ۱۲

تیسرے فقرہ کلام علی المرتضیٰ کا مصنف مباحثہ نے یہ ترجمہ کیا ہے  
تو یہ سمجھتا ہے کہ میں رسول پر بیٹھ بولتا ہوں و اللہ میں نے سب سے پہلے  
اس کی تقدیر کی ہے اب میں سب سے پہلے ان پر بیٹھ بولنے والا نہ ہوں گا  
اور اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ یعنی رسول مجھ کو یہ خبر دے گئے  
ہیں کہ پہلے اللہ سے حق الی بکر ہی میں یہ خبر سچی بیان کرتا ہوں ہرگز جھوٹی نہیں  
ہو سکتی فقرہ کا مصنف خطاب نے یہ ترجمہ کیا ہے پس میں نے اپنے  
معاہدہ میں مذکور کیا تو یکایک یہ معلوم ہوا کہ میری اطاعت میری بیعت کو نہ سے  
پہلے تھی اور یکایک یہ معلوم ہوا کہ محمد میری گردن میں غیر کا تھا ۱۳

اس ترجمہ میں جو مصنف مباحثہ نے یہ لکھا ہے میری اطاعت میرے  
بیعت کرنے سے پہلے تھی یہ ترجمہ ہی فاذا اطاعتی سبقت یہی کا ہے لکھ  
اس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ اطاعت میری سبقت لے گئی ہے میری بیعت پر  
مصنف خطاب جناب امیر کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ وفات  
رسول کے بعد نبی میں نے اپنے معاہدہ میں غور کیا تو یکایک مجھ کو یہ معلوم ہوا  
کہ بیعت کرنے سے پہلے ہی ابو بکر کی اطاعت مجھ پر واجب تھی شاید اس کی وجہ



یہ ہو کہ رسولؐ خبر دے گئے تھے کہ ابو بکرؓ خلیفہ برحق ہونگے انہی اطاعت کی پیروی کیا  
اس سے پہلے جناب امیرؓ نے فرمایا کہ میں رسولؐ پر جو ٹھنڈا ہونا لگا۔ اور  
پکا ایک مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر کا یعنی ابو بکرؓ کا عہد میری گردن میں ہی یعنی ہمارے  
واٹھارے ابو بکرؓ سے بیعت کر لی تھی اس وجہ سے یہ عہد میرے ذمہ بھی واجب  
ہو گیا تھا اس لیے کہ بیعت کے وقت جو لوگ موجود ہوں ان کی بیعت ان پر بھی  
لازم ہو جاتی ہے جو اُس وقت موجود نہ ہوں ۛ

مصنفؒ مخاطب یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اگر یہ مانا جائے کہ جناب امیرؓ  
نے بیعت میں تاخیر کی تھی تو وہ تاخیر اس وجہ سے نہ تھی کہ وہ ابو بکرؓ کی اطاعت  
کو واجب نہ سمجھتے ہوں بلکہ بطور دوستانہ شکایت کے تھی اور اس تاخیر میں  
کوئی حرج نہیں سمجھا تھا اس لیے کہ مقصود بیعت لینے عہد اطاعت قبل  
بیعت حاصل تھا ۛ

مصنفؒ مخاطب نے جن فقرات کو اُس کلام علی مرتضیٰؑ سے لیا ہے جو  
نیج البلاغہ میں مندرج ہیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس پورے کلام  
علی مرتضیٰؑ کا ترجمہ اس موقع پر لکھا جائے تاکہ اُس سے خود بخود ظاہر ہو جائے  
کہ اُن فقرات سے وہ مراد ہرگز نہیں ہو سکتی کہ جو مصنفؒ مخاطب نے لیا  
ہے۔ گو وہ کل کلام جو نیج البلاغہ میں سید رضیؒ نے منتخب کیا ہے خود ایک  
جزو کلام طویل علی مرتضیٰؑ کا ہے کہ انہوں نے بعد واقعہ نہروان کے جس میں  
مغلوب اور تہ تیغ ہو چکے تھے ارشاد فرمایا ہے اور اُس میں اُس شامت کا  
ذکر کیا ہے جو وقت وفات رسولؐ سے اُس وقت تک بہکے وہ کلام  
ارشاد فرمایا ہے گذر چکی تھی۔ جیسا کہ شارح ابن میثم اور ابن ابی الحدید نے  
لکھا ہے ترجمہ پورے اُس کلام کا جو نیج البلاغہ میں لیا گیا ہے یہ ہے جو چار حصہ کو مشتمل ہے

زین العابدینؑ آپس امر خدا کے ساتھ میں نے قیام کیا جس وقت کہ وہ آپس میں  
ہو گئے اور گو یا ہو میں جس وقت کہ وہ کلام مقسط سب کر سکتے تھے۔ اور انہیں  
ہوا میں جس وقت کہ وہ لوگ دیکھ گئے۔ اور چلا میں۔ امانہ نور خدا کے جبروت  
کہ وہ پھر گئے۔ اور تہا میں ان سب میں آواز میں نہایت تیز اور مہلت میں  
سب سے اعلیٰ۔ پس بے اطمینان عثمان فضیلت کیا۔ اور تہا میں نے  
میں کی نوٹ و نوٹ میں بازی جیتی۔

اور انہیں مثل پہاڑ کے کہ میں حرکت دے سکتی ہیں اُس کو زور شور کی ہو میں  
اور انہیں کو جگہ سے ہٹا نہیں سکتیں آنحضرتؐ اور میں تہا میں کوئی عیب نہ کہ  
جس کے باعث سے مجھ کو کوئی عیب نہ لگاسکے اور نہ کوئی بُرا کئے کی بات جس کے  
سبب سے کوئی کئے والا کچھ نہ سکے۔ اور ذیل میں سے نزدیک غریب میں  
تک کہ میں اُس کے لیے حق کو لے لوں اور قوی میرے نزدیک صنعت ہی  
اُس وقت تک کہ میں اُس سے حق کو لے لوں۔

اور انہیں اُمّی میں خدا سے جو کچھ اُس کی فضا جاری ہوئی اور تسلیم کیا ہے  
اُس کے لیے اُس امر کو۔ آیا تو دیکھتا ہی مجھے کہ میں رسول خدا صلعم پر جوٹ باندھوں  
واللہ ہر زمین پہلا وہ شخص ہوں کہ جس نے اُن حضرت کی تصدیق کی ہو پس  
میں پہلا اُن لوگوں میں کا ہوں گا کہ جنہوں نے اُن حضرت پر جوٹ باندھا۔  
اور انہیں آپس میں نے جو اپنے امر پر نظر کی تو ناگاہ دیکھا طاعت میری میری  
بیعت پر سبقت لے گئی ہو۔ اور ناگاہ دیکھا میں نے کہ عہد میرے بغیر کا  
میرے گلے میں ہو۔

اس ارشاد علی مرتضیٰ سے ظاہر ہے کہ اُس کا پہلا حصہ متعلق ہو ایسے  
امور سے جن کو علی مرتضیٰ نے سمرض افتخار میں اور اظہار میں اپنی فضیلت

کے تمام صحابہ اور سلفائون پر بسبب کمال اطاعت خدا اور رسول کے جو  
 علی مرتضیٰ علیہ السلام سے وقوع میں آئی فرمایا ہے۔ اور اس حصہ کلام میں یہ مصنف  
 محض عیب کوئی فقرہ اپنی کسی عرض کی سہولت کے لیے نہیں لے سکے اور نہ اس حصہ  
 میں سے کسی فقرہ کے معنی اور مراد کو مصنف مخاطب اپنے مذاق کے موافق  
 بیان کر سکے۔ پس اس کے یہ نتیجہ لازمی پیدا ہوتا ہے کہ مصنف مخاطب علی مرتضیٰ  
 کے افتخار اور فضیلت کے تشہیم کرنے میں عاجز آگئے ہوں۔ اور حقیقت  
 علی مرتضیٰ سے اپنے معجز افتخار میں جس جس شان سے اپنی فضیلت اور حصہ  
 کلام میں ظاہر فرمائی ہے اس سے کوئی مسلمان جس نے دل میں ذرہ برابر بھی ٹوڑ پکا  
 ہو گا اس کلام کی صداقت سے انکار نہیں کر سکے گا۔ اور جب افتخار علی مرتضیٰ  
 کا اور ان کی فضیلت تمام صحابہ اور سلفائون ہمہ پیمبر پر قابل تشہیم ہو جاوے گا  
 کہ جس کا مجبوری قبول کرنا ہر ایک مسلمان پر لازم آتا ہے کہ جس کو واقعات زمانہ  
 صدر رسول اور سوانح عمری علی مرتضیٰ ثابت کرے ہیں تب حصہ آئندہ کلام  
 علی مرتضیٰ کے جن میں سے بعض فقرات کے مصنف مخاطب نے غلط سمجھے  
 اور مراد قرار دی ہے خود بخود حقیقت معنی اور مراد ان حصہ کلام علی مرتضیٰ  
 کی ظاہر ہو جاوے گی۔

دوسرے حصہ کلام علی مرتضیٰ کے شروع میں مثال ہے ان کی اس  
 فضیلت کے استحکام کی کہ مثل پہاڑ کے کسی طرح سے جس کو جنبش ہو سکے  
 اور جس کو کوئی عیب اور امر مذموم نہ توڑ سکے۔ اس حصہ کلام کے اخیر میں جو  
 یہ فقرہ علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے جس کو مصنف مخاطب یقیناً کہہ دیکر  
 آدمی میرے نزدیک عزت والا ہو تا کہ اس کے لیے حق نون اور زبردست  
 میرے نزدیک کم زور ہو تا کہ اس سے حق نون ہے جو متعلق سیرۃ علی مرتضیٰ

کے ہر جس میں آنحضرت علیہ السلام نے اظہار اپنی سیرۃ کا فرمایا ہے اس اپنا  
سے کہ لوگ ہدایت پا کر سیرۃ علی مرتضیٰ کا اتباع کریں کہ وہ سیرۃ درصفت  
ماخذ اصول قانون عدل کی ہے۔ اور یہ سیرۃ اپنی علی مرتضیٰ نے عموماً اسی محل  
اور موقع کے یہ بیان فرمائی ہے جبکہ درمیان دو شخصوں کے کسی حق کا تنازع  
ہو اور ایک نے دوسرے کا حق چھین لیا ہو یا دوسرے نے کہا ہو اور علی مرتضیٰ  
درمیان ان دو شخصوں کے شخص ثالث محل عدالت اور موقع عدل میں  
ہوں۔ جس کا مدعا یہ ہے کہ حقدار جو اپنا حق چھین جانے کے باعث خواہ ہو گیا  
ہو اس کی حمایت کی جاوے اور اس کو بوجہ حق کے زبردست سمجھا جاوے  
اور نا حقدار جس نے کسی حق کے لیے کرب و تری حاصل کی ہو اس کی رعایت نہ کی جائے  
اور اس کو نا پیزا اور حقیر سمجھنا چاہیے۔

مگر اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ اصول بقائین عدل جو اپنے  
کلام میں علی مرتضیٰ نے اپنی سیرۃ کے لحاظ سے بیان فرمایا ہے اس کی تعمیم  
میں خود علی مرتضیٰ کی حالت خاص شامل ہو بلکہ ان کی حالت خاص سے  
اصولاً اس کی تعمیم ہو گئی ہے۔ اور ان کی حالت خاص کو بمقابلہ حضرت ابو بکر  
کے جیہ سمجھا جاتا ہے جیسا کہ خود صنعت مخاطب نے اس کلام علی مرتضیٰ  
کو یا ہم علی مرتضیٰ اور حضرت ابو بکر کے متعلق کیا ہے تو صاف یہ صورت پیدا ہوتی  
ہے کہ تصدیق خلافت کو علی مرتضیٰ اپنا حق بہ سبب اس فضیلت اور برتری کے  
جس کا بیان حصہ اول میں کیا ہے اور اس فضیلت اور برتری کے استحکام کو مثلاً  
اسی دوسرے حصہ کلام کے شروع میں ظاہر فرمایا ہے سمجھتے ہیں جس کو حضرت  
ابو بکر نے حاصل کر لیا تھا اور جس کے حصول سے حضرت ابو بکر ظاہر برتر اور  
زبردست ٹھہر گئے تھے۔ اور لوگ بوجہ متعرف ہو جانے حضرت ابو بکر

کے حق علی مرتضیٰؑ پر جو علی مرتضیٰؑ کو ذلیل اور کمزور اور حضرت ابو بکرؓ کو عزت والا اور قوی جانتے تھے انہیں خیالات کے باطل اور غلط قرار دینے کے لیے علی مرتضیٰؑ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ ذلیل آدمی میرے نزدیک عزت والا ہے تاکہ اُس کے لیے حق لون۔ اور زبردست میرے نزدیک کمزور ہو تاکہ اُس سے حق لون۔ باعتبار اُس واقع کے جو صرف خلافت کے متعلق گئے ماصاف اور مرتضیٰؑ کلام علی مرتضیٰؑ کے یہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ حق خلافت علی مرتضیٰؑ کا تھا اور صرف حضرت ابو بکرؓ سے علی مرتضیٰؑ کو ذلیل اور حضرت ابو بکرؓ کو عزت والا اور علی مرتضیٰؑ کو کمزور اور حضرت ابو بکرؓ زبردست سمجھے نہیں جاسکتے اعداس سمجھنے اور مراد سے اس امر کا کچھ تعلق نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ صنف مخاطب کہتے ہیں کہ یہ بتانا بے فائدہ ہے کیونکہ زبردست سے کیوں ڈرتے اور اسے ہاتھ کو دست بردہ کیوں نہ لگتے۔ اور اگر خلافت کو اپنا حق سمجھتے تو کیوں ہوتا؟ اُس کلام علی مرتضیٰؑ کی صرف اس خاص حالت میں حکم اُس کلام کو حالت حضرت ابو بکرؓ اور علی مرتضیٰؑ سے متعلق کیا جاوے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ جو فضیلت اور برتری علی مرتضیٰؑ کو حاصل تھی اور ہر سبب اُس کے خلافت حق علی مرتضیٰؑ کا تھا حضرت ابو بکرؓ نے جو اُس حق کو لے لیا اُس سے نہ علی مرتضیٰؑ کو خوار سمجھے جاتے ہیں اور نہ حضرت ابو بکرؓ زبردست اُسی فضیلت اور برتری میں جو علی مرتضیٰؑ کو حاصل تھی اُسی فضیلت اور برتری کی وجہ سے جو حق خلافت علی مرتضیٰؑ کو حاصل تھا یعنی نہ علی مرتضیٰؑ کی فضیلت اور برتری میں کچھ کمی ہو سکتی تھی نہ اُن کے حق میں کچھ نقصان آسکتا تھا نہ حضرت ابو بکرؓ کی کچھ بڑائی اُس سے ثابت ہو سکتی تھی نہ اُن کے لیے حق خلافت پیدا ہو سکتا تھا۔ کوئی شبہ اس بات کا قائل نہیں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سے علی مرتضیٰؑ کو ڈر گئے تھے اور اس وجہ سے انہوں

نے حضرت ابو بکر سے خلافت نہیں ملے لی نہ اس کلام علی مرتضیٰ سے کسی طرح  
مفہوم ہوتا ہی۔ پس حجت مصنف بنی طلب کی اس امر پر بھی ہے کہ خود اپنی  
طرف سے ایک مداخلت قرار دیتے ہیں اور خود ہی اس پر حجت لگاتے ہیں۔

ہاں علی مرتضیٰ نے خلافت حضرت ابو بکر پر حملہ نہیں کیا، دراصل وہ خود  
خود علی مرتضیٰ نے فرماتے ہیں جو ہمارے ماسبق مکرر یون میں ظاہر ہو چکے  
ہیں منجملہ انہیں وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کچھ امت رسول اللہ نے بیعت  
علی مرتضیٰ سے جو غم غم پر ہوئی تھی بلکہ کچھ کے سفید منہ ہی سادہ میں حضرت  
ابو بکر پر بیعت کی اور اس وجہ سے علی مرتضیٰ نے اپنے آپ کو دست بردار  
فرمایا۔ یہ قول علی مرتضیٰ کا جو خطبہ شمشاد میں ہو چکا ہے اور مائی اس قول  
علی مرتضیٰ کا نہیں ہو سکتا جو اس کلام زیر بحث میں اختتام حق کے متعلق ہرگز نہ  
اتلھا حق ادا اور اس حق کو بذریعہ حملہ کے حاصل نہ کرنے کے لیے وجہ  
بیان کرنا اور امر مؤثر۔ دوسری مصلحت اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ خطبہ ظاہر  
ہو چکی ہیں حق کے طلب کرنے میں صبر یا نہ ہو کر ناچھ سبب نہیں ہو سکتا اور  
اس سے اپنے حق کو ساقط کر دینا یا دعویٰ کا ترک کرنا لازم نہیں آ سکتا ہے  
بلکہ صبر اور تدبیر کرنا طلب حق میں بہ سبب دوسری مصلحتوں کے ایک فعل  
صواب تھا کہ جس میں طبع خلافت ہی نہیں سمجھی جاسکتی تھی۔ افسوس ہو کہ اس  
عدہ عمل علی مرتضیٰ کا کہ جو ہر کسی بشر سے ظہور میں نہیں آ سکتا تھا دوسری نوعیت  
سے سمجھا جائے۔

تیسرا حصہ زیر بحث کلام علی مرتضیٰ کا متعلق اس واقعہ کے ہو کہ علی مرتضیٰ  
جو اخبار پیغمبر بیان فرماتے تھے خواہ وہ کسی کی ذات سے متعلق ہوں خواہ  
ہشتمین گوئی آئندہ سے اور لوگ انہیں شک کرتے تھے۔ لوگوں کے اس

سے دیکھو جلد چارم مدنی بحث خلد شمشاد۔

شک رفع کرنے کے واسطے وہ ارشاد علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے اُسی حصّہ سے یہ فقرہ مصنف مخا طیب لیتے ہیں۔

وَصْنِیْنَ احْنِ اللّٰهَ قِضَاہُ وَصَلْحُنَا اِنَّہُ تَرْجِبُہِہِمْ اللّٰہُ کی قضا پر راضی ہیں اور لہٰذا سورہ ۷۷

قضاے الہی پر راضی ہونا اور اُسکے امر کو تسلیم کرنا یہ ایک اعلیٰ درجہ ہی مدارج عرفان کا کہ جس پر خاص اولیاء اللہ پہنچتے ہیں اور جو کوئی مصیبت اس نیلہ میں غماصان خدا کو پیش آتی ہے وہ اُس کی بطیب خاطر برداشت کرتے ہیں اور جادۂ تحمل سے قدم اُن کا نہیں ڈگتا۔ اور جس میں امتحان اُن کا خدا کا ہو جاتا ہے اُس موقع پر یہ کلمہ اُن کی زبان سے نکلتا ہے۔

ایسے کلمہ سے حقیقت کسی امر باطل کی جو وقوع میں آجاوے لازم نہیں آیا کرتی ہے۔

علی مرتضیٰ سید العارفین اور سردار اولیاء اللہ تھے یہ کلمہ بھی انہوں نے ایسے ہی موقع پر فرمایا ہے کہ جو موقع اُن کے لیے سخت تر مصیبت اور امتحان کا تھا اور وہ مصیبت یہ تھی کہ پیغمبر جو اخبار فرما گئے تھے کہ بعد اُنکے کیا کیا نقصے برپا ہونگے اور صحابہ پیغمبر احداث کریں گے اور اہل بیت پیغمبر کو کیا کیا اذیتیں امت کے ہاتھ سے پہنچیں گی جن کو موقع بہ موقع خود اہلسنت کی کتابوں سے ہم اپنے رسالہ جات میں دکھا چکے ہیں۔ اور ابن ابی الحدید اور ابن میثم شراحین نے بھی احداث اور ملاحم کا ذکر کیا ہے۔

علی مرتضیٰ انہیں اخبارات اور علم پیغمبر کے بموجب جو علی مرتضیٰ کو حاصل ہوا تھا انہیں ایسے امور کا فرماتے تھے جس کی عام طور پر لوگ تصدیق نہیں کرتے تھے چنانچہ خود اسی حصّہ کلام میں علی مرتضیٰ فرماتے ہیں یہ آیا تو دیکھتا

ہو مجھے کہ میں رسول خدا پر جوٹ ہاں نہ ہو نکاحا و امثالہ پر آئینہ میں پہلا وہ شخص ہوں کہ جس نے اُن حضرت کی تصدیق کی ہو پس میں پہلا اُن لوگوں میں کا ہوں گا کہ جنہوں نے اُن حضرت پر جوٹ ہاں نہ دیا

پس ظاہر ہے کہ امت مسلمہ فرمودہ رسول کی جب تصدیق نہ کرے اور علی مرتضیٰ کی صداقت بیانی پر شک لاوے تو اس سے زیادہ علی مرتضیٰ کے لیے کون موقع مصیبت کا ہو سکتا ہے۔ اسی مصیبت کے سبب سے ہجرت است رسول کے ہاتھ سے علی مرتضیٰ کو پہنچی اور جس کی علی مرتضیٰ نے برداشت کی اسی کے متعلق علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ ہم قضاے خدا پر راضی ہیں اور اُس کے امر کو تسلیم کرتے ہیں یعنی خدا کی راہ میں جو مصیبت ادا دیتے ہم کو پہنچی ہے اُس کو ہم گوارا کرتے ہیں۔ کلمہ کہ علی مرتضیٰ نے وقت ہجرت مصیبت اور اذیت کے فرمایا ہے جس کو ایسے موقع پر فرمایا خدا فرمایا کرتے ہیں۔

یہی کلمہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے سرکہ کر بلا میں ایسے ہی موقعوں پر جبکہ امت رسول نے اُن کی ہدایت کو نہ مانا اور اُن کے حق کو قبول نہ کیا اور اُن کے اعوان و انصار کو قتل کیا اور خود امام علیہ السلام کو زخمی اور مجروح کیا ہے تو چند بار فرمایا ہے: *رضینا بقضاء اللہ و تسلیما* لایم۔ ۱۰ لاکھ ہونے والے رونا شیعہ ہر سال عاشورا کے دن بیا دگاری امام مظلوم وقت ہجرت بجا آوری اعمال عاشورا کے خاص اس کلمہ کو بھی عملاً پڑھتے ہیں۔

کہا کوئی اس بات کا قائل ہو سکتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اس کلمہ کے فرمانے سے یہ لازم آگیا کہ حضرت امام حسین ناخوش تھے



اور نیز پڑھنا۔ اور اللہ نے خلافت نیز پڑھنے کے لیے مقرر کر دی تھی اور حضرت امام حسین علیہ السلام اس پر راضی ہو گئے تھے اور ان کو کچھ شکایت نہیں رہی تھی حالانکہ مرثیہ دم تک انہوں نے بیعت نیز پڑھنے سے انکار کیا ہی ہے۔ یہی علی مرتضیٰ نے جو وہ کلمہ ارشاد فرمایا ہی اور اس کے مصنف مخاطب یہ معنی بتاتے ہیں کہ یہ اللہ نے خلافت ابو بکر کے لیے مقرر کی ہے ہم اللہ کی اس تقدیر پر راضی ہیں۔ ہر گز ہم کو شکایت نہیں یہ کسی طرح یہ معنی جو مصنف مخاطب نے بیان کیے ہیں صحیح قرار نہیں پاسکتے۔

ہم کو اس میں کچھ عذر نہیں ہے کہ یہ کلمہ علی مرتضیٰ کا معاملہ خلافت حضرت ابو بکر سے متعلق سمجھا جاوے لیکن تعلق اس کا خواہ مخواہ اسی نوع سے ہوگا کہ علی مرتضیٰ کے نزدیک خلافت حضرت ابو بکر کی جیسے اسلام میں ایک مصیبت تھی اس وجہ سے کہ خلافت مرضی خدا و رسول کے امت رسول نے ایسے شخص کو خلیفہ قبول کیا تھا کہ جس میں وہ اوصاف نہ تھے جن کو خدا و رسول نے بیان فرمایا تھا اور غیر قابل اور غیر مستحق کو خلیفہ مقرر کر دیا گیا تھا اور علی مرتضیٰ خلافت اس کے جو کچھ از روئے قرآن اور اخبار پیغمبر ہاں آتے تھے اس کی صحت پر لوگوں کو مشک ہو جاتا تھا۔ کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس سے زیادہ علی مرتضیٰ کے نزدیک کوئی مصیبت نہیں ہو سکتی تھی جس سے غصہ و اذیت علی مرتضیٰ کے قلب اور روح کو پہنچی لیکن علی مرتضیٰ نے اپنے غصہ و غضب کو روکا جس کو صبر کہتے ہیں اور اس مصیبت عظیم اور اذیت کو جس کا اشارہ خطبہ شمشیر میں بھی برداشت کیا تھا اسی مصیبت اور اذیت کی برداشت کی حالت سے یہ ظہور تعلق ہو سکتا ہے کہ علی مرتضیٰ نے اپنی ہر امنی اور اس کے بعد کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی مصیبت

کے واقع ہونے سے اور اُس سے اذیت پہنچنے سے ہم کو کچھ شکایت نہیں ہے کہ خاصگان خدا کا ایسے ہی موقعوں پر امتحان ہوتا ہی اور جس سے ہرگز یہ لازم نہیں آسکتا کہ وہ واقعہ جس سے وہ مصیبت ظہور میں آئی اور خاصگان خدا کو اذیت پہنچی صحیح اور مطابق مرضی خدا کے تھا۔ اس بنا پر لزوم اس امر کا قرار نہیں پاسکتا کہ اللہ نے پہلے خلافت ابو بکرؓ کے لیے مقرر کی تھی اور علیؓ مرضی اور اہلبیتؑ پیغمبرؐ اُس کی صحت اور جو ان پر راضی ہو گئے تھے۔ کسی امر کو حق قبول کرنا اور چھڑی اور کسی امر ناحق پر صبر و سکوت کرنا اور چھڑی ہر۔

خلیفہ برحق وہ ہو سکتا ہی جو مطابق ہدایت خدا اور رسولؐ کے قبول کیا جائے اور جو امتیاز اور اوصاف خدا اور رسولؐ نے قرار دیے ہیں اُس میں وہ امتیاز اور اوصاف موجود ہوں۔ ایسے خلیفہ کو کہہ سکتے کہ مطابق مرضی خدا اور رسولؐ کے ہی لیکن برخلاف اُس کے لوگ جس کسی کو خلیفہ مقرر کر لیں اور وہ خلیفہ قرار پا جاوے اُس کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بموجب تقدیر الہی کے یعنی موافق اُس اندازہ کے ہی جو خدا نے کیا تھا بلکہ صامت یہ کہا جائیگا کہ بموجب تقدیر بندگان خدا کے ہی کہ جس کو بندگان خدا نے اپنے اندازے سے مقرر کیا ہی اور یہی فرق ہی باہم خلیفہ اللہ اور خلیفہ الناس کے یعنی درمیان اُس خلیفہ کے کہ جو متجانب اللہ ہو اور اُس کے جو متجانب لوگوں کے ہو۔ اور جن لوگوں کا یہ اعتقاد ہو کہ خدا اور اُس کے رسولؐ نے کوئی ہدایت و بارہ تقرر خلیفہ کے نہیں کی وہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت اول خدا نے کی تھی وہ مجبور ہیں اس امر کے کہنے پر کہ بغیر اور بلا مرضی خدا کے اُس کے بندہ غما رہیں جس کو چاہیں خلیفہ مقرر کر لیں اور کچھ شبہ نہیں ہی کہ بغیر ہدایت خدا اور رسولؐ کے بندگان خدا اور امت رسولؐ جو کچھ محض اپنی خواہش سے عمل میں

لاؤینگے اُس میں خطا ہوگی اور مجرد کسی امر کے واقع ہو جانے کو تقدیر الہی سمجھا جائے تو کفر کا وقوع اور شیوع گو کسی زمانہ میں ہو تقدیر الہی اور صحیح سمجھا جائیگا حضرت ابو بکرؓ کی خلافت مجرد واقع ہو جانے سے اگر تقدیر الہی اور ترجیح سمجھی جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ بمقابلہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے یزید کی خلافت کو کیوں نہ کہا جائے کہ تقدیر الہی تھی اور بموجب اس تقدیر کے وہ خلافت صحیح ہے اور کلمہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے یہ مراد کیوں نہ لیجائے کہ اللہ نے خلافت یزید کے لیے مقرر کی ہے ہم اللہ کی اس تقدیر پر راضی ہیں ہرگز ہم کو شکایت نہیں۔

یقین کرنا چاہیے کہ یہ رضا و تسلیم جو علی مرتضیٰؓ اور حسین علیہما السلام نے ظاہر کی ہے وہ مصیبت اور اذیت کی برداشت پر ہے جو راہ خدا میں ان کو برداشت کرنا پڑا نہ حضرت ابو بکرؓ اور یزیدؓ کی صحت خلافتوں کے قبول پر۔

علی مرتضیٰؓ نے اُسی حصہ کلام میں اس فقرہ کے بعد کہ ہم قضا سے خدا پر راضی ہیں اور اُس کے امر کو ہم نے قبول کیا ہے اور جس سے راہ خدا میں مصیبت اور اذیت کی برداشت مراد ہے جو یہ فرمایا ہے۔ آیا تو دیکھتا ہے کہ میں رسول خدا صلم پر جوٹ باندھونگا واسد ہر آئینہ میں پہلا وہ شخص ہوں کہ جس نے آنحضرت کی تصدیق کی ہے پس میں پہلا اُن لوگوں میں کانہ ہونگا کہ جنہوں نے آنحضرت پر جوٹ باندھا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں یعنی رسول مجھ کو یہ جردے گئے ہیں کہ پہلے خلافت حق ابی بکرؓ میں یہ خبر سچی بیان کرتا ہوں ہرگز جوٹی نہیں۔

یہ سنی صحیح اسیلے نہیں ہو سکتے کہ اس فقرہ کلام علی مرتضیٰؓ سے ظاہر ہے کہ حضرت جو کچھ فرماتے تھے لوگ اُس میں شک کرتے تھے اور آمادہ تکذیب

علی مرتضیٰ کے تہے پس ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کلام علی مرتضیٰ کا جس میں لوگ شک کرتے تھے اور آمادہ تکذیب علی مرتضیٰ کے تھے اُن لوگوں کے خیالات کے موافق بتایا مخالف۔ ظاہر ہے کہ وہ ارشاد علی مرتضیٰ "مخالف الہوا و توفان کے خیالات کے تھا۔

اگر اُن لوگوں کے خیالات کے موافق ہوتا تو وہ لوگ ارشاد علی مرتضیٰ میں شک نہ کرتے اور اُن کے کلام کی تکذیب پر آمادہ نہ ہوتے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اُن لوگوں کے خیال میں خلافت حضرت ابو بکر کی برحق اور صحیح تھی۔ لہذا یہ لازم آتا ہے کہ علی مرتضیٰ اخبار و احادیث پیغمبر کے موافق اُن خلافت کو ناحق اور غیر صحیح ظاہر فرماتے تھے اور وہ لوگ علی مرتضیٰ کے ارشاد میں جو مخالف اُن کے خیالات کے تھا شک کرتے تھے اور آمادہ تکذیب علی مرتضیٰ کے ہوتے تھے۔

پس اُس کلام علی مرتضیٰ کے سوا سوائے اس کے اور کچھ معنی ملین ہو سکتے کہ رسول آگاہ فرما گئے ہیں کہ خلافت حق علی اور اہل بیت پیغمبر ہی اور سوائے ان کے جو کوئی خلافت قبول کرے یا امہ رسول کسی غیر کو خلیفہ قرار دے وہ ناحق اور مذہب اسلام میں فتنہ ہے۔ اور یہ غیرین سچی بیان کرتا ہوں ہرگز جوئی نہیں ہے۔ اور یہ معنی کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتے کہ رسول مجاہد فرمائیے ہیں کہ پہلے خلافت حق ابی بکر ہی میں یہ خبر سچی بیان کرتا ہوں ہرگز جوئی نہیں ہے کیونکہ علی مرتضیٰ مخالف صحت خلافت ابو بکر کے اخبار رسول بیان کرتے تھے اور لوگوں کے خیال بتائید صحت خلافت حضرت ابو بکر کے تھے۔

ہوئے حصہ کلام علی مرتضیٰ میں جو عین فقرہ منقولہ بالا کے بعد ہے جس کے معنی ابی بتائے گئے ہیں۔ یہ فقرہ ہی ہے پس میں نے جو اپنے امر پر نظر کی تو

ناگاہ دیکھا کہ طاعت میری۔ میری بیعت پر سبقت لے گئی ہے۔ اور ناگاہ دیکھا میرا نے کہ عہد میرے غیر کا میرے گلے میں ہے بیعت کی صریح مراد یہ ہے کہ جب عہد میں سے اپنے کے امور پر نظر کی تو بات تو یہ تھی کہ طاعت میری میری بیعت پر سبقت لے گئی تھی۔ بیعت میں نے رسول کی طاعت کہ جو عین طاعت خدا تھی اس درجہ پر کی تھی کہ وہ طاعت میری سبقت لے گئی تھی اس بات پر کہ لوگ میرا اتباع کریں یا یہ بات تھی میری طاعت لوگوں پر میرے ساتھ بیعت کرنے سے سابق ہی واجب ہو گئی تھی لیکن یا وصف اس نشان صریح موجود ہے بات یہ ہو گئی کہ عہد اپنے غیر کا اپنے گلے میں پایا۔ یعنی غیر کی سلطنت اور خلافت کا اتباع میری گردن میں پڑ گیا۔ جس سے غرض یہ ہے کہ لوگوں نے دوسرا خلیفہ امیر و شاہ سلطنت قومی مسلمانوں کا بنالیا اور محکوم انکا تبع قرار دیا۔ بجائے اس کے کہ میرا حق بوجہ طاعت خدا اور رسول کے یہ تھا کہ محکوم لوگ خلیفہ اور پادشاہ مذہب اسلام قبول کرنے۔ اور میری طاعت اپنے اوپر واجب جانتے اور میرے ہاتھ پر بیعت کرتے کہ میری طاعت میری بیعت سے سبقت لے گئی تھی۔

جس میں اشعار اور اظہار حق خلافت کا اپنے لیے اور انکار حق خلافت کا غیر کے لیے ہے۔ بجائے اس صاف و صریح مراد کے مصنف مخاطب جو یہ مطلب جناب امیر کا قریب سے ہیں کہ بیعت کرنے سے پہلے ہی ابو بکر کی طاعت مجھ پر واجب ہے صریح غلط ہے کیونکہ کلام علی مرتضیٰ سے وجوب طاعت ابو بکر کا علی مرتضیٰ پر کسی طرح مفہوم نہیں ہو سکتا نہ اس سے بیعت کرنا علی مرتضیٰ کا حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر واضح ہوتا ہے چنانچہ وہ اصلی فقرہ یہ ہے یحفظ طرف فی الامور فاذا طاعتی سبقت بیعتی ۳۳ پس کا نفی ترجمہ یہ ہے پس میں

اپنے معاملہ میں نظر کی تو یکایک یہ معلوم ہوا کہ طاعت میری۔ (اے میں نے جو اطاعت خدا اور رسول کی کی تھی) سبقت لے گئی ہے یا میری اطاعت جو خدا و رسول نے لوگوں پر واجب کر دی ہے۔ میری بیعت پر (اے میرے ساتھ بیعت کرنے پر)۔ "سبقت لیگئی ہے"۔

مصنف مخاطب جو یوں ترجمہ کرتے ہیں کہ یکایک یہ معلوم ہوا کہ۔ میری اطاعت میری بیعت کرنے سے پہلے تھی، ہرگز ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک غلط مفہوم ہوتا ہے کہ میں نے جو اطاعت کی ہے وہ میری بیعت کرنے سے تھی۔ اس لیے کہ علی مرتضیٰ نے حضرت ابو بکرؓ کی بھی اطاعت نہیں کی اور انکار بیعت سے کیا۔

اور اگر یوں کہا جائے کہ مجھ کو اطاعت کرنا بیعت کرنے سے پہلے چاہیے تھا تو اس کے واسطے اصل فقرہ میں الفاظ نہیں ہیں جو الفاظ کہ اصل فقرے میں ہیں اس کے صرف یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ میری اطاعت جو تھی کی ہے یا جو لوگوں پر واجب ہو گئی ہے وہ سبقت لے گئی ہے میری بیعت پر پہنچنے پر کے ساتھ بیعت کرنے پر۔

اور اگر اس فقرہ کا وہ مفہوم ہوتا جو مصنف مخاطب ترجمہ میں پیدا کرنا چاہتے ہیں تو وہ اصل فقرہ یوں ہوتا "فأخذا أمانت علی طاعة غیرہ" قد سبقت علی بیعتہ پس ناگاہ تھا مجھ پر اطاعت کرنا غیر اپنے کا بالتحقیق سبقت لے گئی ہے اور پر بیعت میری کے۔

مصنف مخاطب اپنے مفہوم کو جب تک کہ اصل فقرہ عربی میں نہ بڑبڑاویں تب تک ترجمہ میں وہ مفہوم پیدا نہیں ہو سکتا۔

پھر قول جناب امیر کا (اسی قول کے ساتھ جس کا ذکر ابھی ہوا) بیشک

یہ جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں کیا یکے کے یہ بی معلوم ہوا کہ غرض کیا ہے  
ابو بکر کا عہد سیری گردن میں ہے

ان دونوں قول کا مفہوم صریح ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ امر تو کچھ ہونا چاہیے  
تھا اور ہو گیا کچھ یعنی حق ناحق ہو گیا مگر مصنف مخاطب نے اس سے  
کہتے ہیں یعنی معاصرین و انصار نے ابو بکر سے بیعت کر لی تھی اس وجہ  
سے یہ عہد میرے ذمہ بھی واجب ہو گیا تھا اس لیے کہ بیعت کے وقت  
جو لوگ موجود ہوں ان کی بیعت انہر ہی لازم ہو جاتی ہے جو اُس وقت موجود  
نہیں

جس اعتبار سے مصنف مخاطب نے یہ مراد ظاہر کی ہے افسوس ہے کہ  
اُس کے خلاف اصول ہونے کی وجہ سے ہم اُس سے اتفاق نہیں کر سکتے  
اول یہ اصول عامہ ہے کہ جس عہد میں جو لوگ شریک ہوں انہیں پر پابند  
اُس عہد کی لازم ہوتی ہے نہ اُن لوگوں پر کہ جو اُس عہد میں نہ شریک ہوں طلب  
کیے گئے ہوں نہ اُن کو اطلاع دی گئی ہو کہ کوئی عہد قومی ہونے والا ہے نہ  
ان کی طرف سے وکلاء اور سفیر ہوں یا اُن کے عوض ان کی اجازت سے اسے  
دینے والے سایون کہو کہ قوم کی طرف سے جماعت اہل الرائے یا اہل  
حل و عقد ہوں۔

جن معاصرین و انصار نے حضرت ابو بکر سے بیعت کر لی تھی اُن کا عہد  
اگر صحیح ہو تو باعتبار اُس کے کہ وہ عہد بیعت انہوں نے کیا تھا اُن کی تعمیل  
میں واجب ہوتی لیکن حل و عقد میں جو نہ اُس عہد میں شریک تھے نہ ان کی  
اجازت سے نہ اُن کے عوض رائے دینے والا تھا نہ وہ حرکت کر سکتے تھے  
نہ اُن کو اطلاع دی گئی نہ صحیح عقیدہ اہل الرائے یا اہل حل و عقد

حل دعتقد کا تو ہم کی طرف سے ہوا۔ تو وہ پابند کسی عہد معاہدہ میں اور انصاف کے  
ہرگز نہیں ہو سکتے تھے اور نہ وہ ان کے عہد کو اپنے ذمہ واجب جان سکتے  
تھے نہ مصنف مخالف نے کوئی سند کسی آیت یا حدیث سے دی کہ بیعت  
کے وقت جو لوگ موجود ہوں ان کی بیعت اپنی ہی واجب ہو جاتی ہے جو اس وقت  
موجود نہ ہوں نہ حیثیت اور انتخاب کرنے والا مجمع اہل الرائے اور اہل حل و عقد  
کا ہو۔

میں پوچھتا ہوں کہ جو کفار خدمت میں پیغمبر کی موجود ہو کر اور مسلمان  
ہو کر یعنی پیغمبر کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کر کے عہد بیعت کرتے  
تھے تو وہ عہد بیعت ان لوگوں کے ذمہ ہی واجب ہو جاتا تھا جو اس وقت  
موجود نہ ہوں یہ سوال تو اصول عام کی شکل پر تھا۔ لیکن خاص صورت مثلاً  
اس واقعہ کی یہ ہے کہ پیغمبر کسی نام کا ارشاد فرماتے اور کچھ مسلمان اس کے خلاف  
بغیر اطلاع اور طلب اور شرکت دوسرے مسلمانوں کے کوئی عہد کسی سے  
کرتے تو آیا وہ عہد دوسرے مسلمانوں کی گردن میں پڑ سکتا ہے اور وہ عہد  
ان دوسرے مسلمانوں پر واجب العمل ہو سکتا ہے۔؟

چاہوں فرض کرو کہ اپنے زمانہ حیات میں کوئی امر پیغمبر نے بیان  
کر لیا تھا کسی امر کی ہدایت نہ کی ہو اور کچھ مسلمان خود بخود اپنی طرف  
سے کوئی عہد باہم کر لیں تو وہ عہد ان مسلمانوں پر نہ ہو اس عہد میں نہ شریک  
تھے نہ موجود نہ ان کے حوصلے کوئی رائے کا دینے والا نہ وہ طلب کیے گئے نہ  
ان کی اطلاع دی گئی ہو نہ مجمع اہل الرائے اور اہل حل و عقد کا ہو۔ وہ



سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکرؓ کے تقرر کے بارہ میں جو کچھ چل رہا تھا  
 پیغمبرؐ کے ہوا پر اس سے کچھ نہ ہونا چاہا ہے تاکہ وفات رسولؐ (ع) خبر نہ  
 سن کر حبیبؓ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ سجدہ نبوی میں آنا شروع ہوئے۔ کئی دنوں سے  
 ہی لوگ جمع ہوتے جاتے اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جو انصار آئے تھے وہ  
 تھے انکو ہی سجدہ نبوی میں بلا لیا جاتا تاکہ اول سب بخیر و تکفین نبیؐ میں شریک  
 ہوں۔

بعد قبض روح پیغمبرؐ سب سے پہلے جو کام ہونا چاہیے تھا وہ کفن اور دفن  
 پیغمبرؐ کا تھا لیکن اس کام کا مقدم ہونا ہی سمجھ سکتا تھا کہ جو بعد پیغمبرؐ کا کام ہو  
 اور تمام کام عمل جو مذہب اسلام سے متعلق تھے انکا بجالانے والا ہو یہی  
 خلیفہ رسولؐ اور بادشاہ اسلام سمجھا جاسکتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ بخیر اور تکفین پیغمبرؐ کو مقدم نہ سمجھا اور بخیر و تکفین پیغمبرؐ  
 کو ترک کر کے اور علیؓ مرتضیٰ جو کار بخیر و تکفین پیغمبرؐ میں مشغول تھے انکے  
 اس کار کو نہ سمجھ کر امام اپنا کام کر رہا ہو سقیفہ بنی ساعدہ کو واسطے علیؓ کرنے  
 اور خلافت کے تشریف لے گئے جس کا یہ نتیجہ یہ کہ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ نے  
 علیؓ مرتضیٰ کا امام ہونا قبول کر کے سب سے پہلے امام سے اس امر میں  
 اختلاف نہ کیا کہ پیغمبرؐ کا کفن و دفن مقدم ہو یا خلیفہ کا مقرر کرنا۔

حضرت ابو بکرؓ کو جب وفات پیغمبرؐ کی خبر ہوئی تھی تو وہ جنازہ نبیؐ پر حاضر  
 ہوئے اور انکے چہرہ مبارک کو دیکھ کر بوسہ دیا اور انکی موت کا اطمینان  
 کر کے باہر نطریٹ لگے اور حضرت عمرؓ کو کہہ جو سن کر موت رسولؐ آئے اور  
 تلوار کو گھا کر یہ فرماتے تھے کہ جو کوئی نبیؐ کی موت کا قائل ہوگا اسکا سر اڑا دوں گا  
 یہ آیت پڑھ کر موت پیغمبرؐ کا یقین دلایا۔

حضرت محمد اکرام رسول قد خلت  
من قبلہ الرسل افاکین حالت  
او قتل انھما لکم علی اعقابکم  
ترجمہ ہے اور نہیں ہو محمد مگر رسول یقین  
کہ گزر گئے ہیں پہلے اُس سے بہت  
رسول پہ کیا اگر پیغمبر جائے یا قتل  
ہو جائے پہ چاؤ گے تم اوٹے پاؤں

اس آیت میں نبی کی وفات کا ہر طرح سے ذکر کیا خواہ بستر بہ موت ہو  
خواہ میدان جنگ میں قتل ہو۔ حضرت عمرؓ نے اس آیت کو سن کر فرمایا یہ آیت  
مجھ کو یاد نہیں رہی تھی مگر حضرت ابو بکرؓ کے یاد دلانے سے موت پیغمبر کا  
آنکو یقین ہو گیا۔

جب موت پیغمبر کا حضرت ابو بکرؓ کو اطمینان اور حضرت عمرؓ کو یقین ہو گیا تھا  
تو آنکو لازم تھا کہ وہ تا تجسز اور تکفن پیغمبر جنازہ پیغمبر پر حاضر رہتے اور لاش  
پیغمبر کو چوڑ کر چلے نہ جاتے۔

پیغمبر کی جان اور جسم دونوں رسول ہوتے ہیں جان محمد کو ہی روح رسول  
کہتے تھے اور جسم محمد کو ہی جسم پیغمبر کہتے تھے۔ روح رسول جب جسم پیغمبر میں  
تھی اس وقت ہی پیغمبر کو چوڑنا نہیں چاہیے تھا اور جب روح پیغمبر جسم رسول  
میں نہیں تھی اس وقت جسم پیغمبر کو ہی چوڑنا نہیں چاہیے تھا۔

مگر حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ حیات پیغمبر میں ہی میدان جنگ میں چوڑ چوڑ کر  
چلے گئے اور بعد ہات ہی جسم پیغمبر کو چوڑ کر چلے گئے

افسوس یہ کہ آیت فکر موات پیغمبر حضرت ابو بکرؓ کو تو پہلے سے یاد تھی اور  
وقت مرگ پیغمبر انہوں نے حضرت عمرؓ کو تازہ یاد کرا لی لیکن یہ دونوں بڑے  
سیدھے انسان تھے اس آیت کا دفعہ پہل گئے مگر پیغمبر جیسے یا قتل ہو جائے  
پہ چاؤ گے تم اوٹے پاؤں

فی الحقیقت علی مرتضیٰ سبنا نب خدا قابلیت امامت کی رکھتے تھے۔  
جنہوں نے نہ حیات پیغمبر میں میدان جنگ میں پیغمبر کو چھوڑا نہ بعد وفات  
اس کے جگہ پر۔

حضرت ابو بکر اور عمر کو نہیں چاہیے تھا کہ علی مرتضیٰ سے اختلاف کرتے  
وہ کفن و دفن پیغمبر کو مقدم سمجھتے اور لاش پیغمبر کو چھوڑ کر سقیہ بنی ساعدہ  
کو شعلے جلاتے اور جنازہ فانی پر دھڑکھڑکھڑا کر اور جس قدر معاہدہ انعام و خیر و فائدہ  
پیغمبر سے منکر جمع ہوتے وہ سب عزت و شرف و دغنیابی کی حاصل  
کرتے۔

بعد اُس کے بوجودگی علی مرتضیٰ و بنی ہاشم اور دیگر مہاجر و انصار کے اگر کسی  
کو یہ شبہ ہوتا کہ پیش پیغمبر علی مرتضیٰ کا امامت نہیں کوستے یہی ہیں اور بنی  
قابلیت کا خلافت کی نہیں ہر تو اس امر کو طے کرتے کہ بعد پیغمبر کو بنی ہاشم  
مقرر ہونے کے قابل ہوگا اور اس امر کے طے کرنے سے پہلے تمام مسلمانوں  
علی انخصوص تمام سرداران قبائل عرب کو اطلاع دیتے تھے کہ وہ کسی اور جمع  
ہو کر بالاتفاق اس امر کو طے کریں کہ بعد پیغمبر کون خلیفہ مقرر کیا جائے لیکن  
امر تقرر حضرت ابو بکر کا خلافت پر نہایت عجلت کے ساتھ کار مقدم پیغمبر  
و کفین پیغمبر کو چھوڑ کر بلا لحاظ کسی اصول کے کہ جسکا ہونا ایک عظیم عملی کار تھا  
کے لیے ضروری تھا عمل میں لایا گیا۔

جن لوگوں نے کہ اُس وقت حضرت ابو بکر کے ساتھ بیعت کی اُنکا عہد  
علی مرتضیٰ کی گردن میں ڈالنا یا اُنکے عہد کا علی مرتضیٰ کے ذمہ لایا ہونا جیسا کہ مصنف مطاب  
قرابتی ہیں سنا مصنف مخاطب کے اور کسی کی سبب میں نہیں آسکتا۔  
بلکہ سیری جہ میں تو خود وہ لوگ ہی کہ جنہوں نے اُس وقت حضرت ابو بکر

سے عہد بیعت کیا تھا پابند اپنے اس عہد کے نہیں رہ سکتے کہ وہ عہد مہول ہونے کی وجہ سے باطل اور ناجائز تھا ایسی حالت میں کلام علی مرتضیٰ کے سے بیان کرنا کہ غیر کا یعنی ابو بکر کا عہد میری گردن میں ہے اور مہاجرین اور انصار کی بیعت سے یہ عہد میرے ذمہ ہی رہا جب ہو گیا سراسر غلط اور غیر صحیح۔

نہ علی مرتضیٰ اس معنی میں وہ کلمہ فرما سکتے تھے اور جو کلمہ کہ انہوں نے فرمایا ہر نہ اس کے وہ معنی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ان کے ارشاد کے وہی معنی ہیں کہ کچھ کا کچھ اور حق کا ناحق ہو گیا۔ یعنی کہ میری اطاعت جو خدا اور رسول کی کر چکا ہوں سبقت لے گئی ہے میرے ساتھ بیعت کرنے سے۔ اور آگاہ عہد خیر کے لیے میری گردن میں بڑ گیا۔

دوسرے خیر کے عہد کا علی مرتضیٰ کی گردن میں پڑنے سے مراد یہ ہے کہ میں نے خیر کو مل کر کے اور دیگر مصلحتوں کے جنکو انہوں نے دوسرے موقوف پر فرمایا جو دفع نہیں کر سکتا اور انکو اعلیٰ حالت پر چوڑ کر جبر کرتا ہوں اور اس حیثیت سے عہد دوسرے خیر کے میری گردن میں پڑ گیا۔

علی مرتضیٰ نے ہر گز یہ نہیں فرمایا جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں کہ میری بیعت سے پہلے ابو بکر کی بیعت بھیر فرض ہو گئی اور انکا عہد میری گردن پر آگیا جس کی حقیقت ہم ابی اور دوسرے کے اور نہ اس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ مصنف مخاطب قصد کو کہتے ہیں کہ تاخیر بیعت بطور دستاویز شکار کے تھی۔

اور اس ضمن میں کہ مصنف مخاطب یوں ادا کرتے ہیں کہ اگر یہ مان جائے کہ بیعت میری گردن میں پڑ گئی تھی تو تاخیر بیعت سے نہ تھی کہ وہ ابو بکر

یہ غمخوار بطور دفع دخل کے سعادت نفاطیب نے باعتبار روایات اپنے  
بیان کی کتب کے بیان کیا ہو کہ بیعت علی مرتضیٰ کے بارہ میں اہل سنت کے  
بیان مختلف روایات وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض کا یہ مقصود ہو کہ بیعت  
سقوط خلافت کے علی مرتضیٰ سے بلا تخریبیت لائی گئی اور بعض روایات  
سے اہل سنت نے یہ مقصد نکالا ہو کہ بوجاہت حضرت فاطمہ زہرا صلوات  
اسد علیہا کے تازہ نگاری کے علی مرتضیٰ سے بیعت طلب کرنے پر اصرار نہیں کیا  
گیا تھا بعد وفات جناب سیدہ علی مرتضیٰ نے بیعت کی۔ لیکن ہم موقع موقع  
ان ہر قسم کی روایات کی حقیقت دکھائے ہیں۔

جن روایات سے بذریعہ قزو استیلا کے علی مرتضیٰ کا واسطے بیعت کے طلب کرنا یا بلانا غیر انکا بیعت کرنا ظاہر کیا گیا ہے وہ روایات بغرض اثبات قزو استیلا کے وضع کی گئی ہیں تاکہ حق خلافت قزو استیلا کی وجہ سے پیدا ہو جائے لیکن ناواقعتہ اس امر سے کہ مسئلہ قزو استیلا بیرون سلطنت حق پیدا کرتا ہے اور بعضا میں انکی دوسری قسم کے روایات کے بموجب مخالفت اور مخالفت ہونے کے قابل اعتماد کے نہیں ہیں۔

اور میں روایات سے کہ بعد وفات جناب فاطمہؑ کے بہ تاخیر بیعت کرنا صحیح نہیں ہے۔  
 کا بیان کیا جاتا ہے بخلاف اس کے جو روایت صحیح بخاری میں ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ  
 حضرت امیر المؤمنینؑ کے صلح جنتی اور بیعت

حملہ نہ کریں اور حضرت ابو بکرؓ کو طلب بیعت کے ارادہ سے باز آئیں اور خلافتِ رسولِ  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری روایتیں اس قسم کی جس میں ذکرِ بیعتِ علی مرتضیٰؓ کا ہو  
 معتد نہیں ہو سکتیں۔

شیعہ از روئے تحقیق برابر اس کے قائل ہیں کہ علی مرتضیٰؓ نے بیعت حضرت  
 ابو بکرؓ سے نہیں کی اور نہ کسی اور خلیفہ وقت سے۔ اور نہ حضرت امام حسنؓ نے  
 معاویہ بن ابی سفیان سے اور نہ حضرت امام حسینؓ نے یزید بن معاویہ سے۔  
 البتہ علی مرتضیٰؓ نے باکراہِ خلافت خلفائے ثلاثہ کو ان کی حالت پر چوڑا اور حملہ  
 نہ کر کے انکو سنبھل دیا اور اسی شان سے کبرا جاسکتا ہے کہ علی مرتضیٰؓ نے اتباع  
 ان کی خلافتوں کا کیلئے بیعت فی عاقل کا اتباع اہل عدل ہمیشہ کیا کرتے ہیں  
 یقین کرنا چاہیے کہ اگر علی مرتضیٰؓ اطاعت حضرت ابو بکرؓ کو واجب سمجھتے چوتھے  
 تو ممکن نہیں تھا کہ وہ ایک لمحہ ہی ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے توقع کرتے کیونکہ  
 وہ تمام امور جو شرعاً واجب ہوں فوراً بلا تاخیر عمل میں لائے دلتے۔ اور  
 تعمیل امر واجب میں تاخیر شکایت دوستانہ تصور نہیں ہو سکتی بلکہ اپنے حق میں  
 دشمنی ہے جسکی توقع علی مرتضیٰؓ سے غیر ممکن ہے۔ اور اگر علی مرتضیٰؓ بیعت حضرت  
 ابو بکرؓ کو واجب نہیں سمجھتے تو تاخیر بیعت کے کچھ معنی نہیں ہو سکتے۔

اور جب مصنفِ مخاطب یہ قرار دیتے ہیں کہ علی مرتضیٰؓ اطاعت حضرت  
 ابو بکرؓ کو واجب سمجھتے تھے تو اُس کے مخالف جو نتیجہ بیعت نہ کرنے کی حالت میں  
 پیدا ہوتا ہو وہی نتیجہ تاخیر بیعت میں پیدا ہوگا۔ مقدار زمانہ امر واجب کو  
 نہیں کر سکتا۔

مصنفِ مخاطب کس قدر خوبی سے دفعِ دخل کرتے ہیں کہ علی مرتضیٰؓ امر  
 واجب کی تعمیل کی تاخیر کا الزام مخالفین پر دیتے ہیں۔ لیکن وہ جاسکتی ہے کہ وہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کہ جوامد واجب کو بتایا  
تو میں نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا ہے جس کا اثر علی مرتضیٰ کے افضل الناس ہو  
میں نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا ہے جس کا اثر علی مرتضیٰ کے افضل الناس ہو  
میں نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا ہے جس کا اثر علی مرتضیٰ کے افضل الناس ہو  
میں نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا ہے جس کا اثر علی مرتضیٰ کے افضل الناس ہو

ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کہ جوامد واجب کو بتایا  
تو میں نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا ہے جس کا اثر علی مرتضیٰ کے افضل الناس ہو  
میں نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا ہے جس کا اثر علی مرتضیٰ کے افضل الناس ہو  
میں نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا ہے جس کا اثر علی مرتضیٰ کے افضل الناس ہو  
میں نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا ہے جس کا اثر علی مرتضیٰ کے افضل الناس ہو

ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کہ جوامد واجب کو بتایا  
تو میں نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا ہے جس کا اثر علی مرتضیٰ کے افضل الناس ہو  
میں نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا ہے جس کا اثر علی مرتضیٰ کے افضل الناس ہو  
میں نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا ہے جس کا اثر علی مرتضیٰ کے افضل الناس ہو  
میں نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا ہے جس کا اثر علی مرتضیٰ کے افضل الناس ہو

سے کہ اُسے مومنین کے طریقہ کے خلاف طریقہ اختیار کیا اور پھر دیا اُس کو حق سے اُسرے۔ اور میں قسم لےتا ہوں اپنی جان کی اسی معاویہ اگر تو اپنی ہوا کو چوڑ کر اپنی عقل سے غور کرے تو قتل عثمان کے اتمام میں تو مجھ کو سب آدمیوں سے زیادہ بری پائیگا اور البتہ تو جان لیگا کہ میں ایک گوشہ میں تھا اُس سے بڑگر یہ کہ گناہ ڈھونڈ ہے تو میرا پس گناہ ڈھونڈ تو جو کچھ کہنا ہر شخص مصنف مخاطب نے شروع میں جو یہ ترجمہ کیا ہے کہ وہ انہیں لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے ابو بکر اور عمر اور عثمان سے بیعت کی تھی۔ اُسی شرط پر جس شرط پر اُسے بیعت کی تھی لفظ شرط صحیح نہیں ہے اصل عبارت میں لفظ علیٰ ما ہے جس کا یہ ترجمہ ہوتا ہے اُسی طرح پر یعنی بیعت کی مجھے قوم کے انہیں لوگوں نے کہ جنہوں نے بیعت کی ابو بکر اور عمر اور عثمان سے اسی طرح پر نہ بیعت کی تھی انہوں نے اُسے جس طرح پر بیعت کی تھی کہ اُن تینوں کو خلیفہ قبول کرنے کے لیے جن لوگوں نے بیعت کی تھی ویسے ہی مجھ کو خلیفہ قبول کرنے کے لیے اُن لوگوں نے مجھے بیعت کی ہے۔

اور باقی مضمون ترجمہ میں جان کہیں جو یہ راہ بنوع دیگر اختیار کیا ہو اُس کا فرق اُس ترجمہ سے نمایاں ہو جائیگا جان اُسندہ ہم ترجمہ لکھیں گے۔

مصنف مخاطب اپنے ترجمہ کے مضمون بالاسے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جناب امیر نے اول یہ فرمایا کہ جن لوگوں نے ابو بکر اور عمر اور عثمان سے بیعت کی تھی انہیں لوگوں نے مجھے بیعت کی ہے پس جس طرح وہ تینوں امام بحق تھے اسی طرح میں امام بحق ہوں اور جس طرح انکی امامت سے کسی بیعت کرنے والے یا غائب کو انکار کرنا یا بغاوت کرنا یا کسی دوسرے کو امام مقرر کرنا جائز نہ تھا اُسی طرح میری امامت سے انکار جائز نہیں ہے۔



یہ پھر جناب ایئر کو یہ تردد کیوں ہوتا کہ ابو بکر سے لڑو یا نہ لڑو؟ اگر جناب ایئر ابو بکر سے لڑتے تو ابو بکر کے مقابلہ میں انکی وہی حالت ہوتی جو جناب ایئر کے مقابلہ میں ایئر سعادہ کی ہوئی ہے۔

یہ پھر جناب ایئر نے فرما دیا کہ امام مقرر کر لینے کا اختیار مہاجرین اور انصار کو ہی جسکو وہ امام بنائیں اُسی سے اسد راضی ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ امامت کے لیے نفس نہ تھی بلکہ امامت بیعت مہاجرین و انصار سے حاصل ہوتی تھی۔ خلفاء ثلاثہ کو مہاجرین و انصار نے امام بنایا تھا پس اسے انکی امامت سے راضی تھا۔ مہاجرین و انصار جسکو امام بنائیں پھر اُس سے جو کوئی مخالفت کرے اور سمجھائے سے نہ مانے اُس سے مومنین کو کڑا چلبے پس اگر جناب ایئر ابو بکر کی مخالفت کیے اُسے لڑتے تو تمام مومنین کو جناب ایئر سے لڑنا واجب ہوتا ہے۔

یہ مہاجرین اور انصار جسکو امام بنادین اُسے طعن کرنا بھی جائز نہیں ٹھہرتے کہ وہ بھی باغی ہے اور اُس سے لڑنا جائز ہے۔  
یہ جناب ایئر نے جو یہ فرمایا دقتاً تلویحاً علی اقباعہ غیور سبیل المومنین ولا لا للہ اُسمین اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

میر ومن یشاقق الرسول من بعدک ۛ اور جو شخص مخالفت کرے رسول کی مابین لہ المہدی و یلیع غیور سبیل المومنین ہر قولہ ماقولی و نصلہ ۛ  
جہنم و ساءت مصیرا ۛ  
اُسکو جہنم میں اور نہ بُرا ٹھکانا ہے۔

اور فاضل میثم کی شرح سے حوالہ دیتے ہیں کہ جناب ایئر کے خط میں۔

وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (عاقول) اور اُس کے بعد پوری آیت اُمی قرآن اور پورا خطبہ نقل ہو جس میں پوری آیت مذکور ہے۔

مصنف مخاطب اپنی حرمت سے یہ نہیں لکھتے ہیں کہ یہ رقی سے اپنی ذات خیانت کے ہو جب خط کا فقط ایک ٹکڑا نقل کیا اور اس آیت کے باقی بقول ہی حذف کر دیے۔

اُس کے بعد مصنف مخاطب یہ استنباط کرتے ہیں کہ اے جناب امیر! یہ ذرا یاد آئے۔ مہاجرین و انصار کے بنائے ہوئے امام سے جو مخالفت ہو اُس سے اور اس دنوے کی دلیل میں یہ آیت ذکر کی اس سے ثابت ہو کہ جناب امیر نے اُن مہاجرین و انصار کو جنہوں نے ابوبکر اور عمر اور عثمان کو امام بنایا سو سن مانا یہ وہی لوگ ہیں جنکو حضرات شیعہ مرتد کہتے ہیں (سادہ و سہل سمجھا) جناب امیر نے اس آیت کے ذکر سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ ابوبکر اور عمر اور عثمان امام المومنین تھے اس طرح میں ہی امام المومنین ہوں۔

مصنف مخاطب یہ بھی حجت کرتے ہیں کہ یہ اس آیت میں: اَمْرٌ مِّنْكُمْ کی سزا اُس شخص کے لیے مذکور ہے جو حق ظاہر ہو جانے کے بعد نہ سوائے اُنکی اور طریقہ مومنین کی مخالفت کرے اور جناب امیر نے اس آیت کو اُس شخص پر صادق کیا جو ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علیؑ سے باغی ہو پس ثابت ہو کہ جو شخص ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علیؑ کا مخالف ہو وہ رسول کا بھی مخالف ہے اور اُسکی سزا جہنم ہے۔

آخر کار مصنف مخاطب یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ شیعوں کے مقابلہ میں جو اہلسنت کا مذہب پروردہ سب اس کلام معجز نظام سے ثابت ہو گیا اور چونکہ جناب امیر نے اس کے ثبوت میں قرآن کی آیت ہی ذکر کر دی تھی لہذا یہ ثابت

ہیں کیا کہ اہلسنت کا مذہب تقلید کے مطابق ہے اور شیعہوں کا مذہب تقلید کے خلاف ہے۔

اسی خطرات شیعہ یا در ہے کہ قیامت کے دن یہی قول  
تیر حجت ہوگا

|                          |                         |
|--------------------------|-------------------------|
| جب روز جزا صاب ہوگا      | اس قول کا کیا جواب ہوگا |
| محشر میں نجات اسے ملے گی | جو تاج بوتراسب ہوگا     |

پیر صنعت مخاطب علمائے شیعہ کو اس قول کی تاویل میں سخت عاجز  
ہوا کہ انکا قول یہ تھا ہر کہتے ہیں کہ جو لوگ نصیحت کو نہیں مانتے  
تو انکے سامنے جناب امیر نے اپنی خلافت کے ثابت کرنے کے لیے  
ایسے طریقے سے استدلال کیا کہ جو ان کو مسلم تھا مگر جناب امیر کو مسلم نہ تھا  
اور علمائے شیعہ کی تاویل کو جو باطل کرنے کا قصد کرتے ہیں۔  
۱۔ اول۔ جناب امیر نے اس قول کو قرآن سے ثابت کیا اور جو مفسرین قرآن  
سے ثابت ہو وہ بیشک انکا مذہب ہے۔

دوسرے۔ اس کلام میں کوئی ایسا قرینہ نہیں جس سے بھاجے کہ یہ  
قول جناب امیر کو مسلم نہ تھا۔ اگر ایسا عادیہ کو الزام دینے کے لیے ایسا لکھا  
تھا تو اتنا لکھ دینا کافی تھا کہ جن لوگوں نے خلفائے ثلاثہ سے بیعت کی تھی  
انہیں لوگوں نے مجسے بیعت کی تھی شوری کا اختیار رہا جرین اور انصار کو  
اور ان کے امام بنائے ہوئے باطنی ہونے والے سے لڑنا اور قرآن کی  
آیت سے اسکو ثابت کرنا قرآن اس امر کے ہیں کہ جناب امیر کے نزدیک یہی  
حق تھا۔ کوئی قرینہ خلافت معنی ظاہر کے نہیں بلکہ معنی ظاہر کے قرآن موجود ہیں  
پھر ظاہر کلام کو جو بڑا ظالم ہے اور ظاہر قول کا یہی ہوتا ہے کہ کسے دے کے نزدیک

حق یہی ہے جو کہ رہا ہے۔ یہ امر فصاحت اور بلاغت کے خلاف ہے کہ کہنے والا اپنے مذہب کے خلاف کوئی بات کہے اور اُنہیں کوئی ایسا اشارہ نہ کرے کہ یہ قول اُس کہنے والے کے نزدیک حق نہیں بلکہ اُسکی تائید کر دے۔ جناب امیر کمال فصاحت اور بلاغت میں بے نظیر تھے اُنکے کلام میں آپ عیب کو کیونکر دخل ہو سکتا ہے۔

تیسرے۔ اگر جناب امیر کو لازمی دلیلی پیش کرنا منظور تھی تو اُنکے ساتھ نص امامت بھی ضرور ذکر کر دیتے اور یوں لگتے کہ رسولؐ نے ہی نبی کو امام بنانے کا حکم کیا ہے اور مہاجرین اور انصار نے ہی مجسے بیعت کی ہے پس دونوں طرح حق امامت مجھی کو حاصل ہے۔ دونوں دیلون سے استدلال نہایت قوی ہوتا۔ ضعیف استدلال پر کیوں اکتفا کیا۔ جناب امیر نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ لوگوں کو یہ شبہ ہو گا کہ جناب امیر کے لیے نص نہ تھی۔ چوتھے۔ جناب امیر کے دوسرے قول سے ہی تائید ہوتی ہے جو یہ لوگ نے بعد حادثہ عثمان کے اُن کو خلیفہ بنانا چاہا تو جناب امیر نے فرمایا کہ مجھے چور داد رکسی اور گو خلیفہ بنا لو۔ اس سے ہی ظاہر ہو گیا کہ خلیفہ بنانا انہیں لوگوں کا کام تھا جس سے وہ بیعت کرتے وہی خلیفہ ہوتا۔ اس کلام کے آخر میں جناب امیر نے یہ فرمایا کہ جسکو تم خلیفہ بناؤ گے میں مثل تمہارے یا شاید تم سے ہی زیادہ اُسکی اطاعت کروں گا۔

جو کلام علی مرتضیٰ کا مصنف مخاطب نے نقل کیا ہے اُسکے معنی اور مراد میں مصنف مخاطب نے اپنی عادت کے موافق تحریف کی ہے اگر وہ علی مرتضیٰ کے اس کلام کے معنی اور مراد کی تہ کو پہنچ گئے ہوں۔

اور کہ یہ شبہ نہیں ہے کہ علی مرتضیٰ نے اپنے اسی کلام مبلغ میں بتا دیا ہے کہ

راست کے لیے جس ہوتی ہو اور وہ نص میر کے ہی لیے ہی میر کے تقدیر  
کے واسطے۔ اور یہی بتا دیا ہو کہ امام شافعی سے جو دشمنی ہو اس کا قتل کرنا  
ازدوے نص لایم ہو۔ اور جو کچھ امر بن تھا اور جو کچھ تھا اس سے اس سے دلیل  
قطعی اور لازمی پیدا ہوتی تھی سب عباد اسی کلام میں موجود ہیں جو جہاں اسکے  
اصلی معنی اور مراد کی تشریح ہم کرینگے تب ظاہر ہو جائیگا کہ مصنف نحا طب کا  
نہ کوئی استدلال قائم نہ کر سکتا ہو اور نہ علمائے شیعہ کے قول کا جواب دے سکتا  
ہو۔

سید رضی نے کتاب نوح البلاغہ واسطے قائم اور باقی رکھتے فن بلاغت  
کے تالیف کی ہو اور جیسا کہ مصنف نحا طب اسی بحث میں قبول کرتے  
ہیں کہ یہ جناب امیر کمال فصاحت اور بلاغت میں بے نظیر تھے۔  
ایسے ہی تمام است پھر قبول کرتی چلی آئی ہو کہ علی مرتضیٰ قدر تافصیح اور  
بلغ تھے۔ اس لیے سید رضی بجا ہوتے کہ اس کتاب فن بلاغت میں جہاں  
علی مرتضیٰ کے کلام خواہ وہ تحریری ہوں یا تقریری جمع کریں۔ اور بہت کچھ  
حصہ اس کتاب کا متفرق طور پر دوسری کتابوں میں مروی اور منقول ہو چکا  
ہو جس سے انہوں نے اُسکو لیا ہو۔

چنانچہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں اس کتاب (خط) علی مرتضیٰ کی  
نسبت لکھا ہو کہ ارباب سیر نے اُسکا ذکر کیا ہو اور ہمارے شیوخ متکلمین  
اُسکو حجت میں لائے ہیں اور جیسے کہ پورا یہ خط شایع ابن میسم نے اپنی شرح  
میں منقول کیا ہو ویسے ہی پورا یہ خط شایع ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں  
نقل کیا ہو جو ابن میسم سے مقدم ہو۔

سید رضی نے یہ کتاب نوح البلاغہ مذہبی شان سے جمع نہیں کی ہو کہ میر

پورے مضامین احادیث اور روایات کا جمع کرنا لازم ہوتا بلکہ انہوں نے اپنے نزدیک پس کلام تحریری اور تقریری علی مرتضیٰ سے جس قدر لیا گیا اس سبب سمجھا ہی اُسکو لیا ہی اور زیادہ لحاظ اس بات کا رکھا ہی کہ وہ مرتضیٰ میں جو علامہ کسی فرقہ اسلام کو ناگوار ہوں ترک کیے جائیں تاکہ اس کی یہ کتاب ہر فرقہ کے مسلمانوں کو فخر و باعث میں فائدہ پہنچا سکے۔

مصنف مخاطب نے جو سید رضی کی نسبت یہ لکھا ہے کہ یہ نہایت عادت خیانت کے ہو جب خط کا فقط ایک ٹکڑا نقل کیا اور اُس کے باقی کو نہ ہی حذف کر دیے بلکہ نہایت نا انصاف ہی لیکن جب وہ خود علی مرتضیٰ کی نسبت اُنکے فضائل کے کم کرنے میں اور دوسروں کے چہرے درجہ پر قائم کرنے میں کوشاں ہیں تو اُنکو سید رضی کی نسبت جو علی مرتضیٰ سے چند پشتوں کے بعد نسل میں ہیں کسی ناحق الزام دینے میں اور بجائے حسن صواب کے عیب لگانے میں کیا باک ہو سکتا ہے۔

سید رضی نے کلام زیر بحث علی مرتضیٰ کا جو انتخاب کیا ہے اگرچہ اُمین لفظ آیت (ما توتی) کہ جس سے نشان آیت معلوم ہو جائے ترک نہیں کیا مصنف مخاطب جو لفظ (ما توتی) کا ترک کرنا ظاہر کرتے ہیں غلط ہے۔ شرح ابن ابی الحدید اور شرح مافتح السد صاحب شیرازی میں وہ لفظ آیت در بیان کلام منقولہ سید رضی کے موجود ہے۔ البتہ شرح ابن میسم مطبوعہ طہران میں وہ لفظ آیت کلام منقولہ نبی البلاغہ سے بہرہ و کتاب متروک ہو گیا ہے۔

وقت شرح کے خود ابن میسم کے کلام میں وہ لفظ آیت داخل کلام منقولہ نبی البلاغہ موجود ہے۔ مصنف مخاطب کو جس کے سامنے شرح ابن میسم ہی چاہی تھا کہ وہ بیان شرح ابن میسم سے خیال کر لیتے کہ وہ لفظ آیت سید رضی نے ترک

نہیں کرنا چاہتا تھا کوئی بیچ نہیں ہر سدا ایسے علی مرتضیٰ کا تمام کلام ہمیشہ  
متمم ہی تھا میں آیا تھا قرآنی اور تقسیم قرآن سے ہو کر ہی۔ اور علماء خود بخود  
جان لیتے ہیں کہ کلام علی مرتضیٰ کا ماخذ کون آیت قرآن اور حدیث رسول ہی  
نہیں بلکہ ان کے بعد آیت کا اس کلام علی مرتضیٰ میں موجود ہے کہ جو بیچ البلاغین  
سید مرتضیٰ نے منقول کیا ہے۔ اور پورا وہ خط علی مرتضیٰ کا صحیح پوری آیت  
کے کتب سید مرتضیٰ میں موجود ہے جو ان سے سید رضی نے لیا ہے پس الزام خیانت  
سید رضی پر نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ بچا ہے۔

قبل اس کے کہ ہم کلام زیر بحث علی مرتضیٰ کے معنی بیان کریں یہ بھی مناسب  
معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کا پورا ترجمہ لکھ دیں اور کلام زیر بحث پر خط کہیں دین تاکہ  
معلوم ہو جائے کہ جو معنیوں خط کا سید رضی نے ترک کیا ہے وہ ہر سنت کے  
استدلال کے لیے مفید ہے یا متبعان حضرت معاویہ کے لیے مضر۔

### (خط علی مرتضیٰ بنام معاویہ)

اور لیکن بعد اسکے بیشک بیعت میری ای معاویہ لازم ہو گئی ہے تبھکو درجائے  
تو شام میں ہوا سو اس کے تحقیق امر یہ ہے کہ بیعت کی ہے مجھے تو کہہ کر انہیں لوگوں  
نے جنہوں نے ابو بکر اور عمر اور عثمان سے بیعت کی تھی اُسی طرح یہ جسطرح پر ان  
سے بیعت کی تھی۔ پس نہ کسی حاضر کو یہ جائز کہ کسی اور کو اختیار کرے اور نہ  
واسطے غائب کے یہ ہو سکتا ہے کہ اسکو رد کرے۔ اور نہ میں ہی شوریٰ گرد واسطے  
ہاجرین اور انصاء کے۔ پس اگر اجتماع کریں وہ کسی پر اور نام رکھیں اُسکا  
نام تو ہوئی وہی رضائے خدا۔ پھر اگر گلے اُن کے امر سے کوئی نکلنے والا اُردو  
طعن یا بدعت کے تو پھر واسکو طرف اُسی چیز کے جس سے کہ وہ نکل گیا ہے  
پس اگر وہ انکار کرے جنگ کر و اس سے اس سبب سے کہ اُس نے اتباع کیا ہے

غیر راہ مومنین کی پیر دیا ہر اسکو اللہ نے (ترجمہ) اللہ نے انہیں مرنے پر آمادہ  
 جنم واصل کر دینے ہم اسکو اور وہ بڑا ٹھکانا ہے۔ اس پر بھی لکھا کہ اللہ نے انہیں  
 بیعت کی پیری پر توڑ دیا ان دونوں نے پیری بیعت کی اور تمہارا انہیں  
 کا مثل ارتداد ان دونوں کے پس ہوا کیا میں سے ان دونوں سے کسی  
 بات پر یہاں تک کہ آیا حق اور ظاہر ہوا اگر اللہ کا در حایہ نہ ہو گا کہ یہ بیعت کرنے سے  
 تھے پس داخل ہو تو اسی معاویہ اس امر میں کہ داخل ہوئے مسیحین مسلمان  
 پس تحقیق کہ میرے نزدیک محبوب ترین امور تیرے پاس میں عافیت ہو گئے  
 یکہ تو بلا کو لیکر خود ہی پیش آئے۔ پس اگر تو اسکو لیکر پیش آتا تو جنگ کا روٹھا  
 میں تجھے اور مدد چاہوں گا میں اللہ سے تیرے مغلوب ہونے کی۔ اور تحقیق  
 کہ تو نے جگہ کیا قتل عثمان میں پس داخل ہو تو اس امر میں اے عسکین لوگ  
 داخل ہوئے پھر محاکمہ کر قوم کا (مرد) قوم سے وہ لوگ ہیں جو معارف و فاسق  
 کا جانتا تھا میں تم کو اور اس قوم کو کتاب خدا پر اوٹھا لوں گا راہ تیرے اور اس  
 قوم کے درمیان میں موافق کتاب خدا کے حکم ہو گا اور یہ بات جسکا تو ارادہ  
 کرتا ہو اس قسم سے ہر کہ جیسے بچہ کو دودھ چوڑنے کے لیے دھوکا دیتے ہیں۔  
 اور قسم ہر چلو اپنی زندگی کی ای معاویہ ہر آئینہ اگر غور کرے تو اپنی عقل سے  
 خواہش نفسانی سے البتہ یا نیگا تو بھگوز یا دھو بری لوگوں دین کا خون عثمان سے  
 اور ہر آئینہ جان نیگا تو کہ بیشک اس سے میں الگ تہلک تھا۔ مگر یہ کہ عفت  
 تو مجھ پر جو میں نے نہ کیا ہو۔ پس جو کچھ تیرے خیال میں آئے اسے اسکی  
 مجھ پر لگا اور جان تو کہ تو اس بادشاہ لوگوں میں سے ہے کہ جنکو خلافت طاعت  
 نہیں ہے اور نہ انہیں شوریٰ پیش ہو سکتا ہے۔ اور تحقیق کہ میں نے جو باتیں  
 پاس اور ان لوگوں کے پاس جو تیرے آگے ہیں جو بر بن عہد اللہ کو اور وہ



اہل بیان اور بہترت سے ہر ولا قوتہ الا بالہ العلیٰ لعظیمؑ

اس ترجمہ کل مضمون خط علی مرتضیٰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید رضی نے جس قدر اس خط سے مضمون نوح البلاغہ میں نقل کیا ہے اسی پر کوئی استدلال مصنف مخاطب یا اُنکے ہم خیال کر سکتے ہیں۔ اور جس قدر مضمون کہ سید رضی نے اُس خط سے ترک کیا ہے اُس پر مصنف مخاطب یا اُنکے ہم خیال کسی قسم کا استدلال پیدا نہیں کر سکتے۔ اگر سید رضی کوئی مضمون مفید استدلال مصنف مخاطب یا اُنکے ہم خیالوں کا متروک کرتے تو سید رضی پر الزام خیانت ناروا نہ ہوتا۔ لیکن خود مصنف مخاطب بقیہ مضمون خط علی مرتضیٰ سے جس کو سید رضی نے ترک کیا ہے کوئی امر مفید اپنے پیدا نہ کر سکے۔ ایسی حالت میں صرف زبان سے یہ کہہ دینا کہ ”سید رضی نے اپنی عادت کے موافق خیانت کی“ شایان نہ تھا۔

اب بین مصنف مخاطب کی وہ خیانت فی المعنی والہراد کلام زیر بحث علی مرتضیٰ میں دکھاتا ہوں جو انہوں نے اپنے استدلال کے لیے کی ہے۔ اور اس بحث میں جو طریقہ کہ مصنف مخاطب نے اختیار کیا ہے وہ کوئی تازہ نہیں ہے بلکہ تحریف فی المعنی والہراد کی اُنکی عادت ہو گئی ہے جیسا کہ اس وقت تک اُنکے جلون اور ہمارے دفاعوں سے ظاہر ہے۔

کلام زیر بحث میں علی مرتضیٰ نے صرف یہ فرمایا ہے کہ ”قوم کے جیسے لوگوں نے بیعت کی تھی ابو بکر اور عمر اور عثمان کے ساتھ جیسا کہ اپنے خلیفہ قبول کرنے کے لیے“ سیطرہ چرخہ بیعت کی ہے۔

یہ ارشاد اُنکا مطابق واقع کے ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ یہ واقعہ خود جناب علی مرتضیٰ کو مسلم تھا اور تمام مسلمانوں کو یہ واقعہ تاریخی اس وقت تک مسلم

چلا آتا ہو۔ لیکن بعد بیان اس واقعہ کے علی مرتضیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ حضرت ابو بکر کی خلافت حق تھی۔ نہ یہ کہا کہ بسطیح خلفائے ثلاثہ کی خلافت حق تھی اسطرح میری خلافت ہی حق ہے۔ نہ یہ ارشاد کیا ہو کہ جس ذریعہ سے اُن کو خلافت حاصل ہوئی تھی اُسی ذریعہ سے مجھ کو خلافت حاصل ہوئی ہو یا جو ذریعہ حصول خلافت کا اُن تینوں کے لیے ہوا وہ صحیح اور مطابق شریعت کے تھا یا اُنکی اطاعت سب پر واجب تھی یا یہ کہ بسطیح وہ تینوں امام برحق تھے اسطرح میں امام برحق ہوں۔ یا اُن تینوں کی امامت سے کسی بیعت کرنے والے یا غائب کو انکار کرنا یا بغاوت کرنا یا کسی دوسرے کو امام مقرر کرنا جائز نہ تھا۔

اس دو واقعہ بیعت کے بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ حضرت علی مرتضیٰ خلافت ابو بکر کو خلافت حق سمجھتے ہوں یا اُنکی خلافت برحق تھی یا اُنکی اطاعت سب پر واجب تھی یا وہ تینوں امام برحق تھے یا کسی بیعت کرنے والے یا غائب کو انکار کرنا یا بغاوت کرنا یا کسی دوسرے کو امام مقرر کرنا جائز نہ تھا۔

یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ کسی امر کا وقوع میں آنا یا کسی واقعہ کو تسلیم کرنا اور امر ہو یا نہ ہو کسی امر کا جائز یا صحیح طرز پر وقوع میں آنا یا کسی واقعہ کی صحت اور جواز کو قبول کرنا اور پھر یہ۔

اور جب بیان اُن امور کا کلام علی مرتضیٰ میں موجود نہیں ہے جن امور کو مصنف مخاطب اپنے استدلال میں بیان کرتے ہیں تو خلافت کا بہرہ اور صریح کلام کے معنی اور مراد کی حیثیت سے اضافہ کرنا اُن امور کا قطعی تحریر لفظ فی المعنی والمراد ہے۔

لیکن میں خود اسی کلام علی مرتضیٰ سے بتا دوں گا کہ کلام علی مرتضیٰ  
میں جو بیان بیعت خلفائے ثلاثہ اور علی مرتضیٰ کا ہر اُس سے بیشک یہ  
لازم آتا ہے کہ علی مرتضیٰ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کو خلافت حقہ نہیں سمجھتے تھے  
اور ذریعہ حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے حصول کا ناجائز اور غیر صحیح  
خلافت نص قرآنی اور مسئلہ شریعت کے تہا جو نص قرآنی سے علی مرتضیٰ  
لے رہے اس بنا پر کہ اپنے اسی کلام میں بیان فرمایا ہے۔ اور ذریعہ اپنے  
حصول خلافت کا موافق نص قرآنی اور مسئلہ شریعت جو اپنے اسی کلام  
میں آیت قرآنی سے بیان فرمایا ہے صحیح اور جاز قرار دیتے تھے اور اپنی امامت  
سب پر واجب بتاتے تھے۔ اور ان تینوں کو امام برحق نہیں اپنے آپ کو  
امام برحق چاہتے تھے۔ اور کسی بیعت کرنے والے یا غائب کو ان تینوں کی  
امامت اور خلافت سے انکار یا اُپر حملہ کرنا اور کسی دوسرے کو امام مقرر کرنا  
جائز قرار دیتے تھے اور صرف اپنی امامت سے کسی بیعت کرنے والے  
یا غائب کو انکار یا بغاوت یا تقرر امام دیگر اپنے موسوم خلافت ہونے  
کے بعد غیر صحیح اور ناجائز بتاتے تھے۔

میرے اس سخن سے دیکھنے والوں کو نہایت تعجب ہو گا لیکن جب  
میری تقریر آئندہ پر غور کریں گے تو انکا وہ تعجب بآسانی مٹ جاتا ہے۔ اور  
تقریر آئندہ کچھ میری تقریر نہیں ہے بلکہ خود علی مرتضیٰ کا ارشاد ہے اور ارفاق  
انکا وہ فقرہ ہے حسین ذکر شوریٰ مہاجرین اور انصار کا ہے جو ما بعد اُس فقرہ  
کے ہے حسین بیان واقعہ بیعت خلفائے ثلاثہ اور خود علی مرتضیٰ کی بیعت کا  
ذکر ہے اور وہ فقرہ ذکر شوریٰ مہاجرین اور انصار یہی ہے جسکو خود مصنف صحاح  
نے ہی نقل کر کے ترجمہ کیا ہے۔

۲۰ اور رسولؐ اسکے نہیں ہیں کہ شوری واسطے مہاجرین اور انصار کے ہیں۔ پس اگر مجتمع ہو جائیں وہ اور کسی کا امام نام رکھیں تو ہو گا وہ کام خوشنود کا۔  
خدا کا ۱۱

علی مرتضیٰ نے اس فقرہ میں ایک مسئلہ مذہب اسلام کے لیے بیان فرمایا ہے کہ جب مہاجر اور انصار مجتمع ہو کر کسی کا امام نام رکھیں یا یوں کہو کہ کسی کو یہ کہیں کہ یہ امام ہے تو یہ امر موجب خوشنودی خدا ہے۔ علی مرتضیٰ نے اس مسئلہ کے بیان کرنے میں جو الفاظ اور مضمون ظاہر کیا ہے اس کے ظاہر الفاظ اور باطن مضمون علانیہ بتا رہے ہیں کہ کل مہاجر اور انصار کہ وہ اہل حل عقد اور اہل الراے امت محمدیہ میں سمجھے گئے ہیں مجتمع ہو کر بالاتفاق کسی کو یہ کہیں کہ یہ امام ہے وہ انکا اجتماع اور اتفاق خوشنودی خدا ہے۔

اگر کل مہاجر اور انصار کے مجتمع اور متفق ہونے سے اس مسئلہ میں مقصود نہوتا تو کلام علی مرتضیٰ میں ضرور اشعار اسکا ہوتا کہ اگر بعض یا اکثر یا غالب یا کثر مہاجر اور انصار متفق ہو کر کسی کو امام قبول کریں تو یہی وہ امام قرار پاتا ہے اور اس امر کے بیان کرنے کی یہی ضرورت تھی کہ در صورت عدم اجتماع اور اتفاق کے یا اختلاف کے کیا ہونا چاہیے؟

مگر جب مقصود کلام علی مرتضیٰ سے قیما اجتماع اور اتفاق کل مہاجر اور انصار کی مانی جائے اور جبکا ماننا باعتبار الفاظ اور مضمون کلام کے ضروری ہے۔ تو ضرورت اس کے خلاف کے بیان کرنے کی باقی نہیں رہتی ہے۔ کیونکہ باعتبار فن بلاغت کے جب اس مسئلہ میں اجتماع مہاجرین اور انصار سے اتفاق کل مہاجر اور انصار کا سمجھا جائے۔ تو یہی مسئلہ کے خلاف یہ مسئلہ لازمی طور پر پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر کل مہاجر اور انصار مجتمع ہوں یا اتفاق کریں

اور اختلافات کریں تو وہ شخص جس کو امام قبول کرنے میں کل مہاجر اور انہما جمع نہوں یا مستحق نہوں یا اختلاف کا اتفاق شخص نہ امام ہو گا نہ خدا اُس غیر جماعتی اور غیر اتفاق کل مہاجرین اور انصار سے یا اختلافی امر سے راضی ہو گا بلکہ خلاف ہو گا۔ خدا کے ہو گا۔

اس مسئلہ میں اجتماع اور اتفاق مہاجرین اور انصاری جو قید اور شرط ہی اُسکا اصول یہ ہے کہ اگر کل مہاجر اور انصار جمع نہوں تو غیر شریک مہاجر اور انصار کی رائے سے وہ جمع کچھ فائدہ نہیں اور ٹھیکے گا۔ اور موجودہ مجمع مہاجرین اور انصار کا بغیر شرکت اُن مہاجرین اور انصار کے کہ جو اُس مجمع میں شریک نہوں امر حق و نہیں کر سکتے اور جو کچھ کہ وہ طے کریں وہ ناقص رہیگا۔ کاملیت حقیقت امام قرار دینے کی اُستو ہو سکتی ہے کہ جب کل مہاجر اور انصار جمع نہوں۔ کیونکہ جو مہاجر اور انصار شریک مجمع نہوں ممکن ہے کہ وہ ایسی رائے رکھتے ہوں کہ جس کے ظاہر ہونے کے بعد جو مہاجرین اور انصار اپنی رائے اور عندیہ کو تبدیل کر دیں۔

اور اگر کل مہاجر اور انصار جمع ہی ہوں اور باہم اُن کے اتفاق نہوا اور اختلاف واقع ہو یعنی کچھ مجمع کیس کو امام موسوم کرے اور کچھ مجمع کسی دوسرے کو تو ایک عہد واحد میں دو امام ہو جائیں گے اور اُن کے باہم اختلاف کی وجہ سے فساد برپا ہو جائے اور وہ موجب رضا کے اکی نہیں ہو سکتا۔

کل مہاجرین اور انصار کے مجمع ہو کر بلا اتفاق کسی ایک کے امام موسوم کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ کل مہاجر اور انصار بالاتفاق جس کیس کو امام موسوم کریں گے وہ ضرور ہے کہ موجب قرآن اور قول و فعل رسول کے ہو گا۔ یعنی قرآن میں جو اوصاف امام واجب الطاعت کے بتائے گئے ہیں اور پیغمبر نے جسکی تفسیر اپنے قول اور فعل سے کر کے جنادیا ہے۔ وہ دیکھو بحث مسئلہ امامت کی

جلد دوم رسالہ روشنی صفحہ ۷۷ سے) اُنکیو امام موسوم کر سکتے ہیں اور ہی غیباً  
سے ایسا شخص امام مخصوص موجب خوشنودی خدا ہوگا۔

اور ایسے ہی اجتماع اور ایسے ہی اتفاق کل مہاجرین اور انصار کو کہ جس سے  
امام موسوم ہوا اور اُس شخص کو جو ایسے اجتماع اور اتفاق سے مہاجرین اور انصار  
امام موسوم کیا جائے علی مرتضیٰ نے موجب خوشنودی خدا بیان فرمایا ہے۔  
اسی وجہ سے کہ ایسا اجتماع اور اتفاق اور اُس سے کسی کا امام موسوم ہونا نصی  
چنانچہ علی مرتضیٰ نے اپنے اسی کلام میں صاف اشارہ آیت قرآنی کی طرف فرمایا  
اور اسی سے ظاہر ہے کہ امامت کے لیے نصی تھی اور وہ امامت مخصوص اجتماع  
اور اتفاق کل مہاجر اور انصار کے حاصل ہو جاتی ہے۔

جو مسئلہ شوریٰ مہاجرین اور انصار کا امامت کے لیے علی مرتضیٰ نے ارشاد  
فرمایا اُس سے مطابق کر کے اذریعہ واقعات تاریخی مسئلہ کے دیکھ لو کہ امامت  
اور خلافت خلفائے ثلاثہ کی اس مسئلہ کے موافق تھی یا مخالف۔ اور علی مرتضیٰ  
کی امامت اور خلافت اس مسئلہ کے مطابق تھی یا نہیں۔

حضرت ابو بکرؓ جو سقیفہ بنی ساعہ میں خلافت اور امامت منعقد ہوئی کوئی  
انکار نہیں کر سکتا کہ اُس وقت تمام مہاجر اور انصار موجود نہیں تھے چنانکہ کہ  
علی مرتضیٰ کو اطلاع ہوئی اور نہ وہ شریک تھے مہاجرین میں صرف حضرت  
ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے۔

نیز بن خطاب بہائی حضرت عمرؓ کے اور عباس بن ربیعہ اور عبدالرحمن بن عوف  
اور طلحہ بن عبیدہ اور عثمان بن عفان اور زید بن حارثہ اور عبداللہ بن مسعود اور  
بلال وغیرہ جو کونسا مہاجرین بھاگیا ہو انکا ہی اُس مجمع میں پتہ نہیں ہے۔  
البتہ یہ نسبت مہاجرین کے انصار کا زیادہ مجمع تھا لیکن کل انصار موجود تھے

شلی جابر بن عبد اللہ ابویوب نامہ آدر دن انصار کے تاہم انصار موجودہ نے حضرت ابوبکر کی امامت اور خلافت پر اتفاق نہیں کیا۔ وہ انصار میں سے اپنا ایک ایسا بنانا چاہتے تھے۔ اور سعد بن عبادہ کو ناخوش کر دیتے تھے۔ اور پھر بعض انصار نے علی رضی اللہ عنہ کو امام ہونے کے لیے نام لیا۔ اور حضرت سعد بن عبادہ سردار انصار تادم مرگ حضرت ابوبکر کے بلکہ حضرت عمر کے ہی خلیفہ اور امام ہونے سے منکر رہے اور ان کے انکار نے ان کی جان کو ماری۔ اور انتہا درجہ کی بات ہے کہ خود حضرت نے امامت اور خلافت حضرت ابوبکر کو فائز فرمایا ہے یعنی وہ بغیر سوچے سمجھے امام اور خلیفہ مقرر ہو گئے اور اس خلافت اور امامت کے شر سے خدا نے بچا لیا۔ جس سے صاف یہ مراد ہے کہ بغیر شوری کا مل کے وہ خلافت اور امامت عمل میں آگئی تھی۔

خلافت اور امامت حضرت عمر کا ہی حال ہر کسی پر ظاہر ہے جو کہ ان کے بیٹے ہی کل مہاجر اور انصار موجودہ کا اجتماع اور اتفاق نہیں ہوا تھا۔ صرف حضرت ابوبکر نے ان کا استحلاف کیا اور حضرت عثمان نے اس کا کتبہ لکھا۔ امام حضرت طلحہ اور دیگر صحابہ نے حضرت ابوبکر کی اس تجویز پر خود حضرت ابوبکر کے سامنے قبل ان کی وفات کے حاضر آکر اعتراض کیا کہ ایسے سخت اور درشت طبیعت شخص کو امام رسول پر خلیفہ مقرر کرتے ہو خدا کے سامنے کیا جواب دے گا۔ اور اسی بنا پر کہ یہ خلافت ہی اجتماع اور اتفاق مہاجرین سے منعقد نہیں ہوئی تھی علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ خلافت ہی بنی ہلی خلافت کی تھی۔

انتقاد خلافت حضرت عثمان کا بھی کسی سے مخفی نہیں ہے کہ حضرت عمر نے ہر شخص کو معین کر دیا تھا کہ جن کے بعض پر اطلاق مہاجر اور انصار کا بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ اور کہہ مہاجر اور بہت انصار زمرہ اہل شوری بن شامل نہیں ہو کر

اور پہلے ان اہل شوریٰ نے علیؑ کو نام زد کیا کہ درحقیقت اسی وقت وہ امامت کے لئے  
موسوم ہوئے لیکن علیؑ نے رضی سے یہ شرط چاہی گئی کہ وہ سیرۃ شیعین پر عمل کریں جسکو  
انہوں نے قبول نہیں کیا کہ وہ خلاف قرآن اور سنت رسولؐ کسی اور کی سیرۃ پر عمل کرنے کا  
اقرار نہیں کر سکتے تھے اور اسی بنا پر یہ امر ظاہر ہو کہ قرآن اور سنت رسولؐ کے خلاف  
سیرۃ شیعین کی تھی جسکے عمل پر علیؑ رضی سے شرط کجاتی تھی اگر سیرۃ شیعین مطابق  
قرآن اور سنت رسولؐ کے ہوتی تو ان کی سیرۃ پر عمل کرانے کی شرط کی نہ ضرورت تھی  
اور نہ علیؑ رضی کو اس کے انکار کی کوئی وجہ ہو سکتی تھی۔ اور نیز وہ شرط خلاف وصیت  
حضرت عمرؓ کے تھی کہ حضرت شوریٰ میں کوئی ایسی عید اور شرط نہیں لگائی  
تھی وصیت کے تعمیل کرنے والوں کو ہر گز ہائر نہیں تھا کہ وہ مقبول وصیت میں  
ایک شرط اضافہ کر کے تحریف کریں۔ جب علیؑ رضی نے شرط عمل سیرۃ  
شیعین کو قبول نہیں کیا تو حضرت عثمانؓ بموجب وصیت علانیہ تحریف شدہ کے  
خلیفہ اور امام بنائے گئے جنہوں نے شرط سیرۃ شیعین کو خلاف علیؑ رضی  
کے قول کر لیا۔ اور علیؑ رضی نے اسی وقت باعلان حضرت عثمانؓ کے امام  
اور خلیفہ ہونے سے اختلاف کیا حضرت عمرؓ جو تعین اشخاص کا شوریٰ کے  
لئے کیا تھا یہ امر خود غلط طریقہ اور خلاف اکس مسئلہ شوریٰ کے ہو جو علیؑ  
موتھے نے فرمایا ہو۔ حضرت کو چاہیے تھا کہ وہ صرف اس قدر فرما جاتے کہ  
کل مہاجرین و انصار مجتمع ہو کر کسی کو امام قبول کریں۔ کچھ شبہ نہیں  
کہ جو مسئلہ شوریٰ مہاجرین اور انصار کا علیؑ رضی نے فرمایا ہو اس کے  
موافق یہ تینوں امامتیں اور خلافتیں وقوع میں نہیں آئی ہیں۔ ایسی خلافتیں او  
امامتیں حق نہیں ہو سکتیں اور علیؑ رضی او کو برحق جان سکتے تھے۔ بعد قتل  
حضرت عثمانؓ کے جو علیؑ رضی کو امامت اور خلافت کے لیے نام زد کیا گیا



لاریب وہ مطابق اسی مسئلہ شوریٰ مہاجرین اور انصار کے ہے کہ علی مرتضیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ علی مہاجر اور انصار اسی ایک جلسہ میں مجتمع اور متفق علی مرتضیٰ کے لیے ہوئی تھے۔ جو وقت کہ سجد نبوی میں مہاجرین اور انصار اور دیگر مسلمان جمع ہوئے اور علی مرتضیٰ کو بلا یا گیا تھا کہ جمع میں اس امر کو قبول کریں کہ جبکی خواہش ادنیٰ کی گئی تھی۔ جو وقت کہ علی مرتضیٰ شریف لائے اور مہاجرین نبوی بر قدم رکھا اور حضار جمع پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ طلحہ اور زبیر اس مجمع میں نہیں ہیں چنانچہ علی مرتضیٰ نے انکو طلب کیا جب وہ حاضر آئے تب اس وقت گفتگوی مناسب اور ضروری کے علی مرتضیٰ نے اس امر کو جبکی تکلیف انگیز دی گئی تھی قبول کیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکو کوئی طمع خلافت کی نہیں تھی۔ اگرچہ ہام منصوب ہوئی کی وجہ سے وہ خلافت فی الارض سمجھتے تھے بعد ازاں علی مرتضیٰ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اور علی مرتضیٰ باجماع اور اتفاق علی مہاجر اور انصار موجودہ کے امام اور خلیفہ قبول کیے گئے۔

اسی موقع پر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اگرچہ واقعہ بیعت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان کا اور واقعہ بیعت علی مرتضیٰ کا متحد ہے لیکن شان اس واقعہ کی جداگانہ ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر جو بیعت ہوئی جو وقت کہ وہ امام اور خلیفہ بنائے گئے اور وقت اجتماع اور اتفاق مہاجرین اور انصار کا وقت شوریٰ کے ناقص تھا اور جو وقت کہ علی مرتضیٰ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی اور وقت اجتماع اور اتفاق مہاجرین اور انصار کا کامل تھا۔ پس علی مرتضیٰ نے کلام زیر بحث میں جو یہ افشاء فرمایا ہے کہ یعنی شک ہے ہون لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے ابوبکر اور عمر اور عثمان سے بیعت کی تھی اسی طرح پر کہ بطرح پر اول سے بیعت کی تھی

اوسکی مراد صرف یہ ہو سکتی ہے کہ مجرد وقوع بیعت میں کوئی فرق نہیں  
ہاگو اجتماع اور اتفاق مساجرین اور انصارین وقت شوری کے  
نقصان اور کمال ہو یعنی بیعت اونکے ہاتھ پر بھی ہوئی اور انکے ہاتھ پر بھی ہو  
صرف ناقص اوکامل ہونے شورے کا فرق تھا۔

اس اعتبار سے مجرد وقوع بیعت کی حجت حجت الزامی ہی ہو سکتی ہے۔  
یعنی ای معاویہ جب تو ناقص شورے مساجرین اور انصار کی بیعت کو قبول  
کر چکا ہو تو کیا وجہ ہے کہ تو کامل شورے مساجرین اور انصار کی بیعت کو قبول  
نہ کرے۔

ایسی حالت میں علامہ شیعہ جو یہ کہتے ہیں کہ جناب امیر نے اپنی خلافت  
کے ثابت کرنے کی لیے ایسے طریقے سے استدلال کیا جو معاویہ اور گروہ  
معاویہ کو مسلم تھا تو غور کرنا چاہیے کہ علامہ شیعہ کیا بجا کہتے ہیں۔  
اور نظر اس کے کہ مطابق مسئلہ شوری مساجرین اور انصار بیان فرمودہ علی  
مرتضیٰ کے خلافت اور امامت خلفائ ثلاثہ کی واقع نہیں ہوئی کہ شورہ  
ناقص تھا۔

اور خود علی مرتضیٰ کی نامزدگی اس مسئلہ کے مطابق عمل میں آئی۔  
کہ شوری کامل تھا میں یہ کہتا ہوں کہ علی مرتضیٰ حضرت ابو بکر کی خلافت  
کو خلافت حقہ نہیں سمجھتے تھے اور ذریعہ خلفائ ثلاثہ کی خلافت کے حصول  
کا ناجائز اور ذریعہ اپنے حصول خلافت کا جائز قرار دیتے تھے اور اپنی  
اطاعت سب پر واجب جانتے تھے۔

اور اُن تینوں کو امام برحق نہیں بلکہ اپنے آپ کو امام برحق جانتے رہتے  
اور کسی بیعت کرنے والے یا غائب کو خلفائ ثلاثہ کی بیعت سے انکار

یا اپنے حملہ کرنا اور کسی دوسرے کو امام مقرر کرنا جائز سمجھتے تھے اور اپنی ناماست سے کسی بیعت کرنے والے یا غائب کا انکار یا اپنی نامزدگی کے بعد تقرامام دیگر جائز نہیں قرار دیتے تھے۔

یقین کرنا چاہیے کہ مسئلہ شوریٰ مہاجرین اور انصار کا جو علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے پس اگر مجتمع ہو جائیں اور نام رکھ دیں اسکا امام یعنی اسکا امام ہونا قبول کر لیں اور کہیں کہ یہی امام ہے اسکی مراد اسے فقہ نفیس سے ہے۔ پس چونکہ اسکے کہ انعقاد خلافت امامت حضرت ابو بکر پر خلافت مسئلہ شوریٰ فرمودہ علی مرتضیٰ ناقص طور پر وقوع میں آیا تھا۔

جناب امیر نے حضرت ابو بکر کو قابل حملہ سمجھا اور غور کیا کہ ابو بکر سے کیا یا بوجہ دیگر امور کے اُسے نہ اٹھیں گو دوسرے وجہ سے آخر کار انہوں نے ٹکرا پسند نہیں کیا۔ لیکن بوجہ اسکے کہ انعقاد خلافت حضرت ابو بکر پر ناقص شوریٰ مہاجرین اور انصار سے ہوا تھا اسلئے علی مرتضیٰ اپنے حملہ کر سکتے تھے۔

اور اگر جناب امیر حضرت ابو بکر سے لڑنے تو ابو بکر کے مقابلہ میں اُنکی حالت ہرگز نفوتی جو جناب امیر کے مقابلہ میں امیر معاویہ کی ہوتی۔ اس لیے کہ حضرت ابو بکر کی نامزدگی بذریعہ ناقص شوریٰ مہاجرین اور انصار سے وقوع میں آئی تھی اور علی مرتضیٰ کی نامزدگی بذریعہ کامل شوریٰ مہاجرین و انصار کے عمل میں آئی تھی۔

اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو امامت بذریعہ بیعت ناقص شوریٰ مہاجرین اور انصار کے حاصل ہو وہ مخصوص نہیں ہو سکتی اور نہ اسکی امامت سے رضی ہو سکتا اور چونکہ بذریعہ ناقص شوریٰ مہاجرین اور انصار کے امام بننے میں اس سے پہلے کہ ایک طرف چاہے کہ وہ ایک

مقصود آیت جس سے استنباط کر کے علی مرتضیٰ نے مسئلہ شریعت بیان فرمایا  
امام موسوم کیا گیا ہے۔

پس اگر جناب ایڑا بوبکر سے لڑتے تو تمام مومنین کو جناب ایڑا سے  
لڑنا ہرگز واجب نہوتا بلکہ حرام ہوتا۔ کیونکہ حضرت ابوبکر کا تقرر بذریعہ انصاف  
شوری مہاجرین و انصار کے عمل میں آیا تھا جو جائز نہ تھا اور اُس سے علی مرتضیٰ  
کی مخالفت حق ہوتی۔ اور علی مرتضیٰ سے جو کوئی لڑتا وہ مرتکب فعل حرام کا  
ہوتا۔ اور جو کوئی بذریعہ ناقص شوری مہاجرین اور انصار کے امام بنایا جائے  
اُس پر طعن کرنا قطعی جائز بلکہ واجب ہے اور جو کوئی طعن کرے وہ باغی نہیں قرار  
پاسکتا بلکہ وہ ناصرا مہاجرین کا مشابہ ہوگا اور خود اُس سے بھی سیکو لڑنا حرام ہوگا  
علی مرتضیٰ نے اپنے کلام زیر بحث میں بعد ذکر مسئلہ شوری مہاجرین اور  
انصار کے جو یہ فرمایا ہے کہ یہ پیرا گنگے اُن کے امر سے کوئی نکلنے والا خلیفہ پیر  
طعن کر کے یا خود طریقہ بدعت اختیار کر کے تو اُسکو پیر و اُسی بیعت کی طرف  
جس سے وہ نکلتا ہے۔ پیرا گردہ انکار کرے تو اُس سے لڑو اس سبب سے کہ  
اُن سے مومنین کے طریقہ کے خلاف طریقہ اختیار کیا اور پیر دیا اُسکو حق سے الگ کرنے  
اسکے معنی اور مراد صریح یہ ہیں کہ جب کل نہ جزو مہاجرین اور انصار شریعت  
کے وقت مجتمع اور متفق ہو کر کسی کو امام نامزد کر دیں جو موجب خوشنودی خدا  
کا ہوگا۔ پیرا کے امر سے یعنی اُن کل نہ جزو مہاجرین و انصار مجتمع اور متفقہ کے شریعت  
سے باہر ہو جائے تو اُسکے لیے وہ حکم ہے کہ جو علی مرتضیٰ نے اپنے کلام میں  
فرمایا ہے۔ اور جبکہ وہ شوری ناقص ہونہ کامل تو وہ نہ موجب خوشنودی خدا  
ہو سکتا ہے نہ پیر اطلاق اُس حکم کا آسکتا ہے کہ جو علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے۔  
علی مرتضیٰ نے اپنے اس کلام میں جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مشیہ

اور علی مرتضیٰ نے شہر کے کل انہ جزو مہاجرین و انصار مجتمعہ اور متفقہ سے  
 یہ جزو جنت دے کے لیے خواہ وہ مہاجرین اور انصار مجتمعہ اور متفقہ میں  
 سے ہو یا غیر انکا جو حکم بنایا فرمایا ہو اسکا ذخیرہ ہی آیت ہے جسکو مصنف مخا  
 ی نے نقل کیا ہے اور ہم ہی اوپر لکھ چکے ہیں۔ اور علی مرتضیٰ کی ارشاد اسی  
 پر یہ یقین ہے۔

ابھی آیت ہے جسکا ہم نے مسئلہ امامت کی بحث میں کترآن میں ہی دیا  
 ہے کہ اگرچہ یہ دو دیکھو فقہ ۸۷۔۔۔ رسولہ و شیخ جلیل دوم اور جسکو امام شافعی میں  
 مرتبہ قرآن کے اوراق میں اول سے آخر تک ٹھہرا کر آخر کار بہت غور اور فکر کے  
 بعد اس آیت پر ٹھہرے اور یہ شرف استدلال خاص انہیں نہ دے واسطے کیا گیا ہے  
 مجھو اسمین بہت شبہ ہے کہ اپنی تلاش سے امام شافعی اس آیت پر ٹھہرے  
 ہوں بلکہ میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے گو کہ کوشش بلیغ اور کئی سال تک قرآن کو  
 ٹھولا گھرا نکا ذہن اس آیت کی طرف استدلال کے لیے منتقل نہیں ہوا الا  
 یہ آیت مکتوب علی مرتضیٰ میں موجود تھی زور اس مکتوب کا کل ارباب سیر نے  
 ذکر کیا ہے جیسا کہ شاہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ یہ ذکر کیا ہے اسکا کل ارباب  
 سیر نے اور ہمارے شیوخ متکلمین اپنی کتابوں میں صحت اختیار اور طریقہ امامت  
 پر بحث لئے ہیں ۱۱

امام شافعی کو بھی اسی مکتوب میں یہ آیت نظر پگئی ہے اور اسکو انہوں نے  
 اپنا اجتہاد قرار دیدیا ہے۔ مگر یہ طریقہ نہیں کہ جیسے مصنف مخا طلب نے سید  
 کی نسبت خیانت کا بیجا الزام لگا دیا ہے امام شافعی کی نسبت میں ہی کوئی الزام  
 لگا دون۔

میں اسی پر بحث کرتا ہوں کہ امام شافعی سے اس آیت کے معنی اور مراد

قرآن مجید میں ادر تکلمین شیخ مقررہ سے نام غلطی اور تقنی کے مفہوم میں اور ش  
ان کے مصنف نخطب سے غلطی ہوئی ہے اور اس سے سمجھنے اور مراد اور مفہوم  
مطابق اس سلسلہ کے نہیں ہے کہ جو خود غلطی مرتکب ہوئے اسے اس آیت سے اقتباس  
کر کے بیان فرمایا ہے۔

مقصود اس آیت کا یہ ہے کہ جو کوئی پیغمبر کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ امت  
اس کی ظاہر ہو گئی ہو اور پیروی کرے غیر راہ مومنین کی وہ جہنمی ہے۔  
اور امام شافعی نے ہی جو مقصد آیت کا ظاہر کیا ہے وہ ٹھیک ہے کہ اتباع غیر  
سبیل مومنین کا حرام ہے کہ خداوند عالم نے پیروی غیر سبیل مومنین اور مخالفت  
وہوئی کو جمع کیا ہے۔

لیکن سبیل مومنین کے فہم میں کہ وہ کیا ہے امام شافعی سے غلطی ہوئی ہے۔  
انہوں نے اور جس کسی نے کہ اٹکا اتباع کیا یا جس کسی کی انہوں نے تائید کی  
یہ سمجھ لیا کہ حضرت ابو بکر پر جو سقیفہ بنی ساعدہ میں انعقاد خلافت ہوا اور اس وقت  
جو وہ امام یا خلیفہ بنائے گئے اور پھر انکو دوسرے مومنین جنہوں نے کہ انکو  
قبول کیا وہی اجماع ہے اور وہی سبیل مومنین ہے۔

حالانکہ مومنین کے لیے سبیل کا مقرر ہونا قبل اسکے کہ مومنین اسپر چلین  
پہلے معین ہونا چاہیے جیسا کہ اسی آیت میں موجود ہے کہ جو شخص مخالفت کرے  
رسول کی ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد وہ اتباع کرے غیر راہ مومنین کا کچھ  
سے صاف ظاہر ہے کہ ہدایت پہلے ظاہر ہو چکی ہو۔ اور وہ سبیل پہلے معین  
ہو چکی ہو کہ جسکا اتباع مومنین کو واجب ہے۔

علی مرتضیٰ نے اسی آیت سے اقتباس فرما کر جو سلسلہ شوریٰ مہاجرین اور  
انصار کا فرمایا ہے اس سے یہ اظہار ہو جاتا ہے کہ راہ کا معین ہونا اول امر ہے اور

اُسے چلنا اور نہ چلنا آخر امر ہی۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ سو اسے اس کے نہیں ہونے  
شوری واسطے مہاجرین اور انصار کے ہی پس اگر مجتمع ہو جائیں وہ اور نام نہیں  
کسی کا امام بنے جسکی مراد یہ ہے کہ کل مہاجر و انصار مجتمع اور متفق ہو کر کسی کو امام  
قبول کر لیں۔ اسی کا اتباع کل مومنین کو کرنا چاہیے یعنی مہاجرین و انصار مجتمع  
اور متفق ہو کر جو سبیل اور طریقہ مومنین کے چلنے کے لیے قبول کر لیں اُن سبیل  
اور طریقہ پر مومنین کو چلنا چاہیے۔ یہ صورت ہوئی امر اول راہ معین ہو سکتی۔  
لیکن اُس سبیل معینہ پر اگر کوئی نہ چلے کہ جو داخل صورت امر آخر ہو سکے لیے  
علی مرتضیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ پھر اگر باہر ہو جائے اُنکے۔ مگر مہاجرین و انصار  
مجموعہ و متفقہ کے امر شورے سے کوئی باہر ہو جائے والا طعن کرے۔ یا خود  
طریقہ بدعت اختیار کر کے تو اُسکو پیرو اُسی کی طرف پس سے وہ نکلتا ہی ہے  
اگر وہ انکار کرے تو اُس سے لڑو اس سبب سے کہ اُسے مومنین کے طریقہ  
کے خلاف طریقہ اختیار کیا اور پیہر دیا اُسکو اس نے حق سے ۵

پس کچھ شبہ نہیں کہ علی مرتضیٰ نے آیت قرآنی سے امت اس کر کے جو سبیل  
مہاجرین و انصار کا بیان فرمایا ہے درحقیقت وہ تفسیر اُسی آیت کی ہی اور بقا  
تفسیر علی مرتضیٰ کے نہ قول امام شافعی کا کہ اُنکو کچھ مسلمانوں نے امام بنا دیا  
ہی اور نہ قول تکلمین معتزلہ کا اور نہ بیان ہمارے حضرت مخاطب کا قابل  
اعتماد اور لائق قبول ہے۔

اگر کل مہاجر و انصار مجتمع اور متفق ہو کر کسی کو کہتے ہیں کہ امام ہو گیا ایسا جناب  
اور تعلق کلی ضرور ہوا تو نص کے ہوتا جس سے عدل کسی کو رد قرار نہ پا سکتا  
جسکا اتباع واجب ہوتا اور مومنین کے چلنے کے لیے وہی راہ ہوتی اور اُس سے  
انحراف حرام سمجھا جاتا اور اُسی کو اجماع کہہ سکتے ہیں باجماع کل مہاجرین و انصار

کے اور اُن کے اتفاق سے نہ خلافت اور امامت حضرت ابو بکرؓ کی واقع ہوئی اور نہ حضرت عمرؓ کی اور نہ حضرت عثمانؓ کی۔ اس لیے وہ آیت یا کلام علی مرتضیٰ نہ پر بحث محبت، اجماع واسطے خلافتوں اور امامتوں حضرات ثلاثہ کے ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ اُسی آیت اور ارشاد علی مرتضیٰ کے مخالف وہ خلافتیں اور امامتیں چل رہی ہیں۔

البتہ وہی آیت اور وہی کلام علی مرتضیٰ جس میں بیان مسئلہ شوریٰ مہاجرین و انصار کا ہے۔ اور جو تفسیر آیت ہے اور جس کے مطابق کامل طور پر نہ ناقص طور پر حضرت علی مرتضیٰ امام اور خلیفہ قبول کیے گئے امامت اور خلافت علی مرتضیٰ کے لیے نص ہے۔ اور اسی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ امامت اور خلافت کے لیے قرآن میں نص ہے اور وہ نص ہوا ہے علی مرتضیٰ کے اُن کے غیر کے لیے نہیں ہو سکتی ہے۔ پس خلافت اور امامت علی مرتضیٰ کی مخصوص ہے اور اُن کے غیر کی غیر مخصوص۔ اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ امامت کے لیے نص تہی اور مہاجرین اور انصار مجتمہہ اور تہفہ کا کسی کو امام قبول کرنا بھی حکماً نص ہے اس لیے کہ کل مہاجر و انصار کی نسبت قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ وہ خلافت نص و اجماع اور اتفاق کریں۔ ہاں خلافت اصحاب امامت حضرت خلفائے ثلاثہ کے لیے نہ کوئی نص تہی اور نہ اجماع اور نہ اتفاق جزوی مہاجرین اور انصار کا حکماً نص ہو سکتا ہے۔ اور جناب امیر کا اس وقت اُن کل مہاجرین اور انصار کو موسن ماننا لازم آسکتا کہ جب کل مہاجر و انصار مجتمع اور متفق ہو کر امام موسوم کہتے اور خلافت مقصود آیت اور مسئلہ شوریٰ مہاجرین اور انصار فرمودہ علی مرتضیٰ کے کہ جو تفسیر آیت کی ہو جس سے کسی نے ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کو امام بنایا اس کسی کو کیونکر لازم آسکتا ہے کہ علی مرتضیٰ نے انہیں موسن مانا۔



اور اگر شیعہ ایسے لوگوں کو مرتد کہتے ہیں تو وہ راضی ہو سکتے ہیں اُسکے  
کرنے پر اگر اُن کو کوئی یہ بتا دے کہ ایسے لوگوں کو جو آیت اور مسئلہ شوریٰ تھا  
آیت فرمودہ علی مرتضیٰؑ اُن کو نہ مانے اور اُسکے برخلاف عمل کرے اُسکو کہہ  
چاہیے۔

اور جناب امیرؑ نے اس آیت کے ذکر سے ہرگز یہ ثابت نہیں کر دیا کہ ابوبکر  
اور عمر و عثمان امام المومنین سے اسی طرح میں ہی امام المومنین ہوں، بلکہ  
ثابت کر دیا کہ ابوبکر اور عمر و عثمان امام المومنین نہیں ہو سکتے کہ اُن سے یہ  
معاہرین اور انصار مجتمع اور متفق نہیں ہوئے تھے البتہ میں امام المومنین  
کہ مجھ پر تمام مہاجر و انصار مجتمع اور متفق ہوئے یعنی مجھ کو بلا اختلاف تمام مہاجرین  
اور انصار نے قبول کیا۔

بیشک اس آیت میں جہنم کی سزا اس شخص کے لیے مذکور ہے جو جوہا  
کے بعد رسولؐ کی اور طریقہ نبیین کی مخالفت کرے۔ مگر جناب امیرؑ نے  
ایہ کہ اُس شخص پر صادق نہیں کیا جو ابوبکر اور عمر و عثمان کا باغی ہو  
کہ نہ ابوبکر اور عمر و عثمان اور اُن کے متبعین نے حق ظاہر دسنے کے بعد  
اور طریقہ مومنین کی مخالفت کی۔ یعنی قرآن میں اوصاف امام کے بتا دیے تھے  
تہا اور پیغمبرؐ نے اپنے قول اور فعل سے امام کو جادیا تھا اور تمام مہاجرین اور  
انصار نے مجتمع اور متفق ہو کر ابوبکر اور عمر و عثمان کو خلیفہ قبول نہیں کیا تھا  
بلکہ ناقص طریقہ اختیار کیا گیا جو خلاف آیت اور مخالفت رسولؐ اور اُس طریقہ  
مومنین کے تھا کہ جو خدا اور رسولؐ نے بنایا تھا پس جو شخص ابوبکر اور عمر و  
عثمان کا مخالف ہو وہ رسولؐ کا موافق ہی رہا۔ اُسکی جزا بہشت ہے۔

البتہ جناب امیرؑ نے اس آیت کو اُس شخص پر صادق کہا کہ جو علی مرتضیٰؑ

باغی ہوا سلیبہ کہ جواد صفات امام کے قرآن میں بتائے گئے ہیں اور پیغمبر نے  
 علی کا امام ہونا ہمتا دیا تھا اور تمام مہاجر و انصار نے بیعت اور شفق ہو کر علی کا  
 امام ہونا قبول کر لیا پس جو شخص کہ علی کا مخالف ہو وہ رسول کا اور خدا کا بھی  
 مخالف ہو اور اسکی سزا جہنم ہے۔

بشر اس تحقیق کے جو دکھائی گئی شیعوں کے مقابلہ میں اہلسنت کا مذہب  
 اس کلام معجز نظام سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا اور جناب امیر نے جو اس مسئلہ  
 کے ثبوت میں قرآن کی آیت کا ذکر کیا بلاشبہ اس سے ثابت ہو گیا کہ اہلسنت  
 کا مذہب ثقلین کے خلاف ہے نہ وہ ہلنے آیت قرآنی کو مانتے ہیں نہ ارشاد  
 علی مرتضیٰ کو۔ ابدتہ شیعوں کا مذہب ثقلین کے موافق ہے جو دونوں کو  
 مانتے ہیں۔

ای حضرات اہلسنت یاد رہے کہ قیامت کے دن یہی قول تہر جبت  
 ہوگا۔ کہ جس قول کے معنی اور مراد کی تم دنیا میں تحریر کرتے ہو۔ اور یہ  
 دنیا میں شیعوں کے لیے یہی قول علی مرتضیٰ کے اصلی معنی اور مراد میں  
 جبت ہے۔

### رباعی

جب روز حشر حساب ہوگا اس قول کا کیا جواب ہوگا  
 حشر میں نجات کسے ملے گی جو تاں بھرتا سب ہوگا  
 میں نے یہ باہمی مصنف مخاطب کی اس موقع پر چین لی ہو کہ میں نے اسے  
 لیے اجازت معنوی سمجھتا ہوں۔

جو حقیقت اور حقیقت معنی اور مراد کلام علی مرتضیٰ کی سب سے ظاہر کی اس سے  
 صریح ظاہر ہے کہ مصنف مخاطب نے عمداً یا غلطی سے وہ معنی اور مراد قرار دے دی

جو کلام علی مرتضیٰ کے مقصود کے خلاف ہیں اور اسوجہ سے کوئی استدلال مصنف مخاطب کا اُن کے حق میں قائم نہیں رہ سکتا۔

اسی ہماری تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہو کہ علماء شیعہ نے جو یہ ظاہر کیا ہے کہ جناب امیر نے اپنی خلافت کے ثابت کرنے کے لیے ایسے طریقے استدلال کیا جو اُن کے مخالفوں کو مسلم تسلیم ایسا بیان کرنا علماء شیعہ کا ہی صحیح ہے کیونکہ وہ بیان اُنکا مجرد وقوع بیعت سے بطور حجت الزامی کے صحیح اور قابل قبول پایا جاتا ہے۔ اور مصنف مخاطب نے جو اُس کے ابطال میں وجہ لگے ہیں وہ خود غلط مفہوم معنی اور مراد کلام علی مرتضیٰ اور غلط تہنہ پر مبنی ہیں۔

یہ سچ ہے کہ جناب امیر نے اپنے قول کو قرآن سے ثابت کیا اور جو مضمون قرآن سے ثابت ہو وہ بیشک اُنکا مذہب ہے۔ لیکن قرآن سے اور ارشاد علی مرتضیٰ سے یہ ثابت ہوا کہ خلافتیں اور امامتیں خلفائے ثلاثہ کی بوجہ نقصان شوری کے نا واجب الطاعت تھیں اور امامت اور خلافت علی مرتضیٰ کی بوجہ کامل ہونے شوری کے واجب الطاعت تھی۔

جب ہم قبول کرتے ہیں کہ علی مرتضیٰ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ اُنکو مسلم کیا بلکہ وہ ارشاد اُنکا تفسیر آیت قرآنی تھا۔ اور جو مسئلہ شوری کے مہاجرین انصار کا بیان کیا وہ بھی ہے۔ اور ہم نہ ظاہر قول علی مرتضیٰ کو چھوڑتے ہیں نہ کوئی اُنکی تاویل کرتے ہیں بلکہ صاف و صریح جو معنی اُسکے ہیں وہی معنی لیتے ہیں کہ ہر گاہ شوری کل مہاجرین و انصار کے مجتہد و متفقہ سے کسی کو امام قبول کرنا چاہیے تو ایراد مصنف مخاطب کا باقی نہیں رہتا۔

ہم یہی قبول کرتے ہیں کہ اسی پر علی مرتضیٰ کو اعتقاد نہیں یقین تھا۔

۱۰۱۔ لیکن یہ میرا حادیہ کوا لازم دینے کے لیے صرف اتنا لکھ دینا کافی تھا کہ جن لوگوں نے خلفائے ثلاثہ سے بیعت کی تھی انہیں لوگوں نے مجھ سے بیعت کی ہے۔  
الزام دہشتہ کی ضرورت فقط اتنے قول سے پوری نہیں ہوتی تھی بلکہ شوری کا مسئلہ اعلیٰ مرتبہ کو ظاہر فرمانا ضروری تھا کہ مجتہد اور متفقہ شوری مہاجرین اور انصار سے جو کوئی امام قبول کیا جائے وہ واجب الطاعت ہے اور اس سے امتداد اضیٰ ہے اور جو اس سے باغی ہو اس سے لڑو تاکہ حقیقت صحیح بیعت خلافت ثلاثہ کی اور صحت بیعت علی مرتضیٰ کی کھل جائے۔

۱۰۲۔ اور پھر قرآن کی آیت سے اُسکو ثابت کرنا لازم تھا تاکہ اُنکے مسئلہ بیان نہ ہو یہ لوگوں کو یقین ہو اور سمجھیں کہ اس مسئلہ صحیح کے مطابق خلفائے ثلاثہ کی امتداد خلافت ناقص ہوئی اور خود علی مرتضیٰ بذریعہ کامل شوری مہاجرین اور انصار کے جمیع کل مہاجر اور انصار متفق تھے قبول کیے گئے۔ اور جہاں تک واجب الطاعت کسی اور کونسی مامت اور خلافت ہوتی ہے۔ اور خلفائے ثلاثہ کے ساتھ شان بیعت اور علی مرتضیٰ کے ساتھ شان بیعت میں کیا فرق ہے اور لوگ اپنی غلطی سے متنبہ ہوں کہ ناقص شوری کی بیعت والوں کو تو امام اور خطیب واجب الطاعت قبول کر لیا گیا تھا اور کامل شوری کی بیعت کو کوئی واجب الطاعت قبول نہیں کیا جاتا۔ اور لوگ کسی وقت یہ نہ کہتے لیکن شوری کا مسئلہ علی مرتضیٰ نے کیوں بیان نہیں کیا کہ شوری کی رو سے میں امام نہیں کیا گیا ہوں جس سے امتداد اضیٰ ہے اور جو مجھ سے باغی ہو اس سے لڑو یعنی مرتضیٰ نے مسئلہ شوریٰ بیان کر کے خلفائے ثلاثہ کی حالت اور اپنی امت کیوں نہ دکھائی اور یہ تہیہ لوگوں کو کیوں نہ کیا کہ جب بھر دو قیام بیعت کو واجب الطاعت تھے تو یہ بوجہ ہر کہ ناقص شوری کی بیعت والوں کو مانو

اور کامل شوری کی بیعت والے کو نہ مانو۔

اور کچھ شبہ نہیں کہ ظاہر کلام کے یہی معنی اور مراد ہو اور ظاہر کلام کو مرنچوڑنا علم کو اور بیشک ظاہر ہر قول کا یہی ہوتا ہو کہ کہنے والے کے نزدیک خیر یہی ہو جو کہہ رہا ہے اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جناب امیر کمال فطماحت اور بلاغت میں بنیظیر تھے اور ان کے کلام فصیح اور بلیغ کے صاف و صیح یہی معنی ہوتے ہیں جو پہلے بیان کیے۔ اور جو مصنف مخاطب اس کلام فصیح اور بلیغ کے معنی میں تھیں کرتے ہیں اگر وہی معنی ہے جائیں تو کلام علی مرتضیٰ میں عیب کو دخل ہوتا ہے کہ انہوں نے ایسے ہم مسئلہ کے ظاہر کرنے میں نہ صورت غیر معتد اور غیر مہاجرا اور انصار کو بیان کیا نہ اکثر یا غالب یا کثیر یا اختلافی حالت کا ذکر کیا جس کے ترک بیان سے مسئلہ مہمل ہوتا ہو اور جو شان علی مرتضیٰ سے نہایت بعید ہے البتہ مصنف مخاطب کو اس کلام بلیغ کے خلاف مقصود صریح معنی ظاہر کرنے کے لیے عہد یا مغالطہ کا موقع ملا ہے۔

بیشک جناب امیر نے اپنے ابتدائی کلام میں جان ذکر بیعت خلافت ثلاثہ کا اور اپنی بیعت کا کیا ہو وہ ان کو دلیل الزامی پیش کرنا منظور تھا اسی نوعیت سے جیسا کہ میری تقریر سے ظاہر ہو چکا ہے۔ مگر اسکے ساتھ نفل بہت کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ جہاں مسئلہ شوری مہاجرین اور انصار کا بیان فرمایا ہے اس لیے کہ اجتماع اور اتفاق کل مہاجرا اور انصار کا خلاف نفس محال تھا۔ اور جو حضرت علی مرتضیٰ ہر زمانہ میں حق خلافت اور امامت اپنے لیے ظاہر فرماتے رہے ہیں اور مہاجرین اور انصار سے خواہش کرتے رہے ہیں کہ جھکو امام اور خلیفہ ہو کرنا چاہیے۔ اٹھا ایسا ارشاد کسی کی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ خلافت مرتضیٰ خلیفہ کے ہونے کے سوا کونسی کے تھا۔

اپریل ۱۹۹۸ء

۱۰۴

جلد ۶ نمبر ۱۲

اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ ہر نوع کا ذریعہ منصوبہ خلافت کے تحت ہی عمل کرنے کے تھا اور ان ذرائع متعددہ کو وہ اپنے حق میں جانتے تھے جیسا کہ انہوں نے وقتاً فوقتاً ہر موقع مناسب اور ضروری پر اسکا اظہار کیا ہے۔ تو اس موقع پر ہر فرقہ منصوبہ کی تصریح کی جیسا کہ مصنف مخاطب چاہتے ہیں کیا ضرورت تھی۔ بلکہ یہ موقع مقابلہ معاویہ کے صرف اس بات کی ضرورت رکھتا تھا کہ وقوعِ بیعت سے اپنے ماتہ پر حجت لائیں۔ اور صحیح منصوبہ شوری کا بیان کر کے اس کے مطابق مخالفوں کو قائل کریں۔

درحقیقت علی مرتضیٰ نے اس موقع پر بھی باز روئے نص حق یا مامت اپنے لیے ظاہر فرمایا ہے کہ کل مہاجرین اور انصار نے مجھے بیعت کی اور کل مہاجر و انصار کے شوری کا مل سے میں خلیفہ اور امام قبول کیا گیا ہوں کجنگا اجتماع اور اتفاق خلافت نص نہیں ہو سکتا ہے۔ مگر اس حجت نصی میں دلیل الزامی ہی ضرور لازم آتی ہے۔

علی مرتضیٰ نے مجرد الزامی دلیل پیش نہیں کی ہے بلکہ کامل شوری مہاجرین اور انصار کی حجت نصی اپنے واسطے ظاہر فرمائی ہے۔ انہوں نے کسی ضعیف استدلال پر کثافتا نہیں کیا بلکہ یہ موقع ایسا تھا کہ جسکے لیے ایسی حجت نصی کی ضرورت تھی جہیں دلیل الزامی ہی موجود ہو اور ایک سخن میں دونوں دلیلوں کو جمع کر دیا کہ جسکے دیکھنے سے ہر کسی کو یقین ہو جاتا ہے کہ جناب امیر کے لیے نص حق اور جسکو انہوں نے بشکل اجتماع اور اتفاق مہاجرین اور انصار کے ظاہر فرمایا ہے۔ اور جہیں مخاطب مخالفوں کے لیے دلیل الزامی ہی تھی۔

البتہ جن لوگوں کی ہاتھوں پر تعصب کی عینک لگی ہوئی ہو وہ اس کلامِ منصوبہ کے معنی کو دیکھ نہیں سکتے۔ یا محض دوسروں کے عقول میں خاک ڈالنے کے

یہ اس کے معنی اور مقصود کو تحریر کرتے ہیں۔

آخر میں مصنف مخاطب اُسی معنی اور مراد کی تائید میں جو اس قول علی مرتضیٰ میں مصنف مخاطب لیتے ہیں دوسرے قول علی مرتضیٰ کو تائید میں لاتے ہیں جب لوگوں نے بعد حادثہ عثمان کے اُنکو خلیفہ بنانا چاہا تو جناب امیر نے فرمایا کہ مجھے چوڑا اور کسی اور کو خلیفہ بنانا اور جس کو تم خلیفہ بناؤ گے میں مثل تمہارے یا شاید سے ہی زیادہ اُسکی طاعت کر ڈال گا۔

یہ وہی قول ہے جس پر پہلے مصنف مخاطب استدلال کر چکے ہیں اور جسکی حقیقت اور مراد ہم پہلے دکھا چکے ہیں۔ (صفحہ ۴۲۲ - جلد ۴ - رسالہ روشنی اور جس سے ظاہر ہو گیا ہے کہ خلیفہ نائب رسول اور امام اور ولی الامہ بن علیہ لوگوں کا کام نہیں ہے البتہ لوگ جس کسی کی گردن میں اپنا کام ڈالیں وہ پادشاہ بن جائیگا اور جب اُس کلام علی مرتضیٰ کو اس کلام علی مرتضیٰ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو یہی معنی ہونگے کہ جو کوئی بغیر اجتماع اور اتفاق کل مہاجر اور انصار کے کچھ ہی قبول کیا جائے وہ قبول ہونا اُسکی صحیح قرار نہیں پاسکتا گو باعتبار وقوع کے وہ کچھ ہی قبول کر لیا جائے۔

مصنف مخاطب ایک اور خطبہ نبی اہل لغہ کے فقرات کو پیش کرتے ہیں اور جس کے ایک فقرہ کا یہ ترجمہ کیا ہے: اے لوگو ہمیشہ زیادہ حذرنا دیونکہ خلافت کے لیے وہ ہر جوان سب میں خلافت پر قوت زیادہ رکھتا ہو اور مامور خلافت میں احکام الہی کو سب سے زیادہ جانتا ہو۔

۲۹۷۵  
اس پر مصنف مخاطب یوں استدلال کرتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہو گیا کہ جناب امیر خلافت کے زیادہ حذر نہ تھے انکا ہاتھ گھٹا ہوا تھا اور انہوں نے تصریح ردی پڑی تھی علم عثمان سے زیادہ نہیں ہے اور نہ یقین کو سہل ہے کہ شیخ

علم ہی دشمنان سے کم نہ تھا۔ اور شیخین کا علم ہی جناب امیر کے علم سے کم نہوگا۔ اس صورت میں ابو بکر قوی ہی تھے اور اعلم ہی۔ پس زیادہ حقدار خلافت کے ہی وہی تھے۔ بناب امیر کے اس قول سے ہی نص امامت باطل ہوئی۔ لیکن یہ استنباط صنعت مخاطب کا غلط ہے اور اس کی بنا ہی غلط ہے۔ اس عقوین در حقیقت علی مرتضیٰ نے ایک مسئلہ استحقاق خلافت کے لیے بیان فرمایا ہے اور جسکی بناء منصوب ہے۔ اور وہ مسئلہ یہی فرمایا ہے کہ امر خلافت کے لیے وہی شخص احق الناس ہے کہ جو ان لوگوں میں قوی تر ہو امر خلافت پر اور عالم تر ہو حکم خدا کا امر خلافت میں۔

اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ علی مرتضیٰ نے قوت پر اور عالم تر ہونے کا اشارہ کیا۔ اس ارشاد میں جو بنیاد حق خلافت کے لیے ہے اپنی ذات مقدس کے لیے فرمایا ہے۔ اور کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ علی مرتضیٰ بعد وفات پیغمبر کل مہمابہ اور مسلمانان زمین قوت پر اور عالم تر تھے۔ اور یہ امر ہم اپنے رسالہ جات روشنی میں متعدد جگہ ذکر ملچکے ہیں جس سے انکار کرنا بہت مشکل ہے۔

شجاعت اور علم عقلاً و نقلاً اصل بنیاد حق خلافت کے لیے ہے۔ خدا قرآن میں حالات کے لیے فرمایا ہے کہ زیادہ دی ہے اُسکو خدا نے کثرت اور بیچ علم اور جسم کے یعنی علم اور شجاعت میں۔ اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور دی اُسکو خدا نے پادشاہی اور حکمت اور سکھایا خدا نے اُسکو جس چیز کو کہ خود چاہتا ہے۔

اور یہی اصول عقلاً ہر زمانہ کے حکما قرار دیتے چلے آتے ہیں۔ اور کچھ مشتبہ نہیں کہ جب تک کسی میں اعلیٰ درجہ کی قوت شجاعت اور اعلیٰ درجہ کا علم ملے رسالہ روشنی صفحہ ۲۱۳ جلد ۲۔ اور صفحہ ۵۶۴ جلد ۴۔



کالیف کے ساتھ نہ تو قدرت سیاست مدن کی اس کسی میں قبول اس کی سچائی اور بغیر اقوی الناس یعنی اشجع الناس اور اعلم الناس ہونے کے کسی کوئی شرط عمل کر سکتا ہو کہ کس موقع پر کیا ہونا چاہیے اور کس کیفیت پر کیا نہ کرنا چاہیے ہو اور کس موقع پر جنگ ہونا چاہیے اور کس موقع پر صلح۔ اور کن کن چیز پر توجہ و پیر احکام خدا کا اصول اور فروع دین کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اور کس طرح ہر حدود خدا اور اس کے عمل کی حفاظت ہو سکے گی۔

اور یہی دونوں امور یعنی اقوی اور اعلم ہونا عقلاً خلافت کے لیے لازمی ہیں اور انہیں دونوں امور کو خدا نے قرآن میں قصہ حضرت طاہرین اور روادین بتصریح فرمایا ہے۔ اور علی مرتضیٰ کے اس مسئلہ کے بیان کرنے میں نص قرآنی مآخذ قرار پاتی ہے۔

اور چونکہ بعد پیغمبر اس دونوں وصف نصی کا سوا اے علی مرتضیٰ کے اور کوئی مصداق نہیں ہو سکتا ہے اس لیے ائمہ نے مکرنا چاہیے کہ ان اوصاف نصی کا علی مرتضیٰ نے صرف اپنے آپ کو اس مسئلہ کے ظاہر فرمانے کے وقت مصداق سمجھا ہے۔ کہ ان دونوں وصف نصی کے بعد پیغمبر ہی مصداق تھے۔

اور جناب امیر کے ارشاد کا جب اور بحث ہو چکی ہے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ آنجا علم علم عثمان سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کے معنی اور مراد وہی ہیں جو ہم نے اسی موقع پر بیان کیے ہیں کہ جب طریقہ عمل حضرت عثمان کا ان خلافت میں خراب اور قابل شکایت ہو گیا تھا اور لوگوں نے علی مرتضیٰ کو گھیرا تو علی مرتضیٰ حضرت عثمان کے سمجھانے کے لیے گئے ہیں اور راستہ شریعت کے لیے ہوئے اور نشان دین کے قائم تھے اور حضرت عثمان اس کے خلاف عمل میں آئے

ملہ دیکھو جلد ۵ رسالہ روشنی صفحہ ۲۱۵۔

تھے اسکی نسبت علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے کہ بیشک تم جانتے ہو اسکو کہ جانتے ہیں ہم اسکو۔ علی مرتضیٰ کا مقصود یہ تھا کہ اے عثمان دیدہ و دانستہ خلافت شریعت عمل کرتے ہو۔

پیشیر نے علی کی نسبت فرمایا ہے کہ علی ساتھ قرآن کے ہی اور قرآن ساتھ علی کے۔ اور اقصیٰ تم میں علی ہی۔ اور میں شہر علم ہوں اور علی اسکا دروازہ ہے جو کوئی اسکی تکذیب کرنے والا ہو وہ علی مرتضیٰ کے اُس قول کے یہ معنی لے سکتا ہے کہ اُنکا علم عثمان سے زیادہ نہیں ہے۔ اور نہ یہ فریقین کو علم ہو کہ شیخین کا علم ہی عثمان کے کم نہ تھا۔ بلکہ مسلم یہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ کا علم سادہ نہیں تھا کسی کو کوئی امر معلوم تھا اور کسی کو کوئی امر اور کوئی امر کسی کو ہی امن میں سے معلوم نہیں تھا۔ اور علی مرتضیٰ کو کل امور معلوم تھے۔

پس شیخین کا علم جناب امیر کے علم سے کیسے کم نہ ہونا سمجھا جاسکتا ہے جیسا کہ خود قول اور فعل خلفائے ثلاثہ سے ظاہر ہو چکا ہے۔ پس اس صورت میں نہ حضرت ابو بکر اقویٰ تھے نہ اعلم۔ وہ زیادہ مقدار خلافت کے کیسے سمجھے جاسکتے ہیں اور اس قول جناب امیر کے کہ جبین مسئلہ حق خلافت کے لیے بیان کیا ہے صراحتہً نص امامت ظاہر ہے کہ خود وہ مسئلہ نص صریح قرآنی سے ماخوذ ہے۔ مصنف مخاطب نے جو اپنے استدلال میں بنظر فقرہ خطبہ شمشیر کے ذکر ہاتھ کٹے ہوئے جناب امیر کا کیا ہے اس غرض سے کہ جناب امیر زیادہ قوت رکھنے والے نہ سمجھے جائیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مصنف مخاطب کی اس موقع پر قطع دست علی مرتضیٰ سے یہ مراد نہیں ہوگی کہ درحقیقت اُنکا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ بلکہ مصنف مخاطب کا یہ مقصود ہوگا کہ بسبب بیعت ہو جانے کے ابو بکر حضرت ابو بکر کے علی مرتضیٰ کو زیادہ قوت خلافت پر نہیں تھی۔

میں اس امر کو کہ علی مرتضیٰ نے جو اپنے آپ کو دست بردار فرمایا اُس کے کیا معنی ہیں اور حضرت ابو بکر کی خلافت پر جن وجوہ سے حملہ نہیں کیا یہ تشریح پہلے بیان کر چکا ہوں۔ لیکن اس امر کو کہ حضرت ابو بکر کی خلافت کو بعد بیعت کے جو اُن کے ہاتھ پر ہوئی زیادہ قوت ہو گئی اس موقع پر استدلال کے لیے کچھ مفید نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو مسئلہ علی مرتضیٰ نے بیان فرمایا ہے اُس میں اُس قوت کا ذکر ہے کہ جو قبل بیعت ہونے کے ہو یعنی جس وقت کوئی خلیفہ قرار دیا جائے اُس وقت وہ شخص قدرت خلافت کرنے کی رکھتا ہو۔ اور وہ قدرت خلافت کرنے کی اُس میں سب سے زیادہ ہو۔

بادشاہ مقرر ہو جانے کے بعد قوت ہو جانا اور امر ہزار قبل بادشاہ ہونے کے قدرت بادشاہت کرنے کی رکھنا اور امر ہے۔ اور یہی امر بیعت قدرت خلافت کرنے کی رکھنا حجت خلیفہ مقرر ہونے کے لیے ہے۔ جیسا کہ علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے۔

اور اس بنا پر حضرت ابو بکر کی خلافت کو بعد بیعت کے اُن کے ہاتھ پر قوت ہو جانے سے حضرت ابو بکر کے حق خلافت کو کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اُن میں قوت خلافت کرنے کی سب سے زیادہ قبل خلیفہ مقرر ہونے کے ثابت نہ ہو۔ دیکھو حضرت یزید کو کس قدر قوت بعد خلیفہ قرار پانے کے ہو گئی تھی لیکن وہ قوت حق خلافت کے لیے وجہ نہیں ہو سکتی اور اگر مصنف مخاطب کا اپنے استدلال میں علی مرتضیٰ کے دست بردار ہونے سے یہ مقصود ہے کہ حضرت ابو بکر میں قوت خلافت کرنے کی سب سے زیادہ اُس وقت تھی جبکہ وہ خلیفہ قبول کرنے گئے تو یہ مقصود اُس وقت صحیح قرار پا سکتا ہے کہ جب دست بردار ہونے کی مراد پہلے ثابت کی جائے

کہ علی مرتضیٰ میں قوت خلافت کرنے کی اس وقت کم تھی۔ اور ایسا ثابت کرنا محال ہے۔ کیونکہ عین وقت وفات پیغمبر تک ہر کسی کو شیخ الناس اور اعلم الناس ہونا علی مرتضیٰ کا مسلم ہے۔

اب جو کوئی کہ عین بعد قبض روح پیغمبر اور قبل مجتہدین پیغمبر علی کی زیادہ قوت جسمانی اور علمی کا زوال یا نقصان ثابت کرنے کا ارادہ کرے اسکی نسبت امت رشتوں جو کچھ کہے سو کہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ سبکو کوئی سبب قوی ضرور بیان کرنا ہوگا۔ سو ایسا امر تاریخ مذہب اسلام میں میری نگاہ سے تو نہیں گذرا اور مصنف مخاطب کی ہی رحلت ہو چکی ہے اگر اٹھا کوئی اور ہم خیال وجہ فوری زوال یا نقصان قوت علی مرتضیٰ کا بیان کرے تو میں اسکا نہایت ممنون ہوں گا۔ کیونکہ میں اس وقت تک برابر تاریکی واقعات میں ہی پاتا چلا آتا ہوں کہ ہر زمانہ خلافت میں علی مرتضیٰ کی علمی قوت سے مدد لی گئی ہے اور خلافت اول میں قوت جسمی سے بھی۔

علی مرتضیٰ نے جو اس مسئلہ میں اقویٰ اور اعلم ہونے کی حجت نصی حق خلافت کے لیے بیان فرمائی ہے اس کے حضرت ابو بکر پر منطبق کرنے کے لیے ایسا طریقہ مصنف مخاطب نے اپنے استدلال میں اختیار کیا ہے کہ جس سے وہ دشواری پر دشواری میں پہنچ گئے ہیں۔ نہ وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ علی مرتضیٰ سے حضرت ابو بکر اقویٰ اور شیخ اور زیادہ قدرت رکھنے والے امور خلافت میں تھے نہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ابو بکر اعلم احکام خدا کے اور زیادہ تر استنباط کرنے والے مسائل شریعت کے آیات قرآنی اور ارشادات نبوی سے بمقابلہ علی مرتضیٰ کے تھے۔ نہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ علی مرتضیٰ کے اقویٰ الناس اور اعلم الناس ہونے میں عین وقت وفات

رسول فوراً نقصان آگیا تھا۔ نہ اسکی تردید کر سکتے ہیں کہ غلبہ قوت علمی علی مرتضیٰ کا ہر زمانہ خلافت میں ہا در قوت جسمی کا شروع خلافت حضرت ابو بکر میں قوت ارتداد کے مسلم ہو چکا ہے۔

بقابلہ حضرت مخاطب کے شارح ابن ابی الحدید معتزلی نے ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ اُسے اپنے آپ کو ان دشوار یوں میں نہیں پہنچایا۔

علی مرتضیٰ نے اس مسئلہ میں حق خلافت کے لیے جو اقویٰ اور اعلم ہو چکی قید لگائی ہے اُس سے حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافتیں غیر صحیح قرار پاتی ہیں اسوجہ سے کہ ان تینوں زمانہ میں اقویٰ اور اعلم علی مرتضیٰ موجود تھے اور بحالت موجود ہونے اقویٰ اور اعلم کے حضرات خلفائے ثلاثہ غیر اقویٰ اور غیر اعلم کو خلافت کے لیے قبول کیا گیا۔

ابن ابی الحدید نے اس ایراد سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے اور حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافتوں کے صحیح قرار پا جانے کے لیے ایک اور پہلو نکال کر یہ کہا ہے کہ یہ فرمانا علی مرتضیٰ کا کہ احق الناس امامت کے لیے وہ شخص ہے کہ جو اقویٰ ہو انہیں خلافت پر اور اعلم ہو انہیں حکم خدا کا اور خلافت میں۔ یہ منافی نہیں ہے مذہب ہمارے اصحاب بغدادین کا کہ صحت امامت مفضول کی اُنکے مذہب میں ہے۔ اسواسطے کہ علی مرتضیٰ نے امامت غیر اقبے کو فاسد نہیں فرمایا۔ لیکن یہ فرمایا ہے کہ اقویٰ احق ہے۔ اور ہمارے اصحاب منکر نہیں ہیں اس بات کے کہ علی مرتضیٰ احق تھے امامت کے لیے اُن لوگوں سے کہ جو اُن سے مقدم ہوئے جسکے ساتھ ہی وہ صحت امامت تغلیظ کے بنی قائل ہیں اسواسطے کہ کچھ منافات نہیں ہوتی ہر در بیان احق ہونے کسی کے اور در بیان صحت امامت غیر اُس احق کے ۱۱

لیکن رکاکت اس سخن کی خود اسی سخن سے ظاہر ہے اور ایسا سخن کلام صحیح اور مبلغ علی مرتضیٰ کے قبول نہیں ہونے دیتا۔ کسی کام کے لیے مفضل کو قبول کرنا درجہ تنزل کا قبول کر لینا ہے۔ اور فطرت انسانی ہمیشہ ترٹی چاہتی ہے۔ خلافت فطرت انسانی کے درجہ تنزل کو قبول کرنا اور اس قبول کو صحیح سمجھنا ابن ابی الحدید یا اُنکے ہم خیال پسند کریں مگر میں عقلاً اسکو پسند نہیں کرتا ہوں۔

سوال۔ تجاہلین اور فائز العقل کے بنی نوع انسان میں کوئی فرد ایسی نہیں ہے کہ جسمین بمقابلہ ایک دوسرے کے درجہ قوت اور علم کم و زیادہ نہ ہو یا مساوی اور جب انہیں سے کسی ایک کو سردار بنانا منظور ہو کہ جسکی سب اطاعت کرنی اور وقت سردار قبول کرنے کے اُن سب میں کسی کی افضلیت کا خیال نہ رکھا جائے تو سب سے آخر درجہ کے مفضل کے لیے سردار بننے کا حق پچھا ہوا جائیگا۔ اور کئی قوم میں جو سب سے مفضل ہو سردار قرار پا جائیگا۔ ابن ابی الحدید یا اُن کے ہم خیال ایسے سردار کے سامنے اپنا سر جکائیں مگر بہانا تو سلام ہے۔

جسوقت علی مرتضیٰ نے یہ مسئلہ حق خلافت کا بیان فرمایا ہے اسوقت حالت زمانہ امت پیغمبری کی طرف سے یہ سوال کرتی تھی کہ جب مسلمانوں کی قوم کے لیے کسی کو خلیفہ یعنی بادشاہ بنانا منظور ہو تو اپنی قوم میں سے کسکو خلیفہ قبول کیا جائے۔

اُنکے جواب میں علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ وہ شخص احق ہے قبول کیے جانے کا جو ان سب میں توثیر ہو خلافت کے کرنے پر اور اعلم تر ہو احکام خدا کا اور خلافت میں۔

پس اسی سلسلہ سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اقویٰ اور اعلم کی خلافت صحیح  
ہی اور اُس کے غیر کی جس میں کل مفضول بقابلہ اُس افضل کے شامل تھا  
باطل ہے۔ اور علی مرتضیٰ کو ہرگز ضرورت اس امر کی نہیں تھی کہ وہ بعد فرمانے  
ایسے کلام بلیغ کے یہ بھی فرماتے کہ امامت غیر اقویٰ کی فاسد ہے کہ ایسا بیان  
مفضول اور داخل عیب بلاغت کے تھا۔

میں قبول کرتا ہوں کہ ابن ابی الحدید نے در بیان ہونے کسی کے  
احق اور در میان صحت امامت غیر احق کے فرق بتانے کے وقت اُن  
سے مراد احسن سیاست اور اعلم سے مراد اکثر علم اور گروا گروم تفسیروں سے  
جو مفضل علم ہوں لی ہیں۔ لیکن اس مراد سے کوئی امر غیبا ان کے سخن  
کے لیے پیدا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ترک ادلی خالی زلت اور ہر سے  
نہیں ہے اور قبول حسن بقابلہ احسن کے قبیح ہے۔

اور اگر علی مرتضیٰ کے نزدیک خلافت مفضول فاسد نہ ہوتی تو وہ ضرور  
بجالت ترک کیے جانے افضل کے قبول کیے جانے مفضول کا اور اُن کی  
صحت امامت کا بیان فرماتے کہ سلسلہ جواز ایسے بیان کا مشتاق تھا تا  
اقویٰ اور اعلم قوم کو تمام قوم پہچانتی ہوتی ہے امامدہ اقوے اور اعلم  
سوقو نہر انہما رہی اپنی اعلیٰ درجہ کی قوت اور اعلم کا فخر کرتا رہتا ہے جس کے قبول  
کو لینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ سکتی۔

اور اگر متعدد اشخاص دعوے اقوے اور اعلم ہونے کا کوئے تو مجاہدین  
اور انصار جنگوا ہل الراے یا اہل حل و عقد کیا جاتا ہے مجمع اور متفق ہو کر ان میں  
سے کسی ایک کو امام موسوم کر سکتے تھے۔ لیکن بجالت ترک افضل کے  
اگر مفضل کا خلافت اور امامت کے لیے قبول کرنا صحیح ہو سکتا تو اُس کے انتخاب

کے لیے عجب تماشا نظر آتا کہ اُس افضل کے سوا کل قوم کا ہر فرد بشر دعویٰ مفضولیت کا ہوتا۔ اور بالآخر انتہائے درجہ مفضولیت پر پہنچ کر مجاہدین اور فاتر اعقل میں سے افضل کا انتخاب کیا جاتا بلکہ پوری تکمیل صحت امانت مفضول کی اُس وقت ہو سکتی تھی کہ جب کسی کو جنون اور فوری عقل دوری انہو بلکہ ستم ہوا اور سہین ہی قدامت کا لحاظ زیادہ کیا جائے۔

میرے نزدیک اگر چاہیں ابی المحمدی اُن دشواریوں میں نہیں پہنچے ہیں کہ جن دشواریوں میں مصنف مخاطب اور اُنکے ہم خیال پہنچے ہیں۔ لیکن ابی المحمدی اور اُنکے ہم خیالوں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ اپنی دشواری میں اُن دشواریوں سے کم نہیں ہے جن میں مصنف مخاطب اور اُنکے ہم خیال پہنچے ہیں۔ اور ہر ایک نے ہر ایک کے دشواری طریقہ پر نظر کر کے دوسرے کے طریقہ کو چوڑا ہے۔

لیکن جب اُن دونوں کے طریقہ پر بقابلہ ارشاد علی مرتضیٰ کے نظر کیا جائے تو دونوں کے طریقہ دشواری گزار نظر آتے ہیں اور انہیں حلنا غیر ممکن معلوم ہوتا ہے اور صراطِ مستقیم موافق ارشاد علی مرتضیٰ کے وہی دکھائی دیتی ہے جو شیعوں کا مسلک ہے۔ کہ اقصیٰ اور اعلم کا خلافت کے لیے قبول کیا جانا صحیح ہے اور غیر اقصیٰ اور غیر اعلم کا قبول کیا جانا خلافت کے لیے باطل اور فاسد ہے۔

پھر مصنف مخاطب اُسی خطبہ کا آئندہ فقرہ نقل کر کے یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ”یہ پہلو اگر فتنہ کرے کوئی شخص تو اُس پر عتاب کیا جائے اور اگر نہ ملے تو اُس سے قتال کیا جائے“ اور کہتے ہیں کہ فاضل میسم نے اسکی شرح میں لکھا ہے کہ ”یہ حکم اُس باغی کا ہے جو انعقاد بیعت کے بعد امام سے بغاوت کرے“۔ لہذا یہ شبہ نہیں کہ علی مرتضیٰ نے اس پہلو پر ارشاد میں جو حکم فرمایا ہے وہ جو



شرح کہ ابن میسم نے کی یہی یہ حکم بقا بلکہ اسی خلیفہ اور امام کے ہی کہ جو سب میں  
اقتویٰ اور اعلم ہونے کی وجہ سے باجتماع اور اتفاق اُن لوگوں کے خلیفہ اور  
امام قبول کیا گیا ہو جو اُسکے قبول کرنے کا حق رکھتے ہوں۔ اور اُسکا تقرر  
باضابطہ عمل میں آیا ہو اور ایسے ہی خلیفہ اور امام سے بغاوت کو نہ کرنے والے  
کے لیے وہ حکم ہے۔

مصنف مخاطب پر فقرہ آئندہ خطبہ کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ۲۲۔ او قسم ہو  
مجھ کو اپنی جان کی کہ اگر امامت کے لیے یہ حکم ہو کہ جب تک سب آدمی حاضر  
نہوں اُس وقت تک منعقد نہ تو نہو گا خلافت کا کوئی طریقہ ۲۳۔  
اور اسکی تصریح یوں کرتے ہیں کہ ۲۴۔ بنیاب امیر اپنی جان کی قسم مگر فرما  
ہیں کہ اگر خلافت کے لیے یہ شرط ہوتی کہ جب تک کل آدمی حاضر ہو کر بیعت  
نہ کریں اُس وقت تک بیعت منعقد نہ تو نہو گا خلافت کی کوئی صورت ہی  
نہیں اس لیے کہ سب کا جمع ہونا مشکل ہے۔

مصنف مخاطب نے فقرہ کلام علی مرتضیٰ کے ترجمہ میں جو یہ ترجمہ کیا ہو کہ  
۲۵۔ جب تک سب آدمی حاضر نہوں ۲۶۔ اس میں لفظ ۲۷۔ سب آدمی ۲۸۔ ترجمہ ہو گا کہ  
۲۹۔ عا ہتا الناس ۳۰۔ کا یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح ترجمہ اُسکا ۳۱۔ عام لوگ ۳۲۔  
پس کل مضمون فقرہ کلام علی مرتضیٰ کا ترجمہ یوں ہوتا ہو کہ ۳۳۔ او قسم ہو مجھ کو  
اپنی جان کی کہ اگر امامت کے لیے یہ حکم ہو کہ جب تک عام لوگ حاضر نہوں اُن  
وقت تک منعقد نہ تو نہو گا خلافت کا کوئی طریقہ ۳۴۔

اور مصنف مخاطب نے جو تصریح کی ہے اُس میں بجائے کل آدمی کے عوام  
الناس لکھنا چاہیے تھا۔ کہ درحقیقت خلافت بیعت خواص سے منعقد ہو جا  
ہے نہ عوام سے جیسا کہ علی مرتضیٰ کے فقرہ آئندہ میں ذکر ہو چکا مصنف

نئی خطبہ یہ ترجیح دیتے ہیں کہ اولاً لیکن اہل سنت کے حکم کرتے ہیں اس پر جو بیعت خلافت کے لیے دیتے ہیں اسے غائب تھا۔

اولاً اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ بیعت کر چکے انہیں کا حکم ہے ہی چاروی ہو گا جو اس وقت موجود نہ تھا۔ ہکو نہ اس فقرہ کے ترجیح پر کچھ بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

مصنف نے مخاطب نے پہلے فقرہ آئندہ کا یہ ترجیح کیا ہے۔ پہلے حاضر کو یہ اختیار نہیں کہ بیعت سے رجوع کرے اور غائب کو یہ اختیار نہیں کہ کسی اور کو پسند کرے۔

لیکن اس فقرہ کا ترجیح مصنف نے مخاطب کو اس طرح کرنا چاہا ہے تاکہ وہ پہلے نہیں جائز ہو واسطے حاضر کے یہ کہ پہلے دے (ای بیعت کو توڑ دے) اور نہیں چاہیے غائب کو یہ کہ کسی اور کو اختیار کرے (ای اہل الرائے نے مجمع ہو کر بالاتفاق جس کسی کو خلیفہ اور امام قبول کر لیا ہے غائب کو یہی لازم ہو کہ اسی کو قبول کرے اس کے خلاف کسی اور کو قبول نہ کرے)۔

ان تمام فقرات اور اس کے معنی اور ترجمے سے ظاہر ہے کہ کوئی استدلال مصنف نے مخاطب کے لیے پیدا نہیں ہو سکتا ہے۔ تاہم مصنف نے مخاطب کو استدلال کرتے ہیں کہ اس قول میں تو جناب ایٹھنے قسم کہا کہ فرما دیا کہ خلافت کے لیے بعض کی بیعت کافی ہے سب کا حاضر ہونا ضرور نہیں کیا حضرت شیعہ کے نزدیک یہ قسم ہی جناب ایٹھنے کی جوتی تھی۔

پھر مصنف نے مخاطب اپنے استدلال کی یہ تائید بھی کرتے ہیں کہ اس سے پہلے جناب ایٹھنے کا یہ قول ہی ہم نقل کر چکے ہیں کہ فاسق کی خلافت ہی جائز ہو وہ قول خواجہ کے مقابلہ میں تھا جو امامت کے بالکل منکر تھے۔

اور آخر کار یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ۲۲ پس جو مضمون جناب امیر علیہ السلام نے  
امیر معاویہ کے نام خط میں لکھا تھا وہی مضمون اُسکے اور اقوال سے ہی ثابت  
ہی۔ اب کوئی شبہ باقی نہیں کہ جناب امیر کا یہی مذہب تھا اور شیعوں کا  
مذہب جناب امیر کے مذہب کے خلاف ہی۔

لیکن یہ تمام استدلال صنعت مخاطب کا غلط ہوا اور کلام علی مرتضیٰ سے  
ہرگز وہ امر جیسا کہ صنعت مخاطب کہتے ہیں مستند نہیں ہوتا۔

علی مرتضیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ میں اگر امامت منعقد ہوتی عامۃ الناس کے  
حاضر ہونے پر تو اُسکے انعقاد کی کوئی سبیل نہ ہو سکتی۔ لیکن اہل انعقاد امامت  
کے حکم کرتے ہیں غائب پر اور حاضر کو نہیں چاہیے کہ اُس سے پہلے اور  
نہ غائب کسی اور کو اختیار کرے جسکی صاف مراد یہ ہو کہ اہل الراے اور  
اہل حل و عقد امامت کے کہ جو خاص لوگ ہیں وہ مجتمع اور متفق ہو کر کسی کو  
امام قبول کر لیں وہی عامۃ الناس کے لیے امام ہو جائیگا۔ اُس سے کسی  
کو انحراف کرنا نہیں چاہیے۔ خواہ وہ عامۃ الناس حاضر ہوں یا غائب۔  
جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ عقد امامت کے لیے خاص لوگوں کا حاضر ہونا ضروری  
عامۃ الناس کا حاضر ہونا ضروری نہیں ہے۔ اُسکی مراد یہ نہیں ہو سکتی کہ خلافت  
کے انعقاد کے لیے بعض خواص کی بیعت کافی ہو سب خواص کا حاضر ہونا  
ضروری نہیں۔ بیشک۔ انعقاد امامت جملہ اہل حل و عقد کی حاضری پر موقوف  
ہو کہ جو خاص لوگ ہیں البتہ عام لوگوں کا حاضر ہونا انعقاد امامت کے لیے  
ضروری نہیں ہے۔

جناب امیر نے جو کچھ فرمایا ہو اور جس پر لوگوں کو یقین دلانے کے لیے  
قسم کھائی ہو شیخ اسکو سچ جانتے ہیں لیکن جو معنی کہ صنعت مخاطب کے

قلوب دیا کرتا ہوتا ہے کہ اس کو بہت سمجھتے ہیں۔

انہی کے بعد ان کے شاگردوں نے ہم خیال ارشاد علی مرتضیٰ کے جو کہ  
وہ کہنے والے اور کہنے والے اس کے ارشاد کی صداقت پر یقین رکھنے کے لیے  
تسمیہ کس کی ہی قبول نہیں کرتے اور اس کے صاف و صریح معنی میں تخریص کرتے  
ہیں۔

قون علی مرتضیٰ سے جو یہ بتاتی بہت ہو چکی ہیں ہرگز نہ امر واضح نہیں  
ہو سکتا اس کی خلاف ورزی ہی جائز ہی بلکہ خواجہ جو یہ کہتے تھے کہ حکومت کسی  
کی جائز نہیں اس کے مقابلہ میں علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ نہ کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں  
کے لیے کوئی ایسا نیکو عمل ہے اور اس کلام سے امیر مکیہ کا نفع اور اس کے  
بر کا ضرر نہ پایا جائے اس کلام کے ہرگز نہ کہنے نہیں ہیں کہ فاسق کی خلافت  
جائز ہے

پس یہ انہوں نے جو ایسا ایسا کہنے شروع کیا اس کے نام خط میں لکھا تھا وہی  
مضمون آئے اور اقوال سے بیشک ثابت ہے اور کوئی شبہ باقی نہیں کہ  
ایسا ایسا کے ارشاد است کہ موافق شیعوں کا مذہب ہے۔ اور اہلسنت  
کا مذہب قطعی اس کے خلاف ہے۔

شیعوں کا مذہب بھیجے دیگر اقوال علی مرتضیٰ سے موافق ہیں اور اہلسنت  
کا خلاف ہے اس لیے ہی باقی مضمون اسی خطبے سے جو زیر بحث ہے اور جس کو  
امام نے مواظبت سے ترک کر دیا ہے شیعوں کا مذہب صحیح اور اہلسنت  
کا مذہب غیر صحیح قرار پاتا ہے۔

اس وقت تو اس خطبے کے جملے اس خطبے سے لیا ہے اس کا آخر فقرہ تمام

خطبہ کا خلاصہ اس سے لیا ہے۔

یہ ہے کہ وہ حاضر کو جائز نہیں ہے کہ انعقاد امامت سے نہ جو اس کے اہل انعقاد کریں  
پھر اسے اور نہ غائب کسی اور کو اختیار کر سکتا ہے۔  
یہ فقرہ اس مضمون پر تمام ہوتا ہے نہ کہ حال یہ ہے کہ بیشک میں نے آئینہ  
والا ہو سکتا ہوں دو شخصوں کے ایک وہ شخص کہ ادعا کرے، اسی پر  
(امراست) کا جو نہیں ہر واسطے اسے (ای جی) واسطے اس کے (دوسرے  
وہ شخص کہ منع کرے) ایسے شخص کو کہ جو اس امامت پر تو العنی مانع طاعت  
ہو اور اقتال امرا ام کا کرے۔

بقیہ مضمون اس فقرہ سے ظاہر ہے کہ علی مرتضیٰ کے لیے شخص سے قتال  
جائز سمجھتے تھے کہ جو استحقاق امامت کا نہ رکھتا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ حضرات خلفائے  
ثلاثہ بمقابلہ علی مرتضیٰ کے اقوت اور اعلم نہیں تھے۔ پس یہ حضرات جو  
بے ضابطہ امام بن بیٹھے اور منصب امامت قبول کر لیا وہ اُلکاحق نہیں  
تھا اس لیے کہ وہ حق الناس کا تھا اور احق الناس وہ ہو سکتا تھا جو اقویٰ  
اور اعلم ہو اور یہ صفتیں اس عہد میں صرف علی مرتضیٰ میں تھیں۔ اور یہ  
علی مرتضیٰ کے اور کسی میں یہ صفتیں نہیں پائی جاتی تھیں۔ اور ان تینوں  
کا امام اور خلیفہ بن جانا ہی باجماع مہاجر اور انصار اور اہل الراسے جزو حق  
ہو انہ کلی کے۔

پس غیر علی مرتضیٰ پر جو انعقاد امامت اور خلافت کا ہوا وہ بے قاعدہ  
اور مطلق مسئلہ فرمودہ علی مرتضیٰ کے ہوا اور اسی بنا پر علی مرتضیٰ کو  
اُسے قتال جائز تھا (جیسا کہ آخر حصہ فقرہ مذکورہ اسی خطبہ میں ہے)  
اور اسی وجہ سے حضرت ابو بکر کی نسبت علی مرتضیٰ نے سوچا تھا کہ  
اُن پر حملہ کی جرات کروں یا نہیں؟ جیسا کہ خطبہ شمشقہ میں فرمایا ہے۔ لیکن

علی مرتضیٰ پر ان سے ایسا قتال جائز تھا نہ واجب۔ اس لیے بوجہ دیگر کہ جس میں ابن اسلام تباہ ہوتا تھا ایسی حالت میں علی مرتضیٰ کو لازم نہیں تھا کہ وہ امر جائز پر عمل کرتے ہیں، انہوں نے امر جائز پر عمل نہ کر کے صبر فرمایا۔ دوسرے اس شخص سے علی مرتضیٰ قتال جائز جانتے تھے کہ جو مانع طاعت امام ہو اور اس کے حکم کو نہ مانے۔

اسمیں اشارہ ارباب جنگ جمل اور ارباب صفین اور نہروان کی طرف ہے کہ باوصف اسکے کہ علی مرتضیٰ باقاعدہ امامت اور خلافت کے لیے قبلاً کیے گئے۔ اور ارباب جنگ جمل اور صفین اور نہروان اطاعت علی مرتضیٰ سے امتناع کرتے تھے اور علی مرتضیٰ کے حکم کو نہیں مانتے تھے اور ان سے جنگ کرنے کے لیے کوئی امر مانع نہیں تھا اس لیے علی مرتضیٰ نے اسے جنگ کرنا ضرور سمجھا۔

مصنف مخاطب نے اس مضمون کو اپنے فقرہ منقولہ سے اسی غرض سے متحرک کیا ہے کہ مضمون اس فقرہ کا علانیہ ایسا موافق مذہب شیعہ کے اور خلاف مخالفانہ ہے کہ حسین مصنف مخاطب یا ان کے ہم خیال کچھ تحریف معنی کی ہی نہیں کر سکتے تھے۔

بقیہ مضمون اسی خطبہ کا ہم ذیل میں ترجمہ کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ اس سے مذہب شیعہ کس قدر موافق ہے اور مذہب مخالف شیعہ کس قدر مخالف ہے۔

پہر علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ جو ایہندگان خدا تکو پر ہیزگاری کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ پرہیزگاری بہتر ان تمام نصیحتوں سے ہے جو مجھ کے ساتھ نہ نصیحت کیے جاتے ہیں اور عذر انجام امور پر خدا کے نزدیک اور

بالتحقیق کہل گیا اور وہ ان کے حسبِ امکان درمیانِ تمہارے اور اہل قبلہ کے اندر نہیں  
 رہا۔ سنت کو پہلے اس علم کے طور پر بیان ہے کہ تمہارا جہانِ عرصہ جو مواضعِ حرم کے  
 قبضہ سے راسخ ہے، پھر اس میں چوتھم میں ہر سپر قسم کے جانور اور مکہ اچھا یعنی باوجود  
 اُس سے کہ منع کیے جاوے۔ (اور وہ اندر ہی) نہ کہ کسی اُن کے کہنے میں جب تک کہ  
 نفیث میں نہ کرے کہو نہ کہ ہمارے سب سے ہر اس کے ساتھ تہذیبیان میں  
 جسکو تا پسند کرے ہو تم۔ آگاہ ہو کہ تحقیق یہ دنیا جسکی صیغہ کی تمہارے کہتے ہو  
 تم اور ہمیں رغبت کرتے ہو اور صیغہ اُسکی تمکو غضب ناک کرتی ہے اور خوش  
 ہی کرتی ہے گو تمہارا گھر نہیں اور نہ وہ منزل ہی جسکے لیے تم پیدا کیے گئے ہو  
 اور نہ وہ ایسی چیز ہے جسکی طرف تم بلائے گئے ہو۔ آگاہ رہو کہ نہ وہ تمہارے  
 لیے باقی رہیگی اور نہ تم اُسپر ہمیشہ رہو گے اگرچہ تمہارے دھوس کے میں  
 ڈالا ہو پس تحقیق میں نے اُسکے شر اور بدی کی خطرناکی ظاہر کر دی تمکو پس  
 پھر وہ دوسرے دھوس کے کو بسبب اُسکے حذر دلانے کے اور طبع کو سونے  
 اُسکے کو بوجہ خوف دلانے اُسکے کے رہنے وہ دنیا خود ہی حذر اور خوف  
 دلاتی ہے اور سبقت کر دینا میں اُس گھر کی طرف جسکے لیے تم بلائے گئے  
 ہو اور پھر اپنے دلون کو اُس (دنیا) سے اور ہرگز تم میں سے کوئی رنج  
 نہ کرے جیسے کہ لونڈیاں کرتی ہیں دنیاوی چیز کے نہ دستیاب ہوئے پر اور  
 تم پورا کرنا چاہو اپنے اوپر قسمت خدا کا جبر کے ساتھ جو خدا کی اطاعت پر  
 کیا جائے اور اُس محافظت کے ساتھ جسکو کتاب خدا نے محفوظ رکھا  
 (یعنی کتاب خدا ہے جو حفاظت تمہاری کی ہے اُسکے ذریعہ سے اپنی حفاظت  
 کر دے) آگاہ ہو کہ نہ ضرر پہونچا یگا تمکو ضائع کرنا دنیاوی کسی شر کا بعد اُسکے کہ  
 تمہارے حفاظت ستون دین کی کر لی۔ آگاہ رہو نہ نفع دینا تمکو جسکی لئے حفاظت

کہ اگر وہ نبوی سے (دستِ نبیؐ کو ضائع کر کے) خدا ہمارے اور تمہارے  
 قلوب کو پھر پھر سے اپنی ہی طرف سے الٹا دے دے ہمارے اور تمہارے دلوں  
 میں صہرہ

پہنچا۔ علیؑ نے اس وقت خدا سے کہا: "اے خدا! حضرت  
 محمدؐ کے منہ سے نکلنے والے کلمے کو پس انداز یا ہم اہل قیسمہ کے جنگ شروع  
 ہو گئی ہے جیسا کہ محمد بن حنفیہ سے ظاہر ہے۔ اور مسلمان احکامِ خدا کے  
 جاننے میں یا قرآن سے مسائل کے استنباط میں عاجز یا سببِ راز چلنے  
 پر آمادہ ہو چکے تھے۔

علی مرتضیٰؑ کے اس شخص کے خطیوں کی وجہ سے امام شافعی قابل ہو  
 ہیں کہ اگر علی مرتضیٰؑ نہ ہوتے تو احکامِ اہلِ یمنی سے کچھ ہی بچا نہ چھو سکتا  
 اس واجبِ التعظیم سے۔ علی مرتضیٰؑ کے علم و فضل کا اندازہ  
 بمقابلہ غیروں کے اہلِ نظر کی نگاہ میں بخوبی ہو سکتا ہے۔ کہ اگر علی مرتضیٰؑ  
 نہ ہوتے تو مذہبِ اسلام بغیر بیانِ ایک رکنِ عظیم کے ہوتا۔ علی مرتضیٰؑ  
 ہی وہ شخص تھا کہ جس نے اپنے علم سے مکملہ مذہبِ اسلام کا کیا۔

علی مرتضیٰؑ نے اس خطبہ میں مذہبِ اسلام کے مستقیم کرنے کے  
 لیے ہدایت اور اپنے پٹہ و نصاب سے مسلمانوں کو راہِ راست پر لانے  
 کی کوشش فرمائی اور بعد پیغمبرؐ جو واقعات پیش آئے تھے ان کو  
 پیش نظر رکھ کر حقیقت ہر ایک کی مع اس کے کہ مسلمانوں کو کیا کیا کرنا چاہیے  
 دکھائی ہے۔

پہلے علی مرتضیٰؑ نے پیغمبرؐ کی حج پر شہادت دی ہے کہ وہ امین و  
 جسے تاکہ لوگوں کو یقین ہو کہ پیغمبرؐ تزیل من الدوس سے کچھ تحریرات اور



تبدیلی نہیں کرتے تھے اور اُنہیں کچھ خطا نہیں ہوتی تھی جو نیکو عادت  
ہی۔ اور غرض اس ارشاد سے یہ تھی کہ لوگ قرآن کے صحیح منزل میں اسد  
ہونے میں ذرہ بہر شبہ نہ کریں۔

پھر پیغمبر کے ختم المرسلین ہونے کے مدح ظاہر کی ہے کہ بعد اس پیغمبر کے  
کوئی اور پیغمبر آئے والا نہیں ہے اور ضرور ہے کہ بعد اُس کے مذہب اسلام کے  
تمام رکعت کے لیے کہ تارہ ہے اور اُس کے چلانے کے لیے تاکہ چھٹہ ہو جائے  
کوئی اُسکا جانشین ہوا اور وہ جانشین کیا اوصاف رکھتا ہو چکی ہے  
وہ خلافت پیغمبر کا احق الناس ہو۔

پھر پیغمبر کو بصفت بشیر و نذیر یاد کیا ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ موافق  
احکام خدا کے عمل کرنے سے رحمت خدا کے مستحق ہوں گے اور نجات  
احکام خدا کے عمل میں لاسنے سے سزا و عذاب ہوں گے۔

پس بعد ذکر پیغمبر کے سب سے پہلے اُس شخص کے ذکر کی ضرورت  
تھی کہ جو مستحق پیغمبر کی جانشینی کا ہو۔ اور اُسکا وصف یہ فرمایا کہ خلافت  
پیغمبر کا احق الناس وہ کوئی ہے کہ اُس امر خلافت کے لیے سب میں قوی تر  
ہو یعنی قدرت سیاست اہمیت کے ساتھ رکھتا ہو تاکہ کامل تر جائے  
والا ہو مواقع خلافت اور اُسکی کیفیتوں کا اور کیفیت تدبیر مدن اور عرب کا  
اور اسی سے لازم آتا ہے شیخ الناس ہونا اُسکا۔

دوسرا وصف یہ فرمایا ہے کہ اعلم ہو حکم خدا کا نیا بت رسول کے بارہ میں  
یعنی اصول اور فروع دین کا بڑا جاننے والا ہو۔ تاکہ ہر عمل اُس کے عمل پر  
جس سے یہ لازم آتا ہے کہ شدید تر ہو حفاظت کرے والا مراعات خود  
خدا کا اور اس پر عمل کرنے والا اور یہ امر لازم کرتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں عدل

غیر رکنا چاہیے کہ کیا یہ اوصاف میرے علی مرتضیٰ کے کسی اور میں ہیں  
جو مقام نبیہ رسول پر قدم رکھے۔

یقین کرنا چاہیے کہ یہ اوصاف کسی اور میں ہیں یا نہیں اور اگر وہ کسی  
علی مرتضیٰ کے ہوتے تو کسی اور میں یہ اوصاف نہیں ہوتے اور اگر وہ کسی  
اور میں یہ اوصاف نہ ہوتے تو قسم جو خدا کی کہ وہی مرتضیٰ ہے اس سے پہلے  
نام بتا دیتے۔ اور کسی اور کا نام نہ بتانے سے صریحاً یہاں اپنے آپ کو نفس  
کی طرف جسکو خدا نے نفس رسول کہا ہے۔ اور یہ گناہ الہی ہوا تو تھوڑے ہی  
پس سناٹوں کو لازم تھا کہ ایسے ہی شخص کو بعد پیغمبر کے پیغمبر کا کہنا  
قبول کرتے۔ اگر ایسے شخص کو جس کسی نے نائب پیغمبر کا نام اور جس کسی نے  
کہ اسکو قبول نہ کیا سمجھ لینا چاہیے کہ پیغمبر بشر کی بشارت رحمت کا کہاں  
اور پیغمبر نذیر کی نذارت عذاب کا کہاں متعلق ہوگا۔ کہ اس صبح سے ذکر  
وقت مباح رسول کے شروع خطبہ میں علی مرتضیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

پھر علی مرتضیٰ نے انہیں اوصاف و اسے کے نائب پیغمبر کے قبول  
ہو جانے والے کے بارہ میں یہ مسئلہ فرمایا ہے۔ پھر اگر فتنہ کرے کوئی فتنہ  
تو اُسپر عتاب کیا جائے اور اگر وہ نہ مانے تو اُس سے قتال کیا جائے۔  
لیکن یہ مسئلہ اسی حالت سے منطبق ہوگا کہ جب اقویٰ اور اعلم نائب  
رسول قبول کیا جائے اور نہیں تو نہیں۔ جسکا یہ نتیجہ ہے کہ علی مرتضیٰ کے  
خلیفہ قبول ہونے کے بعد عمل اس مسئلہ پر ہوگا نہ اُنکے غیر خلیفہ قبول ہوگا  
کی حالت میں۔

بلکہ اُنکے غیر کے خلیفہ قبول ہو جائے پر حملہ جائز ہے کہ اُس حملہ پر اطلاع  
فتنہ کا ہوگا کیونکہ انعقاد خلافت غیر اقصیٰ اور اعلم پر خود فتنہ ہے۔ گو کسی

دوسری وجہ یہ حملہ نہ کیا جائے۔

اور خلیفہ شمشقیہ میں جو ارادہ حملہ کا خلافت حضرت ابو بکر پر عائد تھا  
نے فرمایا ہے یہ امر باتم مطابق ہے کہ اس خطبہ میں جہاں کہہ پند و نہد نہ ہو  
میں یہ ارشاد کیا ہے کہ "جلدی نہ کرو کسی امر میں جب تک کہ تفتیش نہ کر لو  
کہ ہمارے لیے ہر امر میں جسکو تم ناپسند کیسے ہو تبدیلی ہو سکتی ہے"  
یعنی جب کوئی غیر شخص خلیفہ قبول کیا جائے تو بنظر حالت موجودہ کے  
اُس کے لیے یعنی اُس پر حملہ کرنے نہ کرنے کے لیے حکم دیگر ہے اور جب سقیہ  
خلیفہ کیا جائے اور مسین لوگ فتنہ پردازی کریں تو اُس کے لیے حکم دیگر ہے  
اور ہر موقع پر اُس کا حکم وہی جانتا ہے جو اُن موقعوں کو پہچانتا ہے کہ ایسا حکم  
صاحبان بصیرت اور صبر کو ہوتا ہے۔

اور جس سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابو بکر پر حملہ نہ کرنا دائی ثنی گو وہ بغیر  
احق ہونے کے خلیفہ قبول کیسے گئے اور اُس موقع پر صبر کرنا ضرور تھا کہ  
مذہب اسلام تباہ و برباد ہو جاتا اور ارباب جبل اور عشقین سے اور جو  
سے قتال دائی ہے کہ اُن لوگوں نے ایسے شخص کے خلیفہ ہو جانے کے  
بعد جو سقیہ خلافت تھا سرکشی کی اور جن پر اطلاق بغاوت المانم آگیا اور  
جسے جنگ کرنے میں اندیشہ تھا ہی اسلام کا یا اور کوئی امر مانع نہ تھا  
بلکہ اُن سے قتال موافق قرآن کے تھا۔

بعد بیان مسئلہ آحقاق خلافت پیغمبر کے علی مرتضیٰ نے مسئلہ انعقاد  
خلافت کا بیان فرمایا ہے جسکی تصریح ہم اوپر کر چکے ہیں اور جس سے ظاہر ہے  
کہ مسئلہ انعقاد خلافت کے بعد جب حضرت ابو بکر پر انعقاد خلافت صحیح نہیں  
ہوا البتہ خود علی مرتضیٰ پر انعقاد خلافت مطابق مسئلہ کے واقع ہوا ہے۔

اور اُسی کے ساتھ علی مرتضیٰ نے تقریب سے فرمادیا ہے کہ دو شخصوں کے  
میں لڑ سکتا ہوں۔ ایک اُس شخص سے جو دعویٰ کرے اُس چیز کا جسکا  
وہ حق نہیں رکھتا یعنی حضرت ابو بکرؓ کہ خلیفہ بن بیٹے جسکا وہ حق نہیں  
رکھتے تھے۔

دوسرے اُس شخص سے کہ جو روکے اُس چیز کو جو اُس پر واجب ہو چکا  
(یعنی قتال باغیوں سے کہ چسپراطاعت ادا نہ واجب تھی) جہین اشارہ  
طرف جنگ جبل اور صفین اور نہروان کے پر۔  
پہلے کے بعد تمام نصائح علی مرتضیٰ نے فرمائے ہیں۔ جسکی ابتدا پر یہ لگا  
ہے کہ جو لینے انسان کو ہر امر بد سے بچنا لازم ہے۔

پھر واقعہ حرب کا درمیان اہل حق و باطل کے ذکر کر کے بتایا ہے کہ صاحبان  
بصیرت اور صبر اور اہل علم ہی تحمل اس کے ہو سکتے ہیں جو مواقع حق کو چھوڑ  
دیں۔ اس فقرہ میں اہل صبر کا لفظ بہت غور طلب ہے کہ کس موقع کو یہ نظر  
رکھ کے اُس کلمہ کے فرمائے کی ضرورت ہوئی ہے۔

جہاں تک خیال کیا جاتا ہے وہ موقع سوائے خلافتوں حضرات خلفائے  
ثلاثہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ جنگو علی مرتضیٰ صحیح نہیں سمجھتے تھے لیکن  
دوسرے وجود کے پیش نظر ہونے کے باعث اُن سے قتال ہی نہیں  
کر سکتے تھے اور صبر کرتے تھے۔

صبر کے معنی ہیں غصہ کو پی جانا جسکی مراد یہ ہوئی کہ علی مرتضیٰ کو اُن خلافات  
کے انعقاد پر غصہ تو بہت آتا تھا مگر غصہ کو پی جاتے تھے۔ اور ایسے غصہ کے  
پی جانے والوں کی نسبت اس خطبہ میں فرمایا ہے کہ وہ تحمل ایسے موقعوں کے  
ہوتے ہیں

اور اُسکے ساتھ یہ غرہ یا ہیکہ، حالت کے تغیر سے امر بدل جاتا ہے۔ پس ہر حالت کے حکم کی سب سے تشبیہ کر لو۔ یہ دیکھنا اور اُسکی آرزو اور طبع کی مذمت کی ہوا اور اُسکے حصول کو خطرناک ظاہر فرما کر ہدایت کی ہو کہ یہ پہلے کے ضائع ہونے سے کچھ ضرر نہیں ہو سکتا جبکہ دین کی علتِ تہمت ہو چکی ہو کہ اب خدا کے بموجب اور ستونِ دین کا قائم ہونا چکا ہو۔ لیکن دنیا کچھ نفع نہیں دے سکتی اگر دین ضائع ہو جائے گا۔

مقصود اس ہدایت سے یہ ہے کہ دین میں جو طریقے مقرر کر دیے گئے ہیں اُسکے بموجب لوگوں کو چلنا چاہیے اگر ان طریقوں پر چلنے سے کچھ دنیا ضائع ہو جائے تو کچھ پروا نہیں کرنی چاہیے ایسی کہ دین کے طریقوں پر چلنے سے وہی دنیا ضائع ہو سکتی ہو جو خلافتِ طریقیوں دین کے چلنے سے حاصل ہو۔ اور اُسکے ضائع ہونے سے کچھ ضرر نہیں پہنچ سکتا ہو اور وہ دنیا جو خلافتِ طریقیوں دین پر چلنے سے حاصل ہو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی۔

اسی مرتبہ نے جو یہ کلیہ فرمایا ہے اُسکی مثال اُنکی نگاہ میں وہی تینوں خلافتیں تھیں کہ جو خلافتِ طریقیوں دین کے حاصل کی گئی تھیں جیسا نتیجہ یہ ہوا کہ اُنکے انعقاد میں اختلاف ہوئے کی وجہ سے اور غیر مستحق کے خلفاء قرار پانے کے سبب سے خلافت صحیح ہی قائم نہ ہو سکی۔ اور باہم مسلمانوں کے دروازہ حرب کا کھل جانے سے سلطنتِ قومی مسلمانوں کی ضعیف اور آخر کار تباہ ہو گئی۔ اور تمام روئے زمین پر کسی وقت پہل نہ سکی۔

اگر قوی اور اعلم کو احق الناس مسلمانِ مستحق سمجھ کر بالاتفاق اول خلیفہ مقرر کیے کہ یہی طریقے دین کے تھے تو کہیں نہ غیر مستحق کو حوصلہ خلافت کا پیدا ہوتا تھا باہم مسلمانوں کے جنگ ہوتی نہ تمام روئے زمین پر مذہب اسلام

سپینے سے روکنا۔

پھر حضرت مخا حناب جناب امیر علیہ السلام کو ابو کثیر سے روکنا خیال  
پیدا نہیں کیا۔ کہ یہ لہو آخری ہے استدلال کو کہتے ہیں کہ جناب امیر جانتے  
ہیں کہ عیسائی کی چھاعت مسلمان کے لئے خلیفہ بنایا گیا اور رسول کا تون ہو کہ  
حق ہمیشہ جماعت کی طرف ہوتا ہے۔

اور نہ صرف اس بلکہ بارہ سالہ شاد رسول نقل کر کے یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ  
بیشک میری امت متفرق ہوگی ہر فرقہ پرست فرقہ ہلاک ہونے  
اور ایک فرقہ نجات پائیگا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ فرقہ کونسا  
ہوگا رسول نے فرمایا جماعت جماعت ہے۔

اس ترجمہ پر کچھ فہم نہیں ہوا۔ نہ شروع میں ترجمہ یوں ہونا چاہیے  
کہ بیشک میری امت قریب ہوگی کہ متفرق ہوگی۔ کیونکہ اصل لفظ عربی  
ہے میں ان امتی متفرق ہے۔

مصنف مخاطب ارشاد پیغمبر مندرجہ بالا سے یوں استدلال کو کہتے  
ہیں کہ اس بیان سے بخوبی واضح ہو گیا کہ جناب امیر نے ابو بکر سے لڑنے  
کا ہرگز خیال نہ کیا ہوگا۔

یہ روایت خصال میں اس طرح مروی ہوئی ہے کہ بات کی ہے ابو احمد  
شافعی نے فرغانہ میں کہا کہ بات کی ہے مجاہد بن اعین بن داؤد نے کہا ہے  
کی ہے محمد بن فضل نے کہا بات کی ہے ابن اسیر نے اسے سعید بن ابی ہلال  
سے اسے انس بن مالک سے کہا ہے کہ فرمایا رسول اللہ نے بیشک  
بنی اسرائیل متفرق ہوئے عیسیٰ کے بارہ میں اکثر فرقوں پر پس ہلاک ہو  
نتر فرقہ اور نجات پائی ایک فرقہ نے اور تحقیق امت میری قریب ہوگی متفرق

۳۰  
 گر پہلے خاص طور پر علامہ حضرت سید شوکت صاحب عالم بریں مرزا محمد  
 الدین حمید رہبر بہادر با نقابہ و خباب نجان بھادرسا کذاب حاجی  
 سید شہنا شجاعت علی بیگ جیسا قرا لہا شریک مرشد آباد کا دنی احسانندی کے ساتھ  
 شکرگاہ اربوں کردہ نون بزرگوار دن نے اپنی عالی ہمتی سے پچاس پچاس روپیہ منظر امداد عطا فرماتے  
 خدا کوئی توفیقات عالمین برکت عطا کرے۔ والتسلیم

| نمبر شمار | نام معادین   | تعداد زر |
|-----------|--|----------|
| ۱         | جناب سید عوض علیہما حب پشتر ڈیٹی کلکٹر                               | ۷۰       |
| ۲         | از سرکار آصف الدولہ شجاع الملک نواب یثین الدارین خان بہادر فیروز جنگ | ۷۰       |
| ۳         | جناب سید ناد حسین صاحب کویل  | ۷۰       |
| ۴         | جناب مولوی سید مادی علیہما حب ازیری محمد بریں                        | ۷۰       |
| ۵         | جناب سید یثین حسن صاحب حلقہ دارا دودھ                                | ۷۰       |
| ۶         | جناب مولوی سید فیض حسین صاحب مدین                                    | ۷۰       |
| ۷         | جناب مولوی سید غلام حیدر صاحب - خان بہادر رثا سبج                    | ۷۰       |
| ۸         | جناب مولوی سید یحییٰ حسین صاحب سبج                                   | ۷۰       |
| ۹         | جناب نواب سید معزز نواب صاحب بہادر با نقابہ                          | ۷۰       |
| ۱۰        | جناب سید محمد تقی صاحب حلقہ دار                                      | ۷۰       |
| ۱۱        | جناب سید شریعت حسین صاحب انپکٹر                                      | ۷۰       |
| ۱۲        | جناب خلیفہ محمد کاظم صاحب سبج  | ۷۰       |
| ۱۳        | جناب سید مدد علیہما کہ صاحب سابق صدر قانگو - مولفایا                 | ۷۰       |
| ۱۴        | جناب سید علی جان صاحب ہیڈ کلرک کل -                                  | ۷۰       |
| ۱۵        | جناب سید امید علیہما صاحب نقوی انجاری                                | ۷۰       |
| ۱۶        | جناب مولوی حاجی سید جعفر حسین صاحب برکوتسل                           | ۷۰       |
| ۱۷        | از سرکار حکیم مرزا محمد رضا خان بہادر رثا سبج                        | ۷۰       |

|    |   |    |
|----|---|----|
| ۱۸ | جناب غلام حسین صاحب قزلباش الشاہ                                  | ۱۸ |
| ۱۹ | جناب مرزا شیداعلی بیگ صاحب کشتی نظام                              | ۱۹ |
| ۲۰ | جناب شیخ سخاوت علی صاحب سب چہرہ                                   | ۲۰ |
| ۲۱ | جناب سید صادق صاحب ڈپٹی انسپکٹر                                   | ۲۱ |
| ۲۲ | جناب حلیم بیگ صاحب  | ۲۲ |
| ۲۳ | جناب سید ظہور الحسن صاحب نائب تحصیلدار                            | ۲۳ |
| ۲۴ | ادھر کار نواب بیروست علی خان بہادر باقاعدہ روضی                   | ۲۴ |
| ۲۵ | جناب سید ملا احمد حسین صاحب وثیقہ نویس                            | ۲۵ |
| ۲۶ | جناب سید ذوالحسین صاحب دہلی باقی نویس                             | ۲۶ |
| ۲۷ | جناب مرزا عبد علی صاحب منشی (تجارتی) (تجارتی) (۲۷)                | ۲۷ |
| ۲۸ | جناب اشرف علی صاحب عرف صاحب - (ایضا)                              | ۲۸ |
| ۲۹ | جناب سید محمد صاحب  | ۲۹ |
| ۳۰ | جناب - بیامہ کاشمیر صاحب  | ۳۰ |
| ۳۱ | جناب سید محمد حسین صاحب   | ۳۱ |
| ۳۲ | جناب سید محمد سید صاحب الہکار سروسے                               | ۳۲ |
| ۳۳ | جناب مولوی سید محمد صاحب علی صاحب دیکل                            | ۳۳ |
| ۳۴ | جناب سید حسین صاحب اور سیر (۳۴) جناب سید حسین صاحب دیکل           | ۳۴ |
| ۳۵ | جناب نواب مولوی زوار علی صاحب (۳۵) جناب مولوی مبارک علی صاحب (۳۵) | ۳۵ |
| ۳۶ | جناب مولوی محمد علی صاحب (۳۶) جناب مولوی محمد علی صاحب (۳۶)       | ۳۶ |
| ۳۷ | جناب سید ابوبکر حسین صاحب (۳۷) جناب سید ابوبکر حسین صاحب (۳۷)     | ۳۷ |
| ۳۸ | جناب سید احمد علی صاحب (۳۸) جناب سید احمد علی صاحب (۳۸)           | ۳۸ |
| ۳۹ | جناب سید محمد حسین صاحب (۳۹) جناب سید محمد حسین صاحب (۳۹)         | ۳۹ |
| ۴۰ | جناب سید محمد حسین صاحب (۴۰) جناب سید محمد حسین صاحب (۴۰)         | ۴۰ |
| ۴۱ | جناب سید محمد حسین صاحب (۴۱) جناب سید محمد حسین صاحب (۴۱)         | ۴۱ |
| ۴۲ | جناب سید محمد حسین صاحب (۴۲) جناب سید محمد حسین صاحب (۴۲)         | ۴۲ |
|    | (۴۲) جناب سید محمد حسین صاحب (۴۲) جناب سید محمد حسین صاحب (۴۲)    |    |
|    | مرزا عبد الفتاحی - قزلباش - ایڈیٹر                                |    |



انی تارک فیکم الثقلین

نور محمد نور

رسالہ روشنی بابر رسالہ نصیحہ الشیعہ

جلد ششم ۱۹۹۹ء چوہای دوم

ایتمام

مذہب عبد القی قریب باش

ادبیر رسالہ روشنی

مطبع طبع الانوار شہر لکھنؤ  
رسالہ روشنی چوک لکھنؤ شایع ہو

## ملاحظہ طلب

سالگشتہ سب میں عشرہ محرم کے نثری فراواں کو لکھا تھا۔ تو ارادہ یہ تھا کہ بعد محرم طلبہ و اہل کتب کو چوہاہی اول سلسلہ کے نمبر شائع کروں گا لیکن قلم بند ہونے پر ایسے منصوبہ نہیں چھوڑ سکتا کہ چھٹکارہ ہی نکلتا تیرہویں وجب کو مع الخیر واپس آیا اور چوہاہی اول کے نمبر خیر فراواں بادین چھپوایا تھا اس سال خدمت کئے۔ اب چوہاہی دوم کے نمبر ہی حاضر خدمت کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ نمبر پورے پختے ہی اس جلد ششم ۹۹ء کی بابت معاونین و رزندگان سے بھی نکلے گا۔ تاکہ آخری چوہاہی کے نمبر بھی جلد پہنچ سکوں یا مجھ کو اجازت دینگے کہ بذریعہ دلیو پارسل مسجدوں - اور

جن بزرگواروں کے ذمہ ۹۹ء جلد پنجم کا بھی چند ہنوز باقی ہی اگر وہ بھی موجود حالت رسالہ پر نظر کر کے رحم فرماویں اور رزندگان سے بھی بڑی عنایت ہو۔ یہ امر بھی قابل اطلاع ہو کہ بعض بعض احباب نے اس امر کو کہ قوم کے الو الخرم کو گون کے بھر دسہ پراولس امید پر کہ وہ بقیہ مجلدات چھپوا دینگے اور بالفعل رسالہ دشمنی کی اشاعت موجودہ عنوان سے بند کر دی جائے پسند نہیں کیا بلکہ انہوں نے مجھے بہت کچھ امید دلائی۔ لہذا میں نے اپنی وہ رائے واپس لی۔ اور جب دستور لب رسالہ شائع ہوتا رہا۔ جن احباب نے اس موقع پر میری ہمت بند ہوائی انکا عموماً اور جناب نوب سید نصیر حسین خان صاحب نہیں پٹنہ کا خصوصاً دل سے شکر گزار ہوں کہ جناب ممنوع نے اب بھی بہت کچھ مدد دی اور آئندہ بھی اعانتہ کا مستحکم وعدہ کر لیا ہے۔

خاکسار

مرزا عبدالتقی قزلباش

ہو جائے ۷۲ فرقوں پر ہلاک ہونگے اُس میں ۱۷ فرقے اور نجات پائے گا  
ایک فرقہ تو گون نے عرض کیا کہ اسے رسول اللہ کو تسافر قہ ہوگا فرمایا  
آپ نے الجماعت یعنی ایک گروہ ۷۳

مصنف خصال نے اپنا یہ اجتہاد لکھا ہے کہ الجماعۃ سے مراد الجماعۃ  
اہل الحق ہی اگرچہ وہ طویل ہوں اور تحقیق کہ نبی سے روایت ہوئی ہے کہ انھوں  
نے فرمایا کہ اکیلا ایک مومن حجت ہے اور مومن اکیلا جماعت ہے ۷۴

دیگر علماء شیعہ اس روایت کی بابت یہ بھی کہتے ہیں کہ گڑاوی اس کے ابواصر  
شافعی علماء اہل سنت سے ہیں اور سلسلہ سند میں اس حدیث کے کل عامہ  
ہیں ابو سعید الدریسید بن ابوالہلال رواۃ صحاح ستہ میں اور انکی قدح کتاب تقریب  
التہذیب میں جو تصنیف ابن حجر عسقلانی سے علم رجال میں ہے۔ موجود ہے  
انس بن مالک کی کیفیت بغض علی کے ساتھ اور اس کا قصہ مشہور ہے۔ احمد سند  
روایت میں اس حدیث کی امام ابوبکر سے کوئی راوی نہیں ہے اس لیے ایسے  
رواۃ کے بیان پر شیعوں کو اطمینان نہیں ہو سکتا اور نہ ایسی حدیث شیعوں  
پر کچھ حجت ہو سکتی ہے مگر جھکو کچھ ضرور نہیں ہے کہ میں اس حدیث کی صحت سے  
انکار کروں مقصود اس حدیث کا صحت یہ ہے کہ پیغمبر نے یہ فرمایا ہے کہ  
سیری است ۷۲ فرقے پر متفرق ہو جائیں گی ۱۷ فرقے اس میں ہلاک ہونے والے  
ہیں اور ایک فرقہ نجات پانے والا ہے اور اس ایک فرقے کو بتایا ہے کہ وہ  
ایک جماعت ہی اور جماعت کا اطلاق ہر گروہ پر ہو سکتا ہے کہ وہ کل ۷۲ فرقے  
ایک جماعت ہے ان میں سے آپ نے جو ایک جماعت کو نجات  
پانے والا قرار دیا ہے وہ آنحضرت کے زمین میں تھا۔ اس کا کہنے پر مسلم  
نے دعا کر رکھی ہے کہ جس نے اس حدیث کو سن کر اس کو گروہ میں

ظاہر پہچان اُس نجات پانے والے گروہ کی بیان نہیں ہوتی ہے اور اسی وجہ سے ہر گروہ منجملہ ۲ گروہ کے اپنے آپ کو یہی کہتا ہے کہ ہمارا گروہ نجات پانے والا ہے اور ہر گروہ یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ نجات پانے والی جماعت ثابت ہو جاوے مگر اس میں شک نہیں کہ وہ جماعت اہل حق ہو۔ پس اس حدیث سے استدلال مصنف مخاطب کا ہرگز مستنبط نہیں ہو سکتا ہے بلکہ مصنف مخاطب نے خلافت مضمون حدیث کے استدلال کیا ہے اس حدیث سے نہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کا یہ قول ہے کہ حق ہمیشہ اُس جماعت کی طرف ہے کہ جو جماعت کثیر ہو چنانچہ مصنف کتاب خصال نے اپنے اجتہاد کے تحت مخالف بیان مصنف مخاطب کے پیغمبر سے یہ روایت ظاہر کی ہے کہ اکیلا مومن محبت ہی اور اکیلا مومن جماعت ہے اور نہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ جانتے تھے کہ صحابہ کی جماعت نے ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ کل جماعت صحابہؓ مہاجرین و انصار ملے یا اہل حل و عقد اور اہل الراے نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا پس خلافت واقعہ جناب امیرؓ کی نسبت جانتا اُس امر کا کیسے سمجھا جاسکتا ہے۔ ۹۔

مصنف مخاطب نے اس حدیث پیغمبرؐ پر استدلال کرنے کے وقت یہ غلطی کی ہے کہ اُمتوں کے یہ سمجھ لیا کہ صحابہ کی جماعت نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا ہے حالانکہ سفینہ بنی ساعدہؓ میں ابتداء حضرت ابوبکرؓ کو دو تین صحابہ نے خلیفہ بنایا اور موجودہ انصار ابتداء مہاجرین میں سے کسی کے خلیفہ بنانے سے مختلف تھے اور سعد بن عبادہ انصاری کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ اور گو بعد کو آہستہ آہستہ دوسرے مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ قبول کر لیا کہ جن عوام مسلمانوں کو حق اعتقاد خلافت کا نہیں تھا بلکہ وہ حق کل

تمام ائمہ انصار مجتہد اور متفقہ کا اہل حل و عقد کا اور اہل الراے کا تھا جنہیں سے  
 علی مرتضیٰ جو اعلیٰ ترین مہاجر اور اہل الراے اور ناشر پیغمبر تھے اور دیگر نبی ہاشمی  
 اور سردار انصار اور مالک بن نویرہ اور بعض دیگر مسلمان برابر مخالف رہے  
 اور اگر فرض کیا جائے کہ اخیر درجہ پر سوائے دو تین مہاجر اور انصار مغرور صحابہ  
 کے اور سب نے حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ قبول کر لیا تو یہی ہو جب ارشاد پیغمبر  
 کے انعقاد خلافت حضرت ابو بکرؓ پر صحیح قرار نہیں پاسکتا اس لیے کہ جماعت  
 نے اُس طریقہ کو قبول نہیں کیا۔ ہو جب ارشاد پیغمبر کے وہ طریقہ صحیح  
 اُس وقت ہو سکتا ہے کہ جب جماعت اُس کو قبول کرے۔

علی مرتضیٰ نے جو اپنے کلاموں میں جس پر ابھی اور بحث ہو چکی ہے  
 مہاجرین اور انصار کے اجتماع اور اہل الراے کی حاضری پر مسئلہ انعقاد  
 خلافت کا بیان فرمایا ہے اُس مسئلہ کا علم علی مرتضیٰ کو اسی حدیث پیغمبر سے  
 یقین کرنا چاہیے کہ ہوا ہے۔ ارشاد پیغمبر میں جو تکرار سے نجات پانچواں  
 فرقے کو دے اجماعت سے فرمایا گیا ہے اُس سے وہی فرقہ مراد ہو سکتی ہے  
 کہ جس میں شان اجتماع مہاجرین اور انصار اور اہل الراے حل و عقد کی  
 موجود ہو۔ اور جس فرقے میں کہ یہ شان نہیں پائی جائیگی (اور ہم اور کچھ  
 ہیں کہ یہ شان خلافتوں خلفائے ثلاثہ میں نہیں تھی) تو ایسا فرقہ جماعت یا جماعت  
 نہیں ہو سکتا جو ارشاد پیغمبر میں مقصود ہی اور جیسا کہ پیغمبر کا نشان اُن کے  
 ارشاد سے ظاہر ہے۔ اور جس کو صراحت سے علی مرتضیٰ نے اپنے کلام  
 اور خطبوں میں فرمایا ہے۔

اور اگر ارشاد پیغمبر میں فرقہ نجات پاسنے والے سے ایسی جماعت سے  
 مراد لی جائے جیسے کہ مصنف مخاطب لیتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ بعد قتل حضرت

عثمان فرقہ بی بی عائشہ اور حضرت طلحہ اور زبیر جنگ جمل والا اور فرقہ خوارج نہروان والا اور فرقہ حضرت معاویہ جنگ صفین والا اور بعد قتل علی مرتضیٰ فرقہ حضرت معاویہ حضرت امام حسن علیہ السلام ابن رسول اللہ سے جنگ اور قتال کرینوالا اور فرقہ حضرت یزید حضرت امام حسین علیہ السلام ابن رسول اللہ کو قتل کر کے خاندان رسالت کو تاراج کرنے والا جماعت مروانہ لیجائے گئے اور وہی جماعت نجات پانے والی نہ سمجھی جائے گئے اور فرقہ علی مرتضیٰ اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہم السلام ہلاک ہونے والا فرقہ نہ سمجھا جائے گا۔ کیونکہ جیسے مصنف مخاطب انعتاد خلافت خلفائے ثلاثہ بعض صحابہ کے سبب سے صحیح سمجھ کر اُس فرقہ کو جماعت نجات پانے والی قرار دیتے ہیں ویسے ہی جنگ جمل اور جنگ صفین اور جنگ نہروان اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام سے مقابلہ اور مقاتلہ کرینوالے فرقہ نہیں بعض صحابہ اور تابعین صحابہ موجود تھے۔

یہ تو میں دکھا چکا کہ حدیث پیغمبر میں جو فرقہ نجات پانے والا جماعت کا فرمایا گیا ہے اُسکا اطلاق اُن فرقوں جماعت پر نہیں ہو سکتا کہ جو خلافتوں خلفائے ثلاثہ کو یا حق خلافت اور امامت بی بی عائشہ اور طلحہ اور زبیر کو یا خلافت حضرت معاویہ اور حضرت یزید کو قبول کرینوالے تھے۔

اب مجھ کو یہ دکھانا باقی ہے کہ شیعہ فرقہ دو سند اہل بیت والے کا اطلاق قطعی اُس جماعت پر آتا ہے جسکو پیغمبر نے نجات پانے والا فرمایا ہے تمام واقعات تاریخی مذہب اسلام سے اور احادیث پیغمبر سے جو توضیح آیات قرآنی ہیں یہ امر ہر ایک مسلمان کے ذہن نشین ہوتا ہے کہ جو خصوصیت پانے اور عزت صحبت اور وقعت علم اور شجاعت علی مرتضیٰ کی پیغمبر کی نگاہ میں تھی

وہ کسی اور کی نہیں تھی۔ اور اس نظر پیغمبر سے مہاجر اور انصار اور تمام مسلمان علی مرتضیٰ کی بلند مرتبہ کی کوہرا میں جو خلافت کے لیے لازمی امر ہی دہین قبول کیے ہوئے تھے۔ اور بعد پیغمبر ہر زمانہ خلافت میں خواہ وہ زمانہ عہد خلافتوں حضرات خلفائے ثلاثہ کا ہو یا خود عہد خلافت علی مرتضیٰ کا۔ علی مرتضیٰ نے جس جس وقت اظہار حق خلافت کا اپنے اور اہلبیت پیغمبر کے لیے کیا اُس سے کسی مہاجر یا انصار نے یا کسی اہل الرائے اور حل و عقد نے یا کسی دیگر جماعت مسلمانوں نے انکار نہیں کیا۔ اس حیثیت سے کہ علی مرتضیٰ میں وہ اوصاف و فضیلت حق خلافت کے لیے نہیں ہیں۔ جب جہاں ایسے موقع پیش آئے ہیں علی مرتضیٰ کی تقریر اور خطبات کو سن کر ہر کوئی ساکت اور حیران ہو گیا ہو اور ہر کسی نے اپنے سکوت اور حیرت سے اسکو تسلیم اور قبول کر لیا ہو جس امر پر کہ دلی اجتماع مہاجرین اور انصار کا رہا ہو کسی امر کو شیعہ دوستدار اہلبیت اسوقت تک قبول کرتے چلے آتے ہیں۔ پس اب غور کرنا چاہیے کہ جماعت امت نے دہین جب علی مرتضیٰ کی فضیلت اور حق خلافت ہونا قبول کیا اور اُسی کو فرقہ شیعہ علی اور دوستداران اہلبیت قبول کرتا چلا آتا ہے تو ایسی جماعت حقیقی وہی جماعت ہوتی یا نہیں جس کو نجات پانے والا پیغمبر نے فرمایا ہے؟ لیکن اُس جماعت اہمیت سے جس نے دہین علی مرتضیٰ کا افضل اور حق ہونا قبول کیا تھا وہ کھڑے ہو گئے۔ ایک حصہ ایسا ہو گیا کہ جس نے ظاہر میں خلافت باطن علی مرتضیٰ کا افضل ہونا اور حق ہونا عملاً قبول نہ کیا۔ اور دوسرا حصہ ایسا رہا کہ جو علی مرتضیٰ کا افضل اور حق الناس ہونا ظاہر میں موافق باطن کے عملاً وقوع میں لانے کو لازمی جانتے تھے اور لازم جانا۔ اول الذکر کھڑے اپنے

عمل خلافت باطن کے سبب سے اُس جماعت سے خارج ہو گیا جنہیں اہل بیت کے اختلاف امور دیگر اور امر اصلی خلافت کے کسی نے کسی وجہ سے کسی کو اور کسی نے کسی وجہ سے کسی کو امیر اور خلیفہ قبول کر کے فرقہ سے متبعہ و پیروی ہو گئے اور وہ ٹکڑا ٹانی اُس جماعت میں داخل رہا۔ کہ جو علی مرتضیٰ کو افضل اور احق الناس ہونا باطن میں بھی جانتے ہیں اور ظاہر میں بھی اُس کے واقع کر نیکو واجب سمجھتے ہیں۔

مخالفت شیعہ دوستداران اہلبیت کے وہ لوگ ہیں کہ جو اُس فرقہ جماعت میں شامل ہو گئے کہ جنہوں نے خلافت باطن علی مرتضیٰ کا احق اور افضل ہونا عملاً قبول نہ کیا۔ اور شیعہ دوستداران اہل بیت نے اپنے مخالفوں کو خلافت باطن عمل کرنے کی وجہ سے منافق کے لقب سے بھرا خواہ وہ لقب خلافت حقیقت ہو یا نہ ہو۔

پس فرقہ شیعہ دوستداران اہلبیت اُسی جماعت میں داخل ہیں کہ جبکہ اطلاق حدیث پیغمبر میں نجات پانے والی جماعت پر ہے اور اُس فرقہ کے مخالف دوسرے فرقوں میں ہیں جو نجات پانے والوں کے خلاف ہیں۔ اس بنا پر جناب امیر کو حضرت ابو بکر سے لڑنے کا خیال ضرور ہونا چاہیے تھا۔ کہ علی مرتضیٰ جانتے تھے کہ بعض حصہ جماعت امت نے متفرق ہو کر خلافت باطن حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنا یا ہے۔ حالانکہ رسول کا قول ہے کہ فرقہ نجات پانے والا جماعت ہی۔ اور جماعت کا اطلاق اُسی امر کی نسبت سمجھا جاسکتا ہے کہ جو دین اُس جماعت کے ہو۔ نہ وہ کہ دل میں کچھ ہوا اور ظاہر میں وہ جماعت کچھ کہے اور کمرے کچھ۔ دوسرا طریقہ فرقہ شیعہ کے منطبق ہونے کا اُس جماعت پر جسکو پیغمبر نے نجات پانے والا فرمایا ہے یہ



ہر کچھ پیغمبر نے اپنی امت یعنی گروہ عام مسلمانان کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ میں  
 قریب ہے کہ وہ بہتر گروہ پر جدا ہو جائیگی۔ اکثر ہلاک ہونگے اور ایک قوم  
 خلاصی رہائی۔ برارت (نجات) پانے والا ہوگا جب لوگوں نے پوچھا کہ  
 وہ فرقہ کونسا ہوگا آپ نے فرمایا کہ اجتماعت الجماعت اجتماعت  
 جماعت کے معنی بھی گروہ ہونے کے ہیں اور الف لام جو پیغمبر نے حفظ  
 جماعت پر داخل کر کے فرمایا ہے اس سے اس تعریف گروہ عام مسلمانان  
 میں تخصیص کی ہے اور اس موقع پر الف لام سوائے معبود ذہنی کے نہ ہوتا  
 کا سمجھا جاسکتا ہے نہ محمد خارجی کا اور الف لام معبود ذہنی کے سوائے  
 اسکی کچھ مراد نہیں ہو سکتی کہ وہ جماعت نجات پانے والی پیغمبر کے ذہن میں  
 تھی۔ اب تلاش اس امر کی کہ پیغمبر کے ذہن میں نجات پانے والے فرقہ کی  
 کس جماعت سے مراد تھی مجھ اس کے اور کسی طرح سے نہیں ہو سکتی کہ خود  
 پیغمبر کی کسی دوسری حدیث سے اسکو دریافت کیا جائے۔ اور وہ دوسری  
 حدیث پیغمبر کی سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ پیغمبر نے فرمایا ہے  
 کہ میں درمیان تمہارے دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک  
 کتاب خدا اور دوسرے اپنی عزت اور اہلبیت یعنی دعلم قرآن اور اسکے عالم  
 ان دونوں چیزوں کو مضبوط پکڑے رہنا تا کہ تم بعد میرے گمراہ نہ ہو۔ کہ یہ دونوں  
 چیزیں آپس سے جدا نہیں ہونگی جب تک کہ مجھ سے جو حق کوثر پر ملاقات کریں  
 یہ حدیث اور حدیث زیر بحث پر جب غور کیا جائے تو ہم مضمون ہیں  
 اس حدیث میں نصیحت ہے کہ بعد پیغمبر کے امت کیا کرے؟ اور حدیث زیر  
 بحث میں نتیجہ ہے امت کے عمل اور غیر عمل کا یعنی منجملہ امت کے جو جدا جدا  
 گروہ و گروہ عمل اور غیر عمل سے ہو جائینگے اس میں وہ جماعتیں جو نصیحت

پیغمبر پر عمل نہیں کرینگے ہلاک ہونے والی ہوگی۔ اور جو جماعت نصیحت پیغمبر پر عمل کرے گی وہ خلاصی پاوے گی۔

میں پہلے اس امر کو دکھا چکا ہوں کہ وہ جماعت جس نے کتاب خدا اور عزت اور اہلبیت رسول کو مضبوط پکڑا ہی یعنی جس نے علم قرآن عزت اور اہلبیت رسول سے حاصل کیا ہے وہ فرقہ شیعہ ہے جو گمراہ نہیں ہوا ہے۔ پس حدیث زیر بحث میں اطلاق فرقہ نجات پانے والے کی مراد اسی جماعت سے ہو سکتی ہے جو شیعوں کی ہو۔ اور اس جماعت متفرق ہونے والی دوسرے فرقہ نے کہ جو علی مرتضیٰ کو افضل اور احق خلافت جانتی تھی اور عملاً اسکو طور میں بنیں لالی اور نقلین کو اس نوعیت سے مضبوط نہیں پکڑا جیسا کہ پیغمبر کا انتشار تھا۔ اور حضرت ابوبکر اسی فرقہ میں داخل بلکہ اس فرقہ کے بانی اور سردار ہوئے۔ ایسی حالت میں علی مرتضیٰ علیہ السلام کو بے شک موقع تھا کہ حضرت ابوبکر کو قابل حکمہ سمجھیں۔

میں یاد دلانا ہوں کہ مصنف مخاطب خطبہ شمشیقہ پر بحث کر رہے ہیں پہلے انھوں نے صحت خطبہ شمشیقہ پر اعتراض کیا ہے پھر انھوں نے اس سے مدح خلفائے ثلاثہ کی ظاہر ہونے کی کوشش کی۔ پھر اس فقرہ خطبہ شمشیقہ کے متعلق کہ میں سوچتا ہوں کہ کٹے ہوئے ہاتھ سے حملہ کرنا یا سبر کرنا اوپر اندھا دھند بننا ان کے۔ بوڑھا ہو جاوے اس میں بچہ اور بہت ضعیف ہو جاوے اس میں بوڑھا۔ اور سختی اٹھاوے اس میں سبب یہاں تک کہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے۔ پس میری رائے صبر کرنا کی قرار پائی اور صبر کیا میں نے درحالیہ میری آنکھ میں کھٹک تھی اور حلق میں پھندا تھا۔

مصنف مخاطب نے یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ مصیبت فراق رسول کی  
تھی ۷ پھر یہ کوشش کی ہے کہ حد کے ارادے کے مضامین دوسرے اقوال  
علی مرتضیٰ سے غلط ثابت کریں۔ یہاں تک جب قدر بحث مصنف مخاطب کی  
طرف سے ہو چکی ہے اسکی حقیقت ہم بھی دکھا چکے ہیں۔

اب مصنف مخاطب یہ بحث باقی رہنا ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کیا  
مصیبت تھی جبکہ جناب امیر نے اس مبالغہ کے ساتھ ذکر کیا ۷ اور پھر  
شیعوں کا یہ قول ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مصیبت ابو بکر کی خلافت میں احکام  
ظلم و جور کے جاری ہونے کی تھی ۷ اور اس خیال کو اس لیے بغیر صحیح قرار  
دیتے ہیں کہ یہ جناب امیر نے خلافت ابو بکر کی مدح کی ہے اور خراج البلاغتہ  
سے اس کلام علی مرتضیٰ کا یوں ترجمہ کرتے ہیں کہ ۷ پھر پسند کیا مسلمانوں  
نے بعد نبیؐ کے اپنی رائے سے اپنی جماعت میں سے ایک شخص کو تو اس نے  
ٹھیک اور درست کام کیا اپنی طاقت کے موافق اور ضعیفی کی اور کوشش  
کی ۷ لیکن مصنف مخاطب نے آخر فقرے میں دو لفظ چھوڑ دیے ہیں جو  
شرح میسم میں موجود ہیں اور ترجمہ میں بھی بعض لفظ ایسے ہیں جو ہونا چاہیے  
لیے ہم ٹھیک ترجمہ مع ترجمہ آخر الفاظ کے کرتے ہیں ۷ پس اختیار کیا مسلمانوں  
نے بعد اس (پیغمبرؐ) کے اپنی رایوں سے ایک شخص کو انہیں سے پس نزدیک  
ہوا وہ ساتھ امر خلافت کے اور ٹھیک کیا کام اس نے موافق طاقت اپنی کے اور  
حال ضعف کے اور کوشش کی یہ دونوں امر اس میں تھے ۷

مصنف مخاطب باعتبار اپنے ترجمہ کے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ابو بکرؓ  
نے حتی الامکان بہت اچھا کام کیا اور باوجود ضعیفی کے وہ کوشش کرتے تھے  
۷ شرح میسم بطور ان جزو ۴۰۔

اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ خلافت ابی بکر کے زمانے میں ظلم نہ تھا اور نہ جناب امیرؓ انکی خلافت کی مدح نہ کرتے ہیں۔

علی مرتضیٰؓ نے جو ارشاد اس موقع پر کیا ہے جس پر استدلال کیا جاتا ہے وہ ایک جزو اُس ارشاد کا ہے جو زمانہ خلافت خلفاء ثلاثہ کی بابت فرمایا ہے اور اُس پر ارشاد کو جو تینوں خلافتوں کے متعلق ہے ہم پہلے اُس موقع پر لکھ چکے ہیں جہاں حضرت مخاطب نے حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کے متعلق علی مرتضیٰؓ کے اس کلام کے جزو سے بحث کی ہے اور علی مرتضیٰؓ نے اُس ارشاد میں حضرات ثلاثہ کی سرگزشت زمانہ خلافت کی ایسی بیان کی ہے جیسے کہ کسی بادشاہ کی نسبت کوئی رائے ظاہر کرے کہ اُسے اپنے زمانہ میں بادشاہت کا کام کس طرح چلایا اور ضرور ہے کہ جو کوئی بادشاہ بن جائے وہ یا تو ایسا ہو گا کہ تمام کاروبار سلطنت کا قوت کے ساتھ نہایت عمدگی سے انجام دے یا ایسا ہو گا کہ وہ کاروبار سلطنت کا بالکل خراب کر دے یا ایسا ہو گا کہ کچھ کام اچھی طرح کرے اور کچھ کاموں کے کرنے میں عاجز ہو جس سے سلطنت کو نقصان پہنچے۔ علی مرتضیٰؓ کے ارشاد سے جو انھوں نے فرمایا ہے ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی حالت ایسی ہی تھی کہ جس قدر انہیں طاقت تھی اُس قدر انھوں نے کام اچھا کیا اور یہ ضعف اور کوشش کے کہ یہ دونوں امر انہیں تھے۔ یعنی اُن میں اگر ضعف نہ ہوتا تو کامل طور پر کام عمدہ کرتے اور اگر کوشش نہ ہوتی تو کام بالکل خراب کر دیتے جس سے یہ نتیجہ صاف پیدا ہوتا ہے کہ بوجہ ضعف کے یا وضع کوشش کے کچھ کاموں خلافت کے گرنے میں عاجز رہے علی مرتضیٰؓ۔ یہ ایک قسم کا نقص انہیں ظاہر فرمایا ہے اور اسی کے ہم معنی حالت حضرت ابو بکرؓ کی اُس کلام علی مرتضیٰؓ میں ہے جس میں حضرت ابو بکرؓ کو طفیل السیب فرمایا گیا ہے۔

یہ راستہ حضرت ابوبکرؓ کی نسبت ایک ایسی صحیح راستہ ہے کہ جو کوئی واقعات ہے اُسکو مطابق کرے گا وہ حضرت ابوبکرؓ کی نسبت ایسی ہی راستے رکھنے والا ہوگا۔ لیکن ایسی راستے سے حضرت ابوبکرؓ کے لیے احق الناس ہونا یا انکا افضل ہونا حق خلافت کے لیے لازم نہیں آسکتا اور نہ انکا کوئی عمل یا بعد حق خلافت پیدا کر سکتا ہے۔ انکا حق اور افضل ہونا ضرور تھا کہ وقت انعقاد خلافت کے بمقابلہ علی مرتضیٰؓ کے مسئلہ ہونا یا علی مرتضیٰؓ کے اس کلام سے یہ ثابت ہوتا کہ قبل حاصل ہو جانے خلافت کے وہ احق اور افضل تھے۔ حالانکہ اس کلام علی مرتضیٰؓ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بوجہ اپنے ضعف کے (لفظ ضعف کا ضعف جسمانی اور علمی دونوں کو حاوی ہے) امور خلافت کو اُکسلیت کے ساتھ نہیں چلا سکے۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کا اقویٰ اور اعلم ہونا چاہیے تھا۔ جیسا کہ علی مرتضیٰؓ نے مسئلہ احق ہونے خلافت کے لیے فرمایا ہے۔ اور اسی مسئلہ کے خلاف حضرت ابوبکرؓ کی حالت اس کلام میں اپنے بتائی ہے۔ اور جبکہ حضرت ابوبکرؓ اقویٰ اور اعلم ہونے کی وجہ سے اور ضعف جسمانی اور علمی کے سبب سے احق خلافت کے لیے نہیں تھے تو انکا امر خلافت کو قبول ہی کرنا بنفسہٴ جور ہے۔ اور ان کی وہی حالت قضیہ ارتداد میں بوجہ ضعف جسمانی کے جیسا کہ کتب تواریخ سے ظاہر ہے اور قصہ مالک بن نویرہ اور معاملہ فدک میں نسبت ضعف علمی کے ظاہر ہوئی۔

جس کلام علی مرتضیٰؓ میں یہ فقرہ اول نسبت حضرت ابوبکرؓ خلیفہ اول اور انکی سرگزشت خلافت کے ہی اسی کلام میں ایک ایک فقرہ نسبت حضرت

عمر خلیفہ دوم و حضرت عثمان خلیفہ سوم اور امی سرگزشتون خلافت کے ہیں  
ان تینوں فقروں کلام علی مرتضیٰ سے ظاہر ہے کہ علی مرتضیٰ نے  
ان تینوں خلافتوں کی حالت اور سرگزشت پر نظر کر کے جو مطالبی واقع کے  
ہے خلفائے ثلاثہ کی ناقابلیت اور اکمیت کے ساتھ کار خلافت نہ کر سکنے کو  
بیان فرمایا ہے۔ جس سے نسبت حضرت ابوبکر عا کی نہ کسی دوسرے خلیفہ  
کی کوئی مدح حق خلافت ہونے کے لیے پیدا ہو سکتی ہے اور وہی ناقابلیت جس  
درجہ میں ہو اور وہی غیر اکمیت ان خلافتوں کے زمانہ میں ظلم تھا۔ اور جناب  
امیر نے درحقیقت امی خلافت کی مدح نہیں کی بلکہ امی خلافت میں جو نقص  
نا قابلیت اور غیر اکمیت کی وجہ سے تھا اس کی مذمت کی ہے جو کسی طرح قابل  
استدلال کے مصنف مخاطب کے لیے نہیں ہو سکتا۔

پھر مصنف مخاطب ایک قول جناب امیر کا جو بیعت عثمان کے وقت  
انہوں نے کہا تھا نقل کر کے ترجمہ کرتے ہیں کہ دو واسد صلح رکھو نگاہیں جب تک  
سلامت رہیں گے معاشے مسلمانوں کے اور نہو گا ظلم مگر خاص مجبور ۛ

مصنف مخاطب امیر استدلال کرنے میں کہ دو اس قول سے ظاہر  
ہو گیا کہ جناب امیر نے فرمایا کہ میں اپنے اوپر ظلم بھی گوارا کروں گا لیکن مسلمانوں  
پر ظلم نہ گوارا کروں گا اور میری صلح اسی وقت تک رہے گی جب تک کہ مسلمانوں پر  
ظلم نہو گا اور جب مسلمانوں پر ظلم ہو گا تو میں ہرگز صلح نہ کروں گا ضرور ٹوٹے گا۔ پس اگر خلافت ابی بکر میں ظلم  
ہو تو جناب امیر ضرور ٹوٹے لیکن نہ ٹوٹنے سے ثابت ہو گیا کہ خلافت ابی بکر  
میں ظلم نہ تھا۔ اور جناب امیر مجبور نہ تھے ورنہ اگر صلح نہ کرتے تو دست بڑھ  
سے کیا کر سکتے ۛ

میسم خبرانی نے اس قول کی شرح میں جو لکھا ہے مصنف مخاطب اسکا

یوں ترجمہ کرتے ہیں کہ ۷۷ یعنی اہل بیتہ چھوڑ دو گامین جھگڑا امر خلافت میں جب تک سلامت رہیں گے معاملات مسلمانوں کے فتنہ سے ۷۸ اور اس میں اشارہ یہ ہے کہ بیشک غرض جناب امیرؑ کی امر خلافت میں جھگڑا کرنے سے بہتری مسلمانوں کے حال کی اور درستی اُن کے امور کی اور سلامتی مسلمانوں کی فتنہ سے تھی اور بیشک تھی مسلمانوں کے لیے گزشتہ خلیفوں کی خلافت میں درستی حالت کی ۷۹

اور اس قول شارح کے یہ معنی مصنف مخاطب لیتے ہیں کہ شیخین کے زمانہ میں مسلمانوں کے معاملات درست تھے جو روظلم نہ تھا ۷۹ اسکے بعد مصنف مخاطب یہ کہتے ہیں کہ ۷۷ شارح میسم نے یہ شبہ نقل کیا ہے کہ جناب امیرؑ خلفائے ثلاثہ سے اس لیے نہ لڑے کہ لڑائی میں فتنہ تھا۔ پھر معاویہ سے کیوں لڑے حالانکہ اُن سے لڑنے میں بھی فتنہ تھا ۷۸

پھر مصنف مخاطب اس شبہ کا جواب جو شارح میسم نے دیا ہے نقل کر کے یوں ترجمہ کرتے ہیں کہ ۷۷ بیشک فرق درمیان خلفائے ثلاثہ اور درمیان معاویہ کے اللہ کے احکام قائم کرنے اور اللہ کی امر و نہی کے مطابق عمل کرنے میں ظاہر ہے ۷۸ اور اُسکے یہ معنی مصنف مخاطب بیان کرتے ہیں کہ ۷۷ خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں احکام الہی جاری ہوتے تھے اور اللہ کی امر و نہی کے مطابق عمل ہوتا تھا اس لیے خلفاء ثلاثہ سے جناب امیرؑ نہ لڑے اور معاویہ پر یہ اعتماد نہ تھا اس لیے اُسے جناب امیرؑ لڑے ۷۸ مصنف مخاطب یہ بھی کہتے ہیں کہ ۷۷ تمام شارحین نے لکھا ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی حکومت عدل و انصاف کی تھی اور احکام الہی اُن کے زمانہ میں جاری تھے یہی وجہ ہے

کہ جناب امیرؑ ان سے نہ لڑتے ۽ بالآخر مصنف مخاطب بہینہ توبہ نکالے مین  
کہ ۛے یہ خیال بھی باطل ہو گیا کہ جناب امیرؑ کی وہ مصیبت جس کا اس مبالغہ سے  
انھوں نے بیان کیا ہے یہ تھی کہ خلیفہ اول کے زمانے میں احکام مخالف  
شرع جاری تھے ۛ

مصنف مخاطب نے جس کلام علی مرتضیٰؑ کو نکال کر کے ترجمہ کیا ہے  
وہ پورا فقرہ انھوں نے نہیں لیا اور ایسے ہی پورا قول شارح منیمؑ کا نقل  
کر کے ترجمہ نہیں کیا اور مراد کلام علی مرتضیٰؑ اور قول شارح کی غلطی ہے  
اور اُس مراد کا غلط ہونا بھی چاہیے تھا اس لیے کہ پورا فقرہ اُس کلام اور  
قول کا جب نہیں لیا گیا ہے تو ضرور ہے کہ اُس کے معنی اور مضمون کی مراد اور  
نوعیت متغیر ہو جاوے اس لیے سمجھو ضرور ہوا کہ مین پورے فقرہ کلام علی مرتضیٰؑ  
اور پورے فقرے قول شارح ابن منیمؑ کا ترجمہ دکھاؤں اور یہ بھی دکھاؤں کہ  
علی مرتضیٰؑ نے کس وقت اور کس حالت میں وہ پورا فقرہ اپنے کلام کا فرمایا  
ہے اور شان اُسکی کیا تھی جیسا کہ شارح ابن ابی الحدیدؑ نے لکھا ہے جس سے  
ظاہر ہو جائے گا کہ تمام استدلال مصنف مخاطب کا کلام علی مرتضیٰؑ اور  
قول شارح ابن منیمؑ پر غیر صحیح ہے۔

شارح ابن منیمؑ نے اُس فقرہ کلام علی مرتضیٰؑ کو صرف اس قدر بیان کیا  
ہے کہ وہ بیعت عثمان کے بارہ مین ہے ۽ شارح ابن ابی الحدیدؑ نے لکھا ہے  
کہ وہ کلام علی مرتضیٰؑ کا اُس وقت کا ہے جو وقت کہ غم کیا لوگوں نے بیعت حضرت

عثمانؓ پر ۽ اور یہ ذکر کرتے ہیں کہ علی مرتضیٰؑ نے اُس وقت یہ فرمایا کہ خلافت  
حق ہمارا ہے اگر دو گے ہمکو تو لے لیں گے ہم اُس کو اور اگر وہ رکھو گے  
صبر کرینگے مصیبت یہ اگرچہ زمانہ کچھ طویل کیڑے تحقیق کہ ذکر کیا ہے اُس کا



اہل سیر نے پھر فرمایا اُن لوگوں سے کہ قسم دیتا ہوں میں تم کو خدا کی سوا میرے  
تھارے درمیان کوئی ایسا ہے جس سے پیغمبر نے اپنا عقد مواخات باندھا  
ہو جبکہ درمیان مسلمانوں کے عقد مواخات باندھا سب نے کہا کہ نہیں ۷ پھر  
فرمایا آیا تم میں کوئی سوا میرے ایسا ہے جسکو پیغمبر نے من کنت مولیٰ  
فعلی مولیٰ کہا ہو سب نے کہا نہیں ۷ پھر فرمایا کہ آیا بجز میرے تم میں کوئی  
ایسا ہے جس کی نسبت پیغمبر نے فرمایا ہوانت منی بمنزلہ ہا سرون من  
موسیٰ الا اند لا بنی بعدی سب نے کہا نہیں ۷ پھر فرمایا آیا تم میں بجز میرے  
کوئی ہے کہ پیغمبر خدا نے جس پر اعتماد کیا ہو سورہ برات کے پہونچانے پر  
اور فرمایا ہو کہ نہیں ادا کرے گا اُس خداست کو مگر میں یا جو شخص کہ مجھے ہو۔ سب  
نے کہا کہ نہیں ۷ پھر فرمایا آیا نہیں جانتے ہو تم کہ اصحاب رسول اللہ بھاگ گئے  
پیغمبر سے جدا ہو کر جنگ میں اور نہیں بھاگا میں کبھی۔ سب نے کہا ہاں ۷ پھر  
فرمایا آیا نہیں جانتے ہو تم کہ لوگوں میں اول اسلام لانے والا میں ہوں۔ سب  
نے کہا ہاں ۷ پھر فرمایا کہ آیا کون ہے قریب تر رسولؐ سے نسب میں۔ لوگوں  
نے کہا کہ آپ۔ پس قطع کلام آنحضرتؐ کا کیا عبد الرحمن ابن عوف نے اور  
کہا کہ اے علیؑ تحقیق لوگ انکار کرتے ہیں مگر عثمان کو پس آپ اپنے نفس کے  
لیے راہ نہ نکالیے پھر کہا اے ابو طلحہؓ ابو طلحہ انصاری وہ شخص ہے کہ جسکو  
حضرت عمرؓ نے یہ حکم دیا تھا کہ پچاس آدمی اصحاب سے منتخب کر کے ارباب  
شوری کو ترغیب دے کہ کسی کو خلیفہ مقرر کریں اور یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ جو اہل  
شوری کے غلبہ سے کے خلاف ہو اُس کا سر کاٹ ڈالا جائے کیا حکم ملا ہو  
تجھ کو عمرؓ سے۔ کہا اُس نے تحقیق کہ قتل کروں میں اُس شخص کو جو شوق کرے عجم  
جامعت کو۔ پھر کہا عبد الرحمن نے علیؑ سے بیعت کرو اس وقت اور نہیں تو ہوا

حرم متبع غیر سبیل مومنین کے اور نافذ کر نیلے ہم تمپر وہ امر کہ سپر ہم مامور ہوئے ہیں پس فرمایا (علی مرتضیٰ) نے (یہ وہ کلام علی مرتضیٰ ہے جس پر بحث ہے) بالتحقیق جانتے بیشک کہ میں احق ہوں اُس خلافت کا اپنے غیر سے (جس پر خط کھینچا گیا ہے مصنف مخاطب نے یہ فقرہ مذکورہ چھوڑ دیا ہے) یہ قسم خدا کی ہر آئینہ سلامت رکھوں گا میں! اتنی رکھوں گا میں جب تک کہ سلامت رہیں گے اور مسلمانوں کے اور نہیں ہوگا پیچھے اُسکے جو ر مگر مجھ پر (یہاں تک تو کلام مصنف نے لیا ہے اور یہ فقرہ آئندہ چھوڑ دیا ہے) خاصہ در حالیکہ خواستگار ہوں میں اُسکے اجر کا (اے مجھ پر جو جو رہا اور میں اُس پر صبر کرتا ہوں اُس کے اجر کا خواستگار ہوں) اور اُس کے فضل کا اور نہیں خواستگار ہوں اُس چیز کا جس کی رغبت رکھتے ہو تم اُسکی زینت اور اُس (دنیا) کے جواہرین نقش و نگار سے (اِس آخر فقرے تک کلام کو مخاطب نے نہیں لکھا ہے)۔

شروع کلام علی مرتضیٰ م سے صاف ظاہر ہے کہ علی مرتضیٰ اپنے آپ کو احق خلافت اپنے غیر سے جانتے تھے اور اپنے اُس حق کو لوگوں کے جان لینے کو بھی ظاہر کر دیا ہے۔

غیر علی مرتضیٰ پر جس قدر خلافتین کہ قرار پائیں وہ بمقابلہ علی مرتضیٰ کے احق نہ تھے صرف علی مرتضیٰ م اُس کے احق تھے اور احق ہونا بھی ایک حق ہی اور وہی حق مزج علی مرتضیٰ م کا لے لیا گیا جس کو یہ غصب کیا گیا ہے اور یہی جوڑ خاصہ علی مرتضیٰ پر ہوا جیسا کہ اُنھوں نے اسی کلام میں ارشاد فرمایا ہے اور اسی حق کے نہ ملنے پر اور اُس کے حصول کے لیے حملہ نہ کرنے پر صبر فرمایا ہے اور اُس صبر کا اجر اور فضل خدا سے چاہا ہے اور اپنے آپ کو روکا ہے رغبت سے اُس دنیا کی جس کی رغبت وہ لوگ اُس دنیا کی زینت اور

اُس کی جو اہرنگا رسی پر رکھتے تھے۔ پس اس کلام علی مرتضیٰ سے صاف  
تما یاں ہے کہ اصل امر انعقاد خلافت میں جو کچھ غیر ہوا اور حق میں علیؑ احق  
الناس کے نہیں ہوا جو رہا تھا۔

علی مرتضیٰؑ نے جو اپنے اس کلام میں یہ فرمایا ہے کہ ”قسم خدا کی سلامت  
رکھو گنا یا آشتی رکھو گنا میں“ (اے خلیفہ نہیں ڈانٹو گنا میں) جب تک کہ سلامت  
رہیگی معاملہ مسلمانوں کے ”بیشک یہ ارشاد علی مرتضیٰؑ کا صحیح ہے۔ خلافت  
کے لیے احق الناس ہونی کا حق اٹھا ایک ایسا حق تھا کہ وہ حق آگے ذاتی اور قربانی اور رضا  
کے سب سے پیدا ہوا تھا۔ اُس حق کے نہ ملنے پر انھوں نے صبر فرمایا  
اور جبر نہ فرمانے کی حالت میں طمع خلافت کی سمجھی جاسکتی تھی۔ کیونکہ بہ حالت  
نہ ملنے اُن کے اُس حق ذاتی کے یہ ممکن تھا کہ اصلاح احوال مسلمانوں کی  
عام طور پر دوسری خلافت میں بھی رہ سکے۔ گو اُکملت کے ساتھ نہو جیسا کہ  
بحالت خلیفہ ہونے خود علی مرتضیٰؑ کے ہوتا مگر عموماً جب سلامتی امور مسلمانوں  
میں خلل واقع ہوا سو وقت علی مرتضیٰؑ اُس کی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور  
اُس وقت امام پر لازم ہو جاتا کہ وہ ایسی خلافت کے درہم اور بہرہم کرنے کے  
لیے کوشش کرے کہ جس خلافت میں رخنہ عموماً امور اسلامی میں پیش آوے۔  
گو وہ امام خود قتل ہو جائے۔ اسی بنا پر علی مرتضیٰؑ نے فرمایا ہے کہ ”سلامت  
یا آشتی رکھو گنا میں جب تک کہ سلامت رہیں گے انور مسلمانوں کے اور اُس  
میں جو رہو گنا مگر مجھ پر خاص کر کے“ یعنی میرا حق خلافت نہ ملنے میں اور اُس  
کے لینے پر حملہ نہ کرنے میں صرف میری ذات پر جو رہو گنا لیکن اگر غیر مستحق کی  
کی خلافت میں مسلمانوں کے امور سلامت رہیں تو میں بھی اُس خلافت کو  
سلامت رکھو گنا اُس خلافت سے آشتی رکھو گنا۔ اس لیے کہ اصل عرض خلافت

کے حصول میں اصلاح امور مسلمانوں کی تھی۔ لیکن جب عموماً امور مسلمانوں کے سلامت نہ رہیں تو پھر اس خلافت کو کہ جس میں عموماً امور مسلمانوں کے سلامت نہ رہیں سلامت رکھا نہیں جاسکتا تھا۔ اور امام اپنا کام کرنے پر خالصتہً آمادہ ہو جاتا۔ مگر کلام علی مرتضیٰ میں یہ فقرہ درحقیقت متعلق ہی حالت خلافت حضرت عثمانؓ کے۔

علی مرتضیٰؓ، بنظر عادت اور خصالت حضرت عثمانؓ کے ضرور جانتے تھے کہ عہد خلافت حضرت عثمانؓ میں مسلمانوں کے امور سلامت نہیں رہیں گے اس شان سے کہ جس شان سے عہد حضرات شیخین میں سلامت رہے جیسا کہ واقعات تاریخی عہد خلافت حضرت عثمانؓ میں ظاہر ہوے اور باوصف فہمائش اور نصیحت علی مرتضیٰ کے حضرت عثمانؓ نے اصلاح امور مسلمانوں کی نگی اور برعایت اسے حضرت مروان کے حضرت عثمانؓ اصلاح امور مسلمانوں کی کر بھی نہیں سکتے تھے۔

جب حضرت عثمانؓ نے اپنے افعال اور اعمال سے امور مسلمانوں کے سلامت رکھے اس شان سے بھی کہ جس شان سے عہد حضرات شیخین میں تھے اور نہ انہیں ذاتی طور سلامت رکھنے امور مسلمانوں کی تھی ایسی حالت میں خود مسلمانوں نے خلافت حضرت عثمانؓ کو سلامت نہ رکھا اور حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالا۔ حضرت عثمانؓ کے انہیں وجہ مخالف سلامتی امور مسلمانوں کی نظر سے جو پیش آئیوں لے تھے اور حضرت عثمانؓ کی حالت اور خصالت دکھا رہی تھی کہ وہ افعال اور اعمال مخالف سلامتی امور مسلمانوں کے پیش آئیوں لے ہیں علی مرتضیٰؓ کو دھت انقطاع خلافت کی حضرت عثمانؓ پر یہ فرمایا تھا کہ میں سلامت رکھوں گا یا اشتی رکھوں گا جب تک کہ امور مسلمانوں کی سلامت میں کچھ ایسا نہ ہو جس سے انہماک نہایت صحیح اور واجب تھا جیسا کہ خود دوسرے مسلمانوں نے اس خلافت کو سلامت نہیں

رکھا اس حیثیت سے کہ دوسرے مسلمان اپنے امور کے متعلق عام طور پر تمام مسلمانوں کی طرف سے شاک کی تھے اور وہ شکایت بذریعہ علی مرتضیٰ کے حضرت عثمان م تک پہنچائی گئی اور حضرت عثمان م نے نہ اس شکایت کی پروا کی اور نہ فہمائش علی مرتضیٰ م پر عمل کیا کہ جس میں اصلاح امور مسلمانوں کی تھی اس لیے ان کی خلافت میں خلل پڑ گیا اور زمانہ ان کی خلافت کا ختم ہو گیا۔ اس وجہ سے شیعہ یہ کہتے ہیں کہ انعقاد بیعت خلافت غیر مستحق پر بحق علی مرتضیٰ م جو کرتا اور امور مسلمانوں کے عموماً سلامت ٹرنے کی وجہ سے ظلم تھا لیکن قتل حضرت عثمان م واجب تھا یا نہیں؟ یہ ایک دوسرا امر ہے اگر علی مرتضیٰ م کے سامنے دعویٰ قتل حضرت عثمان م کا پیش ہوتا تو اس وقت معلوم ہو جاتا کہ ان کا قتل واجب تھا یا نہیں؟۔ مگر باوصف اسکے کہ علی مرتضیٰ نے طالبان خون حضرت عثمان م سے چاہا کہ وہ دعویٰ اور شہادت پیش کریں لیکن کسی کی طرف سے کوئی دعویٰ اور شہادت پیش نہ ہوئی تو اس سے یہ نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ طلب خون عثمان م کا ایک بانہ کرتے تھے اور دل میں جانتے تھے کہ قتل حضرت عثمان م کا واجب ہے اور کسی سے قصاص لیا نہ جاسکے گا۔

اس ارشاد علی مرتضیٰ م سے کہ ۲۲ سلامت یا آشتی رکھو ناکا میں جب تک کہ امور مسلمانوں کے سلامت رہیں گے۔ یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ۲۲ خلافت حضرت ابو بکر م یا شیخین میں جو کہ ظلم نہ تھا ورنہ جناب امیر م اُسے لڑتے، (لیکن بجائے لڑنے کے یہ کہنا چاہیے کہ جناب امیر حضرت شیخین سے آشتی یا ان کی خلافت کو سلامت نہ رکھتے تھے) مگر اصل انعقاد خلافت حضرت شیخین میں جو کہ وہی تھا جو اصل انعقاد خلافت حضرت عثمان م میں تھا یعنی

مقابلہ اپنی ہوسنے علی مرتضیٰ کے دو مسزوں کو حقدار بنایا گیا اور غیر احسن نے خلافت کو لے لیا اور مفضل کو ترجیح دی گئی اور خاص علی مرتضیٰ پر جو کیا گیا نہ مگر مجھ کو اس امر پر جس پر علی مرتضیٰ نے صبر کیا علی مرتضیٰ کو حضرات شیخین سے بڑھایا انکی خلافت کو سلاست نہ رکھنا یا ان میں خلل ڈالنا لازم اور ضروری نہیں تھا بلکہ انکی خلافتوں کو بھی علی مرتضیٰ اس وقت تک سلاست رکھنے کے قابل اور خلل نہ ڈالنے کے لائق جانتے تھے کہ جب تک کہ عموماً امور مسلمانوں کے سلاست رہیں۔

واقعات تاریخی دکھا رہے ہیں کہ حضرت ابوبکر یا حضرات شیخین کے عہد خلافت میں گو خاص خاص موقعوں پر ایسی کارروائیاں ہوئیں کہ جو مخالف شرع تھیں اور وہ مخالفت عہد غلطی یا بے پروائی یا مطلق نافرمانی یا کسی خاص غرض اور کم علمی کی وجہ سے واقع ہوئی لیکن عموماً ایسی حالت نہیں ہوئی کہ سلاستی امور مسلمانوں کی نہ رہ سکی اور ارکان دین اور حدود انکی کو درہم برہم کر دیا گیا ہو بلکہ استحکام اور وسعت سلطنت قومی مسلمانوں کی بمشورہ اور اکثر بتبارع علی مرتضیٰ اور بحایت علی مرتضیٰ کے ہوتا رہا اور وہ اظہار رائے علی مرتضیٰ کا اور حمایت علی مرتضیٰ کی استحکام مذہب اسلام اور سلاستی امور مسلمانان کے لیے تھا۔ اور حضرت ابوبکر نے یہاں تک فرمایا کہ مجھے اقالہ بیعت کا کہر جو جبکہ درمیان تمہارے علی مرتضیٰ اور حضرت عمر بھی فرماتے رہے کہ اگر علی مرتضیٰ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا جبکہ علی مرتضیٰ حضرت عمر کو انکی غلطی سے آگاہ کرتے تھے۔ لیکن یہ نام واقع جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں پیش آیا کہ جس میں علی مرتضیٰ سے مشورہ لیا گیا یا پوچھا گیا یا خود علی مرتضیٰ نے

اور علی غلطی پر مطلع ہونے کے بعد ہدایت کی یا علی مرتضیٰ کا ارشاد قبول کیا گیا وہ عموماً سلامتی امور مسلمانوں سے متعلق ہیں۔ اور اسی وجہ سے ضرورت نہیں تھی کہ علی مرتضیٰ ہر ایک کے خلاف فتنوں کو درہم برہم یا ان پر حملہ کرتے مگر اصل امر خلافت اور حق خلافت اور معاملہ فہم اور قضیہ ماکاب بن نوریہ جنگا تعلق امر خلافت اور حق خلافت سے تھا امور خاص تھے جنگا دست علی اور اہلبیت پیغمبر سے جو تاج فرمان اور سرپرستی علی مرتضیٰ سے تھے تعلق تھا۔ اور یہ امور متعلق عمومیت مسلمانان جن کو آج کل کی اصطلاح میں امور قومی کہا جا سکتا ہے متعلق نہ تھے۔ جنگا تعلق ایسے امور عام سے نہیں تھا جس میں عموماً ارکان دین منہدم ہوتے ہوں اور حدود انہی تمام مسلمانوں کے لیے برقرار نہ رہتے ہوں۔ ان میں جو رہتے تھے یہ لازم نہیں آتا تھا کہ سلامتی دیگر امور مسلمانان کی عموماً نہ ہو اس لیے کہ وہ اور جو متعلق ذات خاص علی مرتضیٰ کے تھے علی مرتضیٰ نے اپنی ذات پر جو جو ہوا اس پر انہوں نے صبر فرمایا ہے۔ اور ان امور جو ذاتی کی وجہ سے علی مرتضیٰ نے حضرات شیخین پر حملہ نہیں کیا کہ جس میں طبع خلافت کی ظاہر ہوتی تھی۔ اور بوجہ اس کے کہ عمومیت کے ساتھ امور مسلمانوں کے تابع اور حمایت علی مرتضیٰ کے ان دونوں خلافتوں میں سلامت رہے علی مرتضیٰ نے ان خلافتوں کو سلامت رکھا۔

علامہ شیعہ کبھی اس بات کے قائل نہیں ہوتے ہیں کہ عہد خلافت حضرات شیخین میں برابر جو رہتے رہے یا خلافت خیر کے ہمیشہ ظلم ہوتا رہا جس سے عموماً امور مسلمانوں کے سلامت نہ رہے ہوں وہ صرف اس امر کے قائل ہیں کہ احق الناس کو خلافت کے لیے قبول نہ کرنا جو رہتا۔ اور حضرات شیخین

سے خاص خاص موقعوں پر مخصوص جن کا تعلق ذات علی مرتضیٰ اور ولایت  
 پیغمبر سے تھا جو ہوا اور وہ جو بھی باعتبار عمدہ غلط تعبیر یا تاہمی اور بے فرائی  
 اور کسی غرض خاص سے یا کم علمی کے سبب سے خاص خاص حالات  
 میں واقع ہوا جس میں اتباع علی مرتضیٰ کا نہیں کیا گیا۔ لیکن وہ عمدہ عمدہ کام  
 عموماً امور مسلمانان کے متعلق باتباع رائے علی مرتضیٰ اور ان کے مشورہ  
 کے بموجب کام کرتے رہے۔ اور عموماً امور مسلمانوں کے متعلق جہاں کہیں  
 اُن سے غلطی ہوئی سو اسے خاص موقعوں کے اصلاح علی مرتضیٰ کو قبول  
 کرتے رہے۔ البتہ حضرت عثمان م کے عہد خلافت کی نسبت ایسی رائے  
 کچھ صرف علمائے شیعہ کی نہیں ہی بلکہ اکثر علماء اہلسنت بھی اُن کے  
 ہمزبان ہیں۔ اور واقعات تاریخی دکھا رہے ہیں کہ عہد حضرت عثمان  
 میں عموماً سلامتی امور مسلمانان کی نہیں رہی۔ اُس شان سے کہ جس  
 شان سے عہد حضرات شیعیان میں رہی اور حضرت عثمان م نے خلافت  
 پسند و نصائح علی مرتضیٰ کے بروقت حضرت مروان م کے عمل کر کے اپنی خلافت  
 کو سلامت نہ رکھا پس اس تمام مقصد اور غرض کلام علی مرتضیٰ کی حقیقت ظاہر  
 ہونیکے بعد اُس نوعیت سے نتیجہ نہیں نکلتا ہی جس طور پر کہ مصنف مخاطب  
 نے بیان کیا ہی بلکہ یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ انعقاد خلافت حضرت ابو بکر مین بوجہ  
 اسکے کہ حضرت ابو بکر خیر احق الناس تھے اور احق الناس کو خلافت نہ ملی  
 جو رہا اور گو خاص خاص موقعوں میں مخالف شرع حضرت ابو بکر سے اپنے عہد  
 خلافت میں کارروائی ہوئی لیکن عموماً امور مسلمانوں کے سلامت رہے اور ہندام ان کا  
 دین کا نہیں ہوا اور حدود الہی برقرار رہے۔ اسی لیے علی مرتضیٰ نے اُس پر صبر کیا  
 جو ان کی ذات کے متعلق جہد ہوا اور بوجہ سلامت رہنے عموماً امور مسلمانوں



کے علی مرتضیٰ نے حضرت ابو بکرؓ کی خلافت پر حملہ نہیں کیا اور آشتی رکھی اور اگر عموماً امور مسلمانوں کے سلامت نہ رہتے تو علی مرتضیٰ اپنے دست بزریدہ سے یعنی باوجود اس کے کہ علی مرتضیٰ کے ہاتھ بیعت نہیں ہوئی تھی خلافت حضرت ابو بکرؓ پر حملہ اور اس کے درہم برہم کرنے کی کوشش کرتے گو نتیجہ اپنے قتل کا ہوتا۔

شاح میسم بحرانی نے اس قول علی مرتضیٰ کی شرح میں جو لکھا ہے اس پر اور مضمون یہ ہے ۲۲ اور قول ان (علی مرتضیٰ) کی یہ قسم ہے ہر آئینہ سلامت یا آشتی رکھو نگا میں جب تک کہ سلامت رہینگے امور مسلمانوں کے یہ شرح یہ ہے کہ ۲۲ البتہ چھوڑو نگا میں مناقشہ (باریک مٹی) اس امر میں جب تک سلامت رہینگے امور مسلمانوں کے فتنہ سے۔ اور اس میں اشارہ ہے طرف اسکے کہ بیشک غرض ان علیہ السلام کی مناقشہ سے اس امر میں وہی بہتری صلاح حال مسلمانوں کی اور درستی ان کے امور کی اور سلامتی ان کی فتنہ سے ہے۔ اور تحقیق تھی مسلمانوں کے لیے جو کوئی کہ گذر گیا فتنہ سے قبل اس کی درستی امر کی اگرچہ تھی وہ درستی کہ نہیں پہنچی تھی نزدیک ان (علی مرتضیٰ) کے کمال استقامت اپنی کو جبکہ ہوتے وہ والی اس امر کے پس اس واسطے قسم کھا کر کہتا ہوں میں ہر آئینہ سلامت یا آشتی رکھو نگا میں اس امر کی۔ اور نہیں جھگڑا کرو نگا میں اس امر میں اس واسطے کہ اگر جھگڑا کیا جائے اس میں ہر آئینہ پھیل جائیگا فتنہ درمیان مسلمانوں کے اور ٹوٹ جائیگا عصا اسلام کا اور وہ مطلوب شارع کی ضد ہے۔ اور سوائے اسکے نہیں ہے کہ متعین کی جاتی ہو اس پر نزاع اور قتال وقت خوف فتنہ کے اور قیام اسکے کے ۲۳

یہ قول شارج میسم کا موافق ہے اس حقیقت کے اور مطابق ہے اس  
 - معنی اور مراد کے جو ہم نے ظاہر کیا ہے اور مصنف مخاطب نے قول شارج  
 سے وہ مضمون چھوڑ دیا ہے کہ کمال استقامت سلامتی امور مسلمانوں  
 کا علی مرتضیٰ کے نزدیک عہد خلفاء گذشتہ میں نہیں تھا اور یہ مضمون ظاہر  
 کہ تاہے نقص خلافت ان خلفاء کو اگرچہ وہ نقص اس درجہ پر نہیں تھا کہ  
 ان خلافتوں کو سلامت نہ رکھا جاتا یعنی وہ نقص بالتعمیم سلامتی امور مسلمانوں  
 نہیں تھا بلکہ بالتخصیص بعض مسلمانوں کے امور میں واقع ہوا۔ ایسی حالت  
 میں قول شارج کے وہ معنی نہیں ہو سکتے جو مصنف مخاطب نے ظاہر کیے  
 ہیں بلکہ وہی معنی ہوتے ہیں جو ہم نے ظاہر کیے ہیں اور خود علی مرتضیٰ نے  
 اپنے کلاموں میں حضرت ابو بکر کی حالت کو قلیل العیب اور ضعیف فرمایا ہے  
 شارج میسم نے جو نسبت فرق درمیان خلفائے ثلاثہ اور معاویہ کے  
 یہ بیان کیا ہے کہ اللہ کے احکام قائم کرنے اور اللہ کے امر و نہی کے  
 مطابق عمل کرنے میں ظاہر ہے وہ بطور نتیجہ کے ہے اس شرح کے کہ جو  
 فاضل میسم اپنے اس سخن سے پہلے یہ کہ چکے ہیں کہ عہد حضرت عثمان  
 سے قبل سلامتی امور مسلمانوں کے کمال استقامت کے ساتھ علی مرتضیٰ  
 کے نزدیک نہیں تھی یعنی سلامتی امور مسلمانوں کی بالتعمیم علی کو بالتخصیص  
 نہیں رہی۔ اور آخر میں شارج میسم نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ یہ خاص ذات  
 علی مرتضیٰ پر جو رہا بوجہ اس کے کہ احق کو خلافت نہ ملی بلکہ جس کا نام  
 بیان پر نظر کی جاسکتے تو حضرت معاویہ کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے جس کو تفضیل  
 سے میں بیان کرتا ہوں کہ انعقاد خلافت خلفائے ثلاثہ پر ہو گیا گو اس انعقاد  
 خلافت میں بوجہ اس کے کہ احق الناس کو خلافت نہ ملی خاص علی مرتضیٰ پر

جو رہا لیکن علی مرتضیٰ نے اس انعقاد خلافت پر صبر کیا اس حالت تک کہ بالعموم امور مسلمانوں کے اُن خلافتوں میں سلامت رہیں۔ اور اگر بالعموم امور مسلمانوں کے نہ بالخصوص بعض مسلمانوں پر جن کا تعلق امر اور نہات علی مرتضیٰ سے ہو سلامت نہ رہیں تو اُن خلافتوں پر حملہ روا ہو۔ کیونکہ قبل اس کے کہ اُن خلافتوں میں سلامتی عمومًا امور مسلمانوں کی نہ رہے حملہ بجالت بالعموم سلامتی امور کے مسلمانوں میں فتنہ بپا کرنا تھا۔ اور وہ حملہ محض بہ طمع خلافت سمجھا جاتا۔ اور فتنہ کا برپا کرنا مذموم ضد مطلوب شائع ہے۔ حضرات شیخین کے عہد خلافت میں گویا بالخصوص جنکا تعلق خاص ذات اور امر علی مرتضیٰ سے تھا سلامتی نہیں رہی۔ مگر بالعموم امور مسلمانوں کے متعلق سلامتی رہی لیکن عہد خلافت حضرت عثمان میں عمومًا امور مسلمانوں کی وہ شان نہیں رہی جو عمومًا سلامتی امور مسلمانوں کی شان عہد حضرات شیخین میں تھی۔ اور اُنکی خلافت قابل حملہ کے ہو گئی تھی۔ اور مسلمانوں نے اس کو برہم اور درہم کر دیا چنانچہ ہمارے زمانہ کے ایک لکھنؤیہ صاحب تحقیق اپنی تصنیف جامع الاحکام فی فقہ الاسلام میں واقعات تاریخی سے یہ قبول کرتے ہیں کہ پیغمبر خلیفہ ثالث کے جو نیک مزاج مگر ضعیف العقل تھے کہ انکو ادھر کی اور اختیار کی تھی خلیفہ اول و دوم اپنے اپنے عہد خلافت میں حضرت علیؑ جو معنی اور مفاد احکام شرع بیان فرماتے تھے اُنکا لحاظ کرتے تھے اور جو علی مرتضیٰؑ احادیث کی تاویل فرماتے تھے اُس کے بموجب فیصلہ صادر کرتے تھے جس سے بالتعمیم سلامتی امور مسلمانوں کی عہد خلافت حضرات شیخین میں اُس

سہ ہائی کورٹ کلکتہ کے ججی علم جج آئریبل مولوی سید امیر علی خان بہادر سی۔ آئی۔ سی۔

نشان سے اور عدم سلامتی امور مسلمانوں کی عہد خلافت خلیفہ ثالثین ظاہر ہے۔ اور حضرت عثمان م کی روش کا فرق حضرات شیخین کی رفتار سے نمایان ہوتا ہے۔ لیکن حضرات خلفاء ثلاثہ کی حالت کے خلاف حالت حضرت معاویہؓ اور نیز ارباب جنگ جمل کی ہے کہ حضرت معاویہ م یا حضرت طلحہؓ اور زبیر م کو ہمارے اور انصار نے یا اہل الر سے یا اہل حل و عقد نے مجتمع ہو کر یا ان کے جزو نے خلافت کے لیے قبول نہیں کیا تھا۔ اس حیثیت سے ہی کہ جمیع خاصائے اہل علی مرتضیٰؓ پر مجبور ہو بلکہ کل ہمارے اور انصار نے مجتمع ہو کر بالاتفاق علی مرتضیٰؓ کو خلیفہ قبول کیا تھا اور ہم مسند کی رو سے وہ خلیفہ بحق قرار پائے تھے۔ ارباب جنگ جمل اور حضرت معاویہ کو چاہیے تھا کہ وہ خلافت علی مرتضیٰؓ پر حملہ نہ کرتے اور منتظر رہتے کہ سلامتی امور مسلمانوں کی عہد خلافت علی مرتضیٰؓ میں رہتی ہے یا نہیں۔ بلا انتظار اس کے جو ائمہوں نے خلافت علی مرتضیٰؓ میں خلل ڈالنا چاہا وہ فتنہ تھا جسکو شرع میں بغاوت کہا گیا ہے۔ علی مرتضیٰؓ کو اس فتنے کے فرو اور بغاوت کے رفع کرنے کے واسطے جنگ کرنا واجب تھا جب تک کہ وہ لوگ امر الہی کی طرف آجادین جس کے بارہ میں خاص آیت قرآن میں موجود ہے اور جس پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔

پس یہ فرق تھا درمیان خلفائے ثلاثہ اور حضرت معاویہؓ کے اور یہ وجہ تھی کہ علی مرتضیٰؓ نے خلفائے ثلاثہ سے جنگ نہیں کی اور انتظار رکھا۔ عموماً سلامتی امور مسلمانوں کا جنگ کے لیے کیا۔ کہ قبل اس کے جنگ کرنا فتنہ کا پہیلانا درمیان مسلمانوں کے اور توڑنا عصا اسلام کا اور وہ ضد مطلوب شارع علیہ السلام کی تھا اس لیے کہ شارع علیہ السلام کا مقصود یہ ہی تھا کہ عموماً امور مسلمانوں کے سلامت رہیں اور اصلاح

اُن امور کی ہوتی ہے اس کو کسی وقت کامل استقامت نہ ہو۔ اور اربابِ جبل اور حضرت معاویہ ؓ سے علی مرتضیٰ ؓ نے جنگ کی کہ اربابِ جبل اور حضرت معاویہ ؓ باعثِ خمدِ مطلوبِ شارعِ علیہ السلام کے ہوئے تھے اور یہی منشا ہے شارحِ میسم کا جو انھوں نے فرق درمیانِ خلفائے ثلاثہ اور معاویہ ؓ کے بیان کیا ہے۔ اور اسی مراد میں انھوں نے کہا ہے کہ بیشک فرق درمیانِ خلفائے ثلاثہ اور درمیانِ معاویہ ؓ کے اللہ کے احکام قائم کرنے اور اللہ کی امر و نہی کے مطابق عمل کرنا نہیں ظاہر ہے۔ اور اس کے معنی یہی ہیں کہ عموماً وہ خصوصاً اُن عہد و نینِ سلامتی امورِ مسلمانوں کی جہت تک رہی تب تک وہ خلافتِ سلامت رہی۔

جناب امیرؓ کے اس قول کی شرح میں جو بیعت عثمان ؓ کے وقت فرمایا تھا میسم نے اس پہلو سے لکھا ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی حکومت عدل و انصاف کی حکومت تھی اور عموماً احکام اُسی اُن کے زمانہ میں جاری تھے نہ کسی اور شارح نے ایسا لکھا ہے۔ شارحِ میسم نے جو کچھ لکھا ہے اور جس سے مراد میں لکھا ہے اُس کی حقیقت اوپر دکھائی جا چکی اور شارحِ ابن ابی الحدید یہ کہتے ہیں کہ اہل شوری کے لیے علی مرتضیٰ ؓ یہ کلمہ تین تحقیق جاناتم نے بے شک میں احق ہوں خلافت کا اپنے غیر سے اور عدل کیا تم نے مجھے پھر قسم کھائی ہر آئینہ سلامت رکھینگے وہ (علی مرتضیٰ) اور چھوڑ دینگے مخالفت اُس کے لیے جو وقت کہ ہوگی علی مرتضیٰ ؓ کی تسلیم میں اور اگر جائے میں علی مرتضیٰ ؓ کے اپنے حق سے سلامتی امورِ مسلمانوں کی اور نہ ہوگا اور اور افسوس مگر اُن (حضرت) پر خاصۃً اور یہ کلام بابت کلام علی مرتضیٰ ؓ کے ہے اس واسطے کہ جس وقت جانا انھوں نے یا غلبہ ظن ہوا اُن کا یہ کہ بیشک لکھ

جنگ لڑا کیا جائیگا اور جنگ کیجائیگی داخل ہو جاوے گی اسلام پرستی اور رخصتہ  
 نہیں جائز ہوگی واسطے انکے منازعت اگرچہ وہ طلب کرین جھگڑے کے  
 ساتھ اس چیز کو جس چیز کے کہ وہ حق ہیں پس اگر جانا بخون نے یا غلبہ  
 ظن ہوا انکا اس بات پر کہ رک جانا اپنے حق کی طلب سے سوا اس کے  
 کچھ اور نہیں ہوگا کہ داخل ہو جاوے گا رخصتہ اور عسستی اوپر اپنے خاصہ  
 اور سلامت رہیگا اسلام فتنہ سے واجب ہوا ان حضرت پر چشم پوشی اور  
 صبر اس چیز پر جو کچھ کہ مصیبت یا ناگواری لائے وہ لوگ ان کے حق کے  
 لیے لینے میں اور روک لیا ان حضرت نے ہاتھ اپنا تاکہ اسلام فتنہ سے  
 پناہ میں رہتے تھر شارح ابن ابی الہدیہ نے یہ سوال کیا ہے کہ کیوں نہیں  
 سلامت رکھا معاویہ اور اصحاب جل کو اور چشم پوشی کی لیے جانے حق  
 اپنے سے واسطے حفاظت اسلام کے فتنہ سے؟ اور اس سوال کا یہ جواب  
 دیا ہے کہ بیشک جو رہ پیش آیا تھا اصحاب جل اور معاویہ اور اہل شام  
 کی طرف سے وہ خاص سمٹ کر انہیں بر نہیں آنے والا تھا بلکہ عام تھا اسلام  
 اور تمام مسلمانوں پر اس واسطے کہ وہ لوگ علی مرتضیٰ کے نزدیک ایسے نہیں  
 تھے کہ جو اصلاح ریاست امت کی رکھ سکین اور آراستگی خلافت کو اٹھا  
 سکین پس نہ تھی ایسی شرط جسکو محققا شرط کیا تھا اور وہ شرط وہی قول  
 ان حضرت کا ہے نہیں ہوگا جو مجہر مگر خالص اور یہ کلام دلالت کرتا ہے  
 اوپر اس بات کے کہ بیشک علی مرتضیٰ اس طرف نہیں جاتے تھے کہ  
 خلافت عثمان کی متضمن تھی جو رکھ کی اوپر مسلمانوں کے اور اسلام کے  
 اگرچہ ضرور تھی متضمن جو رکھ کی اوپر انکے خاصہ اور بیشک وہ خلافت  
 واقع ہوئی حجت مخالفت اہل کی نہ حجت فساد کلی اور بطلان اصلی کی

شارح ابن ابی الحدید نے جو کچھ اسے اپنی اس کلام علی مرتضیٰ کی نسبت ظاہر کی ہے وہ میری اس رائے سے کچھ مخالف نہیں ہے جو میں نے اوپر ظاہر کی ہے البتہ زمانہ حضرت عثمان کی نسبت باعتبار واقعات تاریخی کے میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سلامتی امور مسلمانوں میں ایک نوع کا خلل آگیا تھا اور جسکی اصلاح کی ہند نصیحت کے ذریعہ سے علی مرتضیٰ نے کوشش کی لیکن وہ کوشش حضرت عثمان پر کچھ کارگر نہ ہوئی اور بالآخر مسلمانوں نے جن کے امور کی سلامتی نہیں رہی تھی حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا تاہم گو میرے اور شارح ابن ابی الحدید کے درمیان کسی قدر اختلاف ہو شارح ابن ابی الحدید کا قول ایسا نہیں ہے جو تاہم مصنف مخاطب کی کرتا ہو۔ ملا فتح اللہ شیرازی جو ایک سخت شیعہ عالم تھے شرح فارسی مطبوعہ میرے پاس موجود ہے مگر افسوس ہے کہ اس میں یہ مقام نہیں۔ اور نیچے البلاغۃ کی اول شرح ملا قطب الدین راوندی نے کی ہے جن پر شارح ابن ابی الحدید نے بعض بعض مقام پر ابراد کیا ہے میں جانتا کہ خیال کرتا ہوں ملا فتح اللہ شیرازی ملا قطب الدین راوندی سے ایک قدم اگر آگے بڑھے ہوے نہیں تھے تو اس کے قدم بقدم تھے اول دونوں علماء کی نسبت مجھکو ہرگز گمان نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے عہد خلافت حضرات خلفائے ثلاثہ کی نسبت ایسا کچھ لکھا ہو جیسا کہ مصنف مخاطب اس موقع پر کہتے ہیں۔ اور افسوس ہے کہ میں مصنف مخاطب سے اس امر میں متیقن نہیں ہو سکتا کہ تمام شارحین نے ایسا لکھا ہے جس نوعیت سے کہ مصنف مخاطب نے ظاہر کیا ہے۔ اور نہ اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد جیسا کہ میں نے ظاہر کی یہ نتیجہ کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتا جو مصنف

مخاطب اخذ کرتے ہیں کہ ۲۲ یہ خیال بھی باطل ہو گیا کہ جناب امیرؑ کی مصیبت جسکا اس مبالغہ سے انھوں نے بیان کیا ہے یہ حتیٰ کہ خلیفہ اول کے زمانے میں احکام مخالف شرع جاری تھے بلکہ صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ علی مرتضیٰؑ کو بوجہ احق الناس ہونے کے جو خلافت نہیں ملی وہ مصیبت علی مرتضیٰؑ پر تھی اور اس سے زیادہ کسی مصیبت کا مبالغہ نہیں ہو سکتا مگر اس مصیبت پر علی مرتضیٰؑ نے صبر کیا اور خلیفہ اول کے زمانے میں گو خاص موقع پر احکام مخالف شرع جاری ہوئے لیکن عموماً سلامتی اور مسلمانوں کی برہی اور یہی نتیجہ مطابق واقعات تاریخی کے ہے اور موافق کلام علی مرتضیٰؑ کے جس میں موقع پر کہ انھوں نے جو کچھ فرمایا۔

مصنف مخاطب نہایت عجیب یہ بات ظاہر کرتے ہیں ۲۲ کہ روایات شیعہ پر غور سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر ظلم و جور کا ہونا یا امور منہیہ کا واقع ہونا جناب امیرؑ کو ایسا ناگوار نہ تھا جو بڑی مصیبت سمجھا جائے اس لیے کہ ظلم و جور اور امور منہیہ جناب امیرؑ کے مجدد خلافت بلکہ ان کی خاص مجلس میں علانیہ واقع ہوتے تھے مگر جناب امیرؑ ان کے دفع کی کوشش نہیں کرتے تھے ۲۳

مصنف مخاطب اپنے اس دعویٰ کی سند کے لیے ایک واقعہ دکھاتے ہیں جبکہ جناب امیرؑ سے لوگوں نے خلافت کے لیے بیعت کی۔ اور ملاحیحہ اسد کے ترجمہ سے کلام علی مرتضیٰؑ کو نقل کر کے یوں ترجمہ کرتے ہیں کہ ۲۴ کھولا تم نے میرا ہاتھ اور روکا میں نے اسکو ۲۵ اور مضمون آئندہ متعلق اس فقرے کو ترک کر کے مصنف مخاطب نسبت فرمودہ علی مرتضیٰؑ کے یوں بیان فرماتے ہیں کہ ۲۶ جناب امیرؑ حاضرین سے



مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ تم سب بیعت کرنے کے لیے میرا ہاتھ کھولتے تھے لیکن چونکہ خلافت مجھ کو پسند نہ تھی اس لیے میں اپنا ہاتھ روکتا تھا اور تمہاری بیعت پر راضی نہ تھا ۱۷

پھر مصنف مخاطب اپنے اس بیان پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ۱۸ جناب امیرؓ کو خلافت پسند نہ تھی پھر بھلا ابو بکرؓ کی خلافت لینے کی شکایت وہ کیوں کرتے اور جو چیز ان کو پسند نہ تھی اور اس کے قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اس کا غصہ کیسا ۱۹

پورا مضمون اس کلام علی مرتضیٰؓ کا یہ ہے کہ ۲۰ کھولا تم نے ہاتھ میرے کو پس روکا میں نے اس کو اور کھینچا تھیں اس کو پس بند کیا میں نے اس کو اس کلام علی مرتضیٰؓ میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے کہ جس کا یہ مضمون ہو کہ خلافت مجھ کو پسند نہ تھی اور نہ واقعات تاریخی سے مصنف مخاطب نے یہ دکھایا ہے کہ علی مرتضیٰؓ نے خلافت کے لینے سے انکار کیا ہو یا پسند کرتے تھے بلکہ واقعات تاریخی سے بخوبی ثابت ہے کہ بعد پیغمبرؐ ہر زمانہ میں علی مرتضیٰؓ نے قبل اور بعد کسی دوسرے کے خلیفہ مقرر ہو جانے پر اظہار اپنے حق کا اور اپنا حق ہونا ظاہر فرمایا ہے اور بحث کر کے اپنے حق ہونے کی عجتیں تمام کی ہیں۔ ایسی حالت میں اس کلام علی مرتضیٰؓ سے کیسے طرح استنباط ہو سکتا ہے کہ خلافت ان کو پسند نہ تھی اور اس لیے انھوں نے اپنا ہاتھ روکا اور وہ بیعت پر راضی نہ تھے اور اس کلام علی مرتضیٰؓ سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ۲۱ وہ ابو بکرؓ کی خلافت لینے کی شکایت کیوں کرتے۔ اور اس خلافت کا غصہ ہونا کیسے ہو سکے ۲۲

یہ سچ ہے کہ اس کلام علی مرتضیٰؓ سے یہ امر واضح ہوتا ہے

کہ جو وقت علی مرتضیٰ ۴ کو خلیفہ قبول کیا گیا ہے اُس وقت علی مرتضیٰ ۴ کے ہاتھ کو لوگ بیعت کے لیے کھولتے تھے اور کھینچتے تھے اور علی مرتضیٰ اپنے ہاتھ کو رد کرتے تھے اور بند کیے لیتے تھے۔ اگرچہ اس کلام علی مرتضیٰ سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ آپ کیوں اپنا ہاتھ بند کیے لیتے تھے اور اپنے ہاتھ کو رد کرتے تھے۔ لیکن علی مرتضیٰ ۴ کو اسکی وجہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی اس لیے کہ اس کے قبل کے تمام واقعات روزگار ہر بیعت کے تازہ تھے اور لوگوں کی آنکھ کے سامنے موجود تھے اور وہ واقعات اس وقت تک مکتب سیر اور تواریخ اور روایات میں موجود ہیں۔ جسکی تفصیل حاجا جبار رسالہ جات روشنی میں مذکور ہوئی ہے یعنی بعد وفات پیغمبر کے علی مرتضیٰ ۴ تجبیز و تکفین پیغمبر میں مصروف تھے اور حضرت ابو بکرؓ سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ مقرر کیے گئے۔ جس پر علی مرتضیٰ ۴ نے اپنے ناخوشی ظاہر کی اور اپنا حق ہو نا خلافت کے لیے فرمایا۔ لیکن لوگوں نے کچھ شنوائی نہ کی اور اس پر آپ نے صبر کیا اور ایک مدت تک گوشہ نشینی اختیار کی پھر جو وقت کہ حضرت ابو بکرؓ کے استخلاف کے بموجب حضرت عمرؓ خلیفہ قرار دیے گئے اُس وقت بھی آپ نے اعتراض سے اپنے آپ کو نہیں روکا اور حضرت عثمانؓ کے خلیفہ مقرر ہونے کے وقت مجلس شوریٰ میں آپ نے وہ مجتہدین اپنے حق خلافت ہونے کے لیے پیش کیں کہ جسکو لوگوں نے قبول کیا مگر آپ کے خلیفہ قبول نہ کیا گیا۔ جواب دیدیا۔

یہ واقعات صاف دکھاتے ہیں کہ علی مرتضیٰ ۴ کو حد سے زیادہ اہمیت رسولؐ کی طرف سے ملے دلی پیدا ہو گئی تھی۔ اور تین مرتبہ علیؓ اللہ است رسولؐ پر خطا کر چکی تھی کہ علی مرتضیٰ ۴ کی ہدایت پر مطلق توجہ نہیں کرتی

تھی اور ان کے خلیفہ قبول کرنے سے ہر مرتبہ بے پروائی وقوع میں  
آتی تھی۔

قتل حضرت عثمان م کے بعد جب لوگوں نے بہت الحاح کیا اور  
بیعت کے لیے مبالغہ میں حد سے گزر گئے تو ایسی حالت میں جبکہ علی مرتضیٰ  
کو طبع خلافت کی نہیں تھی اور لوگوں کی نافرمانی سے نہایت بیدلی پیدا ہو  
چکی تھی وہ بیدلی علی مرتضیٰ م کو برا لگینے لگی تھی کہ امر خلافت کے متعلق  
لوگوں کو اسی حالت پر چھوڑ دین کہ وہ کسی دوسرے کو خلیفہ مقرر کر لیں۔  
جیسا کہ علی مرتضیٰ م نے اپنے خطبہ شمشقہ میں فرمایا ہے لکن اگر بیعت حاضر  
نہوئی اور وجود ناصر کا نہوتا اور خدا علماء سے حمد نہ لیتا تو ڈال دیتا میں  
ہمار خلافت کی اُسکی گردن پر اور اُسی کا سہ میں پانی پلاتا کہ جہاں اُسے  
پہلے پایا اُسی بیدلی اور ناخوشی علی مرتضیٰ م نے جو لوگوں کی بے پروائی  
اور راہ مستقیم پر نہ چلنے اور علی مرتضیٰ م کی ہدایت کو اور علی مرتضیٰ م کے  
احق الناس ہونے کو نہ ماننے سے پیدا ہوئی تھی علی مرتضیٰ م سے یہ امر  
ظاہر گرایا کہ لوگ بیعت کرنے کے لیے علی مرتضیٰ م کا ہاتھ کھولتے تھے  
اور کھینچتے تھے۔ اور علی مرتضیٰ م اپنے ہاتھ کو روکتے تھے اور بند کھینچتے  
تھے۔ لیکن پھر اس امر کے پیش آنے سے بیعت لینے پر علی مرتضیٰ م مجبور  
ہو گئے جیسا کہ اسی کلام میں فرماتے ہیں اور مصنف مخاطب اُس کا ترجمہ  
اس طرح کرتے ہیں کہ میں پھر ہجوم کیا تم نے مجھ پر ہجوم کرنا پاپا سے ادا  
کا اپنے حوضوں پر پانی ملنے کے دن یہاں تک کہ ٹوٹا جوتی کا تسمہ اور گری باز  
اور پا مال ہو گئے وہ لوگ جو ضعیف تھے۔ اور پھوپھی خوشی آدمیوں کو  
اس بات پر کہ انھوں نے مجھے بیعت کی یہاں تک کہ خوش ہوئے اُس پر نہ

اور لرزے ہوئے آئے بوڑھے بیعت کے لیے۔ اور شفقت اٹھا کر  
گئے بیعت کے لیے ہمارے۔ اور چہرہ کھولا بیعت کے لیے اُبھری چھاتیوں  
والی عورتوں نے ۱۶

اس پر مصنف مخاطب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ میرے ہجوم کرنے والوں  
نے ضعیفوں کو پامال کر کے پیس ڈالا یہ بہت بڑا ظلم تھا اس سے بڑھ کر  
ظلم وہ ہے جو خدائے متعالیٰ نے مذکور ہے کہ حسین کو پامال کر ڈالا۔

قیامت یہ ہے کہ جناب امیرؑ کی مجلس میں بلند چھاتیوں والی عورتوں  
نے بیعت کے لیے ٹمخہ کھولا یہ علامتِ فسق ہے۔ بیعت سے عورتوں کو  
کیا تعلق تھا جناب امیرؑ نے اپنی مجلس میں عورتوں کو کیوں آنے دیا  
کھولنے سے منع کیوں نہ کیا انکی بیعت کیوں قبول کی۔ اس امر کے معلوم  
کرنے کے لیے کہ عورتوں کی چھاتیوں بلند تھیں بغور دیکھنے کی بے شک  
ضرورت ہے ۱۷

اس کے بعد مصنف مخاطب اپنے مذاقِ طبع کے موافق یہ بند نظم  
کرتے ہیں۔

|  |   |
|--|---|
| حیا و شرم کا پردہ اٹھا یا شرکینوں نے     | میر مجلس نقابین کھول دیں پردہ نشینوں نے |
| کیا عداوت نور سید نازنینوں نے            | ملائے ہاتھ اُبھری چھاتیوں کے حسینوں نے  |
| جو شرماتے تھے گھر میں مجلسوں میں بھی آئے | جو گھونگھٹ راہیں کرتے تھے زمین بھٹا آئے |

مصنف مخاطب افسوس کرتے ہیں کہ خلافت کے مٹنے کی خوشی میں  
جناب امیرؑ کو ان امور کی کچھ پروا نہ تھی یہ کیسا غضب ہے کہ اس ظلم و فسق  
کو جناب امیرؑ نے اپنے کلام میں بیان کر رہے ہیں کچھ وہ ہیں کہ جاری خلافت  
کے وقت ایسے امور واقع ہوئے۔ پہلا اس میں کیا فخر تھا کہ بچوں نے اور

اوبھری چھاتیوں والی عورتوں نے بیعت کی کر رہے ہوئے بوجھ کر بیعت کرنے کو آئے اور بیماروں نے بھی بیعت مکے لیے مصیبت اٹھائی یہ تو بہت شرم کی باتیں تھیں نہ کہ اظہارِ فخر کے لیے خطبہ میں اُن کا ذکر کیا جائے اگر جناب امیرؑ کو فقط یہی ثابت کرنا منظور تھا کہ بہت ساری دینوں نے مجھے بیعت کے لیے ہجوم کیا تھا تو یہ مضمون پہلے فقرے سے ثابت ہو گیا تھا پھر ان ناگوار باتوں کے ذکر کی کیا ضرورت تھی

مصنف مخاطب نے جو اس مضمون کلام علی مرتضیٰؑ پر اعتراض اور افسوس ظہر کیا وہ بالکل غلط اور بے محل ہے۔ علی مرتضیٰؑ نے اپنے اس کلام میں ذکرِ ایک واقعہ کا کیا ہے جو اس وقت پیش آیا ہے جبکہ وہ خلافت کے لیے قبول کیے گئے ہیں جس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ کس شان سے علی مرتضیٰؑ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور بیعت کرنے والوں نے کس خوشی اور شوق سے علی مرتضیٰؑ پر بیعت کے لیے ہجوم کیا اور وقت ہجوم کو نے لے اُن ہجوم کرنے والوں کو کیسا اضطراب تھا اور کیسی بےقراری وہ لوگ اس وقت رکھتے تھے۔ عموماً کسی واقعہ کے بیان سے کسی بیان کر نیوالے پر یا اس کی روایت کرنے والے پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ اور کسی واقعہ کو اس طور پر بیان کرنا کہ جس سے نقشہ اس واقعہ کا لوگوں کی نگاہ میں کھپ جاوے البتہ ہر کسی کا کام نہیں ہے ایسا امر اسی سے ہو سکتا ہے جو فصاحت اور بلاغت میں اپنا مثل اپنے زمانہ میں نہ رکھتا ہو۔

علی مرتضیٰؑ نے جو اپنے بیان میں نقشہ ہجوم بیعت کرنے والوں کا کھینچا ہے اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ بیعت خلیفہ قبول کرنے کے لیے اس شان سے ہوئی چاہیے۔ نہ اس شان سے کہ قبل اس کے تین

جون ۱۹۹۲ء

۱۶۴

جلد ۱۰ نمبر ۱

خلافتوں کے لیے ظہور میں آئی جس میں حکمت عملی اور تدبیر اور داب ناجائز سب کچھ تھا اور جو طمع خلافت کو سرسبز رکھے ہوئے تھی۔ اسی امر نے مصنف مخاطب کو چین کر دیا ہے۔ اور ضرورت اُنکو ہوئی کہ وہ شان بے لوث پر داغ لگانے کے لیے آمادہ ہوں لیکن جو چیز کہ صاف اور نکھری ہوئی ہو اُس کو ہر کوئی داغدار نہیں دیکھا سکتا۔

بیان ہجوم بیعت کرنے والوں میں جو ذکر پامال ہو جانے ضعیفوں یا حسنین م کا خطبہ شفقشہ میں ہے وہ پامالی اُس صفت کی بنیاد تھی کہ جس میں بالحد کسی نے بریت خضر پہنچانے کے کسی کو پامال کیا ہو کسی کی بے حد حق مقصود ہو کہ جو حد جرم تک پہنچا ہو بلکہ اُس سے مراد یہ ہے کہ اشتیاق بیعت کرنے والوں کا اس درجہ خیر تھا کہ مضطر بانہ صورت سے مشتاق لوگوں نے ایسا ہجوم بقصد بیعت کیا کہ ایک کو دوسرے کے سرو پا کی خبر نہ رہی جیسا کہ ہر زمانہ میں شوقین کے ہجوم سے خاص خاص موقعوں پر پامالی کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ اور ہر ایک مہذب ملک میں ایسے شوقیہ موقع پر جسکو وہ اپنے نزدیک ناجائز نہیں سمجھتا ایسا اتفاق ظہور میں آتا ہے گو دوسرا ملک اُس شوقیہ موقع کو ناروا سمجھے۔

مصنف مخاطب جو خلافت کی بیعت سے لوگوں کو بے تعلق سمجھتے ہیں یہ اُن کی غلطی اور نادانی مضامین قرآنی سے بھی۔ جس کسی کو علم قرآنی نہیں ہوتا وہ ایسی ہی غلطیان کیا کرتا ہے اور اسی لیے قرآن کے ساتھ اُس کی عالم کی ضرورت ہے۔ جو وقت رسول خدام نے مکہ کو فتح کیا تو کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور وہاں مکہ کے مردوں سے بیعت

لی اور مردوں کی بیروی سے عورتوں نے بھی طرفِ بیعت کے رغبت کی اور حضرت پیغمبرؐ کو خدا کی طرف سے اجازتِ بیعت لینے کی عورتوں سے دی گئی۔ خدا فرماتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبَايِعُكَ عَلَىٰ أَنْ لَا تَشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بَهْتًا يَفْضَحِينَ وَلَا يَبْنَؤْنَ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَلَا يَرْجُلُهُنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ** (سورہ ممتحنہ) ترجمہ اسے بنی جس وقت کہ آوین تیرے پاس سوہن عورتیں کہ بیعت کریں تجھے اس بات پر کہ نہ شریک گردانیں گے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ قتل کریں اپنی اولاد کو اور نہ بہتان باندھیں گی کہ افتر کیا ہو انھوں نے اپنے اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے اور نافرمانی نہ کریں تیری اچھی باتوں میں پس بیعت لے تو ان سے اور خدا کے بخشش مانگ تو ان کے لیے۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مذہب اسلام میں دین و دنیا ایک چیز ہے۔ اور وقتِ فتح مکہ کے قطعی رسالت کے ساتھ خلافت فی الارض یعنی پادشاہتِ لاحق اور قائم ہو چکی تھی۔ اور جن شرائط پر عورتوں سے بیعت لینے کی اجازت دی گئی ان میں انتظامِ دنیوی کا جس کا تعلق سلطنت اور امارت سے ہے بہت بڑا حصہ ہے یہاں تک کہ شرط اچھی باتوں میں نافرمانی نہ کرنا خاص طور پر مہاجر و عامہ سلطنت سے علاقہ رکھتا ہے۔ اور اہل شہر نے وقتِ فتح مکہ کے بیعت لینا پیغمبرؐ کا عورتوں سے جائز رکھا ہے۔ طریقہ بیعت میں اگر بیعت کیا ہے بعض نے کہا کہ ایک گوشہ چادر پیغمبرؐ کے ہاتھ میں تھا اور دوسرا عورتوں

کے ہاتھ میں۔ بعض نے کہا ہوا کہ ایک پیالہ میں پانی تھا کہ اُس میں آنحضرتؐ اور عورتوں نے ہاتھ دبوئے تھے۔ اور حدیث بی بی عائشہ صحیح مانی گئی ہے کہ بیعت زنانہ زبانی تھی۔ (درارج النبوة جلد ۲ ص ۳۶)۔

اسی اجازت قرآنی کی نظر سے موقع خم غدیر پر پیغمبرؐ نے جب علیؑ کی نسبت جو کچھ فرماتا تھا فرما چکے اور جو کچھ کرنا تھا کر چکے تو یہ حکم دیا کہ ایک دوسرا خیمہ میرے خیمہ کے برابر کھڑا کیا جاوے اور اُس میں سب لوگ آکر علیؑ مرتضیٰ کو مبارکباد دین چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جملہ ازواج پیغمبرؐ نے بھی خیمہ میں حاضر ہو کر مبارکبادیاں دیں۔ (تذکرہ خواص الامہ سلطان جوزی و سیرۃ محمد بن اسحاق و معارج النبوة و روضۃ الصفا و حبیب السیر) اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے ان الفاظ میں مبارکبادی دی وہی آج امسیت یا بن ابی طالبؑ مولا کل مومن و مومنہؑ۔ آج شام کی تم نے اے علی بن ابی طالبؑ در حالیکہ ہو مولا ہر مومن اور مومنہؑ (دزین انفعی عامی و صواعق بروایت دارقطنی)۔

اس مبارکباد میں اقبال اطاعت اُس قول اور فعل رسولؐ کا تھا یا نہیں جو پیغمبرؐ علی مرتضیٰؑ کی نسبت ظہور میں لائے تھے۔ اور یہ قول اور فعل پیغمبرؐ ہنزلہ اس کے تھا یا نہیں کہ پیغمبرؐ نے علی مرتضیٰؑ کی بیعت کرائی اور اُس میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل تھیں اور وہ عورتیں جیسے ہیں ازواج رسولؐ بھی داخل تھیں علیؑ کے سامنے آئیں یا نہیں؟ عورتوں کی بیعت کا مسئلہ اس قدر عہد رسولؐ میں شائع ہو گیا تھا کہ خود عورتیں بھی اس مسئلہ کو پورے طور سے جانتی تھیں۔ اور اسی وجہ سے علی مرتضیٰؑ کی بیعت کے لیے وہ بھی بڑے شوق سے دوڑ پڑیں جبکہ



بعد قتل حضرت عثمان ؓ کے علی مرتضیٰ ؓ خلیفہ اور نائب رسول قبول کیے گئے۔ لیکن اشتیاقِ بیعت عورتوں کا اُسی خلیفہ رسول ؓ کی نسبت ہو سکتا ہے کہ جس کو وہ نائب رسول ؓ اور احقِ خلافت سمجھتی ہوں اور جس کسی کو وہ ایسا نہ جانتی ہوں اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے ہرگز وہ متوجہ نہیں ہو سکتی۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ کوئی شخص کاہل خلیفہ نہیں ہو سکتا بہت تک کہ باقاعدہ اُسکو مردوزن خلیفہ قبول نہ کریں۔ اور اُس قبول کو قول و فعل سے اپنے ظاہر نہ کریں۔ اور جو مردوزن محض سکوت کی حیثیت سے قبول کر بیگی اُسین ہرگز انکا دلی شوق ایسے خلیفہ کے لیے قبول نہ کیا جاوے گا گو وہ سطوت اور اطاعت سے باہر نہ جاسکیں۔ حضراتِ خلفائے ثلاثہ کی خلافت میں یہ بھی نقصان تھا کہ مسلمان عورتوں نے اُن کو خلیفہ برحق قبول نہیں کیا تھا۔ مگر یہ نقص قبولِ خلافت علی مرتضیٰ ؓ میں باقی نہیں رہا اور عورتوں نے اُس عہد کی تقلیدِ عہدِ پیغمبر کے تکمیل قبولِ خلافت علی مرتضیٰ ؓ کی خود بخود کر دی۔ اور جس شان سے جس کشمکش میں وہ بیعت کیلئے آئیں وہ کسی طرح امورِ منہیہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور حالتِ اضطراب میں کشمکش کی وجہ سے چادر کا سر سے سرک جانا اور چہرہ کا کھل جانا جبکہ آٹا اُن عورتوں کا اثر شروع تھا۔ معیوب نہیں ہو سکتا۔ امرِ بیعت کے لیے جس میں معاہدہ فرمانِ برادری کا ہوتا ہے ضرور ہے کہ بیعت کرنے والا بائع اور ممیز ہو اور لڑکیوں کے لیے اقیانِ بلوغ اُنکی چھائی کا اُبھرنا ہے۔ جس کے سبب سے وہ ممیز ہو جاتی ہیں۔ اس غرض سے کہ صلاحیتِ معاہدہ کی کسی لڑکی بیعت کرنے والی میں ہی نہیں اُتیانہ کی نیت سے کسی علامت کو دیکھنا یا کسی علامتِ اُتیانہ پر نظر پڑ جانا اور بیان کرنا ہرگز امرِ منہیہ نہیں ہو سکتا بلکہ شرعاً جائز ہے۔ اکثر موقعوں پر شرع میں

مہمورتوں کے بے حجاب ہونے کی اجازت دی گئی ہے۔ جیسا کہ تعلیم دین کے لیے معلم کے سامنے آنا اور طبیب کے سامنے بے حجاب ہونا یا کسی عضو کو دکھانا۔ اور امام طبیب روحانی ہوتا ہے اس کی اطاعت کے معاہدہ کے لیے اس کے سامنے آنا امر جائز ہوگا۔ اور اسی وجہ سے پیغمبرؐ اور اس کے نائب امام کو باپ کے حکم میں مانا گیا ہے۔

یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ جہاد کا خم و روع سے سا قہ ہے۔ مگر نصیب بنت کعب کی نسبت مورخین لکھتے ہیں کہ وہ مع شمشیر اور شوہر اور لڑکوں کے غزوہ احد میں خوشنودی خدا چاہنے کے لیے مجاہدوں کے ساتھ تھی۔ اور ایک مشک اس کے پاس تھی جس سے مسلمانوں کو پانی پلاتی تھی۔ جب کفار کا غلبہ ہوا تو متوجہ قتال ہوئی اور تیرہ زخم اس کو پہنچے ایک زخم سال بہر میں اچھا ہوا اور وہ زخم ابن قتیہ کے ہاتھ سے لگا تھا وہ کہتا تھا کہ محمدؐ کو دکھاؤ۔ محکو خلاصی نہوا اگر وہ خلاص ہو جائے۔ مصعب مع گروہ مسلمانوں کے اس کے برابر آیا نصیب بھی ان میں تھی ابن قتیہ نے اور ایک ضرب لگائی نصیب نے بھی کسی ضرب میں اس پر لگائیں مگر وہ زہ پہنے ہوئے تھا کارگر نہوئیں جب نصیب کو زخم لگا۔ پیغمبرؐ نے اس کے بیٹے کو پکارا کہ اپنی مان کا زخم باندھ نصیب کا بیان ہے کہ وہ پیغمبرؐ کے سامنے مقابلہ کرتی تھی اور اصحاب پیغمبرؐ کے سامنے سے بھاگے جاتے تھے اور اس کے پاس سپر نہیں تھی۔ پیغمبرؐ نے ایک بھل گئے والے سے کہا کہ اپنی سپر اس کو دے کہ جو لڑ رہی ہے اسے سپر ڈال دی اور نصیب نے اٹھائی۔ اور پیغمبرؐ کے پاس جلی آئی اور حملہ مروانہ کرتی تھی کہ ایک کافر نے تلوار اس پر لگائی کارگر نہوئی اس نے

سہ روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۹۶ مطبوعہ مکتبہ حیات القلوب جلد ۲ ص ۴۸ سہجک احد۔

اُسکے گھوڑے پر تلوار ماری کہ گھوڑا اگر ااور سوار لگ ہو گیا۔ پیغمبرؐ کے اُسکے بیٹے کو بچارا اور وہ آیا۔ اور نصیبہ نے باتفاق بیٹے کے اُس مشرک کو قتل کیا نصیبہ کے بیٹے عبداللہ کو ایک کافر نے زخم لگا یا نصیبہ نے اپنے بیٹے کا زخم باندھا۔ پیغمبرؐ نے اُس شخص کو بتایا کہ جس نے زخم نصیبہ کے بیٹے کو لگا یا تھا نصیبہ نے اُسکی پنڈلی پر تلوار ماری کہ وہ گر گیا۔ پیغمبرؐ بہت ہنسے اور وہ مشرک مر گیا۔ نصیبہ کہ یا مہ میں بھی تھی اور اُسکا لڑکا اُس کے ساتھ تھا مسیلہ کو ڈھونڈھتی تھی کہ نصیبہ پر کسی نے تلوار لگائی کہ گر گئی اور اُس نے دیکھا کہ وہ تلوار لگانے والا قتل ہو گیا اور اُس کا بیٹا اپنی تلوار سے خون پاک کرتا ہے

جنگ احد میں جب نصیبہ پیغمبرؐ کے سامنے کھڑی تھی تو سینہ اور پستان اپنے کو سپر کیے تھی۔ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ باوصف اس کے کہ عورتوں کو قطعی رخصت جہاد کی نہیں ہے مگر نصیبہ نے پیغمبرؐ کے سامنے جہاد میں قتل و قاتل کیا اور پیغمبرؐ کی حمایت کی لیے جہاد میں سینہ و پستان کو سپر کیے ہوئے تھی اور بلا حجاب صرف مسلمانوں کے نہیں بلکہ کفار کے سامنے آئی۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ پیغمبرؐ کے سامنے امور منہیہ و قورۃ میں آتے تھے اور پیغمبرؐ بجائے روکنے کے اُس کی تائید کرتے تھے؟ نہیں یہ امر نہیں ہے بلکہ یہ امر ہے کہ گو عورتوں کو اجازت جہاد کی نہیں ہے لیکن اگر کوئی عورت جوش میں آکر شریک جہاد ہو جائے تو وہ رد کی نہیں جاسکتی۔

قرآن میں منشی عورتوں کا جو مومنین کی ازواج ہونے والیاں ہیں خدا نے ذکر فرمایا کہ ہم نے ان سب کو ایک اٹھان پر اٹھایا اور انکو باکرہ

بنایا ہے ہم عمر اور پیار دلائے دایمان واسطے اصحاب میں کے ہونگی ۱۱  
(سورۃ واقعہ) پھر خدا فرماتا ہے کہ وہ ۲۲ باغون میں ہونگی جنھوں نے  
کسیکو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا ہوگا اور پہلے کسی انسان اور جن نے انہیں  
ہاتھ ہی نہ ڈالا ہوگا (رنگین انکلی) یا قوت و مرجان کی سی ہونگی نیک خواہش  
عورتیں ہونگی جنھوں میں رہتے والیاں ہیں ۱۲ (سورۃ الرحمن)

عربی زبان میں ہر سیاہ چشم گوری عورت کو حور کہتے ہیں اور خود  
علمائے اہل سنت نے مثل ابن عباس اور مجاہد کے کہا ہے کہ ۱۳ آیات  
قرآنی میں جن الفاظ سے حورین ایک مخلوق سمجھی جاتی ہے وہ ان دنیا کی  
خود تین ہی مراد ہیں ۱۴ (تفسیر کبیر و مبشر)۔

ستر اور حجاب کے آیات جو قرآن میں سورۃ نور اور سورۃ احزاب  
میں موجود ہیں اور ان احادیث نبوی پر جو اہل سنت کے یہاں منقول  
ہوئی ہیں علمائے اہل سنت نے غور کر کے یہ قرار دیا ہے کہ ۱۵ اجنبی  
عورتوں کی طرف نظر کرنے کے باب میں ہماری یہ رائے ہے کہ انکلی  
زینت ظاہری کے مقامات یعنی چہرہ اور ہتھیلی کی طرف نظر کرنا جائز ہے ۱۶  
اور اجنبی عورت کے چہرے کو دیکھنا تو جائز ہے مگر چھوٹا مکروہ ہے  
(فتاویٰ عالمگیری)۔ اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ ۱۷ جائز نہیں کہ مرد اجنبی  
عورت کا بدن سوائے چہرہ اور ہتھیلی کے دیکھے کیونکہ اللہ نے فرمایا  
ہے کہ عورت اپنی زینت بجز اس قدر کے کہ جو کھلی رہتی ہیں نہ دکھلا دیں ۱۸

علی اور ابن عباس نے کہا ہے کہ ۱۹ کھلی زینت سرسہ اور انگشتری ہیں اور  
ان سے مراد ان کی جگہ ہے یعنی چہرہ اور ہتھیلی جس طرح زینت سے  
مراد زینت کی جگہ ہے اور امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ پانوں کا دیکھنا بھی

جائزہ ہی۔ ابو یوسف کا یہ قول ہے کہ اجنبی عورت کے ہاتھوں کا دیکھنا بھی جائز ہے ۱۷

اگر مہینہ لڑکیاں بلا قصد بے حجابی بیعت کرنے کے لیے مضطربانہ دوڑ پڑیں اور کشمکش ہجوم کی وجہ سے اُنکا منہ کھل گیا اور ایسی حالت میں اُن کو منہ کھولنے سے سوا چارہ نہ تھا۔ اور علی مرتضیٰ نے بضرورت جواز بیعت علامت مہینہ کچھ لڑکیوں کا بیان اس واقعہ میں کیا تو کوئی عیب نہیں ہو سکتا۔ اس واقعہ میں جو امور پیش آئے اُس میں نہ کوئی ظلم تھا نہ فسق اور نہ علی مرتضیٰ کو خلافت ملنے سے کوئی ایسی خوشی تھی۔ جو کسی نعمت غیر مترقبہ کے حصول یا کسی ناحق کو سلطنت کے مل جانے پر ہو۔ خلافت کا قبول کرنا بھی اُنکا عین دین تھا۔ اور نہ علی مرتضیٰ نے اُسکو فخریہ بیان کیا ہے بلکہ لوگوں کے اشتیاق اور اضطراب کی حالت کو ظاہر کیا ہے۔ اُنھوں نے اس واقعہ میں یہ امور پیش نہیں کرائے تھے نہ کسی سے کہا تھا نہ کوشش کی تھی کہ وہ امور اس واقعہ میں ظہور میں لائے جاویں۔ اور کوشش اور تدبیر سے ایسے امور وقوع میں آج بھی نہیں سکتے ہیں ایسا واقعہ اور اُس میں امور خود بخود پیش آجاتے ہیں اور جبکہ یہ واقعہ خود بخود پیش آیا کہ کس مردوں اور ابھری ہوئی عجاتوں والی لڑکیوں اور کانتے ہوئے بوڑھے اور بیمار اپنے شوق اور اضطراب میں بیعت لیا آئی تو بیان ایسی امور کا ہرگز قابلِ شرم تھا بلکہ نہ ضروری تھا کہ تاریخی واقعات کی اعتبار سے جو روزگار پر مشتمل ہے کہ علی مرتضیٰ کو خلیفہ ہونے کا وقت کیا تھا تو گوئی بیعت کر لیا ہی تھی اور دوسرے وقت کیا کیفیت گزری ہے کہ جسکو ناوٹوئی بیان کیا ہے اور مؤرخین نے اُسکو لیا ہے۔ اور جبکہ قیامت ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے خلیفہ قبول ہونے کے وقت اُنکے خلیفہ قبول ہونے

حب حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کے لیے استخلاف کیا ابو عمرؓ

ہمارے رسالہ جات روشنی میں اپنے اپنے موقع پر کسی قدر تفصیل سے

منہ راج ہین لشعار۔ متیقنہ میں جنت ابو بکرؓ کو عمر اور ابراہیمؑ کی عیسیٰؑ کی بہ ابوبکرؓ نے پھر عمرؓ کی فتیلا کی جیدم

تو جلا جی! اگر کہا کہ کوئی ہونم انکو اپنی جی تو شر اور مرد غلیظ بخدا تم سے راضی ہو گا

اسی طرح پہنچ ناکت کو بھی مگر کہ ہر گاہ پر کھلا ملی شکوہ کیا نہیں کوئی نہ دے پیش تمام نہ کچھ دلوں نہ تہا نہ کچھ جوش تمام مگر حرکت

بیعت علی مرتضیٰ کے لڑکے کو یہ جوش تھا بندہ ہی واجب چوگانیت حکم حق سے مردوزن سب پر داسی

خاطر علی پردہ نشین بھی جوش میں آکر کہیے تھا اضطراب آگاہ جو شوقِ بعبیتِ حیدر نہ تھا کچھ ہوش

اسکاسرہ ہر گھنٹی بائیں ہاؤس طرف درخت چٹا جو زمین بیت اسکاسرہ کہنے میں مدعی چھوڑا اجماع اس اسکاسرہ

حکومت علی مرتضیٰ علی نسبت یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ جبر کا امت

کی ابتدا ان امور سے ہوا کہ زمین کا میاں بی بی لیا امید ہو سکتی ہے۔  
 حسب قدرت علم و تضرع و خلیفہ قیام کہ گئے ہیں اس وقت وہ اس خلافت

کہ انہیں خراب اور مسموم کا نظر نہ ہو، نہایت محنت اور مفصل ہو گا تھا

اور جو وصیت اور ہدایت پیغمبر نے فرمائی تھی کہ خلیفہ کون ہونا چاہیے اور

کیسے اوصاف کا اور کس خاندان کا اسکو لوگ ترک کر چکے تھے جس کے

سبب سے امت رسولؐ میں انتشار پھیل گیا تھا اسوقت جو لوگ کہ سیدینہ میں موجود تھے اور جن میں سے کوئی علانیہ دعویدار خلافت کا بغیر کسی تدبیر فوری کے نہیں ہو سکتا تھا اور کسی کو ملت بند و بست حصول خلافت کی اپنے واسطے نہ تھی وہ لوگ اسوقت مجبور ہوئے کہ اس طریقہ کو ترک کریں کہ جو خلافت حبشیت اور ہدایت پیغمبرؐ کے اختیار کیا تھا اور اس طریقہ کے اختیار نے جو مزہ چکھایا تھا اسکی پشیمانی نے درحقیقت وہ جوش دکھایا کہ جو علی مرتضیٰؑ نے بیان فرمایا ہے۔ لیکن جن لوگوں کی سیدینہ میں آتش طمع خلافت شعلگی ہوئی تھی انھوں نے بعد خلیفہ ہو جانے علی مرتضیٰؑ کے اپنی اسی پوشیدہ آگ کو بھڑکایا اور وہی طریقہ اختیار کرنا چاہا کہ جو بعد وفات رسولؐ خلافت وصیت اور ہدایت رسولؐ کے اختیار کیا تھا اور اس کے شعلے جنگ جبل اور صفین اور نہروان میں بلند ہوئے۔ اب شمشیر اور حسن تدبیر علی مرتضیٰؑ نے ان تمام شراروں کو ٹھنڈا کر کے فسخ مندیان حاصل کیں ملک شام کی فتح مندی میں کچھ کسر باقی رہی تھی۔ جس کے لیے علی مرتضیٰؑ بند و بست اور انتظام کر رہے تھے اور یقین کرنا چاہیے کہ اس مرتبہ ملک شام مطیع بھی ہو جاتا لیکن ایک اتفاق ناگہانی سے قتل علی مرتضیٰؑ واقع ہو گیا یعنی مسجد کوفہ میں عین عبادت کے درمیان درجہ شہادت ملا۔

ان واقعات تاریخی پر اہل بصیرت نظر کر کے کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ علی مرتضیٰؑ کی خلافت کی ابتدا میں جو امور پیش آئے وہ باعث اس کے ہوئے کہ انکو کامیابی نہیں ہوئی نہ علی مرتضیٰؑ کو اپنی خلافت میں پوری کامیابی ہوئی اور جو شور و فتنہ خلافت میں پیش آیا اسکو انھوں نے فتنہ مندی حاصل کر کے فرو کر دیا اور آئندہ کو اپنی ہدایت سے طریق شریعت بتلویا۔ اور کوئی دانا و فاضل

اُن کے قتل ناگہانی کے سبب سے ملک شام پر فتح حاصل ہو سکتے پر جسکی نسبت ہر کسی کو یقین ہی کہ اگر علی مرتضیٰ کا وہ قتل ناگہانی پیش نہ آتا تو ملک شام قطعی فتح ہو جاتا اور اُس ملک کے باشندے اطاعت علی مرتضیٰ کی قبول کر لیتے اور بغاوت فرو ہو جاتی، یہ نہیں کہہ سکتا کہ علی مرتضیٰ کو اپنی زمانہ خلافت میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ بیجا طرہ داران حضرات خلفائے ثلاثہ گردوغبار اُڑا کر آفتاب کامیابی علی مرتضیٰ کو چھپانا چاہتے ہیں۔ اور جو جوش بیعت خلافت علی مرتضیٰ کے لیے ہوا اور وہ چمکتا ہوا نشان صداقت خلافت کا ہی جو دوسروں کے لیے وقوع میں نہیں آیا اپنی شرمندگی اُتارنے کے لیے اُس تابندہ ستارے کو دھندلا کر کے دکھاتے ہیں۔ لیکن ایسی بد نمایاں اُنکی حقیقت ظاہر ہونیکے بعد پیش نہیں جاسکتیں۔ روایات کتب شیعہ سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔ جس نوع سے مصنف مخاطب کہتے ہیں کہ جناب امیر کے زمانہ میں ظلم و جور بہت رائج تھا۔ اور جناب امیر کو امیر مقرر تھی اور اسکا تدارک نہیں کرتے تھے اور مرنے تک ان ظلموں کی وہ بھی لوگ تھے جو جناب امیر کی فوج میں شامل اور انکی شیعہ تھے وہ لوگ ناراض ہو کر جدا ہو جاتی تو جناب امیر کی خلافت چھین جاتی۔ اور بچوانہ روضہ کافی ایک خطبہ جناب امیر کی مصنف مخاطب سند لاتے ہیں کہ گرد جناب امیر ایک مجمع انکے خاص شیعوں کا تھا اسوقت جناب امیر نے بہت سے ظلموں کے ذکر کر کے یہ بھی کہا کہ اگر میں وہ جاگیریں جاری کر دوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم سے بعض قوموں کے لیے مقرر کر دی تھیں۔ مگر یہ حکم رسول جاری نہوا اور جو حکم جو کے دیے گئے ہیں۔ اگر میں اُن کو منسوخ کر دوں اور جو عورتیں ناحق بعض مردوں کے قبضہ میں ہیں اگر میں انکو نکال کر اُن کے شوہروں کے پاس پہنچا دوں



اللہ اگر مین دفتر عطایا کا محو کر دوں اور امیر طبع دیا کروں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سب کو برابر دیا کرتے تھے اور بیت المال اغنیاء کی دولت نہ بناؤں۔ اور اگر مین قرآن کے مطابق عمل کرنے کا حکم کروں تو تم مجھے جدا ہو جاؤ۔ یہ وہی مضمون ہی۔ جسکی حقیقت ہم ضمیمہ اول جلد اول رسالہ روشنی صفحہ ۷۷، ۷۸ مین پورا خطبہ نقل کر کے مفصل دکھا چکے ہیں۔

روایات کتب شیعہ سے اور نیز کتب اہل سنت سے جو امر ثابت ہو رہی وہ یہ ہے۔ کہ جس ظلم و جور کا زمانہ جناب امیر مین مصنف مخاطب ظاہر کرتے ہیں وہ مجریہ علی مرتضیٰ ۴ اور عہد علی مرتضیٰ کے نہیں تھے۔ بلکہ وہ مجریہ عہد خلافتوں سابق کے تھے اور جناب امیر ۴ کے عہد خلافت تک وہ برسرِ نہیں ہوئے تھے۔ اور ان کی خبر بے شک علی مرتضیٰ ۴ کو تھی اور ان کا بیان بے شک علی مرتضیٰ ۴ نے کیا اور وہ کتب سنی و شیعہ دونوں مین منقول ہیں۔ وہ خطبہ جناب امیر ۴ نے صرف مجمع اپنے اہلبیت اور خاص شیعوں مین نہیں فرمایا۔ بلکہ عام مجمع مین فرمایا ہے جس مجمع مین علی مرتضیٰ ۴ کے اہل بیت اور خاص شیعہ ان کے گرد ان کے تھے وہ مجمع ایسا تھا کہ جس مین وہ لوگ بھی شریک تھے کہ جو علی مرتضیٰ کو شروع سے مستحق خلافت جانتے تھے اور خلافت خلفائے ثلاثہ کو بہ طیب خاطر خلیفہ ماننے والے نہیں تھے اور وہ لوگ بھی تھے کہ جو خلافت خلفائے ثلاثہ کو بہ طیب خاطر ماننے والے تھے اور ان کے عند مین خلافت کی خلافت اور ان کے احکام اور ان کا عمل سب کچھ واجب تھا۔ یہاں تک کہ سیرت شیخین پر عمل کا عہدے کہ حضرت عثمان کو خلیفہ بنا تا اور علی کو

کے اُس وقت بھی عمل سیرت صحیحین سے انکار کر دیا تھا۔ جس کے سبب سے اُس وقت اُنکو خلافت نہیں ملی تھی۔ جن ظلموں اور جور و کمالی مرتضیٰ نے ذکر فرمایا ہے اور جنکا وجود عند خلافتوں ماضیہ میں ہوا تھا۔ اُنکے تدارک کا ضرور علی مرتضیٰ ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن ہنگامہ پردازوں اور باغیوں نے علی مرتضیٰ کو اتنی مہلت نہیں دی کہ وہ اُن ظلموں اور جور خلافت شرع کو رفع کر سکتے لیکن وہ ظلم اور جور فسق و فجور سے متعلق تھے۔ اور جو شر و فساد ابتدا سے خلافت علی مرتضیٰ میں ہنگامہ سازوں نے برپا کیے انکارِ رفع کرنا مقدم تھا جب تک سیاستِ مدن کامل طور پر قائم اور بغاوت و سرکشی فرو نہو جاوے تب تک انتظامِ مدن کے مسائل جن سے فسق و فجور رفع ہو جاسکتے ہیں۔ اور یہ امر خلافت مصلحت تھا کہ ایسے لوگوں کو جو مسلمان سلطنت کی طرف سے خلافت شرع عمل سے مستفید ہو رہے تھے اور جو شریک لشکر علی مرتضیٰ کے تھے اُن پر انتظامِ مدن کے مسائل فوراً جاری کر کے ناراضگی پھیلانی جاوے اُن لوگوں کو علائقہ دشمن بنالینا خلافت اصول سیاست کے تھا۔ خود پیغمبر نے دفعۃً قوم کی بد اخلاقیوں کو جو مخالفتِ ملتِ ابراہیم و راجح ہو گئی تھیں دفعۃً دور نہیں کیا اور مذہبِ اسلام کے کل مسائل دفعۃً بہ اندیشہ بلوہ نافذ نہیں فرمائے جن جون قوتِ اسلام کی ہوتی گئی آہستہ آہستہ بد اخلاقی کے رواج کو دور فرمانے کے لیے مصلحتِ امیر احکام نافذ فرماتے رہے اور رفتہ رفتہ اُسکی تعمیل ہوتی گئی اور بقدر وسعت تکلیف دی جاتی رہی تاکہ قوم دفعۃً گواہی کے احاطہ میں نہ گھر جاوے۔ مثلاً ممانعتِ شراب اور اصلاحِ امرِ غلامی اور فسخِ رواجِ کثرتِ ازواج اور بہت مثالیں تاریخِ اسلام میں ہیں جو

ہیں۔ یہاں تک کہ خانہ کعبہ کو ڈھاکرنا بذریعہ قرب زمانہ کفر یا شرک یا جاہلیت قوم کے اسکو اُس کی اعلیٰ ہدایت پر بنا کر شرعاً عزباد و دروای نہ قائم کر سکے اور کبھی اپنے لشکر کے فراریوں کو سزا نہ دی۔ اور جب اسے افعال ناروا متعلق امور سیاست مدن کے سرزد ہوتے تھے ہتھیار گذر فرمائی جسکی معافی کی خبرین قرآن میں موجود ہیں۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ دشمن کہیں گے کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے ۱۱ منافقون کو پہچانتے تھے جنکا حکم مثل کفار کے تھا برابر اپنے ساتھ رکھا اور نہ جہاد نہ کیا منافقون اور مؤلفۃ القلوبوں کے ساتھ وہی مراعات اور برتاؤ کرتے تھے جو سچے مسلمانوں کے ساتھ حسین یہ ہی مصلحت تھی کہ آہستہ آہستہ ایسے لوگ بکے مسلمان ہو جا دیں گے۔ مصالح وقت پر نظر رکھتا ہمیشہ حکیم دانا کا کام ہوتا ہے۔ پیغمبر کے اسے طریقہ عمل سے ہرگز کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کو اگر جد اکرو یا جاتا تو پیغمبری اور خلافت چھین جاتی ۱۲ علی مرتضیٰ ۳ اس موقع پر جس کا ذکر ان کے خطبہ میں ہے اسی طریقہ پیغمبری پر چلے ہیں جسکو اپنے فعل اور قول سے پیغمبر نے سنت بنایا تھا۔ علی مرتضیٰ ۳ ہی وہ نفس رسول ۴ تھا جو ہمیشہ قدم بہ قدم رسول ۵ کے چلا ہے۔ یہ خیال لوگوں کا بالکل غلط ہے کہ علی مرتضیٰ ۳ کو حکمت علی (پالسی) نہیں آتی تھی مگر یہ سچ ہے کہ علی مرتضیٰ ۳ حکمت علی ۶ نادر اکا نہیں نہیں کرتے تھے جس میں مکر و فریب بھرا ہوا ہوا اور جس کو نادان لوگ پیغمبر صائب سمجھتے ہیں حالانکہ تدبیر با صواب اور مکر و فریب میں وصف حمیدہ اور فعل زذیلہ کا فرق ہے جس کا امتیاز ہر کوئی معلما نہیں کر سکتا مگر امام علی ۷ علی مرتضیٰ ۳ نے جسقدر امور نادر و اکا بیان اس خطبہ میں فرمایا ہے

جو عہد خلفائے ثلاثہ میں جاری اور رائج ہوئے تھے۔ وہ امور ایسے نہیں  
ہیں کہ جو کتب شیعہ میں منقول ہوئے ہیں۔ بلکہ عینہ علی مرتضیٰ کا ایسا بیان  
زیادہ تفصیل سے خود کتب اہل سنت میں مذکور ہے۔ اور مشہور گوئیوں  
پیغمبر اور واقعات تاریخی سے اُن امور کی تصدیق بخوبی ہوتی ہے۔  
ایسی حالت میں کسی قسم کا اعتراض مصنف مخاطب کا صحت اُس بیان  
پر وار د نہیں ہو سکتا ہے۔ اور بغیر کسی کھٹکے کے اُس بیان کا قبول کرنا  
لازم ہے

مصنف مخاطب نے شاید یہ خیال کیا ہے کہ جیسے اُن کے یہاں کے روایات وضعی کو علماء شیعہ کے اعتراضوں پر علماء اہل سنت نے غلط اور مصنوعی ہونا قبول کر لیا ہے وہی صورت شیعوں کے یہاں بھی پیدا ہوگی۔ لیکن یہ خیال اُن کا غلط ہے۔ سچ کو کوئی جھوٹ نہیں بنا سکتا۔ اور جھوٹ کو سچ۔ گو تھوڑے زمانہ کے لیے کوئی جھوٹ رونق پا جاوے جب علی مرتضیٰ نے اُن جاگیروں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حکم سے بعض قوموں کے لیے مقرر کر دی تھیں اُنکو قابلِ اجرا اور احکام جو کہ قابلِ نسخ اور جو عورتیں ناحق بعض مردوں کے قبضہ میں تھیں اُن کو قابلِ جدائی کے اور دفتر عطا کیا کو قابلِ سح ورجس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو برابر دیا کرتے تھے اُسی طرح ذاد و ہش کا لازمی ہونا اور بیت المال کو اختیار کی دولت نہ بنانا اور قرآن کے مطابق عمل کرنا ظاہر فرما دیا اگرچہ باعتبار قوت حیثیت سیاست مدن کے تدارک اُن امور کا اقتت خلافت مصلحت سمجھ کر اور اسکو دوسرے وقت پر موقوف رکھا۔ تو علی مرتضیٰ بری الذمہ ہو گئے۔ لیکن جو لوگ اُن مظالم میں مبتلا تھے اور انھوں

نے ہدایت علی مرتضیٰ کے بموجب عمل نہ کیا۔ وہ خود ان مظلوموں میں گرفتار رہے۔ اس تمام حقیقت کے ظاہر ہونے سے بعد ہر کوئی اس امر کو قبول کر چکا کہ اس خطبہ میں سے کوئی امر ایسا نہیں ہے کہ جس سے صحت مضمون خطبہ پر شبہ ہو سکے۔

مصنف مخاطب نے یہاں تک جب قدر فقرات خطبہ تشقیق پر بحث کی ہے یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ثابت کر چکے کہ شیعوں نے جو خطبہ تشقیق کے ان فقرات کے معنی بتائے ہیں وہ غلط ہیں لیکن جو حقیقت ہم نے دکھائی اس سے خود غلطی مصنف مخاطب کی واضح ہے اور وہ آئندہ فقرہ تشقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اسی ترائے فہما۔ دیکھتا ہوں میں اپنی میراث کو لوٹ۔ مصنف مخاطب اس فقرہ کی مراد یوں بیان کرتے ہیں کہ ”جناب اسیرم فرماتے ہیں کہ مصیبت فراق رسول مہ بنے میری یہ حالت کر دی ہے کہ میں اپنے مال کی بھی پروا نہیں کر سکتا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا مال لٹ رہا ہے اور مجھ سے کچھ اس کا انتظام نہیں ہو سکتا پس اس حالت میں خلافت کا کیا انتظام کر سکتا ہوں۔“

مصنف مخاطب نے اس فقرہ پر اس قدر دور جا کر بحث شروع کی ہے کہ دیکھنے والے بھول سکتے ہیں کہ اس فقرے سے ماقبل کے فقرات کا کیا مضمون تھا اس لیے میں یاد دلاتا ہوں کہ علی مرتضیٰ نے اس خطبہ کو شکایت معاملہ خلافت اور اس کے متصرف سے شروع کیا ہے اور بیان فرمایا ہے کہ اس خلافت کے لباس کو پہنچلیف میں لیا گیا حالانکہ اس کا اصل مقولہ کینے کے میرا تھا۔ اور میں نے اس پر صبر کیا اور میرا حال اس وقت ایسی رہی کہ میری آنکھ میں کھٹک تھی اور میرا گلا گرفتہ ہو گیا تھا اور میں دیکھتا تھا

کہ میراث میری لٹ رہی ہے ع

مصنف مخاطب اُس اذیت کو جو علی مرتضیٰ نے بیان فرمائی ہے  
یہ ظاہر کرتے ہیں لکھوہ اذیت علی مرتضیٰ کو ختم دفات رسول م سے پہنچی  
تھی۔ لیکن ہم دکھا چکے ہیں کہ یہ حالت اذیت علی مرتضیٰ کی بے محل خلافت  
پر تصرف سے ہوئی تھی جس سے خلل ذہن میں پیدا ہوا تھا۔ بنیہ کی رفتار  
کایا اُن کی دفات سے صدمہ کا بیان اس خطبہ میں نہیں ہے بلکہ جو کچھ بیان  
ہے وہ بیان اس نتیجہ کا ہے کہ خلافت بے محل خلافت سے تشریف ہوا ہے جو کہ اور وصیت  
پر مسالہ خلافت میں عمل نہونے سے پیدا ہوا اور جس سے اختلافی دین  
میں لازم آیا۔ اس سے اس فقرے کے معنی کہ میں دیکھتا تھا اپنی میراث  
کو لٹتا ہوا اس طرح نہیں ہو سکتے جیسا کہ مصنف مخاطب بیان کرتے ہیں  
کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ مال میراث رہا ہے اور مجھ سے انتظام اُس کا کچھ  
نہیں ہو سکتا اس حالت میں خلافت کا کیا انتظام کر سکو تھا بلکہ اُسے  
صاف معنی ہی ہیں کہ خلافت بے محل منتقل ہو جانے سے علی مرتضیٰ  
کو اذیت پہنچی اور وہ دیکھتے تھے کہ خلافت میراث اُنکی لٹ رہی ہو خارج  
ابن ابی الحدید نے صاف لکھا ہے کہ میراث سے اشارہ خلافت  
سے ہے اور وہ مال مورثی ہوتا ہے۔ اور ضمیمہ شارحین نے بھی اُس کو  
منصب خلافت قرار دیا ہے۔

مصنف مخاطب فقرہ علی مرتضیٰ میں جو ذکر میراث ہے اُس میں  
یہ تجدید مراد کرنے ہیں کہ ابوطالب نے مکہ میں جو جائداد مثل مشب  
ابوطالب و چھوٹی تھی اُسکو عقیل اور طالب نے بیچ ڈالا جناب امیر  
کو اُس میں سے کچھ نہ ملا۔ اس ایجاد طبع مصنف مخاطب کی وہی مثال ہے

کہ جیسا کسی ایرانی نے مثلاً کسی موقع پر کہا ہے اگرچہ خشک باہر روزہ گندہ  
مزرہ ندارد دگر ایچا د بندہ ۔

صفت مخاطب نے اس موقع پر کلام علی مرتضیٰ م کی مراد ظاہر کرنے  
میں بالکل اظہار سے کام لیا ہے ۔ حضرت ابو طالب م کے صرف تین  
بیٹے تھے جعفر عجو بعد شہادت بہ لقب طیار مشہور ہوئے اور عقیل م اور  
علی م ۔ حضرت ابو طالب م کے کوئی بیٹا مسیحی بہ طالب نہیں تھا معنی صفت  
مخاطب نے یہ خیال کیا کہ حضرت ابو طالب م کی جو کنیت ابو طالب م  
ہے کوئی بیٹا انکا طالب بھی ہو گا حالانکہ کسی کتاب میں کسی روایت معتبر  
سے یہ نہیں پایا جاتا ہے کہ کوئی بیٹا من کا طالب تھا ۔ اور نہ کہ انکے  
بیٹے طالب کا کہیں تاریخ اسلام میں ذکر ہے ۔ اور نہ کہیں تاریخ  
اسلام میں طالب کی سلسلہ اولاد کا مذکور ہوا ہے ۔ جیسا کہ جعفر م اور  
عقیل م اور علی م کا سلسلہ اولاد کتب تصانیف اہل اسلام میں موجود ہے ۔  
حضرت ابو طالب م کی کنیت جو ابو طالب م مشہور ہے عرب میں یہ رسم تھا  
کہ بعض خاص لوگوں کی کنیت قبل اسکے کہ کچھ انکی اولاد ہو چکے بن سے  
قرار دے لی جاتی تھی ۔ اور بعض کے باپ کے نام سے قرار پاتی تھی  
جیسے ابن فلان ۔ اور بعض کی بغیر نام فرزند باپ کے کسی اور بنا پر کنیت  
لوگ رکھ دیتے تھے جیسے ابو حنیفہ ۔

حضرت ابو طالب م کی کنیت ان کے زمانہ کا بتدیسے پیدائش میں  
قرار دی گئی ہے چنانچہ حضرت ابو طالب م کے نام کی جہان تحقیق کی گئی ہو  
کہ انکا کیا نام تھا وہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ انکی کنیت ہی انکا نام تھا اور  
سلسلہ اطالاب فی انساب آل ابی طالب م مطبع جعفری کھٹو صفحہ ۵

اگرچہ ان کے اور نام بھی مروی ہوئے ہیں لیکن کسی ایک شخص کے متعدد نام رکھے جانے یا کسی کے متعدد ناموں سے خاص خاص موقعوں پر پکارتے جانے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ انکا کوئی دوسرا نام سوائے کسی ایک نام کے نہ ہو۔ ایسا ہوتا تھا کہ ایک نام باپ رکھتا تھا ایک نام ماں رکھتی تھی ایک نام کوئی اور عزیز۔ اسکی بہت مثالیں موجود ہیں۔ جب حضرت ابوطالبؑ کے کسی بیٹے کو ایک وجود نہیں تو استدلال میں اس بات کے ظاہر کرنے کی کہ عقیلؑ ابوطالبؑ کی تمام جائداد کو بیچ ڈالا اہل نظر غور کریں کہ کیا وقعت ہو سکتی ہے کہ حضرت عبدالمطلبؑ امیر قریش تھے جنکے بیٹے حضرت عبد اللہؑ پدر پیغمبرؐ اور حضرت ابوطالبؑ پدر علی مرتضیٰؑ بطن فاطمہ بنت عمر دینؑ سے تھے جن فاطمہ کا نسب اوپر اسی خاندان حضرت ہاشم سے ملتا ہے بعد حضرت عبدالمطلب کے حضرت ابوطالبؑ امیر قریش ہوئے۔ اور بعد حضرت ابوطالبؑ کے وہی امارت بذریعہ قرابت اور میراث کے حضرت محمدؐ کی طرف منتقل ہوئی اور اسی امارت کے ساتھ امارتیں شیوخ طوائف عرب منظم ہو گئیں جسکا نام خلافت رکھا گیا۔ حضرت عبدالمطلبؑ و حضرت عبد اللہؑ اور حضرت ابوطالبؑ اور حضرت محمدؑ اور حضرت جعفرؑ اور حضرت عقیلؑ و حضرت علی مرتضیٰؑ کی سکونت مکہ میں اس شان سے رہی جب تک کہ یہی۔ کہ انکے مکانات میں کوئی ایسی جدائی و علحدگی نہیں تھی کہ ایک دوسرے مکانوں سے فاصلہ پر ہوں چنانچہ پہلے وہ مکانات شعب بنی ہاشم کے نام سے مشہور تھے اور اہل سیر نے لکھا ہے کہ پیغمبرؐ مکہ میں ایک گھر طائفہ شعب بنی ہاشم میں پیدا ہوئے اور سوائے حق امارت کے جو اہل فرقت کو حاصل ہوتا ہے (خواہ وہ حضرت عبدالمطلبؑ ہوں خواہ حضرت ابوطالبؑ



گرمین کچہر جگہ خاص میں امیر اور اُنکے اولاد سکونت رکھتی تھی۔ مگر یہ جگہ سکونت  
 اُسی زمانہ میں کوئی عمارت عالیشان نہیں رکھتی تھی جبکہ بعد وفات پیغمبر  
 جب سلطنت دوسرے خاندانوں میں گئی۔ اور بالخصوص عند حضرت عثمان  
 خلیفہ سوم میں محلات عائشہ و فاطمہ تیار کر کے پادشاہت کی شان دکھائی گئی  
 اور خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے زمانے کی عمارتیں پادشاہی یادگار زمانہ  
 رہیں بہر حال وہ جگہ سکونت عبدالمطلب اور ابوطالب کی جیسے تھی اُس کا  
 نشان اب تک دیا جاتا ہے کہ یہاں بود و باش رکھتے تھے اور اہل مکہ بتاتے  
 ہیں پیغمبر اس جگہ پیدا ہوئے تھے۔ جس سے اس کا اندازہ اب بھی ہو جاتا  
 ہے کہ اُس جگہ کس قیمت اور مالیت کے مکان اُس زمانے کی درسم کے  
 بموجب ہو سکتے ہیں۔

مصنف مخاطب نے بہتات کے طور پر ابوطالب م کی جائداد کو  
 ظاہر کیا ہے کہ میراث سے وہ جائداد مراد ہے جو ابوطالب نے مکہ  
 میں چھوڑی تھی جیسے شعب ابی طالب م وغیرہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے  
 کہ حضرت ابوطالب م کی بہت سی جائدادیں تھیں اور سچلہ اُن کے ایک  
 شعب ابی طالب م بھی تھا۔ حالانکہ سچلے حق امارت مکہ اور قوم قریش کی  
 جسکی رو سے امیر مکہ اور قریش کو حق تصرف تھا۔ جس زمین پر چاہتے اپنی  
 ذات کے لیے تصرف کرے۔ لیکن چاہے سکونت بجز شعب ابی طالب  
 کے اور کوئی مکان نہیں تھا اور نہ ذاتی تصرفات کے لیے کوئی اور جائداد  
 تھی۔ اور چاہے سکونت یا مکان سکونت۔ اور شعب ابوطالب ایک چیز  
 تھی۔ کتاب لغت مجمع البحرین میں لکھا ہے کہ شعب ابی طالب م مکہ میں تھا  
 اور وہ مکان مولد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ چنانچہ اسد بھی

اسی مقام کو اہل مکہ نشان مولد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیتے ہیں۔  
 پس اسی جگہ مکان ! مقام سکونت حضرت ابوطالب م اور حضرت عبداللہ  
 ہوتا تھا۔ نسب ابی طالب در حقیقت یہ کہ اس سبب سے مشہور ہوا کہ  
 نسب لغت میں قبیلہ کو کہتے ہیں کہ جو بزرگ ہو اور پھر اس سے کچھ حصہ  
 جدا ہو اور پھر کچھ زندگی بسر کرنے والوں کو پھر بطن کو پھر ران کو پھر ٹکڑاؤں  
 اور درز کو بٹا جس سے خاص نسل اور شاخ متعصبہ ہے۔ جب کفار قریش  
 نے حضرت محمد کو اذیت پہنچانا شروع کیا اور نیکے قتل پر تیار ہوئے  
 تب حضرت ابوطالب م نے اسی مکان سکونت کے حصہ میں حضرت محمد  
 اور اپنے خاندان کو محفوظ رکھنے کے لیے رکھا اور اسی جگہ شعب اپنے  
 خاندان ابوطالب م محصور ہو گیا تھا۔ اور کفار نے نبی ہاشم سے خرید و فروخت  
 و سناکت کی ممانعت کر دی تھی۔ یہ وہی حصہ ہے کہ جب کفار قریش سنت  
 اذیت پیشہ ہر خدا کو پہنچانے لگے اور ان کے قتل پر آمادہ ہو گئے تھے۔  
 اور حضرت ابوطالب م نے اپنے شعب یعنی کنبہ کی حفاظت اسی جگہ پر  
 کی تھی اس لیے یہ مکان اور مقام شعب ابی طالب م کے نام سے مشہور  
 اور معروف ہو گیا اور یہ ایک معمولی بات ہے کہ کسی خاص واقعہ اور وجہ کے  
 باعث کوئی مکان اور مقام معروف اور مشہور ہو جاتا ہے۔ پس شعب ابی طالب  
 کے یہ معنی ہیں کہ وہ ابوطالب م کے کنبہ کے محصور ہو کر رہنے کی جگہ  
 مکان ہے۔ وہ کوئی جائے سکونت قدیم سے پہلے چھپنیں تھی۔ بعد  
 وفات حضرت ابوطالب م کے جبقرین ابوطالب م ہجرت اولیٰ میں حبشہ  
 کو سردار ہاجرین ہو کر چلے گئے اور پھر حضرت پیغمبر م اور علی مرتضیٰ م نے  
 بھی ہجرت کر کے مدینہ میں توطن اختیار کیا مگر اہل مدینہ متفق ہیں کہ پیغمبر نے

اُس گھر کو جس میں وہ پیدا ہوئے تھے اور جو بذریعہ ارث کے انھیں پہنچا وہ عقیل بن ابی طالب ؑ کو بخشہ یا اور فرزند ان عقیل نے بعد وفات اپنے باپ کے اُس گھر کو محمد بن یوسف کے ہاتھ کہ بھائی حجاج یوسف ثقفی کا ہے بیچ ڈالا اور اُس نے خانہ مولد آن جناب کو داخل قہر اپنے کے کر لیا۔ جب دولت بنی امیہ کی گذر گئی تو مادر ہارون الرشید طواف بیت اسد کے لیے آئیں اور اُس گھر کو اُس قہر سے جدا کر کے ایک مسجد بنوادی (دیکھو تاریخ خیس جلد اول ص ۱۹۸) چاپ معرور و ضمتہ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۶۳ چاپ بیبی (۱۹۸۸) مکان اور جائے سکونت پیغمبر کا تاریخ اسلام میں پتہ چلتا ہے کہ وہ عقیل کو بخش گئے تھے لیکن ابوطالب ؑ اور حضرت جعفر ؑ اور علی نقی ؑ کے مکان سکونت کا خاصہ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ حق اٹھا کیا ہوا اور کمان گیا۔ تاریخ مکہ تالیف ابی الولید محمد بن عبد اسد بن احمد ازرقی چاپ لندن صفحہ ۴۲۶ میں یہ مذکور ہے کہ محب عبد المطلب بصرہ کو گئے ہیں تب اپنی حیات میں اپنے حق کو درمیان اپنی اولاد کے تقسیم کر گئے۔ اور ان کے حوالہ دیا اور اسید طرح نبی صلعم کو حق اپنے باپ عبد اسد کا ملا لیکن اس تقسیم میں تشریح نہیں ہے کہ حضرت ابوطالب کو جدا اور حضرت محمد کو جدا حق دیے۔ البتہ وہ تقسیم میان دوسری اولاد حضرت عبد المطلب کے تھی حضرت عبد اسد اور حضرت ابوطالب ایک طبقہ سے تھے اس لیے ان کے حقوق میں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد المطلب نے کوئی جدائی نہیں کی اور بعد حضرت عبد المطلب کی امیر مکہ اور قریش کی حضرت ابوطالب ہوئے اس لیے کل مکاتنا خاصہ خانہ پر اُن کی حفاظت و وقار بضمتہ ہی۔ جب حضرت ابوطالب کا انتقال ہوا تو راج خانہ کے بموجب حضرت محمد امیر قریش مکہ قرار پائے اور اُس اتار کے سبب کل مکاتنا شریک حق مقصد اختیار حضرت محمد کو رہا۔ اور اسی منصب امارت کے سبب پیغمبر نے کل وہ مکاتنا حضرت ابوطالب

کے قبضہ میں تھے عقیل کو بخش دیے ہیں۔ اور اسی وجہ سے کسی خاص حق حضرت جعفر اور علی مرتضیٰ کا تاریخ اسلام میں گن گن کر لیا گیا ہو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جعفر اور علی کا مکان سکونت کہ کو ترک کر دیا۔ اور حضرت عقیل کہ عین اسی مکان اور جاے سکونت قدیم میں سکونت گوین رہے۔ اور جب کوئی اپنا حق ترک کر دیتا ہے اور اپنے خاندان کے باقی ماندہ کے قبضہ میں دیدیتا ہے تو اسی باقی ماندہ کو حق قبضہ اُس حق متروکہ پر ہو جاتا ہے۔ یہ وہی مسئلہ ابراہیم ہے۔ بوقت ذہب اسلام میں یہ قرا اور سلم رہا ہے۔ حضرت محمد کا مکانات متبوعہ حضرت ابوطالب م عقیل کو بخش گئے تھے خواہ وقت ہجرت کے حضرت جعفر اور علی مرتضیٰ اپنا حق سکونت ذاتی اُس مکان اور مقام کہ سے ترک کر کے عقیل بن ابی طالب م کو دے گئے تھے۔ لیکن اسی زمانہ ہجرت میں حضرت محمد م بجائے حضرت ابوطالب م کے امیر کہ اور قریش کے تھے اُس امارت کو حضرت محمد نے ترک نہیں کیا تھا اور تبدیل مقام سے ترک حق امارت لازم آتا ہے۔ امیر کو اختیار ہوتا ہے کہ بنظر امت وقت اور ضرورت زمانہ کے دارالامارت جہاں چاہے قرار دے۔ حضرت محمد نے جس وقت کہ ہجرت فرمائی ہے اُس وقت وہ ایسی حالت سے نہیں نکلے ہیں کہ صرف امیر کہ اور قریش کے تھے بلکہ وہ اُس ارادہ اور خیال سے کہ ساتھ لیکر نکلے ہیں کہ تبلیغ رسالت اور اجراء ذہب اسلام کو تمام اور کامل کریں جس کا نتیجہ لازمی وسعت اُسی امارت کہ اور قریش کا تھا اور جس کے سبب سے وہ دوسرے موقعوں اور ملکوں کے بادشاہ اور خلیفہ ہو جاویں۔ چنانچہ حضرت محمد جب ہجرت فرج کہ کے کہ میں داخل ہوئے ہیں تو انکی یہ بھی شان تھی کہ وہ رسول م

اور خلیفۃ اللہ - اور تمام روئے زمین کی بادشاہت کا حق رکھنے والے تھے  
 اسی کے ساتھ یہ امر بھی یقینی پیدا ہوتا ہے کہ جس وراثت اور مراعات خاندانی  
 کی وجہ سے حضرت محمد امیر مکہ اور قریش کے مسلم ہوئے تھے اور جس  
 امارت کے ساتھ دوسری قوموں اور ملک کی امیری اور خلافت منظم ہو گئی  
 تھی - بعد وفات حضرت محمد کے سوائے علی مرتضیٰ کے اس امارت  
 اور خلافت کا جو حضرت محمد کے قبضہ میں تھی اور کوئی قابلیت نہ تھا  
 بذریعہ وراثت اور قربت کے نہیں رکھتا تھا اور علی مرتضیٰ کی ہی وہ  
 امارت اور خلافت میراث تھی جو غیر مستحقین نے یکے بعد دیگرے لوٹ لی -  
 اب اہل نظر غور سے دیکھیں کہ علی مرتضیٰ نے جو بعد وفات پیغمبر  
 خطبہ شمشیقہ میں فرمایا ہے کہ میں دیکھتا تھا اپنی میراث کی لوٹ ملو  
 اس مکان اور حق سکونت سے مراد ہو سکتی ہے جو حضرت ابوطالب نے  
 مکہ میں چھوڑی تھی - اور حضرت محمد یا علی مرتضیٰ نے وقت ہجرت  
 مکہ سے اسکو قبضہ عقیل بن ابی طالب میں چھوڑ دیا تھا - یا اس خلافت  
 اور امارت سے مراد ہو سکتی ہے جو حضرت محمد نے بعد وفات اپنے چھوٹے  
 تھا اور جبکو انھوں نے بعد حضرت ابوطالب کے امارت مکہ اور قریش پر  
 وسعت دی تھی - اور جو غیر مستحقین کے قبضہ میں بے محل چلی گئی تھی ۱  
 علی مرتضیٰ کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا کہ وہ ایک بے حقیقت  
 ایسی بے سود حق سکونت مکہ کو جس کو خود حضرت محمد یا علی مرتضیٰ کے  
 عقیل اپنے بہائی کے قبضہ میں دے آئے تھے اسکی شکایت بعد وفات  
 رسول م جمع امت رسول م میں کریں - اسوقت جبکہ معاملہ خلافت کا  
 ذکر کرتے ہوں - انکو جو کچھ شکایت ہو سکتی تھی وہ امر امارت اور خلافت

کے متعلق ہو سکتی تھی جو ہم تمام بالشان تھی اور جس میں وہ بوجہ قربت اور وراثت کے حق رکھتے تھے اور جس کے بے محل منتقل ہو جانے سے سخت اندیشہ خرابی دین اسلام کا تھا اور جس حق کو انھوں نے سنا عدا کبھی ترک نہیں کیا تھا۔

عقیل بن ابی طالب م م اُس مکان اور مقام پر جو مکہ میں تھا اور جبکہ حضرت محمد م اور علی مرتضیٰ م نے قبضہ عقیل بن ابی طالب م میں چھوڑ دیا تھا اُس وقت تک قابض رہے جبکہ وہ کفار مکہ کے ساتھ ہو کر جنگ بدر میں آئے اور گرفتار ہونے کے بعد اسلام قبول کیا۔

اب ہم کو مصنف مخاطب کے ہم خیال یہ بتائیں کہ حضرت عقیل نے جائداد مکہ کو اپنے مسلمان بھائی سے پہلے اور جنگ بدر میں آنے سے قبل بیچ ڈالا تھا یا اُس کے بعد جبکہ وہ مدینہ میں رہ پڑے۔ اگر وہ بعد بیچ ڈالنے جائداد کے مکہ سے آئے اور اس وقت علی مرتضیٰ م نے اُسے مواخذہ کیوں نہیں کیا اور اُسی وقت کیوں نہیں فرمایا کہ میں اپنی میراث لٹتی ہوئی دیکھ رہا ہوں۔ اس وقت عقیل سے مواخذہ نہ کرنا یا میراث کے لٹ جانے کا ذکر نہ کرنا صریح اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ عقیل نے کوئی بیجا تصرف جائداد حضرت ابوطالب م پر اس وقت تک نہیں کیا تھا اور جو کچھ تصرف عقیل کا اُس جائداد پر تھا وہ خلاف مرضی علی مرتضیٰ م کے نہیں تھا۔ جب عقیل جنگ بدر میں گرفتار ہونے کے بعد مسلمان ہو کر مدینہ میں سکونت گزین ہوئے تو پھر اُنکو مکہ والی جائداد پر خلاف مرضی علی مرتضیٰ م کے بیچ ڈالنے یا تصرف بیجا کرنے کا موقع ہی نہیں ہو سکتا۔ ان تمام امور پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ بعد وفات رسول م جبکہ خلافت اور سلطنت بے محل

غیر مستحقین کے قبضہ میں چلی گئی یہ فرمانا علی مرتضیٰ ؑ کا خطبہ ششقیہ میں (جبکہ وہ امر خلافت کے متعلق ذکر کر رہے ہیں کہ کس نے اُنکا پرین تکلف بہن لیا) میں دیکھ رہا ہوں کہ میری میراث لٹ رہی ہے یہ خلافت اور سلطنت کی نسبت ہو سکتا ہے۔ جائداد مکہ والی کی نسبت جو تصرف میں عقیل ابن ابی طالب ؑ کے آئی تھی کسی طرح مراد نہیں ہو سکتی۔

علمائے شیعہ اس فقرہ علی مرتضیٰ ؑ کی میں دیکھ رہا ہوں اپنی میراث کی نوٹ یہ تفسیر میں ہرگز مذہب نہیں ہوئے ہیں۔ علمائے شیعہ میں ہر زمانہ میں اجتہاد تازہ رہتا ہے ایک عالم دوسرے کی تقلید نہیں کرتا ہی گوا اپنے اپنے اجتہاد میں توافق ہو جائے۔

اس فقرہ علی مرتضیٰ ؑ کی شرح میں علمائے شیعہ نے برابر لکھا ہے کہ مراد میراث کے لٹنے سے منصب خلافت ہے۔ اور لفظ ارث صادق آتا ہے جیسے کہ صادق آیا ہے اس قول خدا تعالیٰ میں جہان نکایت زکریا ؑ کی بیان کی گئی ہے یوسفی ویدت من آل یعقوب ؑ کہ میراث پاوے میری اور میراث پاوے آل یعقوب ؑ کی۔ اور جس میں مراد میراث علمی اور منصب کی نبوت میں ہے۔ ایسے ہی ارشاد علی مرتضیٰ ؑ میں میراث سے مراد منصب خلافت اور نیابت رسول م پر صادق آتی ہے۔

بعض علمائے پیشک یہ بھی زیادہ کیا ہے کہ میراث سے وہ چیز مراد ہے کہ جو پیغمبر نے اپنے پیچھے اپنی اولاد کے لیے چھوڑا ہے جیسے کہ فذک اور میراث اس پر اس لیے صادق آتی ہے کہ مال زوجہ کا حکم مال شوہر میں ہوتا ہے اور فخارت سے اشارہ ہے طرف منع خلفائے ثلاثہ کے یہ

سلاہ شارح میم و ترجمہ ملا فتح اللہ۔

<http://fb.com/ranajabirabbas>



کو زبور میں بتا چکا ہے۔ جس کی خبر قرآن میں دیتا ہے ۲۲ پارہ ۵-۷-۱ سورہ انبیاء رکوع ۷۔ لقد کتبنا فی الزبور من بعد الذل ذکر ان الارض یرثها عبادى الصالحون۔ ان فی ہذا البلاء لقوم عابدين ہر آئینہ لکھ دیا ہم نے زبور میں بعد ذکر کے یہ کہ بیشک زمین میراث پاتے ہیں میرے بندہ صالح۔ بے شک اس میں پہنچتا ہے واسطے گروہ عبادت کرنے والوں کے ۳۳ ہس کی صاف مراد یہ ہے کہ خدا کے بندہ صالح زمین کے وارث ہوتے ہیں اور زمین کے وارث ہونے سے یہ مراد ہے کہ زمین پر جو کچھ مخلوق ہے۔ اور جو کچھ اُس سے تمتع ہو گا ہی اُس کے انتظام کے اور جو کچھ زمین پر فساد ہو اُسکی اصلاح کے مستحق ہیں مگر وہی لوگ جو خدا کے بندہ صالح ہیں اور یہ انتظام اور اصلاح اُسی گروہ کو پہنچنے کے قابل قرار پایا ہے۔ جو خدا کی عبادت کرنے والا ہو ہی انتظام اور اصلاح زمین کی درحقیقت حق خلافت ہے لیکن یہ حق خلافت اُس طور سے نہیں پہنچتا ہے جس طور سے کہ مال کسی ایک انسان کا قریب کسی جزو بدن کو پہنچتا ہے۔ بلکہ حق خلافت ایک بندہ صالح اور عابد کے بعد دوسرے بندہ صالح اور عابد کو پہنچتا ہے اور اُسی حق کے پہنچنے کو میراث کہتے ہیں۔ جیسا کہ آیت قرآنی سے ظاہر ہے۔ پیغمبر خدا صلی علیہ وآلہ وسلم بجانب خدا خلیفہ فی الارض تھے تبلیغ رسالت کے لیے اور اصلاح انسان و ہر ملک کے لیے کہ جو بادشاہ دو عالم اور سرور کائنات تھے اور اسی قاعدہ کی بموجب بعد حضرت ابوطالب ؑ کے منصب بارات اور قوم قریش اُگلو ملی تھی اور اسی قاعدہ کے بموجب جو اُن کے خاندانین چلا آتا تھا وہ امیر مکہ اور قوم قریش کے سمجھے گئے تھے اور اصل و امجدیم

پر قائم ہوئے اور وہ اصل اور امر قدیم اول سے اُن دوسروں کو پہنچا اور اسی قاعدہ کے بموجب وہ وارث فی الارض ہوئے تھے بعد اُنکے وہ وہ خلافت خواہ بحیثیت نیابت رسول م کے ہو خواہ بحیثیت امارت و سلطنت کے ہو میراث اُسی شخص کی ہو سکتی ہے کہ جو صالح اور گروہ عابد و نسی ہو۔ علی مرتضیٰ ع میں وہ تمام اوصاف معنوی و مشقوی بدرجہ اکمل موجود تھے۔ جس کی رو سے وہ مستحق منصب خلافت کے تھے اور وہ خلافت بعد رسول م کے انہیں کی میراث تھی۔ اُن تمام اوصاف کو ہم جابجا ظاہر کرتے چلے آئے ہیں جنکے اعادہ کی اسوقت ضرورت نہیں ہے۔ صرف اس موقع پر اسقدر کہنا کافی ہے کہ خدا نے قرآن میں اُن کو صالح المؤمنین کے لقب سے بکارا ہے۔ اور ایک سے زیادہ مقام پر اُن کو رُوح و سجدہ کرنے والوں میں یاد کیا ہے اور اُن کے ابتغام رضات اللہ کو قبول فرمایا ہے۔ جس کا مشہور ذکر آیت قرآنی میں ہے۔ یہ امر کہ خلافت ایک حق ہے اور ایسی چیز ہے کہ میراث کا لفظ اُس پر صادق آتا ہے۔ اور جناب امیر م رسول م کے وارث تھے جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ صریح قرآن میں موجود ہے اور جو مسئلہ کہ قرآن میں موجود ہو وہ شرعی ہے۔ مصنف مخاطب کے مؤید جو کوئی ہوں وہ دیکھ لیں کہ قرآن سے خلافت پر میراث کا لفظ صادق ہے یا نہیں؟ اور خلافت کوئی ایسی چیز ہے یا نہیں جس میں اُسی قاعدہ کے بموجب جو قرآن میں بتایا گیا ہے۔ یعنی صالحین کا وارث ارض ہونا اور گروہ عابدین کو اُس کا پہنچنا میراث جاری ہوتی ہے یا نہیں اور جناب امیر م رسول کے وارث تھے یا نہیں وہ جبکہ ان خلافت کی میراث کا اصل و اصل کے بعد دوسرا صالح وارث ہوگا۔

اب میں عام اصول میراث بھی کہ لکھنؤ کی میراث پہونچتی ہو اور کس چیز میں میراث ہوتی ہے۔ دکھانا چاہتا ہوں جس نظر سے کہ مصنف مخاطب اعتراض کرتے ہیں کہ خلافت کوئی مال نہیں تھا۔ جس میں میراث جاری ہو نہ جناب امیر بشارت رسولؐ کے وارث تھے۔ عام حقوق اور مال اور عام لوگوں کے لیے اصول اور مقدار حصہ خدا قرآن میں یوں فرماتا ہے۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُنَّ ۚ وَأَكْثَرُ كُفْيًا مَّفْرُوضًا۔ واسطے مردوں کے ہر کوئی حصہ اُس چیز سے جو چھوڑیں والدین اور قریب تر۔ اور واسطے عورتوں کے ہر کوئی حصہ اُس چیز سے کہ چھوڑیں والدین اور نزدیک تر۔ تھوڑا ہو اُسے یا بہت حصہ فرض کیا گیا ہے۔ اس اصول پہونچنے میراث کے بیان کے بعد خدا تعین حصہ کا اس طرح حکم دیتا ہے۔ یوصیکو اللہ فی اولادکم۔ الی اخر ذلک ہند کرتا ہے تمکو اللہ تمہاری اولاد میں کہ واسطے مذکور کے ہر مثل حصہ دو نمونہ کی پس اگر ہوں عورتیں دو سے اوپر پس واسطے اُس کے ہے دو تہائی جو کچھ کہ چھوڑا ہو اور اگر ہو ایک پس واسطے اُسکی آدھا ہو اور واسطے باپ اُس کے ہر ایک کے لیے اُن دونوں میں سے چھٹا ہے جو کچھ کہ چھوڑا ہو اگر ہو اُس کے واسطے فرزند۔ اور اگر نہ ہو اُس کے واسطے فرزند اور میراث باوین اُس کے مان باپ اُس کے پس واسطے مان اُسکی کے تہائی ہے۔ پس اگر ہوں واسطے اُس کے بھائی۔ پس واسطے مان اُس کی کے چھٹا ہے۔ بعد ایسی وصیت کے کہ وصیت کرتے ہیں اُس کی یا کوئی دین ہو۔ اس کے بعد زوج اور زوجہ کا حصہ اور میراث

جولائی ۱۹۳۲ء

۱۹۳۲

کالہ کر کیا ہے۔ جس کی تفصیل کے لکھنے کی اس موقع پر جو ضرورت  
 نہیں ہے۔

اگرچہ حق خلافت کے متعلق مسئلہ میراث خاص قرآن میں بتایا  
 گیا ہے اور جب خاص مسئلہ بیان ہو تو عام مسئلہ سے استثناء لازم آجکا  
 لیکن اگر مسئلہ میراث حق خلافت عام مسئلہ میراث سے مستثنی نہ سمجھا جاوے  
 تو اس عام مسئلہ میراث میں حضرت محمدؐ داخل سمجھے جا رہے گے اس لیے  
 کہ وہ اس مسئلہ کے پانچوں میں مستثنی نہیں کیے گئے اور ان لوگوں میں  
 شامل رہیں گے جنکی میراث کے لیے بیان ہے یعنی والدان اور اقربان  
 میں اور ضمیر جو جیسا کہ ہمیں اور ہمیشہ نبی مہمان احکام شہد آں میں  
 شامل سمجھا جاتا ہے جو مومنین اور مسلمانوں کے لیے مائل ہوئے ہیں  
 سوا اس کے کہ جو احکام خاص بنی کے لیے صادر ہو کر اپنی تمام احکام  
 سے مستثنی کیا گیا ہو۔ پس عام مسئلہ میراث میں بنی اور حق خلافت شامل  
 سمجھا جاوے گا۔ کہ اس عام مسئلہ میراث میں یہ بیان ہے۔ کہ جو کچھ ہو رہا  
 والدین اور نزدیک تر لوگ اُس میں میراث ہو چکی گی۔ اور یہ امر ظاہر ہے  
 کہ خلافت فی الارض جسکو سلطنت اور بادشاہت شامل ہے ایک حق  
 ہے پس حق خلافت ایک ایسی دولت ہے (بادشاہت کو عرف عام  
 میں دولت کہتے ہیں) جس میں میراث جاری ہوگی۔ اور برابر بادشاہت  
 میں فرزند اور قرابت دار کا ہر لچہ ارش کے لحاظ رہتا ہے گو ان میں  
 میں دوسرے مسئلہ متعلق امر خلافت پر لحاظ کیا جاتا ہے۔ بعد وفات  
 کے حضرت محمدؐ نے جو خلافت فی الارض چھوڑی وہ بموجب بیان قرآنی  
 کے ایسی تھی کہ جس میں میراث جاری ہو۔ اور اُس کا حق میراث حضرت

فاطمہ زہراؓ کو بنت ہونے کی وجہ سے اور حضرت فاطمہؓ کے سوا باقی  
چیز و بدن ہونے کے کوئی اور ایسا نہیں تھا کہ جس کے حضرت محمدؐ قریب  
ہوں اس سبب سے کل حق خلافت میراث حضرت فاطمہؓ کا تھا۔ نتیجہ  
اسلام پر نظر آئے سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ عصبہ کے حقدار ہونے کا  
مسئلہ زمانہ خلافت خلفائے بنی عباس میں پیدا کیا گیا ہے تاکہ حضرت  
عباس چچا حضرت محمدؐ کے ورید سے خلفائے بنی عباس کا خلافت  
میں حق شرعی قائم ہو جاوے۔ ورنہ قرآن کے بموجب جبکہ متوفی کے  
فرزند یعنی پسر یا دختر موجود ہو عصبیت کا کوئی حق نہیں ہے نہ ان کا جبکہ فرزند  
موجود ہو کوئی حصہ نہیں کیا گیا ہے اور اسی وجہ سے عصبیت کا حق جبکہ متوفی  
کے فرزند ہو پسر یا دختر قرار دینا خلافت قرآن سے۔ اور نہ متوفی کے  
فرزند ہونے کی حالت میں پسر یا دختر محمدؐ رسولؐ سے لیکر شروع زمانہ  
خلافت بنی عباس تک خود اہلسنت کے بیان کسی روایت صحیح کی کو سے  
کوئی نظیر ایسی ملتی ہے کہ عصبیت کو حق و حصہ ملا ہو۔ اور ائمہ اہلبیتؑ برابر  
یہ مسئلہ ارشاد فرماتے رہے ہیں کہ بحالت موجود ہونے و حق کے عصبہ  
کو کچھ حصہ نہیں مل سکتا۔

علامہ اہل سنت محمدؐ خلافت بنی عباس میں خلافت قرآن مسئلہ  
حق عصوبت قرار دینے میں سخت دشواری میں مبتلا ہوئے ہیں کہ حق عصوبت  
کس درجہ اور کس پشت تک قرار دیا جاوے۔ جبکہ بظاہر ایسے لوگ نہوں  
کہ جکا علم ہو کہ وہ کس متوفی کے عصبہ ہیں۔ تو تمام مسلمان عصبہ ہو سکتے  
ہیں ہر گاہ کہ اوپر کو سلسلہ حضرت آدمؑ تک پہنچایا جاوے اور اسی دشواری  
نے اس قدر تک پشتون میں حق عصوبت قرار دلوایا کہ اہل خلیفہ بنی عباس

سے حضرت عباس چچا حضرت محمد تک جس قدر پشتین گذرین تھیں۔ اور جس کا حق قرار دینے کے لیے مسئلہ حق عصوبت ایجاد کیا گیا تھا۔

ہر حال عصبات کے حقدار ہونے میں اختلاف ہے اور حضرت فاطمہ کے حقدار میراث ہونے میں اپنے باپ کے مسئلہ عامہ میراث کی رو سے کچھ اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اور اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت فاطمہ زوجہ علی مرتضیٰ عتقین۔ اور حضانت زوجہ کی فخر پر لازم ہے اس لیے حضرت فاطمہ علی مرتضیٰ کی حضانت میں تھیں اور حسین علیہا السلام فرزند فاطمہ اور ابنائے رسول اللہ جو بعد حضرت فاطمہ کے میراث ام و جد بانیوں لے تھے صغیر تھے کہ جو قطعی زیر حفاظت علی مرتضیٰ کے تھے اور علی مرتضیٰ ان کے دکی تھے۔ اور اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت محمد نے علی مرتضیٰ کو وصی مقرر کیا تھا اور وہ وصایت کم سے کم حفاظت حضرت فاطمہ اور حسین اور ان کے حقوق کے لیے تھی کہ جو آنکد پیغمبر کی طرف سے اور بعد پیغمبر بذریعہ میراث کے پہونچتی تھی اور پہونچنے والی تھی۔ قرآن میں مسئلہ میراث کے تھنا بتایا گیا ہے کہ وصیتہ اور دین میراث کے جاری ہونے پر مقدم ہے اور اس بنا پر علی مرتضیٰ کو استحقاق قبضہ کا بذریعہ وصیت کے بجائے فاطمہ اور حسین و ورثائے حضرت محمد کے ہر قسم کی میراث حضرت محمد پر حاصل تھا اور بذریعہ وصیت کے علی مرتضیٰ قائم مقام ورثا حضرت محمد بلکہ مقدم ورثا سے تھے۔

۱۰۔ خمس اور دیگر جہاد سے مثل فذک کے مراد ہے۔ اڈیٹر۔

حق خلافت سے مراد ہے۔ اڈیٹر۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ خلافت پر درحقیقت میراث کا لفظ صادق آتا ہے اور خلافت ایسا حق ہے جو قابل اجرا ہے میراث ہے۔ اور جناب امیر مشرع رسول م کے وارث نامعنا بلکہ بوجہ وصیت کے مستحق قبضہ وارث سے مقدم تھے۔

مصنف مخاطب اس محبت سے کہ خلافت پر میراث کا لفظ صادق نہیں آتا اور خلافت کوئی مال قابل اجرا ہے میراث نہ تھا اور نہ جناب امیر م مشرع رسول م کے وارث تھے بلکہ حقیقت ہم دکھا چکے ہیں پہلی خلافت کا حق حضرت ابو بکر کے لیے مصنف مخاطب کچھ عجیب ثابت نہیں کر سکے۔ رسول م کی بشارت نہیں دے گئے تھے بلکہ وہ ایک خبر واقعہ مذہوم کی تھی جیسے بنی امیہ کے بے بھی پیغمبر مہجمل کو دکھائی اپنے منبر پر دے گئے تھے۔

بشارت اُس کو کہتے ہیں کہ جب خبر کسی ایسے واقعہ کی دی جاوے کہ جو باعث خوشنودی خبر دہندہ کے ہو اور اگر کسی ایسے واقعہ کی خبر نہ جاوے جو خلاف مرضی خبر دہندہ کے ہو اور باعث ناخوشی اُس کے ہو اس کو بشارت نہیں کہتے مثلاً پیغمبر م خبر خروج دجال کی یا اپنے بعض اصحاب کی نسبت خبر احداث یا دیگر اخبار واقعات مغموم دیے گئے ہیں۔ تو کیا یہ اخبار بھی اخبار بشارت ہیں۔ اگر اسی کا نام اخبار بشارت ہے اور اُس سے روا ہونا اُن واقعات ناخق کا پیدا ہوا اُن سے مستنبط ہوتا ہے تو ہم بھی خوشی سے قبول کرتے ہیں کہ پہلی خلافت کے واقعہ کی خبر حضرت ابو بکر م کے لیے بلکہ بنی امیہ کے لیے یہی بشارت تھی۔ اور خروج دجال اور احداث صحابہ اور امور مغموم خلاف خوشنودی پیغمبر م کے اُن کے گریو الوان

کے لیے مبارک ہوں۔ لیکن حقیقت میں جبر پہلی خلافت ابو بکرؓ کی ان کے  
 لیے بشارت نہیں تھی۔ بلکہ جبر واقعہ مذموم خلافت خوشنود می پیغمبرؐ کے مصلیٰ  
 اسی لیے علی مرتضیٰ م نے اس کی شکایت کی اور باعتبار جبر پیغمبرؐ کے کہ وہ  
 واقعہ قابل شکایت تھا۔

خلافت سے شریک بیعت مہاجرین اور انصار سے حاصل ہو سکتی ہے۔  
 جبکہ وہ کل بالاتفاق مجتمع ہو جاوین کسی کی خلافت پر نہ کہ بعض افراد یا مہاجر  
 اور انصار اس مجمع کا شریک بنی ہوں باد صفت اس کے کہ مہاجرین  
 قریب مقام جلسہ کے حاضر اور موجود ہوں اور ان کی شرکت سے مہاجرین  
 کیا جاوے۔ حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر اصول کے موافق بیعت نہیں ہوئی  
 پھر اسی وجہ سے وہ صحیح نہیں ہے اور ایسی ناروا بیعت پر حضرت ابو بکرؓ  
 کو خود خلافت قبول نہ کرنا چاہیے تھا اور اقلہ بیعت کے ارادے کو ضرور تھک  
 وہ پورا کرتے اور اسی وجہ سے ان کا خلافت قبول کرنا قابل شکایت تھا  
 اس امر کی حقیقت پہلے ہی دکھائی جا چکی ہے جناب امیرؓ کو اپنے واسطے  
 خلافت پسند نہیں تھی یا وہ غیر کی خلافت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ کہ نہ  
 نہیں ہے کہ ہر زمانہ میں علی مرتضیٰ م انصار حق خلافت کا اپنے لیے برابر  
 کرتے رہے لیکن خلافت جو ان کی ہر طرح سے میراث تھی اور ہر طرح سے  
 وہ جس کے مستحق تھے بڑا بڑھتی رہی۔ اور اسی پر اطلاق لٹنے میراث کا  
 ہوتا ہے کہ جو خطبہ شمشقہ میں علی مرتضیٰ م نے فرمایا ہے۔

بعض علماء شیعہ کی طرف سے جو یہ کہا گیا ہے کہ میراث سے مراد  
 مراد ہے وہ میراث جس کو خطبہ شمشقہ میں علی مرتضیٰ م نے فرمایا ہے



کے لیے مبارک ہو۔ لیکن حقیقت میں خبر پہلی خلافت ابو بکرؓ کی ان کے لیے بشارت نہیں تھی۔ بلکہ خبر واقعہ مذکور خلافت خوشنود ہی پیغمبرؐ کے مرنے کے لیے علی مرتضیٰؑ نے اس کی شکایت کی اور باعتبار خبر پیغمبرؐ کے وہ واقعہ قابل شکایت تھا۔

خلافت کے شکبہ بیعت مہاجرین اور انصار سے خاصہ صحیح ہے۔ جبکہ وہ کل بالاتفاق مجتمع ہو جاوین کسی کی خلافت پر نہ کہ بعض اور انصار اور انصار اس مجمع کا شریک بنی جنوں باد صفت اس کے گرد بیٹھے ہیں قریب مقام جلسہ کے حاضر اور موجود ہوں اور ان کی شرکت سے عداگریز کیا جاوے۔ حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر اصول کے موافق بیعت نہ ہوئی پھر اسی وجہ سے وہ صحیح نہیں ہے اور ایسی ناروا بیعت پر حضرت ابو بکرؓ کو خود خلافت قبول نہ کرنا چاہیے تھا اور اقالہ بیعت کے ارادے کو ضرور تھک کر وہ پورا کرتے اور اسی وجہ سے ان کا خلافت قبول کرنا قابل شکایت تھا اس امر کی حقیقت پہلے ہی دکھائی جا چکی ہے جناب امیرؑ کو اپنے واسطے خلافت پسند نہیں تھی یا وہ غیر کی خلافت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ کہنہ نہیں ہے کہ پیر زمانہ میں علی مرتضیٰؑ اظہار حق خلافت کا اپنے لیے برابر کرتے رہے لیکن خلافت جو انکی ہر طرح سے میراث تھی اور ہر طرح سے وہ جس کے مستحق تھے براہ راست رہی۔ اور اسی پر اطلاق لٹنے میراث کا ہوتا ہے کہ جو خطبہ شمشقہ میں علی مرتضیٰؑ نے فرمایا ہے۔

بعض علماء شیعہ کی طرف سے جو یہ کہا گیا ہے کہ میراث سے فہم مراد ہے (وہ میراث جسکو خطبہ شمشقہ میں علی مرتضیٰؑ نے فرمایا ہے

جولائی ۱۹۹۹ء

۱۹۹

جلد ۴ نمبر ۱

کہ دیکھتا ہوں میں اپنی میراث کی لوٹ کی اسکی نسبت مصنف نے طبعاً  
 کہتے ہیں کہ یہ فدک بھی جناب امیرؑ کی میراث نہ تھا اس کی کیا شہادت  
 ہوتی انھوں نے خود بھی فدک میں وہ ہی عمل کیا جو خلفائے  
 کیا تھا اگر جناب امیرؑ کے نزدیک فدک میں میراث جاری ہونا چاہیے  
 تھی اور خلفاء کا فیصلہ غلط تھا تو جناب امیرؑ اپنے زمانہ میں ضرور اس  
 میراث جاری کرتے۔ جسوقت کہ جناب امیرؑ اپنی خلیفہ کے  
 میں یہ خطبہ پڑھ رہے تھے اسوقت بھی فدک لٹ رہا تھا۔

جن علما نے لوٹ میراث سے مراد فدک کی ہے انھوں نے  
 کہا ہے کہ فدک میراث حق فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا تھا۔ اور مال زوجہ  
 حکم مال زوج میں ہوتا ہے اور لوٹ کا اشارہ طرف منع کرنے خلفاء ثلاثہ کے  
 کے نسبت بہ نسبت علاقہ روایت ہوتا ہے اور اس کے میراث حضرت فاطمہ کو اپنی  
 میراث کہاں فدک کے متعلق ہم کتب اہل سنت سے واقعات اور اس کے متعلق  
 بحث مفصل ہم ایک جگہ (حیمہ الف جلد اول رسالہ روشنی صفحہ ۲۴۳) اور  
 بعض دیگر مقامات پر بھی کچھ لکھ آئے ہیں جس سے حقیقت اس قضیہ کی  
 ظاہر ہو جاتی ہے اور اطمینان ہو جاتا ہے کہ فیصلہ حضرت ابو بکر کا غلط تھا حضرت  
 ابو بکر نے جب خلافت پر قبضہ پایا جس پر اطلاق میراث حضرت فاطمہ اور علی رضی کا  
 اچھی طرح سے ہو سکتا ہے جسکو ابھی ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اسی قبضہ خلافت  
 کے وزیر سے حضرت ابو بکر نے فدک کو قبضہ حضرت فاطمہ اور علی رضی  
 سے ضبط کر کے شامل خلافت کر لیا تھا حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ  
 علیہا کا قبضہ بذریعہ حق کی طرف سے پیغبرؐ

ان کے باپ کے تھا اور قبضہ علی مرتضیٰ ۴ کا ہذریہ حضانت اور حفاظت حق فاطمہ ۴ کے ارز وے وصیت پیغمبر کے تھا۔ چنانچہ بعد ضبطی کے جو آپ نے عامل کے اٹھانے کے لیے فرمان بھیجا ہے وہ علی مرتضیٰ ۴ نے ہی بھیجا ہے۔ جس کا ذکر ہم پہلے اہل سنت کے بیان سے لکھ چکے ہیں) جب فذک بعد ضبط ہونے کے شامل امر خلافت کے ہو گیا اور سپر اطلاق میراث کا صادق آتا ہے تو جن علماء نے فذک سے مراد میراث لی آئے انکا اجتہاد کچھ قابل اعتراض کے نہیں ہو سکتا۔ اور کچھ مشبہ نہیں کہ خلافت اور فذک ایک شان رکھتی تھی۔ اور دونوں پر اطلاق میراث کا مستحق جانشینی کے لیے قطعی صادق آتا ہے کیونکہ جو چیزیں جو خاندان کی ہوں اور اُس خاندان کو اصل قابض اور مالک کے بعد اُس خاندان کے مستحق کو اُسی حیثیت سے کہ جس حیثیت سے اول شخص خاندانی مالک و قابض تھا اُس کے اصلی جانشین کو نہ ملی اور دوسرا غیر مستحق خاندان والا اُس پر قابض ہو جاوے تو اصلی مستحق جانشینی یہ ہی کے گا کہ میری میراث لٹ گئی۔

معاملہ خلافت اور فذک ایسا متحد اور اُسکی ایسی ایک شان ہے کہ علی بن علی فاروقی شافعی پروفیسر مدرسہ عربیہ بغداد سے جس کا ذکر ابن ابی الحدید نے لکھا ہے (جبکہ کہا گیا کہ فاطمہ ۴ ہر گاہ سچی تین تو فذک ان کو کیون نہ حوالہ کیا گیا) تو اُس نے کہا اگر آج فذک دیا جاتا تو کل وہ خلافت کا دعویٰ اپنے شوہر کے واسطے کرتیں اور ابو بکر ۴ کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتیں اور ابو بکر ۴ کچھ غدر نہ کر سکتے ہارون رشید خلیفہ بنی عباس نے حضرت امام جعفر صادق ۴ کو چاہا کہ فذک واپس دے امام ۴ نے فرمایا

کہ فدک تم سے واپس نہیں دیا جاوے گا اُس کے حدود بھی تم کو معلوم ہیں امام علیہ السلام نے اُس کے استفسار پر حدود وہی بتائے کہ جو اُس وقت کل خلافت کے حدود تھے جس سے کچھ شبہ نہیں رہتا کہ معاملہ خلافت اور فدک ایک ہے۔

علی مرتضیٰ کا مرتبہ چارم میں خلافت پر کامل قبضہ نہیں ہونے پایا تھا اور کامل طور پر اُن کے زمانے میں بغاوت فرو نہیں ہونے پائی تھی اُن کی نسبت یہ کہنا روا نہیں ہو سکتا کہ نے خود ہی فدک میں یہ ہی عمل کیا جو خلفائے ثلاثہ نے کیا تھا۔ اور اگر اُن کے نزدیک فدک قابل اجرا کے میراث تھا اور خلفاء کا قبضہ غلط تھا تو اپنے زمانے میں میراث جاری کرتے اور جب یہ خطبہ پڑھ رہے تھے اُس وقت بھی فدک لٹ رہا تھا بلکہ بحیثیت قاضی کے جب زمانہ ایک سلطنت میں کسی تنازع کا فیصلہ ہو گو وہ فیصلہ کننا ہی غلط کیونکہ زمانہ دوسری سلطنت میں بہ نظر اصول قانون دوبارہ وہی تنازع پیش ہو کر بحیثیت قاضی کے دوسرا فیصلہ خلاف اُس کے نہیں ہو سکتا۔ اور یقین کرنا چاہیے کہ علی مرتضیٰ تمام قضا کے مسائل سے واقف تھے کہ پیغمبر نے اُن کو ”قضی“ فرمایا ہے۔ البتہ اگر کسی وقت ایک بادشاہ کسی کی جائیداد نا ضابطہ کرے تو دوسرا بادشاہ اُس کو مسترد کر سکتا ہے علی مرتضیٰ نے اپنے ایک خطبہ میں جس پر بحث ہو چکی ہے استرداد فدک کا اور دیگر امور ناجائز اور ناروا جو بجانب خلافتوں گذشتہ کے عمل میں آئے تھے اُن کے رد اور محو کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے جس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ ضابطی فدک اور وہ دیگر امور ناجائز بجانب سلطنت کے عمل میں آئے

گئے تھے اور وہ قابل دست اندازی اور استراد اور رد و محو کے تھے۔ لیکن بغاوت کا فرو کرنا مقدم تھا۔ اگر فوراً علی مرتضیٰ ع اٹ امور کو مسترد فرماتے تو قوت مدفع بغاوت کم ہو جاتی جیسا کہ اُسی خطبہ میں اُنکا ارشاد سے ظاہر ہے۔ اس لیے اُنھوں نے قبل اس کے کہ بغاوت فرو ہو کر خلافت مستحکم ہو جاوے نہ کسی اور امر ناروا کو مسترد کیا نہ فدک کو اور نہ مین علی مرتضیٰ ع اگر قبل دور ہونے بغاوت اور استحکام خلافت کے اُن تمام امور کو مسترد اور محو فرماتے جس میں ایک استراد فدک کا بھی تھا۔ نہ ایک بلوہ عظیم علاوہ بغاوت کے اور پیدا ہو جاتا۔ علی مرتضیٰ ع نے اس موقع پر اُسی طریقہ رسول پر عمل کیا جیسا کہ پیغمبر جب تکے کاں قوت اسلام کو نہونے پائی۔ اپنے اصحاب اور مسلمانوں سے بارہا امور عظیم ناروا اور ناجائز دیکھتے تھے اور سکوت فرما کر صرف ہند و نصائح پر اکتفا فرماتے تھے اور باندیشہ بلوہ اُن نازیبا رواجوں کو جو زمانہ جاہلیت سے بطور حق قرار پائے ہوئے تھے دفعہ مسترد نہیں کیا اور آہستہ آہستہ انکو دور فرماتے گئے۔ اور بعض امور مثل اصلاح مکان خانہ کعبہ باقی ہی رہ گئے اور بعد پیغمبر خلفائے ثلاثہ میں سے جس کی خلافتیں قوی اور مستحکم تھیں کسی نے بھی بموجب ہدایت پیغمبر کے خانہ کعبہ کی تعمیر اُس حالت پر نہیں کی۔ جس ہیئت پر کہ حضرت ابو اہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمائی تھی۔

فدک کے متعلق البتہ یہ امر بہت غنیمت ہے کہ بعض خلفائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی عباس نے فدک کو مسترد کیا یا اُس کے استراد کی خواہش ظاہر کی۔ جس میں یہ امر مضمر تھا کہ ضبطی اُس کی منجانب خلافت بجاتی تھی۔ اور علی

مرتضیٰ م اُسکے استرداد کا ارادہ ظاہر کر گئے تھے۔

اس حقیقت ظاہر ہونے کے بعد مصنف مخاطب کا اعتراض کس طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ علی مرتضیٰ م فذک کو میراث اپنی کہہ سکتے تھے اور امر فذک ضرور قابل شکایت تھا اور فذک مین علی مرتضیٰ م کا ارادہ استرداد خلافت محل خلفائے ثلاثہ کے تھا۔ بلکہ بعض خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس نے باتباع ارادہ علی مرتضیٰ م کے فذک کو مسترد کیا اور اُس کے استرداد کی خواہش ظاہر کی۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ علی ضبطی فذک غلط تھا۔ اور اگر علی مرتضیٰ م کو وہ وقت مل جاتا کہ بناوٹ کلی رفع ہو کر اُن کی خلافت مستحکم ہو جاتی تو وہ ضرور فذک کو مسترد کر کے اس میں میراث جاری کرتے۔ گو اس وقت ناکامی اسلئے اپنی خلافت مین جبکہ وہ خطبہ پڑھ رہے تھے علی خلفائے ثلاثہ کی تاثیر سے فذک لٹ رہا تھا۔ جیسے کہ دیگر امور ناجائز پہ عمل ہو رہا تھا۔ مگر انھوں نے اس وقت زمانہ مستحکم اپنی خلافت مین بھی ارادہ استرداد فذک ظاہر کر کے یہ جتادیا کہ اعلیٰ ضبطی منجانب خلافتوں گذشتہ کب بجا ہوئی اور رہی ہے۔

حضرت ابو بکر م نے جو یہ حدیث سنائی کہ نبی کے مال مین میراث نہیں ہوتی اور جو مال وہ چھوڑ مین صدقہ ہے علی اس پر مصنف یہ جتلاتے ہیں کہ کیا ابو بکر م کو حدیث پر عمل کہہ نا واجب نہ تھا اگر ابو بکر م کا فیصلہ حق نہوتا تو تمام صحابہ مخالفت کرتے بلکہ ابو بکر م کو خلافت سے معزول کر دیتے علی حقیقت اس روایت کی جو حضرت ابو بکر م نے سنائی اور جس کا راوی سوائے اُن کے کوئی نہیں ہم بحث قضیہ فذک مین لکھ آئے ہیں کہ وہ روایت قطع نظر اس کے کہ وہ ویسے ہی خلاف قرآن کے

ہو جیسے حضرت زکریا پیغمبرؑ خدا سے فرزند کے لیے یہ دعا مانگی ہے کہ وارث ہو میرا اور آل یعقوب ؑ کا اور خدا نے حضرت سلیمان ؑ کے لیے کہا ہے کہ وارث ہو اسلیمان ؑ داؤد کا بیٹا اگرچہ اطلاق اس میراث کا میراث علم پر بھی کیا جاتا ہے۔ مگر اس میراث کا اطلاق مال پر نہ سمجھنا خلاف عقل اور صریح مخالف قرآن کے ہے۔ اطلاق میراث علم کا تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب جانشین کسی عالم کا علم اس عالم کا رکھتا ہو اور اطلاق میراث مال کا عموماً ہو گا خدا نے آیت میراث میں فرمایا ہے۔ وورثہ ابواک فلا منہ الثلث۔ اور وارث ہون مان باپ کے پس اس کی مان کے لیے تھائی ہے۔ خلاف قرآن حضرت ابو بکرؓ کی روایت کا قبول کرنا جس کسی سے ہو سکے ہو سکے ہم سے نہیں ہو سکتا حضرت ابو بکرؓ جب خلیفہ جس حیثیت سے کہ قرار پائے اس وقت انھوں نے فدک کا ضبط کرنا چاہا اس پر حضرت فاطمہ علیہا السلام نے حضرت ابو بکرؓ سے یہ عذر کیا۔ کہ میرے باپ مجھ کو دیے گئے ہیں ابو بکرؓ نے گواہ حضرت فاطمہ صدقات اللہ علیہا سے طلب کیے اور شہادت گواہان پر اعتماد نہ کر کے نوشتہ پیغمبرؑ کو نامنظور کیا تب جناب سیدہ م نے عذر میراث کا پیش کیا کہ اسے ابو بکرؓ آیا کتاب خدا میں یہ ہے کہ وارث ہو تیری بیٹی تیری اور نہ وارث ہوں میں اپنے باپ کی ابو بکرؓ نے عبرت پکڑی اور لکھ دیا میں کو فدک ناگاہ داخل ہوئے عمرؓ اور کہا کیا ہے یہ؟ کہا ابو بکرؓ نے کہ ملکیت لکھ دی ہے میں نے فاطمہ کو میراث اس کے باپ سے کہا عمرؓ نے کہ پس کیا خرچ کر دو گے مسلمانوں پر اور تحقیق کہا لڑی گئے تم سے عرب جیسا کہ تم دیکھتے ہو پھر علیؓ عمرؓ نے وہ کتابت اور

چھاڑ ڈالا اسکوئے اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حاضرین سے تلاش شروع کی کہ میراث پیغمبرؐ کی بابت کیسی کچھ علم ہے مگر کسی کے پاس کچھ نہ نکلا تب حضرت ابو بکرؓ نے وہ حدیث پیغمبرؐ کی سنائی کہ گروہ انبیاء کا نہ کسی کا وارث ہوتا ہے نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے جو کچھ ہم چھوڑیں صدقہ ہے (یہ تمام امور ہم پہلے کتب اہل سنت سے دکھا چکے ہیں) ایسی حالت وراہیے وقت پر بہ نظر روئداد اس قضیہ کے حضرت ابو بکرؓ نے جو حدیث پیغمبرؐ کی طرف سے سنائی غور کرنا چاہیے کہ اسکی صحت پر کسی قدر شبہ ہو سکتا ہے؟ اور قدح مضمون روایت مروی حضرت ابو بکرؓ کا اس طرح بھی واضح ہوتا ہے کہ اس مضمون روایت میں جیسے یہ بیان ہے کہ گروہ انبیاء کا نہ کوئی وارث ہوتا ہے اسی طرح یہ بیان بھی ہے کہ گروہ انبیاء کسی کا وارث ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کبریٰ آپ کی زوجہ اولیٰ نے جو تمام عرب اور قریش میں مالدار اور دو تہند مشہور تھیں جنکے بطن سے جناب فاطمہؓ و خضر رسولؐ مہتین، جب وفات پائی تو انکے مال پر پیغمبرؐ نے قبض و تصرف کیا اور ان کے مال کو اپنے اختیار سے اپنے نفس پر اور راہ خدا میں اجر سے دین اسلام کے لیے صرف کیا یا نہیں مجھ کو یقین ہے کہ اس میرے سوال کا جواب کوئی مسلمان نفی میں نہیں دے سکتا۔ پھر میں یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ قبض و تصرف سببہ کا مال حضرت خدیجہ کبریٰؓ ذریعہ سے تھا یا اس کا جواب جہانناک میں غور کرتا ہوں وہ قبض و تصرف پیغمبرؐ کا مال حضرت خدیجہؓ پر بذریعہ حق شوہری کی تھا جس قدر کہ شوہر کو مال زوجہ وراثت پہنچتی ہے۔ اور مابقی پر بذریعہ ولایت حضرت فاطمہؓ و خضرؓ کا ہے جب تک کہ وہ نابالغ رہیں تھا۔ اور جو کوئی یہ کہے کہ قبض و تصرف پیغمبرؐ کا ہے دیکھو ہم نمبر ۱۱ جلد اول رسالہ روشنی بحث نمبر ۱۱ صفحہ ۲۹۰ تا ۲۹۱



بذریعہ ارث و ولایت کے ہمیں تھما نہ وہ پیغمبر پر سخت الزام لگانے والا ہوگا کہ پیغمبر نے ناحق ایک عورت کا مال اور ایک بن مان کی لڑکی کا مال خرد برد کر لیا اس حالت میں ضرور ہے کہ یا تو پیغمبر پر وہ الزام شدید قبول کیا جائے یا روایت حضرت ابو بکرؓ صدیق کو باطل مانا جائے۔ اور ایسے ہی عبدالمطلب کی تقسیم سے حضرت محمدؐ نے اپنے باپ کا حق پایا جو سوارث کے اور کچھ نہیں سمجھا جاسکتا۔ اب دیکھو کہ حضرت ابو بکرؓ پر طعن آسکتا ہے۔ اور حضرت ابو بکرؓ کو اپنے بیان پر عمل کرنا واجب تھا۔ جب خلیفہ صاحب کی طرف سے دعویٰ تھا یعنی وہی مدعی تھے اور حضرت فاطمہؓ اس کے خلاف تھیں تو بار ثبوت حضرت ابو بکرؓ کے ذمہ تھا جیسا کہ پہلے بھی ہم ارشاد علی مرتضیٰؑ ایک موقع پر دکھا آئے ہیں ایسی حالت میں جب کہ خود حضرت ابو بکرؓ مدعی تھے اور خود ہی قاضی اور خود ہی گواہ تو ان کو چاہیے تھا کہ وہ فیصلہ قضیہ سے دست کش ہو کر بوجہ اس کے کہ وہ خلیفہ عہد تھے سیکو قاضی مقرر کرتے اور اس قاضی کے سامنے گواہی دیتے اور وہ قاضی اس قضیہ کو طر کرنا اس صورت میں جبکہ حضرت ابو بکرؓ سے خطا در خطا واقع ہوئی تو سمجھنا چاہیے کہ ان پر طعن ہو سکتا ہے اور ان کو اپنے مردی بیان پر عمل کرنا واجب تھا کچھ شبہ نہیں کہ فیصلہ ان کا قطعی ناحق تھا۔ لیکن اس فیصلہ سے مخالفت کرنے والا اور حضرت ابو بکرؓ کو خلافت سے معزول کر دینے والا کوئی صحابی نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ خلیفہ بنائے ہوئے حضرت عمرؓ کے تھے اور حضرت عمرؓ کے حسن تدبیر سے حضرت ابو بکرؓ کو صحابہ نے خلیفہ قبول کر لیا تھا اور جس وقت کہ حضرت عمرؓ نے تحریر بحالی فدک چاک کی تھی اس وقت حضرت ابو بکرؓ کو یہ سمجھایا جاتا

کہ اگر تم فدک کو بحق فاطمہ صلوات اللہ علیہا بحال کر دو گے تو اس مختار مجسّم کے  
 صرف کے لیے مسلمانوں پر کہاں سے لاؤ گے کہ جو محاربہ عرب کے ساتھ  
 درپیش ہے اور جس کو تم دیکھتے ہو بمقابلہ اس پالیسی اور چہمہ کے وہ صحابہ  
 کہ جنہوں نے حسن تدبیر حضرت عمرؓ سے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ قبول کیا تا  
 اس فیصلہ ناحق سے کیسے مخالفت کرتے اور کیسے حضرت ابوبکرؓ کو خلافت  
 سے معزول کر دیتے کہ انکو اپنے کیے اور اپنے خلیفہ بنانے کی شرمندہ نگہ  
 تھی اور جو پالیسی کہ خلیفہ بنانے میں صحابہ نے اختیار کی تھی اس سے مخالفت  
 نہ کرنے پر وہ مجبور تھے۔ جن لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا تھا اور  
 قبول کیا تھا انکو یہ ہی زیبا تھا کہ اپنے بنائے ہوئے اور قبول کیے ہوئے  
 خلیفہ کے عمل کو بھی قبول کر لیتے۔ کیا وہ زمانے کو اپنے اوپر منہواتے  
 اور اپنی نافرمانی و اشرار دکھاتے کہ کل حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ قبول کیا ہے  
 اور آج ان سے مخالفت کر کے معزول کرتے ہیں۔ ایسی بے عقلی کی  
 امید ان صحابہ سے مصنف مخاطب کو نہیں رکھنی چاہیے کہ اگر ابوبکرؓ  
 کا فیصلہ حق نہوتا تو تمام صحابہ مخالفت کرتے بلکہ ابوبکرؓ کو خلافت سے  
 معزول کر دیتے بلکہ ان صحابہ سے کہ جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو باحق  
 خلیفہ قبول کیا تھا یہ توقع رکھنا لازمی ہے کہ ایسے ناحق خلیفہ کے فیصلہ  
 ناحق کو بھی وہ قبول کرتے رہیں۔ جس وقت حضرت ابوبکرؓ نے صحابہ  
 حاضرین سے دریافت کیا ہے (جبکہ حضرت ابوبکرؓ کو مرضی حضرت عمرؓ  
 کی معلوم ہو گئی کہ وہ بجالائی فدک کی بحق فاطمہؓ و وارثین میں) کہ تمہارے  
 پاس میراث پیغمبرؐ کی بابت کچھ علم ہے تو اختلاف کیا انہوں نے بیعت  
 انکی کے۔ پس نہ پایا انہوں نے کسی کے پاس اس سے کچھ علم ظاہر

ہے کہ اُس مجلس میں اختلاف صرف دو صحابی پیغمبر میں تھا۔ یعنی حضرت  
 عمرؓ کی یہ خواہش تھی کہ فاطمہؓ دختر رسولؐ ارث سے منع کیا دے  
 اور علی مرتضیٰؓ اس کے خلاف تھے اور اگر کسی صحابہ پیغمبر کے پاس میراث  
 پیغمبر کی بابت کچھ علم نہ تھا۔ اُس وقت حضرت ابو بکرؓ نے وہ حدیث پیغمبر  
 بیان کی اُس روایت حضرت ابو بکرؓ سے کوئی صحابی سوائے علی مرتضیٰؓ کے  
 مخالفت کرنے والا نہیں ہو سکتا تھا اور جب وہ صحابہ مخالفت کرنے والے  
 نہیں ہو سکتے تھے تو حضرت ابو بکرؓ کو خلافت سے کیسے معزول کر دیتے؟  
 اور جیسے کہ ان صحابہ نے جبکہ علی مرتضیٰؓ نے اظہار حق خلافت اپنے  
 لیے فرمایا، علی مرتضیٰؓ کو قبول نہیں کیا تو قضیہ فذک کے وقت وہ صحابہ  
 ارشاد علی مرتضیٰؓ کی کیسے تائید کر کے حضرت ابو بکرؓ کی مخالفت کرتے  
 اور انکو خلافت سے معزول کر دیتے۔ ہاں صرف علی مرتضیٰؓ حضرت ابو بکرؓ  
 سے مخالفت کرنے والے تھے جیسا کہ انھوں نے مخالفت کی مگر غل حضرت  
 ابو بکرؓ کا خلافت سے تنہا علی مرتضیٰؓ کے اختیار میں نہیں تھا۔ البتہ وہ  
 حملہ خلافت ابو بکرؓ پر کر سکتے تھے مگر بسبب بعض وجوہ کے جسکو خود علی  
 مرتضیٰؓ نے ظاہر فرمایا ہے اور جسکو پہلے ہم جا بجا لکھ چکے ہیں علی مرتضیٰؓ  
 نے حملہ کرنا پسند نہیں کیا اور لوگوں کی اندھا دھند پر صبر کیا بحث جو کچھ ہو  
 وہ یہ ہے کہ بعد پیغمبر علی مرتضیٰؓ کے سوا کوئی افضل الناس نہیں تھا  
 اور جو کچھ علی مرتضیٰؓ نے ارشاد کیا ہر کسی کو لازم تھا کہ اُس کو قبول اور  
 بموجب اُس کے عمل کرتا اور جس کسی نے علی مرتضیٰؓ کے ارشاد کو  
 قبول نہیں کیا یا اُس پر عمل نہیں کیا اُس نے خطا کی۔ مصنف مخاطب  
 ایک پرامن پیش کرتے ہیں کہ بے فذک کے سوا اور بعض قطعاً جو رسولؐ

کے قبضہ میں تھی اُن کا وقت ہونا جناب سیدہ م نے تسلیم کیا  
چنانچہ اُن سات قطعات پر جناب سیدہ م قابض تھیں اُن میں  
عباس نے میراث کا جھگڑا کیا تو انکو جناب سیدہ م نے یہی جواب  
دیا کہ یہ وقت ہیں انہیں میراث جاری نہوگی ۛ

مصنف مخاطب فروع کافی کی جلد ثالث سے یہ روایت  
سند میں لاتے ہیں کہ ۛ احمد بن محمد کہتا ہے کہ میں نے امام ابو الحسن  
ثانی ۛ امام موسیٰ کاظم م سے اُن سات باغون کا حال پوچھا  
جو فاطمہ علیہا السلام کے پاس رسول اللہ کی میراث تھے۔ امام  
نے فرمایا کہ میراث نہ تھی بلکہ وقت تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم اُس میں سے اس قدر لے لیتے تھے جو مہمانوں کے خرچ  
کو کافی ہو پھر جب رسول کا انتقال ہوا تو عباس نے اُنکی بابت  
فاطمہ سے جھگڑا کیا پس حضرت علیؑ وغیرہ نے گواہی دی کہ وہ  
وقت ہیں فاطمہ علیہا السلام پر۔ اور وہ بچے ذلال اور عفا  
اور حسنی اور صفیہ اور مآلام ابراہیم اور مہبت اور بقرہ کا اس  
ارشاد امام م پر مصنف مخاطب یہ حجت پیدا کرتے ہیں ۛ پس  
جس طرح علی م کے بیان پر اُن سات باغون میں میراث جاری  
نہوئی اُسی طرح ابو بکر م وغیرہ کے حدیث رسول نقل کرنے پر  
فدک میں میراث جاری نہوئی ۛ اور روایت امام علیہ السلام  
سے مصنف مخاطب سند لاتے ہیں اُس کے صحیح ہونے میں  
کچھ شبہ نہیں مگر اُس سے وہ استدلال پیدا نہیں ہوتا کہ جو  
مخاطب نے پیدا کیا ہے بلکہ فدک کے قبضہ کے فیصلے میں

وہ ہی الزام حضرات خلفاء پر عائد ہوتا ہے جو شیعہ اُن پر لگاتے ہیں۔

۱۰۔ اگرچہ وہ سو سنی کہ ظلم علیہ السلام سے عصا کا ظاہر ہے کہ یہ سات قطعہ اپنی دختر حضرت فاطمہ علیہا السلام کے دانستے پیغمبر نے لٹکت کر دیے تھے وہ عام وقفہ علی المسلمین نہیں تھا اور جو خاص وقفہ اولاد کے لیے کیا جاتا ہے اُس کا مقصور یہ ہوتا ہے کہ یہ وقفہ علیہ اُس موقوف کو اپنی ذات خاص پر صرف کر کے ادا کرے اختیارات سے مصارف و خیرین بھی کسی کو یہ اختیار نہیں ہو سکتا کہ موقوف علیہ کے قبضہ سے شے موقوفہ کو نکال کر اپنے قبضہ میں لے لے اور اُس کو عام مسلمانوں پر صرف کرے۔ چنانچہ شیعہ اور سنی دونوں کے یہاں فقہ میں یہ مسئلہ قرار دیا گیا ہے کہ ہر مالک جائیداد کو اختیار ہے کہ وہ اپنی جائیداد اولاد اور قرابت داروں پر وقف کرے اور ہندوستان میں سنی اور شیعہ کے ایسے اوقات کے نظائر موجود ہیں۔ چنانچہ مجھ پر اقم اس پر سوال کرو سنی نے بھی بعینہ ایسا ہی وقت اپنی جائیداد کا کیا ہے جس پر موقوف علیہم قابض ہیں اور وہ شے موقوفہ اور اُس کی آمدنی کو اپنی ذات پر بھی صرف کرتے ہیں اور مصارف خیرین بھی اپنے اختیار سے۔ پس مصنف مخاطب و ارشاد امام علیہ السلام سے جو یہ سمجھا ہے کہ وہ سات قطعہ میراث حضرت فاطمہ کے نہ تھے اور وہ وقف عام تھے اس حیثیت سے کہ فاطمہ کو میراث اپنے باپ پیغمبر کی نہیں پہنچ سکتی غلط ہے۔

بلکہ ضرورت معاملہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ حضرت فاطمہ کے لیے پیغمبر کی طرف سے وقف تھے اور بذریعہ وقف کے اُس پر قبضہ حضرت فاطمہ کا ہوا تھا۔ بذریعہ ارث اپنے باپ پیغمبر کے اُن سات قطعوں پر قبضہ حضرت فاطمہ کا نہیں ہوا تھا۔ حقوق قبضہ کے جدا گانہ ہونے ہیں منجملہ اُن کے بذریعہ ارث کے بھی ہوتا ہے اور بذریعہ وقف کے بھی اور بذریعہ دیگر اتقانہ کے بھی۔ ارشاد امام علیہ السلام کو جب عذیر سے دیکھا جائے تو اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر بذریعہ ارث کے حضرت فاطمہ اُن سات قطعات کی متقی ہو سکیں۔ مگر اُن کا قبضہ بذریعہ میراث کے نہیں تھا۔ بلکہ بذریعہ وقف کے تھا۔ یعنی امام علیہ السلام نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے مسئلہ میراث کا بیان نہیں فرمایا۔ پیغمبر نے اُن سات قطعوں کو حضرت فاطمہ پر وقف کیا تھا وہ وقف نافذ ہوا۔ اگر وہ وقف فاطمہ پر نہ کرتے یا وقف تسلیم نہ کیا جاتا تو میراث جاری ہونے کا مسئلہ بیان کیا جاتا اور اُس کا فیصلہ ہوتا۔ حضرت عباس رسول ص کے چچا نے جو جھگڑا کیا تھا اُس کی بابت بھی صرف اسی قدر ثابت ہونا کافی تھا کہ وہ فاطمہ پر وقف ہیں۔ اُنکا جھگڑا ہر قسم کا وقف کی ثابت ہو جانے سے قطع ہو جاتا تھا اس لیے صرف اسی قدر حدیث میں مذکور ہے۔

پر شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ حضرت عباس نے جو ضرورت (جھگڑا) کیا تھا وہ خواہ مخواہ دعویٰ میراث پیغمبر کا تھا جس سے

بوجہ دعویٰ عصوبت کی تھی۔۔ اس روایت میں یہ بیان نہیں ہے کہ حضرت عباس نے کہا خدمتِ پرست پیش کی تھی نیز نہ صرف چاہتا ہے کہ وہ وقت کو قبول نہیں کرتے تھے اس سے پہلے یہ ہوا بحث طے ہوئی کہ وقت ہے یا نہیں اور علی م اور دوسرے لوگوں نے گواہی دی کہ وہ وقت ہے۔ اگر وقت قبول نہ کیا جاتا تب یہ بحث پیش آتی کہ صرف حضرت فاطمہ م اپنے باپ کی میراث کی مستحق تھیں یا حضرت عباس بھی۔ لیکن یہ بحث ان سات قطعوں کی بابت باہم خلیفہ وقت اور جناب سیدہ م کے دارا اقتضائیں پیش نہیں ہوئی اور نہ اُس کی بابت کوئی فیصلہ ہوا۔ ان سات قطعوں کی نسبت یہ قبول کر لیا گیا علی م اور دوسروں کی گواہی سے کہ وہ قطعات فاطمہ م پر وقت ہیں۔ فذک کی نسبت بھی حضرت فاطمہ کا یہی عذر تھا کہ وہ بحق حضرت فاطمہ م کے پیغمبر کی طرف سے ہے اور علی م نے اور دوسروں نے اُس جہہ کی گواہی دی پس حضرت ابو بکر م پر یہ ہی طعن پیدا ہوتا ہے کہ اُنھوں نے علی م اور دوسروں کی گواہی کو معاملہ جہہ فذک میں کیوں نہ قبول کیا جیسا کہ صرف گواہی علی م پر وقت اُن سات قطعوں کا حضرت فاطمہ م پر قبول کیا۔ اگر حضرت ابو بکر م معاملہ وقت اُن سات قطعوں میں گواہی علی م اور دوسروں کی منظور نہ کرتے جیسے کہ معاملہ فذک میں گواہی علی م اور دوسروں کی قبول نہ کی تو معاملہ اُن سات قطعوں میں حضرت فاطمہ م کی طرف سے حق میراث اپنے باپ پیغمبر کا ظاہر کیا جاتا اُس وقت ضرور ہے کہ

حضرت ابو بکرؓ جائزاً پیغمبرؐ کو قابلِ اجراء سے ارث قرار نہ دے کر ضبط کر لیتے۔ ہاں اگر وہ اُن سات قطععات میں حقِ فاطمہؓ بذریعہ میراث پیغمبرؐ کے بموجب بیانِ علیؓ کے قبول کر لیتے تو یہ نتیجہ نکلتا کہ سات قطعوں میں بموجب بیانِ علیؓ کے میراث جاری ہوئی اور فدک میں بموجب بیانِ ابو بکرؓ کے میراث جاری ذہنی صورت موجودہ میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ علیؓ اور دوسروں کی بیان کی بموجب پیغمبرؐ کی سات قطعوں میں وقتِ حضرت فاطمہؓ پر قبول کیا گیا۔ اور فدک میں ہبہ طرف سے رسولؐ کے بحقِ فاطمہؓ باوصف گواہی علیؓ اور دوسروں کے ابو بکرؓ نے نامنظور کیا اور ابو بکرؓ کے بیان کے بموجب فدک میں میراث بھی جاری نہ ہوئی۔ یہ نتیجہ کسی طرح نہیں نکل سکتا جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں یہ پس جس طرح علیؓ کے بیان پر اُن سات باغون میں میراث جاری نہ ہوئی اُسی طرح ابو بکرؓ وغیرہ کی حدیث رسولؐ نقل کرنے پر فدک میں میراث جاری نہ ہوئی ۛ

معاملہ وقتِ میں علیؓ اور دوسروں کی شہادت متعلق ایک واقعہ کے تھی جیسے کہ شہادتِ علیؓ اور دوسروں کی معاملہ ہبہ فدک میں متعلق ایک واقعہ کے تھی۔ اور معاملہ فدک میں جب کہ واقعہ ہبہ نامنظور ہو چکا اور حضرت فاطمہؓ نے عذر حق میراث اپنے باپ پیغمبرؐ کا کیا اور یہ بیان کرنا حضرت ابو بکرؓ کا کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ میں نہ کسی کے وارث ہوں نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے ۛ متعلق مسئلہ قانون کے ہے۔ لیکن اُس کے ساتھ تعلق واقع کا بھی ہے کہ آیا پیغمبرؐ نے ایسا قانون فرمایا



تھایا نہیں اور پہلے اس واقعہ کا ثابت ہونا چاہیے تھا کہ پیغمبر نے ایسا قانون نافذ فرمایا ہے مگر ایسے قانون کے نافذ ہونے کا بیان جو متعلق واقعہ کے ہے صرف حضرت ابو بکرؓ نے کیا سمجھتے مخاطب جو یہ کہتے ہیں کہ یزید ابو بکرؓ وغیرہ کے حدیث رسول نقل کرنے پر فدک میں میراث جاری نہ ہوئی یا محض غلط ہے رسولؐ حضرت ابو بکرؓ کے اور کسی نے وہ حدیث روایت نہیں کی۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے بھی اس امر پر گواہی نہیں دی کہ پیغمبرؐ نے ایسا قانون نافذ فرمایا تھا۔ سخت الزام حضرت ابو بکرؓ نے اپنے ذمہ عائد کر لیا کہ علی مرتضیٰؓ کی گواہی متعلق واقعہ ہبہ فدک کے اس لحاظ سے کہ شوہر کا بیان واسطی فائدہ زوجہ کے ہے منظور نہ کی اور اپنا بیان متعلق اس واقعہ کے کہ پیغمبرؐ نے نفی میراث پیغمبرؐ کا قانون نافذ فرمایا ہے اور وہ بیان حیثیت شہادت کی بھی نہیں رکھتا تھا یہ حیثیت خلیفہ ہونے کے واسطے فائدہ خلافت کے قبول کر لیا۔ پس نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ علیؓ اور دوسروں کی گواہی ان شہادتوں کے متعلق واقعہ وقت کی جو مخالف رسولؐ فاطمہؓ پر تھا قبول کی گئی۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے اپنی بیان پر جو نوعیت شہادت کی نہیں رکھتا تھا متعلق اس واقعہ کے (کہ پیغمبرؐ گروہ انبیاء کی نفی میراث کا قانون نافذ کیا)۔ حکم نفی میراث پیغمبرؐ نافذ کر دیا اور علیؓ و فاطمہؓ کے بیان کو قبول نہ کیا کہ جو قرآن سے خلافت بیان حضرت ابو بکرؓ کے یہ قانون دکھاتے رہے۔ کہ گروہ انبیاء کی میراث وارث کو پہنچتی ہے اور خود انبیاء بھی اپنے مورث کی

کی میراث پاتے ہیں۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد بہ آسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ استدلال مصنف مخاطب کا حدیث امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر اور جو کچھ نتیجہ اُس سے مصنف مخاطب نے نکالا وہ سب غلط ہے۔ بلکہ اُس حدیث سے صریح تاہید اُس طعن کی حضرت ابو بکرؓ پر ہوتی ہے۔ جو شیعہ اُن پر عائد کرتے ہیں۔ پھر مصنف مخاطب ایک بڑا شبہ شیعوں کی طرف سے پیش کیا جاتا اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ بخاری کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابو بکرؓ کا جواب جن کر جناب سیدہ عمارہ رضی اللہ عنہا اور غضبناک ہوئیں اور پھر جب تک زندہ رہیں ابو بکرؓ سے کلام نہیں کیا اور جب اُن کا انتقال ہوا تو جناب امیرؓ نے رات میں اُنکو دفن کر دیا اور ابو بکرؓ کو اس کی اطلاع بھی نہیں کی ۱۰ مصنف مخاطب نے جس مضمون کو کاٹ چھانٹ کر شیعوں کی طرف سے شبہ کا پیش کیا جانا ظاہر کیا ہو وہ مضمون مختصر یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا فیصلہ سن کر جناب سیدہ عمارہ رضی اللہ عنہا اور غضبناک ہوئیں اور پھر جب تک زندہ رہیں ابو بکرؓ سے کلام نہیں کیا۔ اور اپنے مرض موت میں وصیت کر گئیں۔ کہ جناب امیرؓ اُنکو رات کو دفن کر دیں اور ابو بکرؓ اور عمرؓ اور اُنکی تائید کرنے والوں کو اطلاع بھی نہ کریں۔ کہ جناب سیدہ بوجہ غضبناکی اور ناراضی کے جو ابو بکرؓ اور عمرؓ اور اُن کے ساتھیوں سے پیونجی تھی اُنکا جنازہ پر حاضر ہونا ناپسند کرتی تھیں ۱۱ شیعہ ان امور کو کتب اہل سنت سے اچھی طرح ثابت کرتے ہیں جنہیں صحیح

بخاری اور مسلم بھی داخل ہے علمائے اہل سنت میں سے کسی نے یہ جواب دیا ہے کہ جناب سیدہ م پھر راضی ہو گئی تھیں لیکن یہ جواب خلاف روایتوں صحیح مسلم اور صحیح بخاری کے تھا کہ ان میں جو روایت ہے ان سے غضبناک اور ناخوش رہنا جناب سیدہ کا مرتے دم تک ظاہر ہے۔ بعض علماء اہل سنت نے معنی اس روایت صحیح مسلم اور بخاری کی تاویل یہ کی کہ حضرت فاطمہ فیصلہ فدک کا سن کر چپ ہو پین اور آنکھوں نے اُس پر کچھ کلام نہیں کیا یہاں تک کہ مر گئیں، تاویل بھی خلاف الفاظ اور صریح معنی روایت کے تھی اور دیگر نامور علماء اہل سنت اُس کے معنی یہ بھی قبول کرتے چلے آتے تھے کہ حضرت فاطمہ م معاملہ قضیہ فدک میں حضرت ابو بکرؓ سے غضبناک اور ناخوش مریں، متاخرین علمائے اہل سنت میں سے شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں یہ ایجاد کی کہ حضرت ابو بکرؓ نے بالقصد حضرت فاطمہ م کو غضبناک نہیں کیا بھلا بشریت کے حضرت فاطمہ م ناراض اور خشمگین ہو گئیں اور عرض اس عالم متاخرہ کی اس تاویل بریک سے یہ تھی کہ پیغمبرؐ نے جو فرمایا ہے کہ جو جس کسی نے غضبناک کیا فاطمہ م کو اُس نے غضبناک کیا مجھ کو اُس کے مصداق سے حضرت ابو بکرؓ م بری ہو جائیں لیکن کسی پر جو غضب ہوتا ہے وہ اُس م غضوب کے کسی ایسے فعل یا قول سے ہوتا ہے کہ جو غضب کرنے والوں کو ناخوش کرے اور ہر قول اور ہر فعل ہر انسان کا بالقصد ہوتا ہے سوائے مجنون اور غیر عاقل کے حضرت ابو بکرؓ کا جو قول اور فعل معاملہ فدک میں

ظہور میں آیا کہ جس سے حضرت فاطمہؑ ناخوش ہوئیں اسکو آج تک کسی نے نہ یہ کہا نہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا وہ قول اور فعل مجنونانہ اور غیر عاقلانہ تھا۔ اگر وہ قول اور فعل بالقصد نہیں تھا تو جس وقت حضرت فاطمہؑ اس قول اور فعل حضرت ابو بکرؓ سے خشنماک اور ناراض ہوئیں اس وقت حضرت ابو بکرؓ کو لازم تھا کہ وہ اپنے اس قول اور فعل کو مسترد کرتے کہ حضرت فاطمہؑ کا غضب فرو ہو جاتا اور وہ خوش ہو جاتیں مگر حضرت ابو بکرؓ نے جیسا کہ بالقصد اپنے قول اور فعل سے حضرت فاطمہؑ کو غضبناک اور ناخوش کیا ویسے ہی وہ بالقصد اس اپنے قول اور فعل پر قائم اور مستحکم رہے کہ جس سے فاطمہؑ خشمگین اور ناراض رہیں جب پیغمبرؐ نے یہ فرمایا کہ جس کسی نے غضبناک کیا فاطمہؑ کو اس نے غضبناک کیا مجھکو یا جس سے عصمت اور طہارت فاطمہؑ کی مثل پیغمبرؐ ظاہر ہے یعنی جیسے کہ پیغمبرؐ کسی پر غضبناک ہوں تو یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ وہ ناخوشی اور غضب پیغمبرؐ کا نا واجب اور بے محل ہے ویسے ہی حضرت فاطمہؑ کی نسبت سمجھنا چاہیے کہ انکا غضب نا واجب اور بے محل نہیں تھا۔ اور جیسے کہ ارشاد پیغمبرؐ سے یہ امر قابل تسلیم کے ہے۔ کہ فاطمہؑ کا غضبناک کرنا ایسا ہے جیسے کہ پیغمبرؐ کو غضبناک کیا ویسے ہی اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جیسا پیغمبرؐ کا غضب مین لانا ہے ویسے ہی خدا کا۔

ۛ اهدنا الصراط المستقیم ہدایت کر ہم کو راہ سیدھی کی۔

صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالینؑ جن لوگوں پر تو نے انعام کیا ہے ان کی راہ۔ نہ ان لوگوں کی جن پر غضب کیا گیا ہے اور نہ گمراہوں کی۔ مصنف سناطیب نے علماء اہل سنت کے ناکافی جوابوں کو سمجھ کر درگزر کی ہوا اور اپنے طرف سے یہ نیا جواب دینے میں کہ وہ اہل سنت کے کتب صحاح میں جناب سیدہ ع کی زبان سے اُن کا ناراض یا غضبناک ہونا ہرگز منقول نہیں۔ نہ انہی فعل قلب ہے۔ جب تک زبان سے ظاہر نہ کیا جاوے دوسرے شخص کو؟ اس کی خبر نہیں ہو سکتی البتہ قرائن سے دوسرا شخص قیاس کر سکتا ہے مگر ایسے قیاس میں کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ بخاری میں یہ مطالب ام المؤمنین عائشہ سے منقول ہیں نہ جناب سیدہ سے ام المؤمنین عائشہ یہ نہیں کہتیں کہ میں نے فاطمہ زہرا کی زبان سے ابو بکر کی شکایت سنی۔ عائشہ عالم الغیب نہ تھیں البتہ قرائن سے انہوں نے ایسا سمجھا مگر کیا دلیل ہے کہ یہ سمجھنا انکا مطابق واقعہ کے تھا اگر حضرات شیعہ کو یہ دعویٰ ہو کہ فدک کی بحث میں جناب سیدہ ابو بکر سے ناراض ہوئیں تو اہل سنت کی صحیح روایتوں سے ابو بکر کی تسبیح جناب سیدہ ع کی زبان سے ثابت کریں یا ناراض یا غضبناک ہونا بے شک فعل قلب ہے مگر یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ خشمگینی اور ناخوشی جب تک زبان سے ظاہر نہ کیجاوے دوسرے شخص کو ہسکی تہر نہیں ہو سکتی بلکہ ناخوشی اور غضبناکی سوائے زبان کے آثار سے جو چہرے و نیشہ سے اور دیگر افعال سے جو بعد کو وقوع میں آئیں

اس شخص کے کہ جس کے قلب میں ناخوشی اور غضبناکی ڈالی گئی ہو ظاہر ہو سکتی ہے اور قبول کی جا سکتی ہے۔ ابو بکر جو ہری جو علما سے اہل سنت سے ہیں انہوں نے اپنی کتاب سقیۃ میں ایک خطبہ جناب سیدہ م کا جو خطبہ لمہ کے نام سے مشہور ہے لکھا ہے۔ اور انسکو ابن ابی الحدید نے بھی نقل کیا ہے اس کے چند حصہ ہم نے پہلے ترجمہ کیے ہیں (جو جلد رسالہ روشنی حصہ پانچ وجہ فروری و مارچ ۱۹۹۷ء صفحہ ۳۴ میں درج ہے) ابن اثیر نے اپنی کتاب نہایہ لغت کے حاشیہ پر جہاں لمہ کے معنی بیان کیے ہیں یہ لکھا ہے کہ ۳۲ اسی نام کا ایک خطبہ حضرت فاطمہ م نے حضرت ابو بکر م کے سامنے بیان کیا ہے ابو بکر جو ہری لکھتے ہیں کہ جب جناب فاطمہ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر م کا ارادہ فدک دینے کا نہیں ہے تو آپ نے اپنے چہرہ پر نقاب ڈالی اور اپنی قوم کی عذر دہن کو ساتھ لے کر حضرت ابو بکر م کی طرف چلین کہ گوشہ ردا زمین پر گھنٹتا جاتا تھا۔ اور زمین پر نساں ہوتا جاتا تھا (یہ علامت غیظ و غضب کی ہے) طرز رفتار حضرت کا کسی طرح سے رسول خدا م کی رفتار سے مختلف نہ تھا یہاں تک کہ ابو بکر م کے پاس پہنچیں۔ اور وہ درمیان مہاجر و انصار کے تشریف رکھتے تھے اس وقت ان کے اور جناب فاطمہ کے درمیان ایک سفید باریک چادر کی اوٹ کی گئی حضرت فاطمہ م نے نہایت دردناک آہ کھینچی کہ تمام لوگ رونے لگے اور آپ دیر تک خاموش بیٹھی رہیں یہاں تک کہ لوگوں کا جوش گریہ کم ہوا اور ساکت ہو گئے۔ اس کے بعد جناب سیدہ م نے وہ خطبہ فرمایا ہے جس میں حمد و ثناء

ایسی روش سیوا گئی ہے کہ جو لوگوں کے پسند و نضاح پر مشتمل ہے اور  
 پھر اس میں کتنا یہ اس طرف ہے کہ خلافت حق اہل بیت کا تھا جو لایا  
 گیا اور فدک کے متعلق آیات قرآنی سے اپنے حق پر استدلال کیا  
 جس روایت اور خطبہ کو ابو بکر جو ہری نے نقل کیا ہے اس سے  
 ظاہر ہے کہ خلافت جو حق اہل بیت بہت کا تھا وہ پہلے ہی قول  
 اور فعل حضرت ابو بکر و دیگر صحابہ ہمارے انصار سے جو کوئی انھیں  
 شریک ہونا نکل چکی تھی۔ جب حضرت فاطمہ کو معلوم ہوا کہ حضرت  
 ابو بکر فدک سے بھی منع کرنا چاہتے ہیں تو جناب سیدہ ابو بکر  
 کے پاس ایسی شان سے آئیں کہ جس سے غیظ و غضب ان کا  
 علانیہ ظاہر ہے اور ان کے خطبہ سے ناخوش ہونا ان کا جس کو  
 انھوں نے اپنی زبان سے فرمایا علانیہ واضح ہے۔ اور جب  
 حضرت ابو بکر نے ان کو فدک سے منع کر دیا اور وہ چپ ہو کر  
 چلی گئیں اور خلافت ان کے کلام اور خواہش کے کہ جو حق تھا ان کے  
 ساتھ سلوک کیا گیا تو اسی سے اس وقت ہر کسی کو یقین ہوا کہ  
 جس غیظ و غضب میں حضرت فاطمہ آئی تھیں اس سے زیادہ غیظ  
 و غضب میں اور ناخوش ہو کر گئیں اور حاضرین جلسہ میں سے  
 ہر کسی نے جان لیا کہ حضرت فاطمہ غضبناک اور ناخوش ہو گئیں  
 اور انہیں سب حاضرین کے درمیان سے دوسرے غیر حاضرین تک  
 یہ خبر پہنچی اور ہر کسی کو اس ناخوشی اور غضبناکی حضرت فاطمہ کا  
 یقین ہوا

یہ واقعہ کچھ خفیہ طور میں نہیں آیا تھا بلکہ علانیہ وقوع میں آیا

تھا اور جس سے اکابر صحابہ مہاجر و انصار آگاہ ہو گئے تھے کہ جن کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا تھا اور جیسے کہ اور صحابہ حاضرین کو یقین غضب اور ناخوشی فاطمہؑ کا ہوا ویسے ہی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو کہ جو بانی اس واقعہ کے تھے یقین غضبناکی اور ناخوشی فاطمہؑ زہراءؑ کا کیا فاطمہؑ کے کلام سے اور کیا حالت واقعہ اور رونا و رداں ہو گیا تھا۔ کتاب امامت و سیاست ابن قتیبہؒ سے جو ایک جید علامہ اہل سنت سے ہیں ہم پہلے ایک روایت نقل کر چکے ہیں۔ ابن قتیبہؒ تفصیل سے لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آؤ فاطمہؑ کے پاس چلیں کہ ہم نے اُن کو غضبناک کر دیا ہے (کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو یقین تھا کہ حضرت فاطمہؑ اُن پر غضبناک تھیں۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ اُن سے زیادہ کوئی واقف غضبناکی اور ناخوشی فاطمہؑ کو جان نہیں سکتا تھا کہ اُنھیں کے مقابلہ میں حضرت فاطمہؑ نے گفتگو ہی کی تھی اور اُنھوں نے حالت فاطمہؑ بحشم خود دیکھی تھی اور اُنھیں کے ساتھ وہ قضیہ ہوا تھا) چنانچہ وہ دونوں گئے اور فاطمہؑ نے اُن کو گھر میں داخل ہونے کا اذن نہ دیا (کیا یہ کلام اور حالت ثابت نہیں کرتا کہ فاطمہؑ اُن پر غضبناک تھیں اور اُن دونوں کا اپنے پاس آنا اور اُن سے بات چیت کرنا فاطمہؑ پر از حد شاق اور ناگوار تھا۔) پھر وہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ علیؓ کے پاس گئے اور علیؓ سے سفارش چاہی اور علیؓ اُن کو لے گئے۔ تو

۱۔ رسالہ روشنی جلد اول حصہ اول اکتوبر ۱۹۷۷ء صفحہ ۵۵۔



جناب سنیہ ۴ نے منہ اپنا دیرار کی طرف پھیر لیا۔ (کیا اس سے زیادہ حالت فاطمہ ۴ اُن کی ناخوشی پر یقین کے لیے درکار ہے) حضرت ابو بکر ۳ نے کہا کہ میں اپنی دفتر عائشہ سے تجھ کو زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ لیکن میں نے پیغمبر ۳ سے سنا تھا۔ کہ گروہ پیغمبر ۳ کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جناب فاطمہ ۴ نے کہا کہ میں تم کو خدا کی قسم دیتی ہوں آیا تم نے نہیں سنا؟ پیغمبر ۳ نے کہ خوشنودی فاطمہ ۴ خوشنودی میری ہے اور ناخوشی اُس کی ناخوشی میری ہے جو کوئی دوست رکھے فاطمہ ۴ کو اُس نے دوست رکھا مجھ کو اور خوشنود کرے فاطمہ ۴ کو خوشنود کیا اُس نے مجھ کو اُن دونوں حضرات نے کہا کہ ہاں ہم نے سنا ہی فاطمہ ۴ نے کہا کہ میں گواہ کرتی ہوں خدا اور اُس کے ملائکہ کو اس بات کا کہ تم دونوں نے مجھ کو ناخوش کیا اور جب پیغمبر ۳ سے ملاقات کرونگی تو اُن کے آگے تمہاری شکایت کرونگی پس حضرت ابو بکر ۳ نے آواز گریہ بلند کی۔ (کیا اس سے زیادہ زبانی فاطمہ ۴ کو فاطمہ کی غضب اور ناخوشی کا ثبوت اور دیکھو؟ ہاں) پر جناب فاطمہ ۴ نے فرمایا۔ کہ ہر آئینہ میں دریا کر دیکھتا رہے اوپر ہر نماز میں تہ (اب اس سے زیادہ ثبوت ناخوشی اور غضب ناکی فاطمہ ۴ کا اُن کی زبان سے اور کچھ چاہتے ہو۔ بین تو بہ) حضرت ابو بکر ۳ کے جانے کی فاطمہ ۴ کے مٹانے کے لیے یہ روایت نہیں ہے کہ جس کو صرف ابن قتیبہ نے لکھا ہو بلکہ اکثر علماء اہل سنت نے اس واقعہ کو لکھا ہے چنانچہ مولوی شاہ عبدالغنی صاحب تحفہ میں قبول کرتے ہیں کہ یہ امر ابو بکر ۳

پر بہت شاق ہوا اور اپنے آپ کو دروازہ خانہ زہرا پر حاضر لائے  
 اور امیر المومنین علیؑ کو اپنا شفیع گردانا تاکہ حضرت زہراؑ اسے  
 خوشنود ہو جائیں۔ مومنوی شاہ عبدالعزیز صاحب کتب علماء  
 اہل سنت کا اس طرح حوالہ دیتے ہیں کہ یہ روایت مدارج النبوة  
 اور کتاب الوفا بہیقی اور شرح مشکوٰۃ میں موجود ہے بلکہ شرح مشکوٰۃ  
 میں شیخ عبدالحقؒ نے لکھا ہے کہ ابو بکر صدیقؓ بعد اس قضیہ کے  
 فاطمہؑ کے گھر پر گئے اور گرمی آفتاب میں کڑے رہے اور غر خواہی  
 کی۔ ریاض النضرۃ میں بھی یہ قصہ بالتفصیل مذکور ہے اور مقتل  
 الخطبات میں بھی بر فائیت بہیقی شعبی سے یہی یہ قضیہ مروی ہے  
 اور ابن اسحاق نے کتاب الموافقة میں ادراعی سے روایت کیا ہے  
 کہ آئے ابو بکرؓ دروازہ فاطمہؑ پر در ز گرم میں اور کہا کہ نہیں جاؤ گا  
 میں اس جگہ سے جب تک کہ نہ راضی ہو جاؤں مجھے بنت پیغمبرؐ  
 یقین کرنا چاہیے کہ ان اکابر علماء سنت نے ان روایات پر  
 اعتماد کیا ہے جن سے حضرت ابو بکرؓ کا در خانہ جناب فاطمہؑ پر جانا  
 بعد قضیہ فدک کے بغیر من خوشنودی حاصل کرنے حضرت فاطمہؑ  
 کے اور در ز گرم میں برداشت کرنا گرمی کا ظاہر ہوتا ہے اور جس  
 سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جناب سیدۃ النساء العالمین حضرت  
 ابو بکرؓ سے ایسی تاخوش اور غضبناک ہو گئی تھیں کہ جس کی وجہ سے  
 حضرت ابو بکرؓ اپنی بیٹائی ظاہر کرتے تھے کہ حضرت فاطمہؑ اسے  
 خوشنود ہو جائیں اور حضرت ابو بکرؓ کو حضرت فاطمہؑ کی راضی اور  
 تاخوشی کا ہی یقین تھا۔ اور اسی کے لئے ان کو یہ بھی یقین تھا کہ پیغمبرؐ

کے ارشاد کے کہیں وہ مصداق نہ ہو جائیں۔ مولوی شاہ عبدالغفر نے صاحب نے جن کتب اہل سنت سے اس واقعہ کا ذکر لکھا ہے اُن کتابوں میں اس روایت کے آخر پر یہ مروی ہوا ہے کہ حضرت فاطمہ راضی ہو گئیں۔ لیکن یہ جزو اخیر بالکل مخالفت ہے اس کے جو ابن قتیبہ نے لکھا ہے اور جس کا ذکر ابھی ہم اوپر لکھ آئے ہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں جو روایت غضبناکی اور ناخوشی جناب فاطمہ منقول ہے۔ وہ بھی خلافت اُس روایت کے ہے کہ جس روایت میں حضرت فاطمہ کا راضی ہو جانا مروی ہوا ہے اس لیے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یوں روایت ہے کہ حضرت فاطمہ غضبناک ہوئیں اور اُنھوں نے بات نہ کی یہاں تک کہ مر گئیں۔ اگر حضرت فاطمہ راضی ہو جاتیں تو صحیح مسلم اور بخاری میں یوں روایت ہوتی کہ غضبناک ہوئیں فاطمہ پھر راضی ہو گئیں اور خوش خوش مر گئیں ابن قتیبہ نے جو روایت لکھی ہے اور جس کا آخر مضمون یہ ہے کہ حضرت ابو بکر سے حضرت فاطمہ راضی ہوئیں اور اُنکا غضب فرو نہیں ہوا اور اُنھوں نے اپنا تادم مرگنا خوش پر قائم رہنا اپنی زبان سے ظاہر فرما دیا یہ ابن قتیبہ کی روایت مطابق صحاح کے ہے اس لیے اُس کا صحیح مانا جانا چاہیے اور روایت دیگر کتب کا جزو اخیر جو متضمن راضی ہو جانے جناب فاطمہ کے ہے قطعی موضوع قرار پانے کے قابل ہے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ قضیہ حضرت ابو بکر کے جانے کا اور حضرت فاطمہ سے یہ خواہش کرنے کا کہ وہ راضی ہو جائیں تو صحیح ہی

صحیح ہے۔ بجائے غضب ناک اور ناخوش رہنے جناب فاطمہ کے جیسا کہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے واضحین نے یہ وضع کر لیا کہ حضرت فاطمہ راضی ہو گئیں۔ عام طور پر ہر ایک ملک تعلیم یافتہ کا ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ کسی کی خطا بخشی نہیں ہو سکتی اور نہ کسی کو معافی دی جاسکتی ہے جب تک کہ وہ خطا کرنے والا اپنے قول اور فعل پر نادم ہو کر اپنے قول اور فعل کو مسترد کرے اور واپس لے۔ یہاں تک کہ خدا بھی کسی کا گناہ جو حق اللہ سے متعلق نہ معاف نہیں کرتا۔ جب تک کہ وہ گنہگار پشیمان ہو کر باز نہ آوے اور جو کوئی گناہ حق العباد کے متعلق کرتا ہے وہ گناہ اس کا خدا اس وقت تک معاف نہیں کرتا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جاتی کہ جب تک وہ حق العباد کو مسترد نہ کرے اور واپس نہ دے۔ کسی کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب حضرت ابو بکر صغیر سے اس کے خلافیت کی نسبت یہ فرماتے رہے کہ مجھے اقالہ بیعت کا کرنا واجب کہ درمیان تمہارے بہتر تمہارا اعلیٰ ہے مگر نہ اقالہ بیعت کا کیا نہ خلافیت واپس دی۔ اور متعلق معاملہ فہم کے معافی مانگنے کے وقت بھی یہی کہتے رہے کہ میں نے پیغمبر سے سنا ہے کہ کوئی پیغمبر کا وارث نہیں ہوتا۔ اور جس سے مراد یہ تھی کہ میں نے فہم کو ٹھیک ضبط کیا ہے۔ جس کو حضرت فاطمہ خلافت حق اور مخالفت قرآن جانتی تھیں۔ اور ان کا ایسا جاننا یعنی تھا تو ایسی حالت میں کیونکر ہو سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ ابو بکر کو معافی دے دیتیں اور راضی ہو جائیں اور اگر ایسی

حالت میں وہ معافی دے دیتیں اور راضی ہو جاتیں۔ تو دواہر  
 نا واجب کی تائید کرنے والی اور اسپین شریک سمجھی جاتیں۔ کہ  
 جس سے اُن کے معصوم اور مظاہر ہونے پر داغ لگتا اس لیے  
 کہ معصوم سے کہ جس کی طہارت عمل ناپا واسطے ہو جب نصر قرآنی  
 اور پیغمبرؐ کے ہو چکی ہو اُس سے ایسا عمل نہیں ہو سکتا کہ وہ  
 امرنا واجب اور ناروا کی تائید کرنے والی ہو اور اُس پر راضی  
 ہو جائے اور حقوق اہل بیت نبوت کو ضائع و برباد کر دے۔  
 یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا امر حضرت فاطمہؑ سے ظہور میں آنا غیر ممکن  
 تھا کہ وہ دختر پیغمبرؐ اور زوجہ ابوالائمہ اور مادر گیارہ ائمہ العتبت  
 پیغمبرؐ کی تین۔ ہاں اگر حضرت ابو بکرؓ اپنے قول اور فعل پر  
 ایسے نادم ہوتے کہ خلافت اور فدک جو حق اہل بیت پیغمبرؐ کا  
 تھا اُس کو واپس کر دیتے کہ اُس حالت میں اُن کا اپنے قول  
 اور فعل سے باز آنا ٹھیک ہوتا تو میں یقین دلاتا ہوں۔ کہ جناب  
 سیدہؑ اس حالت میں حضرت ابو بکرؓ سے ضرور راضی ہو جاتیں  
 اور بغیر اس کے میری سمجھ میں تو آتا نہیں۔ جس کسی کے جی میں  
 آئے سمجھ لے کہ حضرت فاطمہؑ راضی ہو گئی تین۔

مگر بہت دشوار ہے۔ کہ جناب سیدہؑ کے تازیست راضی  
 ہو جانے پر حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ سے مع اُن لوگوں کے  
 کہ جو شریک حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ہوئے۔ کوئی  
 یقین کر سکے۔ وہ ان لوگوں سے اس قدر غضب ناک اور ناخوش  
 نادم مرگ گئیں کہ اُسی ناخوشی کی وجہ سے اُن کے نہ حاضر ہونے

کے لیے اپنے جنازہ پر مخالفت اور وصیت کر گئیں چنانچہ ابو بکرؓ نے روایت کی ہے کہ ۳۰ فاطمہؓ نے ابو بکرؓ سے کہا کہ میں تم سے کبھی کلام نہیں کروں گی ابو بکرؓ نے کہا کہ میں تم سے کبھی جدا کی نہیں کروں گا فاطمہؓ نے کہا خدا کی قسم ہر آئینہ بد دعا کروں گی میں تم پر ابو بکرؓ نے کہا قسم خدا کی میں دعا کروں گا تمہارے واسطے پس جس وقت کہ حاضر ہوئی وفات فاطمہؓ کو پس وصیت کر گئی کہ نہ نماز پڑھیں ابو بکرؓ اُن پر۔ دفن کی گئیں فاطمہؓ رات کو ۱۱ بجے وفات صاف دلالت کرتی ہے کہ وصیت حضرت فاطمہؓ کی بوجہ آزدگی اور ناخوشی کے یہ تھی کہ حضرت ابو بکرؓ اُن کے جنازہ پر حاضر نہ ہوئے اور صحیح بخاری میں غزوہ خیبر میں یہ روایت ہے جس کا شروع یہ ہے کہ ۳۰ چاہتی تھی فاطمہؓ میراث رسول اللہؐ سے جو کچھ کہے فخر دیا تھا اللہ نے پیغمبرؐ پر دینے میں اور فخر میں اور جو کچھ کہے بقیہ تھیں خیبر سے (آخر روایت میں ہے) پس انکار کیا ابو بکرؓ یہ کہ حوالہ کریں فاطمہؓ کو اُس میں سے کچھ۔ پس خشکین اور انہوں نے ہوئیں فاطمہؓ ابو بکرؓ پر اُس قضیہ میں اور جدائی کی فاطمہؓ نے ابو بکرؓ سے اور نہ کلام کیا فاطمہؓ نے اُن سے یہاں تک کہ گئیں اور زندہ رہیں فاطمہؓ بعد نبیؐ کے چہ مہینہ۔ پس جب وفات پائی فاطمہؓ نے دفن کیا اُن کو اُن کے شوہر علیؓ نے رات میں۔ اور نہ اُن دیا اُن کے جنازے پر کہ ابو بکرؓ نماز پڑھیں ۳۰ اور یہ روایت صحیح مسلم میں بھی کتاب جہاد میں مذکور ہے۔ روضۃ الاحباب

۱۱ مطبع تیج ہاؤس لاہور صفحہ ۲۲۷

میں ہی اس قدر منقول ہے کہ ۳۳ دوسرے روز ابو بکر صدیق ۴ اور عمر فاروق ۵ اور تمام اشراف صحابہ نے حضرت علی علیہ السلام سے جناب کیا کہ کیون ہم کو خبر نہ کی تاکہ شرف نماز کا اس پر ہم پاتے حضرت علی ۴ نے عذر کیا کہ بموجب وصیت کے ایسا میں نے کیا ۶

ان روایات میں (جو دیگر کتب صحاح میں مندرج ہیں اور جنکی صحت علماء اہل سنت قبول کرتے رہے ہیں) ایسی تفصیل سے واقعات غضب ناک کی اور ناخوشی فاطمہ زہرا ۴ کے منقول ہیں جنہیں زبانی اور حالت فاطمہ ۴ یعنی ان کے قول اور عمل سے قابل یقین کے ثابت ہے کہ خلافت جو خاندان نبوت سے نکالی گئی اور فدک سے ان کو منع کر دیا گیا حضرت فاطمہ ۴ حضرت ابو بکر ۴ اور عمر ۴ پر ایسی غضب ناک اور ان سے ایسی ناخوش ہوئیں اور وہ غضب اور ناخوشی ایسا ان کے ناحیات باقی رہا کہ حضرت ابو بکر ۴ اور عمر ۴ اور جو کوئی ان کا مسامحتہا ان کے لیے وصیت کر گئیں کہ وہ ان کے جنازے پر بھی حاضر نہ ہوں۔

یہ تمام واقعات موجب غضب ناک کی اور ناخوشی حضرت فاطمہ ۴ کے کیا سقیفہ بنی ساعدہ میں امر خلافت کے متعلق اور کیا دربار حضرت ابو بکر ۴ میں قضیہ فدک کے متعلق اور کیا حضرت ابو بکر ۴ کے بغض حصول خوشنودی جناب سیدہ ۴ کے گھر پر جانے اور جناب فاطمہ ۴ کی خوشنودی ہونے کے متعلق اور کیا وصیت کو کے ان حضرات کو حاضری اور شرکت جنازہ سے منع کر دینے کے متعلق اور اسی

وہر سے ان کو اطلاع و فات نہ دینے کے اور ان حضرات سے شریک جنازہ نہ دینے کے متعلق ایسے کھلم کھلا اور علانیہ وقوع میں آئے تھے کہ جس سے ہر کسی کو قول اور طرز عمل حضرت فاطمہؑ سے یقین ہو گیا تھا کہ فاطمہ زہراؑ غصب ناک اور ناخوش حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ سے تازہ نیست رہیں۔ بی بی عائشہ جو پیاری دختر اور جگر حضرت ابوبکرؓ کی تھیں ان کے یقین پر حضرت فاطمہؑ کے غصب ناک اور ناخوش رہنے کا مرتے دم تک بہ نسبت دوسرے لوگوں کے کچھ ہی شبہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت فاطمہؑ کی تمام گفتگوئیں اور ان کا طرز عمل خود بمقابلہ حضرت ابوبکرؓ پدر بزرگوار بی بی عائشہؓ کے وقوع میں آیا تھا۔

پس بی بی عائشہؓ سے صحیح بخاری اور مسلم میں جو یہ روایتیں ہیں کہ بی بی فاطمہؑ بنت رسول اللہؐ نے چاہا ابوبکر صدیقؓ سے بعد وفات رسول اللہؐ کہ یہ حصہ کر دین فاطمہؑ کی میراث انکی جو کچھ چھوڑا ہے رسول اللہؐ نے اس چیز سے کہ فرمایا تھا اللہ نے رسولؐ پر کیا ابوبکرؓ کی فاطمہؑ کے پیش رسول اللہؐ فرمایا بنین وارث ہوتا ہی ہمارا جو کچھ چھوڑتے ہیں ہم صدقہ ہی۔ پس غضبناک ہوئیں فاطمہؑ بنت رسولؐ اور جدائی لی ابوبکرؓ سے اور اور ہمیشہ رہی وہ جدائی یہاں تک کہ مر گئیں اور زندہ رہیں فاطمہؑ بعد رسول اللہؐ کے چہ مہینہ۔ اور دوسری روایت کے آخر میں بھی ہے۔ جب مر گئیں فاطمہؑ دفن کیا ان کو ان کے شوہر نے رات میں اور نہ اذن دیا ان کے لیے ابوبکرؓ کو کہ وہ نماز پڑھیں ان پر

۱۱ کتاب خمس بخاری ۱۲ غزوہ خیبر بخاری کتاب الجہاد مسلم ۱۱



یہ روایتیں بیان مختصر اور نتیجہ اُن واقعات مفصل کا ہر جوہر وایتوں  
دوسرے کتب اہل سنت میں منقول اور مقبول علماء اہل سنت  
کی ہیں اور بی بی عائشہ ؓ نے اپنے بیان میں نتیجہ انہیں واقعات  
کا بیان کیا ہے کہ جس قول اور طرز عمل فاطمہ زہرا ؓ سے اُن کی  
غضب ناک اور ناخوشی کا ہر کسی کو یقین تھا اور وہ واقعات قول اور  
طرز عمل فاطمہ ؓ خود بمقابہ حضرت ابوبکرؓ پر بزرگواری بی بی عائشہ  
صدیقہ کے ظہور میں آئے تھے۔ اور بی بی عائشہ ؓ کو اُس نتیجہ اِقتضا  
پر جس کو اُنھوں نے بیان کیا ایسا علم یقین تھا کہ اُن کو کچھ ضرورت  
ذریعہ اپنے علم کے بیان کی نہیں تھی۔ پس امر محققہ اور واقعات  
مسلّمہ کا نتیجہ بیان کرنا بی بی عائشہ ؓ کا اُس سے بہتر اور اولیٰ قسط  
غضب ناک اور ناخوشی فاطمہ علیہا السلام کے لیے ہے کہ جب بی بی  
عائشہ محض زبانی حضرت فاطمہ ؓ کے بیان کرتیں کہ اُس میں سے  
گنجائش اس امر کے کہنے کی باقی رہ سکتی کہ بی بی عائشہ ؓ سے گفتگو زبانی  
فاطمہ زہرا ؓ کے سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ پس بی بی عائشہ کے بیان  
نتیجہ اور محققہ اور واقعات مسلّمہ کی نسبت یہ قیاس کرنا کہ اُنھوں نے  
قیاس کیا تھا جس میں غلطی ہو جاتی ہے تاثیرہ سو برس کے بعد یہ  
ایجاد طبع کہ بی بی عائشہ ؓ کا وہ قیاس تھا اور وہ قیاس بھی غلط تھا  
کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ بی بی عائشہ صدیقہ نے جو امر محققہ  
اور نتیجہ واقعات مسلّمہ کا بیان کیا ہے اُس کی صداقت کو نہ ماننا  
ایسا ہی ہے کہ جیسے خود حضرت ابوبکرؓ بلا ذکر زبانی حضرت فاطمہ  
کے امر محققہ اور نتیجہ واقعات مسلّمہ کو بیان کرتے اور اُن کے بیان

کی نامنظوری کے لیے یہ کہا جاتا کہ اُصْحُون نے فاطمہ و ہر اہل ہاشمی کی بنیائی شکایت نہیں سنی۔ بی بی عائشہ بے شک عالم الغیب نہیں تھی لیکن یہ معاملہ عالم شہود کا ہے جس کو اُصْحُون نے بیان کیا ہے اور اُنکی آنکھوں کے سامنے زمانہ اُن واقعات کو منظور میں لاتا گیا تھا اور اُن واقعات کو مسلم اور محقق قرار دیتا جاتا تھا۔

مصنف مخاطب ہنوز مشتاق ایسی دلیل کے ہیں کہ بی بی عائشہ کا سمجھنا مطابق واقعہ کے تھا حالانکہ دلیل اُس کی خود وہ واقعات مسلمہ ظاہر کر چکے ہیں۔ کہ جو کچھ بی بی عائشہ نے بیان کیا تھا وہ سمجھنا اُنکا مطابق واقعہ کرتا اور وہ اُنکا سمجھنا بعینہ ایسا تھا کہ جیسا خود حضرت ابو بکر کا سمجھنا مطابق واقعہ کرتا۔ شیعہ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ فدک کی بحث میں جناب سیدہ ابوبکر سے ناراض ہوئیں اہلسنت کی ردایتوں نے ابو بکر کی شکایت جناب سیدہ کی زبان سے ثابت کر چکے اور اُن روایتوں کی صحت کی نسبت یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اُن کو علمائے اہل سنت تواترینا زمانہ تک بھی قبول کرتے چلے آتے ہیں۔ اگر مصنف مخاطب کے ہم خیال علمائے اہل سنت کی اُن روایتوں کے صحیح نہ مانے جانے کا خیال رکھتے ہوں تو اُن کو کوئی دلیل لانا چاہیے کہ وہ روایتیں جھوٹے علمائے اہل سنت قبول کرتے چلے آتے ہیں وہ بمقابلہ اہل سنت کے شیعہ کیوں نہیں حجت لا سکتے۔

مصنف مخاطب بی بی عائشہ کی نسبت یہ الزام لگانے کے بعد کہ اُن کا وہ بیان قیاس تھا اور وہ قیاس ہی غلط اور ضلالت واقعہ تھا دفع دخل کرنا چاہتے ہیں تاکہ اُن کے قیاس جدید سے

جس میں تمام علمائے گذشتہ سے مخالفت پیدا ہوتے ہی بی بی عائشہ پر مصنف مخاطب کی طرف سے کوئی طعن عائد نہو جاوے۔ لیکن دفعہ داخل میں اُنکو کامیابی نہیں ہوئی۔

پہلے تو ہم کو یہ حیرانی ہے کہ مصنف مخاطب آیہ تطہیر شان میں ازدواج کے قرار دیتے ہیں جس پر اُنھوں نے بہت زور دیا ہے۔ اور یقین کرنا چاہیے کہ ازدواج کی شان میں آیت تطہیر کو قرار دینے سے اصل مقصود یہ ہی ہے کہ بی بی عائشہ طاہرہ بھی تھیں اس طہارت سے یہ مراد تو ہونہیں سکتی کہ بی بی عائشہ کے ہاتھ پاؤں بدن میں قاذورات لگے ہوئے تھے اُن سے وہ طاہر ہو گئیں بلکہ شرک و کفر فواحش اور عمل قبیح کی طہارت سے مراد ہونی چاہیے یعنی کوئی گناہ اُن سے سرزد نہو۔ ہاں اب سوال یہ ہے کہ غلط اور خلاف واقعہ ایسا قیاس بی بی عائشہ کی طرف عائد کرنا۔ کہ جس سے حضرت ابو بکرؓ، برحق خلیفہ اور نائب رسولؐ پر (جیسا کہ مرسوم اہل سنت ہے) غضب اور ناخوشی فاطمہؓ کا الزام عائد ہوتا ہو (کہ غضبنا کی اور ناخوشی فاطمہؓ برابر غضب اور ناخوشی پیغمبرؐ کے ہے) امر شدید اور مذموم حضرت ابو بکرؓ کے لیے ہے۔ آیا ایسا الزام لگانا داخل عمل قبیح اور گناہ کے ہے یا نہیں؟ شیعہ ہی بجز اس کے کہ حضرت ابو بکرؓ پر کچھ الزام لگاتے ہیں اور کچھ گناہ نہیں کرتے ویسے ہی بی بی عائشہ کی طرف سے حضرت ابو بکرؓ پر غلط الزام لگانے کا گناہ مصنف مخاطب عائد کرتے ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بی بی عائشہ معصوم نہیں تھیں اور اُن سے ایسے امور کا سرزد ہونا غیر ممکن نہیں تو اس کا نتیجہ

یہ ہو گا کہ وہ شامل اُن لوگوں کے نہیں تھیں جنکی شان میں آیت تطہیر ہے۔ ہاں ایسے امور کے سرزد ہونے سے جبکہ وہ معصوم نہیں ہیں بی بی عائشہ کے لیے یہ فائدہ ہے کہ اُن کی خصلت ضرور امور ناروا کے لیے پائی جاوے گی اور کہا جا سکیگا کہ جب اُنھوں نے اپنے باپ ایک خلیفہ برحق نائب رسول مبرا ایسا شدید الزام لگا پر قیاس غلط اور خلافت واقعہ کے ذریعہ سے پاک نہیں کیا۔ تو وہ علی مرتضیٰؑ جو حق خلیفہ رسولؐ سے جنگ کرنے میں کیا درجہ رکھتے ہیں اور علیؑ سے جنگ کرنے کا الزام جو شیعہ بی بی عائشہ پر لگاتے ہیں اُس سے برات کے لیے وہ خصلت بی بی عائشہ کی محبت عمدہ ہو مصنف مخاطب ام المؤمنین عائشہؓ پر طعن عائد نہ ہو سکنے کے لیے کہتے ہیں کہ وہ اُنھوں نے بیان خلافت واقعہ کا قصد نہیں کیا تھا۔ بلکہ جو کچھ وہ سمجھی ہوئی تھیں اُس کو بیان کیا تھا یہ اتفاقی بات ہے کہ وہ خلافت واقعہ تھا یہ تو ہم خوشی سے قبول کرتے ہیں کہ بی بی عائشہؓ نے خلافت واقعہ کا قصد نہیں کیا مگر جو کچھ وہ سمجھو ہوئے تھیں وہ خلافت واقعہ کیونکر ہو سکتا ہے جو واقعات مسلمہ اور امور متفقہ ہم نے کتب اہل سنت سے دکھائے۔ اُن سے وہ بیان بی بی عائشہؓ کا مطابق واقعہ کے ہے مصنف مخاطب کو چاہیے تھا کہ پہلے وہ اُن واقعات کو دکھاتے کہ جس سے ہر کسی کو یقین ہو جاتا کہ حضرت ابو بکرؓ سے حضرت فاطمہؓ کو اذیت نہیں پہنچی اور ہمیشہ حضرت ابو بکرؓ اُن کی رضا اور خوشنودی کے کام کرتے رہے۔ جس سے حضرت فاطمہؓ کا کبھی غضب ناک اور

ناخوش ہوتا ہر کسی کے ذہن میں آجاتا۔ بغیر اس کے باوصف موجود ہوئے واقعات غضب اور ناخوشی کے کسی کی سمجھ میں یہ کتنا صنف مخاطب کا آسکتا ہے ۲۲ کہ بی بی عائشہ ۳ کا بیان جو وہ سمجھ ہوئے بہتین خلاف واقعہ تھا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تیرہ سو برس کے بعد مصنف مخاطب بی بی عائشہ ۴ کی سمجھ کو جو ان واقعات پر مبنی تھی کہ جو ان کی زندگی میں گزرے تھے غلط اور خلاف واقعہ قرار دیں۔ یہ واقعات ایسے مسلمہ اور محققہ طشت ازبام تھے کہ اس عہد کے تمام لوگ ان واقعات کی صحت کو مانتے تھے۔ اور مفصل ان واقعات کو دوسرے لوگوں نے برابر نقل کیا ہے جو خود کتب الطہفت میں مندرج ہیں۔ بی بی عائشہ کے ایک شخص عروہ بن زبیر سے (کہ جو ہانجہ بی بی عائشہ کا تھا۔ اور جن کے سامنے بی بی عائشہ ۴ بے حجاب آسکتی تھیں) نتیجہ واقعات مسلمہ اور امر محققہ کے بیان کرنے سے تو زیادہ تائید صحت ان روایات کی ہوتی ہے۔ جو دوسرے لوگوں سے دیگر کتب اہل سنت میں منقول ہوئی ہیں صحت واقعات کے لیے یہ امر ضروری نہیں ہو سکتا۔ کہ بی بی عائشہ کے سوا دوسرے لوگوں سے بھی یہ خبر کتب صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی منقول ہو گیا مصنف مخاطب اس امر کے قائل ہیں کہ تنہا بی بی عائشہ سے کوئی حدیث پیغمبر کی منقول ہو اور دوسرے لوگوں سے اسی کتاب میں وہ روایت منقول نہ تو وہ روایت بی بی عائشہ کی غلط اور خلاف سلمہ عبد اللہ بن زبیر عروہ ہاجر چار بیٹے اسار بنت ابی بکر سے زیر کے تھے۔ (کتاب ریاض مستطابہ)۔

واقعہ ہے۔ امر محققہ اور نتیجہ واقعات سلسلہ کا جو بیان بی بی عائشہ نے کیا ہے اگر حضرت عائشہ حیات فاطمہ یا عہد ابی بکر عین بیان کرتیں تو یہی وہ اسی کے برابر تھا۔ کہ بعد وفات فاطمہ اور عہد ابی بکر کے اگر یہ بیان کیا ہم کو اس بات کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ خلافت صدیق کے زمانہ میں عروہ پیدا بھی نہیں ہوا تھا جس سے مصنف مخاطب یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ بیان بی بی عائشہ نے بعد عہد ابی بکر کے ظاہر کیا ہے۔ اگر جناب فاطمہ یا عہد ابی بکر میں یہ خیال ظاہر کرتیں تو اس کی تصحیح ہو جاتی ہے قبول کیے لیتے ہیں کہ عروہ زمانہ خلافت حضرت ابو بکر میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ جس کا یہ نتیجہ ہو گا کہ اس کے سامنے واقعات اور قضیہ خلافت اور فدک کے درمیان حضرت فاطمہ اور حضرت ابو بکر کی طور پر نہیں آتے تھے پس لازم آتا ہے اسی وجہ سے بی بی عائشہ نے عروہ کے سامنے کہ جو نا واقعت اور بے علم ان واقعات اور قضیوں سے سمجھا جاتا تھا امر محققہ اور نتیجہ واقعات کو بیان کیا اور حیات فاطمہ اور عہد ابو بکر میں وہ واقعات اور قضیہ باہم فاطمہ اور حضرت ابو بکر کے ایسے علانیہ طور پر آئے تھے کہ ہر کوئی غضب ناک اور ناخوشی جناب سیدہ کو جانتا تھا۔ ان لوگوں کو ان کو جو حیات فاطمہ اور عہد ابو بکر میں موجود تھے کیا ضرورت تھی کہ ایک دوسرے واقعت کو اطلاع کرتا۔ جناب سیدہ کا ابو بکر سے ناراض ہونے کا خیال اس وجہ سے بے اصل نہیں ہو سکتا کہ خلافت ابو بکر کے زمانے میں کسی کی زبان پر اس کا ذکر نہ آیا

یا عائشہ کے سوا کسی کے دل میں اس کا خیال بھی نہ گذر سکتا جیسا کہ مصنف، مخاطب کہتے ہیں۔ بلکہ عہدہ ملاقات حضرت ابو بکر عین ہر کسی کو غضب ناک اور ناخوشی فاطمہؓ کا نشین تھا اور سب سے زیادہ بی بی عائشہؓ کے دل میں غضب ناک اور ناخوشی فاطمہؓ کی نشین تھی اور اسی وجہ سے کسی کی زبان پر ذکر نہیں آیا کہ ہر کوئی اس کا علم رکھتا تھا۔ واقعات زمانہ تب ہی منقول ہوتے ہیں کہ جبکہ جاننے والا انجان سے ذکر کیا کرتا ہے اور انجان سے ہی کسی واقعہ کے ذکر کی ضرورت ہوتی ہے ان واقعات اور قضیوں درمیان حضرت ابو بکرؓ اور جناب فاطمہؓ کا ذکر مختلف لوگوں نے مختلف لوگوں سے سن کر کیا ہے جیسا کہ کتب اہل سنت میں وہ عام واقعات باعث غضب ناک اور ناخوشی فاطمہؓ کے اور وہ واقعات جن سے غضب ناک اور ناخوشی فاطمہؓ کی مسلم اور محقق ہوئی ہے موجود اور منقول ہیں۔ خواہ وہ کتب سیر اور تاریخ کی شان رکھتے ہوں خواہ جمع احادیث کی۔

دعویٰ مذکور کے بعد شاید نہیں یقینی بی بی عائشہؓ اور سیدہؓ سے ملاقات نہیں ہوئی اس وجہ سے نہیں کہ بی بی عائشہؓ پابند عہدہ نہیں جیسا کہ مصنف مخاطب گمان کرتے ہیں (عدت وہ بیوہ رکھتی ہے کہ جو بعد وفات شوہر دوسرا شوہر کر سکے اور زمانہ عدت تک اس کو لازم ہے کہ شوہر کے گھر سے نہ نکلے ازواج رسولؐ بعد وفات رسولؐ دوسرا شوہر نہیں کر سکتی تھیں کہ انہیں دوسرا شوہر کرنا حرام تھا۔ اور ان کو بموجب نص قرآنی کے تارسیت

پیغمبرؐ کے گھر سے کسی وقت اور کسی حالت میں باہر نہیں نکلتا چاہیے تھا۔ اُن کے لیے زمانہ عدت اور غیر عدت کا جو غیر ازواج رسولؐ کے لیے سب سے مساوی تھا۔ بلکہ بی بی عائشہؓ کی جناب سیدہؓ سے بعد وفات رسولؐ اور دعویٰ فدک کے ملاقات اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ اول تو بی بی عائشہؓ حیات رسولؐ میں ذکر حضرت خدیجہؓ مادر فاطمہؓ کے وقت ایسے کلمات زبان پر لایا کرتی تھیں کہ جس سے پیغمبرؐ آشفستہ ہو جاتے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے دل کو خراش پہنچتی تھی۔ جیسا کہ خود کتب اہل سنت میں موجود ہے۔ بعد وفات پیغمبرؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے خلافت لے لینے اور فدک سے فاطمہؓ کو منع کر دینے کے جناب فاطمہؓ زہراؓ کو غضب ناک کی اور اخوشی پیدا ہو گئی تھی جس پر حضرت ابوبکرؓ یقین کریتے تھے اور باوصفت اس کے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت فاطمہؓ کے گھر گئے۔ انا فاطمہؓ اُن سے خوشنود نہ ہو مین فاطمہؓ بی بی عائشہؓ کو جگر حضرت ابوبکرؓ کا جانتی تھیں اور بی بی عائشہؓ اپنی ذاتی اور صمیمی برتاؤ سے یقین کرتی تھیں کہ حضرت فاطمہؓ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ پر غضب ناک تھیں ویسے ہی مجھ سے ناخوش ہیں اور اسی وجہ سے بی بی عائشہؓ کی ملاقات جناب سیدہؓ سے وفات رسولؐ اور نکلتے خلافت اور ضعیفی فدک کے بعد نہیں ہوئی۔ اور نہ مصداق گھر سے رسولؐ کے باہر جانے کا حضرت فاطمہؓ کی ملاقات کے لیے بی بی عائشہؓ کی نسبت ہو سکتا تھا کہ دونوں گھر برابر تھے اور دیوار درمیانی میں ایک خاکہ (دو کھانا کھانا) فاطمہؓ بعد رسولؐ



مصنف مخاطب اپنی تقریر کا یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ قرآن سے حضرت عائشہؓ نے یہ نتیجہ نکالا ہوگا وہ ایسے قرائن نہ تھے جنکو بہ چشم خود انھوں نے دیکھا ہو یا بلا واسطہ جناب سیدہؓ کی زبان سے سنا ہوگا

بعد واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ کے خلافت کے متعلق اوقات مختلف  
 پر حجتین اور گفتگو بین اور علی مرتضیٰ سے بیعت طلبی اور ان کے  
 طلب کے لیے حضرت عمرؓ کا آگ اور لکڑی لیکر درخانہ فاطمہؓ پر  
 مع گروہ کے آنے کے قہیے اور فزک کے منع کے قہیے اور فاطمہؓ  
 کا حضرت ابو بکرؓ کے دربار میں جانا اور ناکام واپس آنا اور انکی  
 غضب ناکی اور ناخوشی کی حالت اول سے آخر تک بہت کچھ مسجد  
 نبویؐ میں ہوا ہے اور مسجد نبویؐ کے صحن میں ان برابر برابر گھرو  
 کے کہ جنہیں فاطمہؓ اور بنی بی عائشہؓ رہتی تھیں دروازے کھلے  
 ہوئے تھے اور ان گھروں کی دیوار درمیانی تھی ایک نوکھ تھا۔  
 اور مسجد نبویؐ اور اس کا صحن کچھ لمبا چوڑا نہیں تھا۔ بس سے وہ  
 گھر اور دروازے دور ہوتے۔ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ  
 واسطے حاصل کرنے خوشنودی فاطمہؓ کے اسی در اور گھر فاطمہؓ  
 پر گئے تھے اور ناکام ان کے آنے کا واقعہ اسی در اور گھر پر ہوا  
 تھا۔ جس سے کچھ شبہ نہیں رہ سکتا کہ وہ تمام واقعات بنی بی عائشہؓ  
 کی آنکھوں کے سامنے گزرے اور انھوں نے اپنی آنکھوں  
 سے دیکھا اور بلا واسطہ جناب سیدہؓ کی زبان سے سنا اور بنی بی  
 عائشہؓ نے جو بیان غضب ناک اور ناخوشی فاطمہؓ کا کیا ان  
 کا علم ذاتی بذریعہ انہیں واقعات کے ہوا تھا جو ان کے سامنے  
 گزرے جنہر وہ کچھ شبہ نہیں کر سکتی تھیں۔

اور غضب ناک اور ناخوشی حضرت فاطمہؓ کا حضرت ابو بکرؓ  
 پر درآمد میان انہیں دونوں کے تھا اور جیسا کہ حضرت فاطمہؓ

ہو سکتے پر کیفیت غضب ناکی اور ناخوشی کا مصنف مخاطب کے  
نزدیک معتمد ہو سکتا ہے و یسا ہی حضرت ابو بکر کی طرف سے بی بی  
عائشہ ؓ کو علم ہونا معتمد سمجھنا چاہیے۔ اور کم سے کم ضرور ہے کہ  
بی بی عائشہ کو ان تمام واقعات غضب اور ناخوشی فاطمہ کا اور  
مرنے دم تک باقی رہنا اُس غضب اور ناخوشی کا علم حضرت ابو بکر  
سے ہوا۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ بی بی عائشہ ؓ اپنے باپ کی  
سرگزشت سے اُنکی زبان پر نہ لایا علم رہ سکین یا جو واقعات اُن کے  
باپ کو پیش آئے اُن کو اُن سے تحقیق نہ کر سکین یا اگر بی بی عائشہ  
بوجہ عدہ کے جیسا کہ مصنف مخاطب کے زعم میں ہے گھر سے  
باہر نہیں جاسکتی تھیں تو حضرت ابو بکر ؓ کے لیے کوئی امر مانع بی بی  
عائشہ ؓ کے پاس جانے کا نہیں تھا۔ کہہ نہ سکتے تھے کہ ہر طرح سے  
بی بی عائشہ ؓ کو علم یقین غضب ناکی اور ناخوشی حضرت فاطمہ  
کا تھا اور اسی وجہ سے بی بی عائشہ کو ضرورت نہیں ہوتی کہ ذلیعہ  
اپنے علم کا ظاہر کریں بی بی عائشہ نے جو بیان غضب اور ناخوشی  
فاطمہ کا برسلسلہ بیان اُن واقعات کے کیا ہے کہ جو باعث غضب  
اور ناخوشی فاطمہ کے ہوئے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ اُن کو ان امور  
کا علم ذاتی بلا واسطہ کسی غیر کے تھا۔ جب جناب سیدہ کی ناراضی  
کے اسباب اور واقعات سلسلہ اور محققین اور یہ بھی صحیح ہے کہ  
جناب سیدہ ؓ اُن واقعات اور اسباب مکررہ کے باعث سے  
ناراض ہو گئیں تو خود بخود یہ امر ظاہر ہو جائے گا کہ ناراضگی کی وجہ  
سے اُنہوں نے ابو بکر ؓ سے کلام چوڑ دیا نہ

مصنف مخاطب کو چاہیے تھا کہ پہلے وہ ان واقعات اور اسباب کے بغیر صحت ثابت کرتے کہ جن سے جناب سیدہ م غصب ناک اور ناخوش ہو گئی تھیں اور ایسے واقعات اور اسباب دکھاتے کہ جناب سیدہ م حضرت ابو بکر م سے تازست برابر خوشنودرہین تب ان کو یہ کہنا زیبائتا یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ ناراضگی کی وجہ سے انھوں نے ابو بکر م سے کلام چوڑ دیا تھا ۛ

اور یہ قیاس امکانی مصنف مخاطب کا کہ ع اس کے بعد ان میں باہم کلام ہوا ہو مگر حضرت عائشہ م کو اسکی خبر نہ ہو ۛ حجت نہیں ہو سکتا جب تک کہ مصنف مخاطب یہ نہ دکھائیں کہ منع فک کے بعد کسی موقع پر باہم ان دونوں کے کلام ہوا مگر بی بی عائشہ م کو اسکی خبر نہ ہو ایسے ہی یہ احتمال مصنف مخاطب کا کہ ع کوئی ضرورت کلام کی نہ پڑی ہوگی۔ اور غیر محرم سے عورتیں بلا ضرورت بات چیت نہیں کرتیں ۛ قابل حجت نہیں ہو سکتا۔

جناب سیدہ نسار العالمین دختر پیغمبر م اہل بیت نبوت سے تھیں اور ان سے زیادہ عترت اور ذریت اور آل رسول م ہونے کا اطلاق کسی اور پر نہیں ہو سکتا۔ علاوہ اس قسم کے ارشادات رسول م کے (کہ فاطمہ م کی اذیت میری اذیت ہے فاطمہ م کی غضب ناک میری غضب ناک ہے۔ فاطمہ م میری لخت جگر ہے جب مجھ پر درود اور سلام بھیجوتب اس پر بھی جس میں ہدایت اس امر کی تھی کہ فاطمہ م کے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہیے کہ جو میرے ساتھ ہونا لازم ہے) آخری وصیت پیغمبر م کی یہ تھی کہ میں دبیان

ہمارے دو گرانقدر چیزیں جو بڑے جانا ہوں ایک کتاب اللہ دوسرے اپنی عترت اُن کو مضبوط پکڑے رہنا تاکہ تم گمراہ نہ ہو۔ اور وہ آپس سے جدا نہیں ہونگے جب تک کہ حوض کوثر پر وارد نہ ہوں ۱۱

فاطمہ دختر پیغمبرؐ کے ساتھ لازم تھا کہ تمام امت موجودہ وہی برتاؤ کرتی جو پیغمبرؐ کے ساتھ اور وہ برتاؤ ایسا ہونا چاہیے تھا کہ جس سے مثل قرآن کے اُن کے ساتھ تمسک کا ہونا حاصل آتا اور جس میں روزانہ اُن کے ساتھ عین کلام کی ضرورت پڑتی اور جو صحابہ معزز ہا جبر و انصار پیغمبرؐ کو دوست رکھتے تھے بالخصوص جو مدینے میں موجود تھے اُن کو لازم تھا کہ روزانہ بعد نماز صبح اول اُن کے دروازہ پر حاضر ہو کر درود اور سلام بھیجتے اور اُن کی پرسش احوال کرتے اور وفات رسولؐ کی وجہ سے جو صدمہ فاطمہؓ کو پہونچا تھا۔ اُس میں دلجوئی اور تشفی کو مقدم جانتے چنانچہ بعض صحابہ ایسا کرتے تھے اور بعض صحابہ تو ایسے تھے کہ مسجد نبویؐ میں اُن کے دروازے پر پڑے رہتے تھے اور اُن کی درباری کو اپنا فخر جانتے تھے ایسے صحابہ کے نام شیعوں کے یہاں جاثم عزت میں روشن حرفوں میں لکھے ہوئے ہیں مگر یہ وہ صحابہ نہیں ہیں جبکہ نام زمانہ نے شہری حرفوں میں لکھے ہیں۔

شیعوں کو جو کچھ طعن ہے وہ یہ ہے کہ تمام صحابہ رسولؐ کے ساتھ فاطمہؓ کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جیسے کہ ہدایت پیغمبرؐ کی تھی اور فاطمہؓ کو جو بڑا دیا اور اُن کی بات تک نہ پوچھی اُن سے فاطمہؓ نے مرتے دم تک کلام نہیں کیا۔ مگر جو صحابہ کہ ہر وقت یا روزانہ کسی

اگست ۹۹ء

۲۴۳

جلد ۶ نمبر ۸

وقت بامدینے سے باہر کے رہنے والے جس وقت کہ مدینے میں آتے تھے اس وقت دروازہ فاطمہؓ پر حاضر ہوتے تھے اور ان کے پرسش احوال کرتے تھے اور ان کی مصیبت سنتے تھے وہ مصیبت کہ جسکو جناب سید ۴۵ نے فرمایا ہے کہ مجھ پر وہ مصیبتیں گزین کہ انگریزوں پر گذرتی تو راتیں ہو جاتیں اور ان سے ہر اطمینان کی ہدایتیں اور تعلیم پاتے تھے۔ خود پیغمبرؐ کا معمول تھا کہ جب کبھی باہر جاتے تھے تو فاطمہؓ کے پاس ہو کر جاتے تھے اور جب لوٹ کر آتے تھے تو اول فاطمہؓ کے پاس آکر پرسش احوال کرتے تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ اور بعض دیگر صحابہؓ ان کے ہم مشرب نے وہ برتاؤ کہ جو پیغمبرؐ کے ساتھ ہونا چاہیے تھا فاطمہؓ کے ساتھ نہیں کیا اور جیسے کہ علیؓ کو احد الناس جانا ویسے ہی فاطمہؓ کو عام عورتوں میں سے ایک عورت سمجھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے زبان سے بے شک فرمایا کہ مجھ کو فاطمہؓ اپنی دختر عاتشہؓ سے زیادہ عزیز ہے۔ لیکن برتاؤ ایسا نہ کیا جو اپنی دختر عاتشہؓ کے ساتھ کرتے تھے جیسا کہ خود مصنف مخاطب کے سخن کا نتیجہ ہے کہ یہ ضرورت کلام کی فاطمہؓ کو ابوبکرؓ سے نہیں پڑی مگر کیا حضرت ابوبکرؓ کو ضرورت پرسش احوال نہ تھی۔ لے ہی جانا منع تھا اور پرسش احوال فاطمہؓ کی ضرورت نہ تھی؟

ہاں فاطمہؓ کو قضیہ فدک میں حضرت ابوبکرؓ کی دربار میں جانے کی ضرورت تھی اور گنہگار۔ اور حضرت ابوبکرؓ سے کلام کوئی ضرورت تھی اور کیا اور جب فاطمہؓ غنیمت ناک اور ناخوش

اگست ۹۹ء

۲۷۴

جلد ۶ نمبر ۸

ہوئیں تو حضرت ابو بکرؓ کو ضرورت فاطمہؓ کے دروازے پر جانے کی اور کلام کرنے کی ہوئی اور فاطمہؓ سے ہم کلام ہوئے۔ اس کے بعد بچے شک فاطمہؓ کو حضرت ابو بکرؓ سے کوئی ضرورت کلام کی نہ پڑی ہوگی۔ لیکن جس وقت فاطمہؓ کسی سے ہم کلام ہوئیں (کہ لگے ساتھ وہی برتاؤ ہونا لازم تھا جو پیغمبرؐ کے ساتھ اور مثل قرآن کے فاطمہؓ کے ساتھ تسک کرنا ضرور تھا) اُس وقت یہ نہیں سمجھا جاسکتا تھا کہ فاطمہؓ نے کسی غیر محرم سے بلا ضرورت بات چیت کی۔ یہ سچ ہے کہ جناب سیدہؓ حالت مرض میں مبتلا ہو گئیں اور بہت جلد اُنکا انتقال ہو گیا۔ جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں لیکن یہ امر گفتگو کے لیے موقع نہ ملنے کا نہیں ہو سکتا بلکہ حالت مرض میں ہر روز بار بار نہیں تو دن میں ایک بار عبادت کے لیے جانا چاہیے تھا۔ عبادت اور مزاج پرسی کے لیے ہی نہ جانا صاف دلیل اس بات کی ہے۔ کہ حضرت ابو بکرؓ کو غضب ناکی اور ناخوشی حضرت فاطمہؓ کا یقین تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ فاطمہؓ روادار نہیں ہیں کہ ابو بکرؓ کسی حالت میں اُن کے پاس آویں یہ امر جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں کہ بھائی اسماء بنت عمیس اپنی بی بی کو حضرت ابو بکرؓ نے جناب سیدہؓ کی خدمت کے لیے چوڑ دیا تھا۔ اور وہ وقت آخر تک اُن کی خدمت میں رہیں اور اُنھوں نے جنازے کے گوارے کی رائے دی جیسا کہ اُنھوں نے جشہ میں دیکھا تھا اور موافق وصیت جناب سیدہؓ کے وہ غسل اور تجہیز و تکفین میں میں شریک رہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ جس سے جناب سیدہؓ کی غضبناکی

اور ناخوشی حضرت ابو بکرؓ پر وقوع میں نہ آنا یا اس کا باقی نہ رہنا سمجھا جاسکے۔

اسما بنت عمیس اول زوجہ حضرت جعفر طیارؓ کی تھیں اور حضرت جعفر طیارؓ جب حبشہ میں ہجرت کر کے مع دیگر مہاجرین کے گئے تھے تو اسما بنت عمیس ان کے ہمراہ گئی تھیں اور ملازمت زدہ حضرت جعفر طیارؓ کی وجہ سے اسما بنت عمیس کو ایک خاص انس اہل بیت نبوتؑ سے پیدا ہو گیا تھا چنانچہ بعد وفات حضرت ابو بکرؓ کے اسما بنت عمیس زوجیت میں علی مرتضیٰؓ کے آئین اور محمد بن ابی بکرؓ کو کہ بچہ تھے ساتھ لائیں۔

زمانہ اس بات کو جانتا ہے کہ محمد بن ابی بکر عاشق علی مرتضیٰؓ اور استحقاق خلافت علی مرتضیٰؓ کے قابل تھے یہ اثر محمد بن ابی بکرؓ میں اس کا تھا جو ان کی ماں اہل بیت نبوتؑ سے رکھتی تھیں اور یہ نتیجہ اس پرورش اور تعلیم کا تھا۔ جو علی مرتضیٰؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کی تھی۔

اسما بنت عمیس بہ وجہ اس انس کے کہ جو ان کو اہل بیت نبوتؑ کے ساتھ تھا مجبور تھیں کہ بیمار داری فاطمہؓ اور ان کے غسل و کفن میں شریک رہیں۔ ہاں یہ امر البتہ قرین قیاس ہے کہ اسما بنت عمیس نے وجہ اس کے کہ اس وقت وہ زوجہ حضرت ابو بکرؓ کی نہیں خدمت میں حضرت فاطمہؓ کے حاضر رہنے کی اجازت لی ہوگی اور حضرت ابو بکرؓ نے اس امر کو غنیمت سمجھا ہوگا۔ لیکن اسما بنت عمیس جو بیمار دار حضرت فاطمہؓ کی اور شریک



تجہیز و تکفین کی ہو مین حالات متقاضی اس بات کے تھے کہ خود انھوں نے ذاتی حیثیت سے ان امور میں شریک ہونے کے لیے حضرت ابو بکرؓ سے فاطمہؓ کی خدمت میں حاضر رہنے کی رخصت حاصل کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی طرف سے ان کو نہیں بھیجا تھا۔ بلکہ یقین کرنا چاہیے کہ اگر حضرت ابو بکرؓ منہ نہ کرتے تو اسماء بنت عمیسؓ حضرت ابو بکرؓ کی زوجیت سے جدا ہو کر حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں چلی جاتیں۔

مصنف مخاطب نے کوئی روایت ایسی نہیں سنئی جس سے یہ معلوم ہو کہ ابو بکرؓ پانچون وقت مسجد میں وقت ملاقات کے علی مرتضیٰؓ سے جناب سیدہؓ کا حال پوچھتے رہتے تھے بلکہ وہ اٹکل سے کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ پانچون وقت علیؓ سے جناب سیدہؓ کا حال پوچھتے رہے ہونگے یا بفرض اگر حضرت ابو بکرؓ ایسا کرتے بھی ہوں تو بھی اگر کوئی رنج دہندہ اس شخص کا حال جس کو رنج دیا گیا ہو اس کے کسی دوست سے پوچھے تو اس سے اس بخیرہ کا رنج دور نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابو بکرؓ کو کیا دشوار تھا کہ مسجد میں علیؓ سے جناب سیدہؓ کا حال تو پوچھتے رہیں اور دو قدم دروازہ فاطمہؓ پر پیرش احوال کے لیے نہ جائیں۔ جس سے یہ امر پید ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو اندیشہ تھا کہ جناب سیدہؓ تو شوق اپنی غضب ناک اور ناخوشی کی کریں گے۔ اسماء بنت عمیسؓ کو جناب سیدہؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بی بی ہونے کی وجہ سے اپنی خدمت میں قبول نہیں فرمایا تھا۔

بلکہ اسماء بنت عمیس کو حضرت فاطمہ م سے جو اس کے پہلے سے تھا اس وجہ سے قبول کیا تھا۔ اور اس سے یہ نتیجہ پیدا نہیں ہوتا کہ جناب سیدہ م ابو بکر م سے ناراض نہ تھیں۔ جیسا کہ مصنف مخاطب ظاہر کرتے ہیں۔

بعد وفات رسول م اور لے لینے خلافت اور ضبطی فدک کے بے شک جناب سیدہ م کو ابو بکر م سے کوئی بات کہنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ لیکن حضرت ابو بکر م کو تو موقع تھا۔ کہ وہ بعد وفات رسول م کہ فاطمہ م سے زیادہ کسی کو صدمہ وفات رسول کا نہیں ہوا اور وہ صدمہ روز افزون ہوتا چلا گیا اُس صدمے میں دلہی اور تشفی کے لیے اور زمانہ مرض فاطمہ م میں پریشانیوں کے لیے اگر دو وقت نہیں تو ایک وقت روزانہ حضرت فاطمہ کے خدمت میں حاضر ہوتے اور اُن سے کلام کرتے اُس وقت حضرت فاطمہ م کے کلام کرنے نہ کرنے کا حال معلوم ہو جاتا۔ مگر حضرت ابو بکر م کس منہ سے فاطمہ م کے پاس جاتے بعد وفات رسول م وہ امور حضرت ابو بکر م کی طرف سے پیش ہوئے کہ صدمہ پر صدمہ فاطمہ م کو حضرت ابو بکر م دیتے گئے۔

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ پیغمبر م نے جو حضرت ابو بکر م اور حضرت عمر م کو جیشِ سامہ میں شامل کیا تھا اور سخت کلمہ اُس کسی کی نسبت فرمایا تھا جو جیشِ سامہ سے مخالفت کرے وہاں تو اس بہانہ سے کہ پیغمبر م کے مرض کو شدت ہو گئی ہو۔ پوشیدہ چلے آئے اور یہاں مدینہ میں موجود تھے اور پانچون وقت مسجد میں تشریف

لاتے تھے اور فاطمہ م کے پاس تک نہ گئے۔ کیا اچھے برتاؤ کیے  
بیٹے کے ساتھ اور کیا اچھے برتاؤ کیے فاطمہ م کے ساتھ۔

مصنف مخاطب اس قدر قبول کرتے ہیں کہ ۲۲ عائشہ م کو  
پہلے سے یہ وہم بندھا ہوا تھا کہ جناب سیدہ م کو ابو بکر م سے  
رنج ہو گیا ہے؟ خون نے کلام نہ کرنے کو اسی پر قیاس کر لیا  
لیکن مصنف مخاطب نے یہ غور نہیں کیا کہ بی بی عائشہ م کو ایسے  
امر عظیم کا وہم کیوں بندہ گیا تھا جس پر؟ خون نے کلام نہ کرنے کو  
قیاس کر لیا ادنیٰ غور سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ بی بی عائشہ م کو  
ہر کسی کو فاطمہ م کے غضب اور ناخوشی کا یقین تھا باعتبار اُن واقعات  
کے جو پیش آئے تھے اور اسی وجہ سے اس امر کا یقین تھا کہ فاطمہ  
نے مرنے و دم تک حضرت ابو بکر م سے کلام نہیں کیا۔ مصنف  
مخاطب یقین بی بی عائشہ م کو وہم ظاہر کر کے نرم کرنا چاہتے ہیں  
جس پر کسی کو یقین نہیں ہو سکتا۔

مصنف مخاطب یہ قیاس کرتے ہیں کہ ابو بکر م کو حضرت  
علی م نے انتقال فاطمہ م کی اس وجہ سے اطلاع نہ بھیجی کہ اُن کی  
بی بی نے اول ہی خبر کر دی ہو گی اور شیخ عبدالحق کے ترجمہ شکوہ  
سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ گوارے کی خبر سن کر ابو بکر م نے  
پوچھا کہ یہ نئی چیز کیوں بنائی گئی ابو بکر م کی بی بی نے اُن کو سمجھا دیا  
کہ جناب سیدہ م نے اس کو دیکھ کر پسند کیا تھا اور اسی کی وصیت  
کی تھی تو خاموش ہو گئے۔

بحث یہ نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر م یا بی بی عائشہ م کو خبر وفات

جناب سیدہ م نہیں ہوئی بحث یہ ہے کہ جناب سیدہ م جن لوگوں سے تھیں ان  
وہ اطلاع دیکر بلائے نہیں گئے۔ اور جنازہ کی شرکت سے منع کیے گئے۔  
اور وہ ممانعت بوجہ غضب اور ناخوشی فاطمہ علیہا السلام کے اور  
بموجب انکی وصیت کے تھی۔

شاہ عبدالحق صاحب دہلوی کی شرح مشکوٰۃ اور کتابت  
والسیاست علامہ ابن قتیبہ دینوری کی دیکھو بی بی عائشہ خیروفات  
جناب سیدہ م سن کر تشریف لائیں لیکن اسماء بنت عمیس نے روک  
دیا اور گھر میں نہیں آنے دیا۔ وہ رنجیدہ خاطر ہو کر اپنے باپ کے  
پاس گئیں اور شکایت کی۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ خود تشریف لائے  
اور اسماء سے دریافت کیا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ مطابق وصیت  
جناب سیدہ م کے اُن کو اجازت نہیں دی جاسکتی۔

کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب مصنفہ شاہ عبدالحق  
صاحب دہلوی میں ہزار روایت درج ہے کہ اسماء بنت عمیس نے بی بی  
عائشہ م کو جناب سیدہ م کی عیادت کے لیے بھی آنے سے منع  
کر دیا تھا اور کل حال مفصل اور مشرح اس میں تحریر ہے۔

مصنف مخاطب یہ عجیب استدلال کرتے ہیں کہ ۷۷ بخاری کی  
اس روایت سے یا صحاح کی کسی اور روایت سے یہ نہیں ثابت ہوا  
کہ ابوبکرؓ جنازہ کی نماز میں شریک نہ تھے بعض روایتوں میں یہ بھی ہے  
کہ ابوبکرؓ نماز جنازہ کے امام تھے جب کسی روایت صحیح بخاری یا  
کسی صحاح ستہ سے شرکت حضرت ابوبکرؓ نماز میں ثابت نہیں تو عدم  
شرکت قرار پائیگی۔ یہ انکا استدلال ہے کہ نفی شرکت سے اثبات شرکت

مصنف مخاطب چاہتے ہیں۔

مصنف مخاطب کو چاہیے تھا کہ وہ اول کسی کتاب شیعہ سے ثابت کر لے کہ حضرت ابو بکرؓ جنازے کی نماز میں شریک تھے۔ لیکن کتب شیعہ میں ایسے جھوٹے روایات کا ملنا مشکل تھا۔ اُنکو مذہب تھا کہ شرکت نماز جنازہ کا اثبات بخاری یا کسی صحاح ستہ سے کرتے مگر وہ صحاح ستہ سے بھی اس بات کو ثابت نہ کر سکے اور مجبور ہو کر روایت کتب غیر صحاح کو جن پر مصنف مخاطب، عموماً صحت کا اعتقاد نہیں رکھتے اثبات کے لیے پیش کرنے کو مجبور ہو گئے یا انہوں نے وہی مثل کی کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ مگرین صحیح بخاری کے جزو اس روایت بی بی عائشہ کو جو باب غزوہ خیبر اور صحیح مسلم کی کتاب جہاد میں منقول ہے پیش کرتا ہوں جس میں مرقوم ہے۔

فلما قفیت دفنہا زوجھا حب وفات بائی فاطمہؓ نے دفن علیؓ لیلۃ ولم یؤذن بها ابابکرؓ کیا اُن کو اُن کے شوہر علیؓ نے وصلے علیہا اور اذن حاضر ہی حضرت ابو بکرؓ کا

جنازہ جناب فاطمہؓ پر نہیں دیا اور خود علیؓ مرتضیٰ علیہ السلام نے نماز پڑھ لی جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو اجازت شرکت دفن کی نہیں دی گئی اور خود علیؓ مرتضیٰ نے نماز پڑھ لی اور جب یہ امر روایت صحیح بخاری سے ثابت ہو گیا تو خلاف اسکے دوسری کتاب غیر صحیح کی روایت کہ حضرت ابو بکرؓ نماز جنازہ کے امام تھے کسی طرح قابل اعتماد کے نہیں ہو سکتی۔

پوری یہ روایت ہمارے رسالہ روشنی حصہ پانچ ۱۹۹۷ء کی

صفحہ چار پر نقل ہے۔

مصنف مخاطب ابطال مضمون ناخوشی اور غضب فاطمہؓ پر جو بی بی عائشہؓ سے منقول ہوا ہے اپنی گفتگو کا حال بیان کر کے پھر زور دیتے ہیں۔ بمقابلہ اُس کے صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے ہم اُسی روایت بی بی عائشہؓ کو پیش کرتے ہیں جسکی نسبت شایک جزیر بھی استدلال کیا گیا ہے۔ اور جسکی ظاہر ہو جاوے گا کہ مصنف مخاطب اپنے زور میں آپ ہی گرتے ہیں۔

عن عائشة ان فاطمة بنت النبي ارسلت الي ابى بكر تسال عن ميراثها من رسول الله ما افاء الله عليه بالمدينة وفدك وما بقى من خمس خيبر فقال ابو بكر ان رسول الله قال لا تورث ما تركنا صدقة انما ياكل آل محمد في هذا المال والى غير شيئا من صدقة رسول الله عن حالها التي كان عليها في عهد رسول الله واكل عملن فيها بما عمل به رسول الله

ترجمہ۔ روایت ہے عائشہؓ سے بے شک فاطمہؓ بنت نبیؐ نے بھیجا ابو بکرؓ کی طرف کہ مانگے اُس سے میراث اُن فاطمہؓ کی رسول اللہؐ سے جو کچھ کہنے کر دیا تھا اللہ نے اُس (رسولؐ پر) مدنیہ میں اور فدک جو کچھ کہ باقی تھا خمس خیر سے پس کہا ابو بکرؓ نے بے شک رسول اللہؐ نے فرمایا نہیں وارث ہوتا ہے ہمارا کوئی جو کچھ چورہٹے ہیں ہم صدقہ ہے۔ سوائے اس کے نہیں ہے کہ کہاتی ہے آل محمدؓ اس مال میں اور بے شک میں نہیں متغیر

فابے ابو بکر ان یدفع الے  
 فاطمة م منها شیئا فوجدت  
 فاطمة م علی ابے بکر  
 فی ذلک فہجرتہ فلم تکلمہ  
 حتی توفیت وعاشت بعد  
 الیہ سستہ استہر فلما  
 توفیت دفنہا من وجہا علی  
 لیلا ولم یؤذن بہا ابابکر  
 وصلی علیہا

کر دنگا کچھ صدقہ رسول اللہ م  
 سے اُس حالی سے کہ جس پر بتا  
 عہد رسول اللہ مین اور ہر آئینہ  
 عمل کروں گا مین اُس مین جو کچھ  
 کہ عمل کیا اُس کے ساتھ رسول  
 اللہ م نے پس انکار کیا ابو بکر م  
 نے یہ کہ حوالہ کر مین فاطمہ م کو  
 اُس سے کچھ پس غضبناک  
 ہو مین فاطمہ م ابو بکر م پر اُس امر

مین اور جدائی کی اُٹھون نے اُن (ابو بکر) سے اور نہ کلام کیا اُن  
 فاطمہ م نے ابو بکر م سے یہاں تک کہ مر گئیں اور زندہ رہیں وہ فاطمہ  
 بعد نبی م کے چہ ہمیشہ پس ہر گاہ کہ مین وہ دفن کیا اُنکو اُنکے  
 شوہر علی م نے رات کو اور نہ اذن دیا اُس کا ابو بکر م کو (اے  
 شرکت دفن کا) اور نماز پڑھی اُن علی م شوہر فاطمہ م نے اپنے  
 اس کے بعد روایت مین یہ ذکر ہے۔ کہ علی م کی وجاہت لوگو  
 کی نگاہ مین حیات فاطمہ م سے مٹی جب وہ مر گئیں تو لوگوں کے  
 شہد علی سے پھر گئے اُٹھون نے خواہش مصالحت کی ابو بکر م سے  
 کی جس کے واقعات روایت مین مفصل مذکور ہیں اِس روایت  
 سے صاف و صریح واضح ہے کہ بی بی عائشہ م نے جس قدر اس  
 روایت مین بیان فرمایا ہے وہ متعلق واقعات کے ہے۔ جو اُنکے  
 نزدیک اور اُس زمانے کے تمام لوگوں کے نزدیک مسلم اور محقق

تھے وہ بیان اُن کا نہ قیاس تھا نہ خلاف واقعہ اور اُن کو شبہ نہیں بلکہ یقین اُن تمام واقعات پر تھا اور صحیح بخاری کی اس روایت میں جو بی بی عائشہ ؓ سے ہی صرف ناراضگی جناب سیدہ ؓ کی مذکور نہیں ہے بلکہ اُس کے اسباب اور وجوہ اور اُس کے متعلق واقعات بی بی عائشہ ؓ نے بیان فرمائے ہیں اور سلسلہ واقعہ ناخوشی جناب سیدہ ؓ دوسرے واقعات سے مسلسل ہے۔ ایسی حالت میں مصنف مخاطب نے جو ارادہ قدح مضمون ناخوشی جناب سیدہ ؓ کا کیا ہے وہ کیسکی نگاہ میں رتبہ پذیرائی کا نہیں رکھ سکتا۔

مصنف مخاطب اپنے ایجاد طبع سے بی بی عائشہ ؓ پر غلط الزام قیاس خلاف واقعہ لگانے پر متردد ہو کر قصد معصومین کی غلطی دکھانیکا اس بیان سے کرتے ہیں ۲۲ کہ مقتضائے بشریت اس معاملہ میں جو غلط فہمی بی بی عائشہ ؓ سے ہوئی یہ اُن کے مناقب اور نقاہت کے خلاف نہیں قرآن خارجی سے کسی نتیجہ کے نکالنے میں کبھی معصومین سے بھی غلطی ہو جاتی ہے ۲۳ مگر اُن کو پہلے یہ بتانا تھا کہ جب معصومین سے نتیجہ کے نکالنے میں غلطی ہو تب وہ معصوم ہی نہیں سمجھے جاسکتے ہیں اور معصوم و غیر معصوم میں فرق کیا ہوگا۔ معصوم اُسی کو کہتے ہیں کہ جو خطا نہ کرے۔

قدیم سے علمائے اہل سنت نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جب وہ اپنے مقبولہ اکابر و ائمہ کی صفت و ثنا کر کے اُن کو اُس درجہ پر یا قریب اُس درجہ کے پہنچانا چاہتے ہیں کہ جس درجہ پر پیغمبر ؐ اور معصومین تھے یا اُن کے مماثل قرار دینا چاہتے ہیں اور جب اُن کی



خطائین واقعات زمانہ پیش لاسے ہیں۔ (یہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں میں ملکہ عصمت نہ ہو گا یا اُن کے خمیر طہینت میں عصمت نہ گزری ہوئی ہوگی ممکن نہیں کہ اُن سے خطائین سرزد نہ ہوں) تب علماء اہل سنت اپنے اُس قصہ مساوات اور برابر کرنے کی غرض سے پیغمبر اور معصومین کو درجہ اعلیٰ اور برتری سے کھینچ کر نیچے یعنی درجہ تنزل پر لاتے ہیں اس سے کہ اُن اپنے مقبولہ اکابر کو انبیاء اور معصومین کے درجہ ترقی پر پہنچانا محال ہوتا ہے۔ اور اسی بنا پر وہ کوشش کرتے ہیں کہ انبیاء اور معصومین کی خطائین ثابت کر کے انبیاء اور معصومین اور اُن کے غیروں کو ایک حالت میں دکھائیں حالانکہ جس قدر انبیاء اور معصومین ہدایت کے لیے آئے اُن کا مقصود یہ ہی تھا کہ مخلوق خدا کے اخلاق کو درست کریں اور ہر زمانے میں ہر قوم میں ہر ملک میں اخلاق اور اُن کی نوعیت جدا تھی۔ کوئی امر کسی زمانہ میں بد اخلاقی کا نہیں سمجھا جاتا تھا اور اُس کا عامل قابل طعن کے نہیں ہوتا تھا۔ لیکن دوسرے زمانے میں وہی امر خلافت اخلاق سمجھا گیا اور اُس کا عامل اپنے زمانہ میں مظلوم ہوا۔ زمانہ روز بروز ترقی کرتا گیا ہے اور ہر زمانے میں جو نبی آیا وہ اصلاح اخلاق انسانوں کی کرتا گیا۔ درحقیقت اسی اعتبار سے علماء دین نے یہ کہا ہے۔ کہ کسی زمانے میں یا کسی شریعت میں کوئی امر جائز تھا اور دوسرے زمانے اور دوسری شریعت میں وہی امر ناجائز ہو گیا۔ ایسے ہی ہر زمانے میں ادراک عقلی انسان کو ترقی ہوتی گئی ہے۔ اور انبیاء و صالحین ہدایت کرنے والوں کے

دل و دماغ فطرت نے اُس وقت کے موجودہ انسانوں سے، برتر اور اعلیٰ وضع کیے لیکن باہم اُن انبیاء اور صلحا کے بہ اعتبار زمانہ اور حالت ملک کے درجہ متفاوت رکھتے تھے چنانچہ خود فرمایا ہے۔  
 ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ﴾ وہ رسول فضیلت دی ہم نے  
 علی بعض من ہم من کلمہ بعض اُن کے کو بعض پر اُن میں  
 اللہ و رفع بعضہم درجات کوئی وہ ہے کہ بات کی اُس سے  
 و اتینا عیسیٰ بن مریم البیتا خدا نے اور بلند کیا بعض اُن کے  
 و ایدنا لہ روح القدس کو درجوں میں اور دین ہم نے  
 عیسیٰ بیٹے مریم کو نشانیاں اور تائید کی ہم نے ساتھ روح القدس  
 کے بلکہ زمانہ پیغمبر آخر الزمان میں مدارج اخلاق کلیۃً کمال کی  
 ساتھ قرار پا کر اتمام کو پہنچ گئے ہیں۔ اب جس کسی کو جس کیسی  
 خطا یا غیر خطا دکھانی منظور ہو اُس کی نظیر فعل پیغمبر یا کسی صالح  
 سے جو مثل نفس رسول ہو دکھانا چاہیے۔ گو وہ امر ادراک عقلی  
 سے ہی کیون نہ متعلق ہو۔ زمانہ سابق پیغمبر آخر الزمان سے  
 ہرگز مقابلہ کرنا نہیں چاہیے۔

مصنف مخاطب نے اپنے اس سخن کی تائید کے لیے کہ نتیجہ  
 نکالنے میں کبھی معصوم سے بھی غلطی ہو جاتی ہے جس قدر نظائر  
 پیش کیے ہیں اپنی حالت اور نوعیت سے کچھ فائدہ نہیں دے سکتے  
 حضرت موسیٰ اور ہارون کا وہ قصہ جس پر مصنف مخاطب  
 خلافت واقع خیال کا حضرت موسیٰ پر غلط الزام لگاتی ہیں سورہ اعراف  
 وظہر میں ہے۔

حضرت موسیٰ ؑ جب کہ وہ طور سے واپس آئے تو انھوں نے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی میں مبتلا دیکھ کر حضرت ہارون ؑ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ حضرت ہارون ؑ نے حضرت موسیٰ ؑ کی حکم کی تعمیل اچھی طرح تعمیل نہیں کی اور نہ اس خیال سے غضبناک ہو کر حضرت ہارون ؑ کی ڈاڑھی پکڑ کر کینچنے لگے۔ خود آیات قرآنی سے ظاہر ہے کہ جب حضرت موسیٰ ؑ اپنی قوم کی طرف پھرے۔ تب وہ قوم گوسالہ پرستی سے حزن میں اور اندم گین تھی اور درحقیقت اُسی اندوہ و حزن سے ان کو غیظ و غضب تھا اور وہ غضبناکی ان کی قوم پر تھی اور قوم ہی سے انھوں نے فرمایا کہ میرے پیچھے جب کہ میں طرف میقات اپنے رب کی گیا جڑی بات کی تم نے (یعنی بجائے پرستش و حدہ لاشریک کے گوسالہ پرستی شروع کر دی) جس سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کی وہ غضبناکی اور اندوہ گینی دراصل قوم پر تھی۔ لیکن جب حضرت موسیٰ ؑ نے حضرت ہارون ؑ سے جو کچھ ناخوشی ظاہر کی وہ صرف اسی امر پر تھی کہ حضرت ہارون ؑ کی موجودگی میں قوم گمراہ ہو گئی تھی اس ناخوشی کی نوعیت اُس ناخوشی سے جدا ہے کہ جب حضرت ہارون ؑ قوم کو گمراہ کر دیتے۔ اور اگر حضرت موسیٰ ؑ یہ سمجھتے کہ حضرت ہارون ؑ نے قوم کو گمراہ کر دیا تو حضرت موسیٰ ؑ کی نسبت کہا جاسکتا تھا کہ حضرت موسیٰ ؑ نے خلاف واقعہ غلط فہمی کی۔

حضرت موسیٰ ؑ کی اس ناخوشی کی نوعیت صرف اس قدر تھی کہ جیسے کوئی کسی اپنے لائق عزیز کے اہتمام کسی کام کا سپرد کرے اور اس لائق عزیز کی ہدایت کو وہ کام کرنے والے نہ مانیں اور خلاف اس کی

اپنی طبیعت سے وہ کام کرنے والے دوسری طرح کام شروع کر کے اُس کام کو خراب کر دیں۔ ایسی حالت میں قصور اُنھیں کام کرنے والوں کا ہوتا ہی نہ اُس لائق مہتمم کار کا۔ اور نہ اُس کا کوئی قصور سمجھا جاسکتا ہی مگر ناخوشی اُس کام کے سپرد کرنے والے کو اُس کام کے بگڑ جانے اور اُن کام کرنے والوں سے پیدا ہوتی ہے اور اُس مہتمم کار کی نسبت بھی یہ خیال ہوتا ہے کہ اُس کی موجودگی میں وہ کام خراب ہو گیا جس میں اُس مہتمم کار کا درحقیقت کچھ قصور نہیں اور نہ وہ سپرد کنندہ کار اُس مہتمم کار کا کچھ قصور سمجھتا ہی لیکن تو یہی وہ مہتمم کار اظہار اپنی مقصوری کا کرتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ سے یہ کہا کہ اے ماں جاے میرے بیشک قوم نے مجھ کو ضعیف سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر دینا اُس پر حضرت موسیٰؑ نے خدا سے اپنے اور اپنے بھائی کے لیے مغفرت چاہی۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے خدا قوم کے برگشتہ ہو جانے میں میرا اور میرے بھائی کا کچھ قصور نہیں ہے تو ہم کو بخش دے انبیاء یا جو لوگ کہ مرتبہ انبیاء کا رکھتے ہیں وہ ایسی حالت اور موقع پر بھی کہ جس میں دوسروں کے فعل کی وجہ سے کامیابی نہیں ہوتی یا کچھ خرابی لاحق ہو جاتی ہے تو خدا سے اپنے لیے استغفار چاہتے ہیں ~~یعنی~~ جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اے خدا تو ہمارے کام کرنے والوں سے بری رکھ دے بعد خواستگار کی بخشش کے خدا فرماتا ہے کہ بے شک جن لوگوں نے کہ گوسالہ پرستی کی جلد اُنکو غضب مان کے پروردگار کا اور دولت زدہ گائی دنیا میں پہنچ گیا۔ اور ایسے ہی

نہرو دی پٹنیا اس طرح سنا جاتا کہ نرائک بار بار اپنا بیٹا نکال دے اس صل سے ہر بی بی بھوان اور تیری پتا طلب کرتا ہوا ہے۔ چھینس ہزار تا بی بی صفحہ ۹۰ ہجرات مسیح بخاری قادیان القادسیہ صفحہ ۱۵۲ ویرت ہا بہت شام ہجرت نرائک صفحہ ۳۴ دم و تاریخ طبر از صفحہ ۱۹۵ تا ۱۹۵۳ - اڈیم

✽ یاد کرو فتح مکہ کے موقع پر حکم خاندان قبیلہ بنی خزیمہ کے بے جا قتل عام کا واقعہ اور حضرت کادر گاہ

ہم مقتریوں کو جزا دیتے ہیں ۱۱  
 (علی مرتضیٰ ع جب بیعت کے لیے طلب کیے گئے ہیں باوصف  
 اس کے کہ بہت سختی سے اصرار کیا گیا مگر انھوں نے بیعت کرنے  
 سے انکار کیا ہے اور بالآخر حضرت ابو بکر ع نے یہ فرمایا کہ جب تک  
 فاطمہ ع علی ع کے پہلو میں ہے ان کو کسی بات پر مجبور نہیں کر سکتا۔  
 اس وقت علی ع نے قبر بنجیرم سے لپٹ کر یہی فرمایا ہے کہ اے مانجھائے  
 میرے قوم نے مجھ کو ضعیف سمجھا اور نزدیک تھا کہ مجھ کو قتل کریں  
 (دیکھو رسالہ روشنی جلد اول حصہ ۵ صفحہ ۲)۔

حضرت موسیٰ ع کو حضرت ہارون ع کی نسبت نہ ایسا خیال پیدا  
 ہوا تھا نہ حضرت موسیٰ ع نے حضرت ہارون ع پر یہ الزام لگایا تھا کہ  
 انھوں نے میرے حکم کی اچھی طرح تعمیل نہیں کی جیسا کہ  
 مصنف مخاطب کہتے ہیں اور جیسا کہ وہ کہتے ہیں آیات قرآنی سے  
 ہرگز ایسا مستنبط نہیں ہوتا۔ اس لیے حضرت موسیٰ ع کی نسبت  
 ہرگز یہ امر عائد نہیں ہو سکتا ہے کہ انھوں نے قیاس خلاف واقعہ کیا۔  
 آیات قرآنی میں جو یہ ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ ع نے حضرت  
 ہارون ع اپنے بھائی کے سر اور ڈاڑھی کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا وہ تعلق  
 محاورہ کے ہے کہ حضرت موسیٰ ع گو سالہ پرستی قوم سے اندوہناک  
 ہو کر غیظ و غضب میں حضرت ہارون ع سے حجت کرنے لگے کہ ان کی  
 نگرانی کے زمانے میں قوم نے کیوں گو سالہ پرستی شروع کی سر یا  
 ڈاڑھی کا پکڑنا امر حقیقی نہیں ہے ایسے الفاظ ایسے موقع پر استعمال  
 کرنے کا ایک محاورہ ہوتا ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی دوسروں کے

کسی امر کی بابت حجت اور جھگڑا کرنے لگے تو وہ شخص جواب میں کہیگا کہ آپ مجھ کو کیوں چٹتے ہیں میں نے کیا کیا ہے (دیکھو رسالہ روشنی جلد اول حصہ گیارہ صفحہ ۶۷)۔

مصنف مخاطب ہر حضرت موسیٰ کی دوسری مثال دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ ؑ کو توریت کی تختیوں سے یہ خیال پیدا ہوا کہ میرے پاس سب علوم جمع ہو گئے حالانکہ خضر ؑ کے پاس بعض علوم ایسے تھے جو حضرت موسیٰ ؑ کے پاس نہ تھے ؑ اور تفسیر صافی میں جو ایک روایت صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ اُسکو سند لاتے ہیں۔ بیشک امام علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ ؑ خضر ؑ کے پاس ایسا علم تھا جو موسیٰ ؑ کی تختیوں میں مکتوب نہ تھا اور موسیٰ کا گمان یہ تھا کہ خضر ؑ کی حاجت ہی وہ سب میرے صندوق میں ہیں اور تمام علم میری الواح میں ہے ؑ جو امر کہ اس روایت میں مذکور ہے وہ متعلق ظن موسیٰ ؑ کے ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ نے یہ گمان کیا تھا کہ جس قدر علوم تختیوں میں لکھے گئے تھے وہ اُنکی حاجت کے لیے کافی ہو جائینگے یعنی وہ علم جو تختیوں میں حضرت موسیٰ ؑ کی تھا وہ واسطے اصلاح اخلاق اور حالت اُن کی قوم کے اور درستی اپنی شریعت کے کافی ہوگا جس بندہ خدا کو خضر ؑ کا گیا ہے اُس کو خدا فرماتا ہے۔

وَعَلِمْنَا مَنْ لَدُنَّا عِلْمًا اور سکھایا ہم نے اُس کو اپنے پاس سے علم ؑ کہا گیا ہے کہ یہ تخصیص علم کی علم پوشیدہ امور سے ہے۔

امام علیہ السلام نے اپنے ارشاد میں اُسی علم خضر ؑ کی طرف ظاہر اشارہ فرمایا ہے۔ جب حضرت موسیٰ ؑ کو ایسے امور کا علم ہوا کہ جو خضر

کو معلوم تھے اور جنکا تعلق جغرافیہ خاص سے یا ان واقعات سے تھا کہ جو روزانہ واقع ہوتے ہیں اور جنکی اطلاع عموماً ہر بشر کو نہیں ہوتی ہے جب حضرت موسیٰ ؑ کو جنھ کے ذریعہ سے ویسے دوسرے امور کا علم ہوا تو ایسی حالت میں حضرت موسیٰ ؑ کے اُس گمان کو جو وہ اپنی تختیوں کی نسبت علم رکھتے تھے کہ او کی حاجت کے لئے وہ کافی جو کچھ مناسبت ایسے واقعہ سے نہیں ہو سکتی کہ جو اُن کے سامنے گذرا ہو اور اُس واقعہ کی نسبت خلاف واقعہ انھوں نے نتیجہ نکالا ہو جیسا کہ بی بی عائشہ کی نسبت مصنف کہتے ہیں کہ انھوں نے خلاف واقعہ نتیجہ نکالا اور غلط قیاس کیا نسبت ان واقعات کے کہ جو ناخوشی اور غضب جناب سیدہ ۴ کے بی بی عائشہ کے سامنے گذرے تھے۔ اگر حضرت موسیٰ بعد ازاں علم خضر علیہ السلام سے یہ کہتے کہ میری تختیوں میں تمام اشیاء کا علم ہے تب اُن کے نسبت یہ کہا جاسکتا تھا کہ اُنھوں نے خلاف واقعہ نتیجہ نکالا اور غلط قیاس کیا اور اُس وقت مصنف مخاطب کے مقصود کے لیے نظیر ہو سکتی حضرت خضر ؑ نے جو کشتی کے تختہ کو توڑ ڈالا یا ایک لڑکے کو قتل کر ڈالا حضرت موسیٰ ؑ کو ان واقعات کا علم نہیں تھا کہ جن کے سبب سے حضرت خضر ؑ نے ایسی مصلحتیں اختیار کی تھیں۔ اور جنکا ذکر حضرت خضر ؑ نے کیا اور وہ ذکر قرآن میں موجود ہے حضرت خضر ؑ سے جو امور ظاہر ہوئے اُنکی ظاہری حالت بے شک ایسی تھی کہ جس پر نہایت تعجب حضرت موسیٰ ؑ کو ہونا ضروری تھا اور وہ تعجب حضرت موسیٰ ؑ کو باز نہیں رہ سکتا تھا کہ اُس مصلحت کے امر باطنی کو خضر ؑ سے پوچھیں جب کہ وہ ان واقعات کا علم

ہنن رکھتے تھے کہ وہ کیا واقعات ہیں جن کے سبب سے حضرت خضروہ  
مصلحت اختیار کر کے وقوع میں لاسے لیکن ان امور سے حضرت موسیٰؑ  
کی نسبت یہ ہنن کہا جاسکتا کہ انھوں نے کسی واقعہ کو غلط سمجھ کر  
نتیجہ غلط نکالایا غلط قیاس کیا۔ کسی واقعہ کا علم نہ ہونا اور چیز ہے  
اور باوصف علم واقعہ کے خلاف واقعہ نتیجہ نکالنا اور چیز ہے۔

بوجب روایات شیعہ کے باختلاف روایات بے شک۔ یلم  
پایا جاتا ہے کہ حضرت یوسفؑ عجب اپنے باپ حضرت یعقوبؑ کے  
استقبال کو آئے تو گھوڑے سے اتر کر پیادہ نہ ہوئے اور نور  
نبوتؑ ان سے نکل گیا اور ان کی اولاد میں کوئی پیغمبرؑ پیدا نہ ہوا  
اس مضمون میں بھی کوئی امر ایسا ہنن ہے کہ حضرت یوسفؑ  
نے خلاف واقعہ نتیجہ نکالا ہو۔ بلکہ جو کچھ امر ہے وہ ادب اور تعظیم  
پر سے متعلق ہے۔ حضرت یوسفؑ بادشاہ مصر تھے اور بادشاہی  
شان و شوکت کے ساتھ باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔  
اگر ان کو خیال اپنے باپ کے اعلیٰ درجہ کی تعظیم کا اس وقت نہ رہا۔  
تو اس میں نقص اخلاقی درجہ ترک اوسے کا ہوا اور ان سے ترقی قوت  
اخلاق کی رک گئی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی اولاد میں اثر ترقی قوت  
اخلاق کا نہ رہا۔ لیکن نوعیت اس واقعہ کی اس واقعہ سے کچھ نسبت  
ہنن رکھتی۔ جو مصنف مخاطب بی بی عائشہ کی نسبت خلاف واقعہ  
غلط نتیجہ نکالنے کا عائد کرتے ہیں۔

مار یہ قبطیہ کے پاس جو جرح کی آمد و رفت پر بدگمانی ہوئی تو  
رسولؐ نے علیؑ کو جرح کے قتل کر لیے یہی تھا مصنف مخاطب تفسیری



سورۃ نور تحت آیت افک کے امام محمد باقر علیہ السلام سے حاصل روایت نقل کرتے ہیں کہ: حضرت رسول ﷺ نے علیؑ کو یہ حکم دیا۔ کہ جریج کو قتل کرو۔ علیؑ تلوار لے کر گئے جریج بہاگا اور ایک درخت پر چڑھ کر نیچے گرا جس میں اُس کا ستر کھل گیا اور یہ ظاہر ہو گیا کہ اُس کے بدن میں نہ مرد کی علامت ہی نہ عورت کی۔ تب علیؑ رسول ﷺ کے پاس آئے اور یہ پوچھا کہ میں آپ کے حکم تعمیل کروں یا تامل کے ساتھ تحقیق کروں تو رسول ﷺ نے فرمایا کہ تامل کے ساتھ کام کرو تب انھوں نے جریج کی حالت ظاہر کی ۱۱

مصنف مخاطب اس واقعہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جریج کو مجرم قابل قتل سمجھا لیا تھا اور اپنی بی بی ماریہ قبطیہ کو بھی مجرم سمجھا لیا تھا یہ خیال صحیح نہ تھا ۱۲ ہم ترجمہ پوری روایت کا اور پورا بیان اہل تفسیر کا کرتے ہیں تاکہ اُس پر جو کچھ استدلال مصنف مخاطب نے متن میں اور حاشیہ پر کیا ہے اور جو کچھ کہ ہم اُس پر بحث کرینگے بہ آسانی سمجھ میں آجاوے آیت سورۃ نور

۱۱ ان الذین جاؤا بالافک ۱۲ تحقیق کہ جو لوگ لائے تمت ۱۳ سبب تمت کا یہ تھا کہ بے شک بی بی عائشہ نے غزوہ بدر میں اپنا گلو بند کھودیا وہ قصائے حاجت کے لیے گئی تھیں پھر اُس کے ڈھونڈنے کو گشتیں۔ اور ہودج اُن کا اونٹ پر رکھ کر اسی گمان سے کہ وہ اُس میں ہن لاکر روانہ کر دیا گیا۔ اور صفوان جو لشکر کے پیچھے تھا۔ اپنے اونٹ پر اُن کو بٹھلا کر لایا اُس وقت لوگوں نے

بدگمانی بہ سبب تنہا رہنے ایک مرد غیر کے ساتھ کی یہ قول عامہ  
 کہ ہے اور قول خاصہ یہ ہے کہ یہ آیت بارہ میں ماریہ قبطیہ کے نازل  
 ہوئی ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب  
 ابراہیم بیٹا پیغمبر کا مر گیا۔ پیغمبر کو شدید حزن تھا پس عائشہ نے  
 کہا کہ آپ کیون علمین ہوتے ہیں وہ بیٹا جرح کا تھا۔ پیغمبر نے  
 علی مرتضیٰ کو بھیجا کہ جرح کو قتل کرو (بعض روایت میں آیا ہے کہ  
 علی مرتضیٰ نے پوچھا کہ بے تامل قتل کروں پیغمبر نے فرمایا کہ تامل  
 چاہیے کرنا) علی مرتضیٰ شمشیر لے کر گئے وہ کسی باغ میں تھا جب  
 باغ تک پہنچے دروازہ کھٹکٹایا جرح نے چاہا کہ کیوار کو کھولے  
 حضرت کا غصہ درپافت کر کے بھاگا اور درخت پر چڑھ گیا حضرت  
 دیوار کی طرف سے باغ میں در آئے حضرت کی دہشت سے اُس نے  
 اپنے تین درخت سے نیچے گرا دیا عورتیں اُس کا حضرت کو نظر پڑا  
 دیکھا کہ نہ علامت مرد کی ہے اور نہ نشانی عورت کی ہے حضرت  
 نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے آکر عرض کیا۔ اور پوچھا  
 کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں یا تامل کے ساتھ تحقیق کروں؟  
 نے فرمایا کہ تامل کے ساتھ کام کرو پھر فرمایا۔

الحمد لله الذی صہنا السوء یعنی حمد اُس اللہ کے لیے جس نے  
 اہل البیت سے بڑائی دور کر دی

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر لائے جرح کو رسول اللہ  
 کے پاس اور آپ نے پوچھا کہ اسے جرح تیری کیا شان ہے اُس نے  
 عرض کیا کہ اسے رسول اللہ قبطی اپنا حشم چاہتے ہیں اور جو کوئی اُن کے

اہل پرد اخل ہو اُس کا۔ اور قبطنی نہیں اُنس رکھتے ہیں مگر قبطنیوں نے  
پس بھیجا بجگو مار یہ قبطنیہ کے باپ نے تاکہ آتا جاتا رہوں میں اُسکے  
پاس اور خدمت کرتا رہوں میں اُس کی اور مانوس رکھوں میں اُسکے  
اس روایت سے ظاہر ہے کہ پیغمبرؐ نے نہ کسی واقعہ شہید کے  
کے خلاف نتیجہ نکالنا غلط قیاس کیا۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ بی بی  
عائشہؓ نے یہ بیان کیا تھا کہ ابراہیمؑ فرزند رسولؐ جو مار یہ قبطنیہ کے بطن  
سے پیدا ہوا۔ وہ جریح کا ہے۔ اس بیان بی بی عائشہؓ سے سزاوارت  
زنا جریح پر عائد ہوتا تھا اس کے بیان کے بعد پیغمبرؐ کو ضرورتاً  
کہ زانی کو سزا دینے کی فکر کریں اور وہ فکر نہیں ہو سکتی تھی جب تک  
کہ تحقیق نہ ہو۔ کہ جریح نے فعل زنا کیا ہے یا نہیں۔ پیغمبرؐ نے جو  
علیؑ کو حکم قتل جریح کے بھیجا۔ علیؑ مرتضیٰؑ نے پیغمبرؐ سے باطل  
قتل کرنا جریح کا دریافت کیا ہو یا نہ کیا ہو خود علیؑ مرتضیٰؑ جن کو پیغمبرؐ  
نے اقضار فرمایا ہے۔ صورت معاملہ سے سمجھتے تھے اور مفہوم ارشاد  
پیغمبرؐ کا بھی کوئی اُن سے بہتر نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کہ مجرد بیان بی بی  
عائشہؓ پر قتل جریح کا لازم نہیں آ سکتا ہے۔ جب تک کہ اُس پر  
شرعاً وہ جرم ثابت نہ ہو جاوے۔ پس صورت حال معاملہ اور  
مفہوم ارشاد پیغمبرؐ سے علیؑ مرتضیٰؑ نے ضرور سمجھ لیا تھا کہ جریح  
اُس وقت قتل ہو سکتا ہے کہ جب اُس پر جرم ثابت ہو جائے اور  
قبل قتل جریح کے تحقیق اور تفتیش ضرور ہے۔ کل روایات واردہ  
پر غور کرنے سے۔ میرا تو یہ یقین ہے کہ علیؑ مرتضیٰؑ واسطے حاضر  
لانے جریح کے جو بعد غوث جرم مستوجب قتل تھا بھیجے گئے تھے جیسا

کہ ایک روایت سے اس کا حاضر لانا واضح ہے۔  
 علی مرتضیٰ جو تلوار لے کر گئے تھے اس سے خواہ مخواہ یہ  
 نہیں سمجھا جاسکتا کہ بلاتامل جرح کا قتل کرنا مقصود تھا بلکہ تلوار کا لپکانا  
 اس وجہ سے تھا کہ مجرم مستوجب القتل کی گرفتاری و حاضر لانے کے  
 وقت تلوار کا لپکانا ضروری ہوتا ہے۔

یا اس ارادے سے تھا کہ بعد تحقیق کے اگر جرم ثابت ہوا تو جرح  
 کو قتل کرنا ہوگا۔ پیغمبرؐ نے بی عاشرہ م کے بیان سے جو امر جرح کو  
 قابل تحقیق یا جرح کو واجب القتل بہ حالت ثبوت جرم سمجھا (کیونکہ یہ  
 کسی طرح نہیں سمجھا جاسکتا کہ پیغمبرؐ صرف بیان قیاسی بی بی عائشہؓ پر  
 حکم قتل جرح بے تامل بغیر تحقیق دیدیتے) تو پیغمبرؐ کی نسبت کوئی امر خلاف  
 واقعہ نتیجہ نکالنے کا یا غلط قیاس کرنے کا پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ بی بی  
 عائشہؓ کی نسبت یہ امر ضرور پیدا ہوتا ہے۔ کہ انھوں نے جرح کی  
 نسبت مجرد اس کی آمد و رفت سے کہ وہ بوجہ دیگر آمد و رفت رکھتا  
 تھا جیسا کہ اس کے بیان سے ظاہر ہے خلاف واقعہ نتیجہ نکالا اور  
 غلط قیاس کیا۔

مصنف مخاطب اگر اس موقع پر یہ حجت لاتے کہ بی بی عائشہؓ  
 کو عادت تھی کہ وہ ایسے ہی خلاف واقعہ نتیجہ نکالتی تھیں اور غلط قیاس  
 کیا کرتی تھیں اور اسی عادت کے موافق انھوں نے جناب سیدہؓ  
 کی ناخوشی اور غضب ناکی کا نتیجہ خلاف واقعہ نکالا اور غلط قیاس کیا  
 تو شیعوں کو شاید حرم ہو جاتا مگر کوئی چاہے تردد نہیں ہے بی بی عائشہؓ  
 نے جرح کی وہ حالت ماریہ قطبیہ کے ساتھ نہیں دیکھی تھی جو مسئلہ

شرعی کے بموجب زنا کو ثابت کرتی ہے اور مجروح آمد و رفت جبرج سے جو نتیجہ فعل بد کا نکالا وہ خلاف واقعہ تھا اور غلط قیاس تھا اور معاملہ نا خوشی و غضب ناکی جناب سیدہ م کا ایسا تھا کہ جو اُن کے آنکھوں کے سامنے گذرا اور محققہ تھا۔ شیعہ بی بی عائشہ م کے ہر بیان کو جو اُن کو معصوم نہیں سمجھتے تحقیق کرتے ہیں کہ وہ صحیح ہے یا نہیں؟ جو بیان اُن کا کہ مطابق واقعہ کے ہوتا ہے اُس کو لیتے ہیں اور جو بیان کہ کھٹا خلاف واقعہ کے ہوتا ہے اُس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

مار یہ قطبیہ کی نسبت جو بی بی عائشہ نے الزام لگایا ایسا الزام لگانا اُن کی طبیعت کے موافق تھا۔ کہ اُن کو پیغمبر م کی اُن ازواج سے جو صاحب اولاد ہوئی ہیں سوتن بننے کی ایک سو خشکی رہتی تھی۔

مولوی سید ممتاز علی صاحب جو ایک ذی علم اور تعلیم یافتہ اہل سنت سے ہیں اُنہوں نے اپنی تصنیف حال صفحہ ۳۷، احقوق نسوان میں جہاں یہ نصیحت کی ہے کہ ع اگر شوہر ایسا ہو کہ اس کی پہلی بی بی مر گئی ہو اور اب ازدواج ثانی کیا ہو تو اُس کو لازم ہے کہ اپنی زوجہ ثانی کے روبرو اپنی پہلی زوجہ کی تعریف کبھی نہ کرے زوجہ ثانی کو زوجہ اول کی تعریف سننا ہمیشہ ناگوار ہوتا ہے شاید شوہر کی خاطر سے سن کر چپ ہو رہے۔ لیکن ہم نے یہ تو کبھی نہیں پایا کہ زوجہ ثانی باوجود جاننے اس بات کے کہ زوجہ اول اچھے اوصاف کی عورت تھی کبھی اپنے منہ سے اس کی تعریف کرے؟ وہاں یہ لکھا ہے کہ ع ہم اُمتی تو کس شمار میں ہیں یہ ہی جھینکنا سرور عالم کے ازدواج مطہرات میں پڑا رہتا تھا۔ حضرت خدیجہ کی دردمندانہ خدمتگذاری اور دلی محبت

اس درجہ کی تھی کہ جناب رسول خدا ﷺ اس کو بھول نہ سکتے تھے اور ہمیشہ احسانمندی کے ساتھ اس کو یاد کیا کرتے تھے مگر جناب حضرت عائشہ صدیقہ حضرت خدیجہ کی تعریف سن کر جل نہیں جاتی تھیں اور کہتی تھیں کہ آپ اس جڑھیل کی کیا تعریف کیا کرتے ہیں جس کے ٹھنڈے دانت نہ پیٹ میں آنت لگے مگر ہمارے ذی علم دوست جن کی نگاہ وسیع ہے ایسی مثال ازواج رسول میں سوائے بی بی عائشہ کے اور کسی کی ایسی مثال نہیں دے سکے کہ جو زوجہ اولی کے اوصاف سن کر برداشت نہ کر سکے۔

روایت جرج سے مصنف مخاطب اپنے من کے حاشیہ پر دو قائدہ اور ظاہر کرتے ہیں ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمارے اہل بیت سے بُرائی دور کر دی اس میں اہل بیت سے ماریہ قبطیہ مراد ہے پس جب لفظ اہل سے بی بی مراد ہوئی تو آیہ تطہیر میں بھی لفظ اہل بیت سے بیان مراد ہوئی اصل ارشاد پیغمبر کا یہ ہے۔

الحمد لله الذی صوّف عنا السوء جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے شکر ہے واسطے اہل البیت  
 اہم اہل بیت سے جو ترجمہ کہ مصنف مخاطب نے کیا ہے کہ بُرائی دور کر دی ہمارے اہل بیت سے یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے غلط ہے اور جب غلط ترجمہ کر کے مصنف مخاطب نے استدلال کیا ہے تو وہ استدلال بھی خود بخود غلط ہو جاوے گا۔ اس روایت میں ماریہ قبطیہ یا کوئی ازواج رسول سے لفظ اہل بیت میں داخل نہیں ہو سکے گا بلکہ اس روایت میں

جو لفظ ہم اہل بیتؑ کا آیا ہے اُس سے مراد خود پیغمبرؐ اور علی مرتضیٰؑ ہیں یعنی پیغمبرؐ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بی بی عائشہؓ کے بیان سے میرے حکم اور علی مرتضیٰؑ کے عمل سے قتل جبریح بیگناہ کا وقوع میں نہیں آیا اور خدا نے ہم کو عمل بد سے محفوظ رکھا اگرچہ علی مرتضیٰؑ بوجہ قرب قرابت نسبی کے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ میں اور علیؑ ایک درخت کی دو شاخیں ہیں ۱۷ اور میں اور علیؑ ایک نور سے ہیں اور میری ذریت علیؑ کی پشت میں ہے اور بوجہ اس ملازمت کے جو بچپن سے علیؑ کو پیغمبرؐ کے ساتھ رہی علیؑ داخل اہل بیت اور شامل آیہ تطہیر کے ہیں لیکن میں یہ اور اضافہ کرتا ہوں کہ پیغمبرؐ ضرور داخل اہل بیت ہیں اور علیؑ داخل محمدؐ ہیں کہ پیغمبرؐ نے اُن کو اپنا نفس قرار دیا ہے جیسا کہ آیہ مباہلہ میں ہے اس صورت میں صریح ہے کہ اس روایت میں جو پیغمبرؐ فی ہم بیت کا لفظ فرمایا اُس سے مراد صرف اپنے آپ اور علیؑ سے لی ہوئی ہے یا دوسری زوجہ اس روایت سے بھی داخل اہلبیتؑ نہیں ہو سکتی۔ صحیح ہے کہ اس معاملہ میں ماریہ قبطیہ ایک نہایت عجیب و غریب رتی شہادت سے بری ہو گئیں لیکن بی بی عائشہؓ اپنے بیان خلافت واقعہ اور غلط قیاس سے ماخوذ رہیں اور اُن سے بُرائی اُن کی بیان خلافت واقعہ اور غلط قیاس کی دور نہیں ہوئی۔ اس لیے دور ہونا اس بُرائی کا بی بی عائشہؓ کی نسبت صادق نہیں آ سکتا ہے پس زوجہ داخل اہل بیت آیہ تطہیر کے نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر بی بی عائشہؓ یا ماریہ قبطیہ داخل اہلبیتؑ ہوتیں تو پیغمبرؐ جس وقت کہ اُن دونوں کی نسبت امر تمت پیش ہوا ہے۔ پیغمبرؐ اُن کی تعقیب اور تلاش ہرگز

نہیں کرتے اس سے کہ جن لوگوں کے بارے میں آیہ تطہیر نازل ہو چکی ہے اُن کی نسبت کسی امر قبیح کی سماعت ہی نہیں ہو سکتی اور اُن کی نسبت یقین کر لینا چاہیے کہ اُن سے کبھی کوئی امر بدظہور میں نہیں آسکتا اور اگر کوئی ایسا نہ مانے تو وہ قرآن کا جھٹلانے والا قرار پاوے گا۔ چنانچہ علی مرتضیٰ نے یہ مسئلہ اُس وقت بتایا ہے کہ جب جناب سیدہ نے دعویٰ فدک حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش کیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ نے گواہ پیش کیے تھے۔ علی مرتضیٰ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اگر فاطمہؓ ملواتی ہیں تو ان کے ذمہ کوئی الزام لگاوے تو تم کیا ان سے گواہ طلب کرو گے؟ اُس پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ہاں علی مرتضیٰ نے اُن کو سمجھایا کہ جسکی طہارت قرآن میں نازل ہو چکی ہے اُس کی نسبت ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا یا مثلاً یوں سمجھو کہ اگر کوئی پیغمبرؐ کی نسبت فسق و فجور کی تہمت کرتا اور آیہ تطہیر سے اُن کی عصمت ظاہر ہو چکی ہے تو اُن کی نسبت کسی طرح تحقیقات فسق و فجور کی نہیں ہو سکتی اور جو کوئی تحقیقات کرے وہ قرآن کا جھٹلانے والا ہے۔ اسی بنا پر میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ازواج پیغمبرؐ داخل اہلبیت آیہ تطہیر ہوتی تو پیغمبرؐ کبھی اُس امر کی تحقیق اور نفی نہیں نہ کرتے کہ جو بی بی عائشہؓ اور باریہؓ قبیلہ کی نسبت پیش ہوا۔ ماریہ قبیلہ کی نسبت جو امزلی بی عائشہؓ نے بیان کیا تھا اور وہ غلط محاکمات میں شاید اس بات کے مشتاق رہیں کہ بی بی عائشہؓ کو سزا دے تہمت کیونکہ نہین دی گئی؟ میرا خیال یہ ہے کہ بی بی عائشہؓ نے بطور خانگی اُس امر کو بیان کیا تھا اور وہ امر بھی محض اپنے قیاس سے جو شبہ کہ بی بی عائشہؓ کو پیدا ہوا تھا اُس شبہ کے رفع کرنے



گو پیغمبرؐ نے تفتیش شروع کی تھی بی بی عائشہؓ کا وہ بیان اور وہ قیاس اگرچہ غلط تھا مگر اُس حد پر نہیں تھا کہ جو درجہ تمت پر ہوتا اور اُس کے جھوٹ ثابت ہونے سے بی بی عائشہؓ قابل سزا ہو جاتیں مدینہ منورہ میں ایک مادی شہادت اول سے اس وقت تک موجود ہے جس سے یقین ہو جاتا ہے کہ ازواج پیغمبرؐ داخل اہل بیت نہیں ہیں اور وہ ایک قبہ ہے جو قبہ اہل بیت کے نام سے مشہور ہے اُس میں کسی زوجہ پیغمبرؐ کی قبر نہیں ہے کہ اُس میں قبرین جناب فاطمہ اور حضرت امام حسن اور حضرت امام زین العابدین اور حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام کی ہیں۔ اگر ازواج پیغمبرؐ سے مراد اہل بیت ہوتی اور عرب کے لوگ ازواج کو اہل بیت سمجھتے ہوتے تو اُس مکان کو قبہ اہل بیت ہرگز نہ کہتے بلکہ اہل عرب نے جو یہ طور یادگار کے اُس قبہ کا نام قبہ اہل بیت رکھا ہے۔ اُس سے ظاہر ہے کہ اہل بیت سے مراد نسلی قرابت داران پیغمبرؐ سے تھی۔

عرب کے محاورے میں بیت کا لفظ بمعنی خاندان کے بولا جاتا ہے جیسے شیبہ بیت بمعنی ازواج کے مستقل نہیں ہے اس لیے ضرور ہے کہ اہل بیت کے معنی اہل خاندان کے ہیں نہ ازواج کے۔

دوسرا فائدہ روایت مندرجہ میں سے مصنف مخاطب یہ ظاہر کرتے ہیں کہ رسولؐ نے جو خاص علیؑ کو قتل جریح قبلی کا حکم کیا تھا انگوٹھوں نے ایسا واجب نہ سمجھا کہ ہر صورت میں ادا کیا جائے بلکہ جریح کی حالت دیکھ کر بغیر تعمیل حکم وائیں آئے اور پھر استفسار کیا۔ آخر معلوم ہوا کہ اس حکم کی تعمیل میں غور و فکر کی ضرورت ہے یہی حالت اُس حکم

کی ہی جو رسول م نے مرض الموت میں فرمایا تھا کہ کا غذا اور دوات لاؤ  
 میں ایسا مضمون لکھ دوں کہ اُسکے بعد تم گمراہی میں نہ پڑو گے  
 صورت حکم معاملہ قتل جریح اور معاملہ حکم طلب کا غزو دوات کی ہرگز  
 یکساں نہیں ہے خود صورت معاملہ جریح کی مقتضی اس کی تھی کہ علی مرتضیٰ م  
 بغیر تفحص اور تحقیق کے اس کو قتل نہ کریں اور پیغمبر م کے حضور میں حاضر  
 لائیں اور ایسا ہی منشا پیغمبر م کا تھا اور یہ ہی منشا علی مرتضیٰ م نے سمجھا  
 تھا۔ جس کی تشریح ہم نے ابھی اوپر اسی واقعہ کے بیان میں کر دی ہے  
 اور یہ معاملہ اور حکم پیغمبر م متعلق ذاتیات کے اور شخص واحد اور ایک فرد بشر  
 کی نسبت تھا اور وہ تعلق دار القضا سے رکھتا ہے اور حکم پیغمبر م  
 موت میں طلب قرطاس و دوات کا متعلق رسالت عام امت کے  
 تھا جس میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ایسا مضمون لکھ دوں  
 کہ تم گمراہی میں نہ پڑو گے جس کا التزام امت پر ہوتا ہے۔ اور تمام امت  
 کے لیے اس میں ہدایت ہوتی ہے۔ یہ سچ ہو کہ طلب قرطاس اور دوات  
 کا حکم عام تھا۔ لیکن زیادہ تر اس کی تعمیل کے مستحق علی م تھے گو وہ  
 داماد رسول م تھے اور اگر لکھنے کا سامان رسول م کے گھر میں ہو گا تو  
 انہیں کو معلوم ہو گا کہ کہاں رکھا ہے اور اگر باہر سے لانے کی ضرورت  
 تھی تو سب سے قریب علی م کا گھر تھا اس لیے کہ ان کے گھر کا دروازہ  
 مسجد میں کھلا تھا مگر علی مرتضیٰ م کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جب  
 امیر م نے اس حکم کی کچھ بھی پروا نہ کی جیسا کہ مصنف مخاطب کثر  
 میں پہلے یہ سچہ لیا جاتا ہے کہ پیغمبر م نے قرطاس اور دوات کیوں طلب  
 کیا تھا اور کیا تھے لکھوانی منظور تھی کہ جس کے بعد ان کے صحابہ اور

ان کی است کبھی گمراہ نہ ہوں باوصف اس کے کہ قرآن نازل ور  
 دین کامل ہو چکا اور اپنے قول اور فعل سے پیغمبر سب کچھ بتا اور  
 بتا چکے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ لا فعلی مولا لا انی تا سرك فيكم الثقلين کتاب  
 کتاب اللہ وعتوقی۔ سوچنا چاہیے کہ اور کیا چیز باقی رہ گئی  
 تھی جسکو حضرت پیغمبر خدام ایسی تشریح سے لکھوانا چاہتے تھے کہ اُس کے  
 بعد لوگ گمراہی میں نہ پڑیں۔ اور یہ بھی یقین کرنا چاہیے کہ پیغمبر  
 سمجھتے تھے کہ بعد میرے فوراً اُس امر میں جس کو وہ صراحت سے  
 لکھوانا چاہتے تھے نزاع اور جھگڑا ہو کر ایسا اختلاف ہوگا کہ جسکی  
 وجہ سے لوگ گمراہی میں پڑ جائیں گے اور اُس امر پر آگاہ اور واقف  
 ہونا پیغمبر کا کوئی منہر معمولی بات نہیں تھی اس لیے کہ پیغمبر لوگوں  
 کی خواہش نفوس اور جو کچھ اُن کے سینوں میں تھا اُس سے خبردار  
 تھا۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ بعد وفات پیغمبر کے اور قبل اُن کے  
 کفن و دفن کے جس بات کا جھگڑا ہوا سوائے اُس کے کوئی اور بات  
 ہو سکتی ہے کہ جس کو پیغمبر اپنے آخر وقت میں لکھوانا چاہتے تھے  
 تاکہ لوگوں کو کسی قسم کی غلط تاویل اور تعبیر کا موقع نہ ملے۔ اسی کے  
 ساتھ میں پوچھتا ہوں کہ اُس جھگڑے والی بات کو جس کو ہر کوئی جانتا  
 ہے کہ وہ معاملہ خلافت کا ہے۔ بہ نظر آیات قرآنی اور قول و فعل  
 کے ہر مسلمان اپنے سچے دل سے بخلا دے کہ اگر پیغمبر معاملہ خلافت  
 کے متعلق لکھواتے (جس کا یقین ہے کہ وہ معاملہ خلافت کے متعلق  
 لکھواتے) تو امر خلافت کس کے حق میں لکھواتے؟ کیا کوئی سچے دل

## بیشک للمؤمنین



ایسے زمانہ مبارک میں کہ تمام قوموں نے اپنے دین و دنیا کی ترقی کی  
 حصص میں اپنی اپنی انجمنیں قائم کر کے عملی کارروائیاں مدت سے شروع  
 کر دی تھیں اور جنہی بدولت اوکو دینی و دنیاوی منافع بمقابلہ ہمارے  
 جنت مکان فرقہ شیعہ کے بہت کچھ حاصل ہوئے ہیں ضرور تھا کہ کوئی  
 خدا کا بندہ اس فرقہ کی سرپرستی کے لئے بھی کھڑا ہوتا اگرچہ یہ کام  
 عمل کا تھا کہ جنتا فرمیں منصفی ہر حثیت سے ہماری اصلاح کا ہے  
 مگر زمانہ کی سرد مہری نے انکو ابھرنے نہ دیا مگر الحمد للہ کہ خدا نے ایک  
 اور شخص کے دل میں قومی محبت کا جوش پیدا کیا جس نے ضرورت ایک  
 باوقار امامیہ کانفرنس کی سمجھی اور جسکی طرف وہ دو تین برس سے شیعہ  
 سینک کو بلارہا تھا اور آخر کار کامیابی ہوئی کہ ایک امامیہ کانفرنس  
 بمقام لاہور قائم ہو گئی۔ اس قومی سرور کا سید ناظر حسین خان نام  
 اور ناظم مخلص ہے جو اپنے اخبار ناظم الہند لاہور کا اڈیٹر بھی ہے۔ علمائے  
 لاہور نے کہ جو امامیہ کانفرنس کی سب کیلیں کے اعلیٰ عہدہ دار ہیں اوسے کو  
 اپنی مرضی سے جنرل سکریٹری ہی مقرر کیا ہے تمام ہندوستان کے  
 شیعہوں کو چاہیے کہ وہ مقاصد اور اغراض کانفرنس کو سکریٹری سے  
 طلب کریں اور اس میں ہر طرح سے مدد دین جو آپ اپنی مدد ہی خدا  
 کا شکر ہے کہ ہمارے علماء کو تو یہی اس کانفرنس کے مجدد ہیں۔  
 مرزا عبدالتقی قزلباش اڈیٹر

# بقیہ رسیدزبانہ شہ جلد پنجم و ششم

نام سرائیں

نمبر شمار

|    |  |    |
|----|--|----|
| ۴۳ | جناب شیخ ولایت حسین صاحب                                     | ۱۱ |
| ۴۴ | جناب نواب سید سلطان حسین خالص صاحب                           | ۱۲ |
| ۴۵ | جناب میر عاشق علی صاحب                                       | ۱۳ |
| ۴۶ | جناب منشی نواز شعلی صاحب تعلقہ دار                           | ۱۴ |
| ۴۷ | جناب سید غلام جیلانی شاہ صاحب بہادر                          | ۱۵ |
| ۴۸ | جناب بابو سید محمد تقی صاحب بنحوہ بقایا                      | ۱۶ |
| ۴۹ | جناب منشی غلام علی خالص صاحب                                 | ۱۷ |
| ۵۰ | جناب سید اعجاز حسین صاحب وکیل                                | ۱۸ |
| ۵۱ | جناب سید ممتاز حسین صاحب پوسٹ ماسٹر                          | ۱۹ |
| ۵۲ | جناب سید نور شیعہ حسن صاحب الہکار منصفی                      | ۲۰ |
| ۵۳ | جناب سید سجاد حسین صاحب سب انسپکٹر                           | ۲۱ |
| ۵۴ | جناب نواب سید محمد علی خالص صاحب مرحوم و ہادی                | ۲۲ |
| ۵۵ | جناب مولوی سید آبا حسین صاحب قیلہ                            | ۲۳ |
| ۵۶ | جناب شیخ محسن علیہ صاحب                                      | ۲۴ |
| ۵۷ | جناب سید امیر الدین حیدر صاحب - جناب حکیم سید محمد جواد صاحب | ۲۵ |
| ۵۸ | جناب حکیم محمد علی صاحب - جناب سید ذاکر علیہ صاحب            | ۲۶ |
| ۵۹ | جناب حکیم نیا علی صاحب - اکٹر اسسٹنٹ                         | ۲۷ |
| ۶۰ | جناب حاجی سید حفصہ حسین صاحب بمکرتل (باقی آئندہ)             | ۲۸ |

مرزا عبدہ التقی قمر لہاس الاثر سالہ و ششم

اِنِّی تَارک فِیکُم اتَّعَلِیْکُم

نور علی نور



رسالہ روشنی بایراد رسالہ نصیحہ الشیر

جلد ششم جو ماہی آخر ۹۹ء

بانتھام

مرزا عبدالتقی قزلباش

ادیٹر رسالہ روشنی

مطبع اسلام محمدی لکھنؤ میں چپکے

دفتر رسالہ روشنی محلہ چاہ کنکہ لکھنؤ شریعہ

## التماس

اتحاد شد کہ رسالہ روشنی کی جلد ششم بابہ ۹۹ ختم ہوئی امید ہے کہ  
معاونین ان نمبروں کے پونچھنے پر چندہ اسل جلد ششم کی بابت پونچھنے کے  
جلد ہفتم بابہ ۹۹ کا سلسلہ جو بیضی ہو انشاء اللہ السعان بعد محرم روانہ  
کیا جائیگا۔

جن بزرگواروں کے پاس سے اس عرصہ میں جلد ششم کا چندہ نہ آئیگا  
اون کی خدمت میں جلد ہفتم کا ابتدائی پرچہ بذریعہ ویلو مارسل بھیجا جائیگا  
رسید ذریعہ جلد ششم بابہ ۹۹ جلد ہفتم بابہ ۱۹ کے ساتھ شایع  
ہوگی۔

اطلاع۔ اکثر بزرگواروں کے خطوط میرے پاس اس امر کے  
دریافت میں پہنچے ہیں کہ الفاروق مشبلی پر بھی ریویو تیار ہوا ہے  
یا نہیں۔ اگرچہ مینی جواب خطوط اس پر نہیں تھے تاہم بنظر مزید اطمینان مومنین  
اطلاع دجائی ہو کہ الفاروق، پر غالب جناب قبلہ و کعبہ عوسی مرزا عبد علی بیگ  
خالصا صاحب بادر ثائر ڈسب جج ریویو تحریر فرما رہے ہیں۔

اگر منظور خدا ہو تو کیا شب کہ سنہ ۱۴۱۹ء میں ہی وہ چھپ کر تیار ہو جائے  
تمام مومنین کو چاہئے کہ وہ جناب ممدوح مدظلہ کی صحت و عافیت۔ اور ریویو  
کے جلد ختم ہونے اور طبع کے لئے دعا فرما دیں۔

یہ امر بھی قابل اطلاع ہے کہ ایک ریویو مختصر مگر جامع۔ ہمارے  
نہایت شفیق بنائی قاضی فقیر علی صاحب عاقل رئیس کا ناٹھ نہ نئے عرصہ ہوا  
کہ لکھ کر مکتوب محمد یاسر حب کو ہم دیگر افکار و عمل کیوجہ سے اس تک نہیں  
چھاپ سکے ہیں۔ لیکن بعد محرم اوس کو بھی انشاء اللہ چھاپ دیئے۔ اور پھر

سے یہ کہہ سکتا ہے کہ سوائے علی مرتضیٰ ؑ کے اور کسی کے حق میں لکھیا ہے۔  
 پس ایسی حالت میں علی مرتضیٰ ؑ کو یہ مناسب تھا کہ وہ اپنے حق میں ایسی تحریر  
 لکھوانے کے واسطے قبل اس کے کہ دوسرے لوگوں کے دلوں کی مرضی  
 اور غیر مرضی اور پیغمبرؐ کی اطاعت اور نافرمانی معلوم ہو جھٹ پٹ دوڑ کے  
 کا غزوہ دوات لے آتے اور اسی لحاظ سے پیغمبرؐ نے کاغذ اور دوات طلب  
 کرنے کا حکم عام دیا تھا خاص علی مرتضیٰ ؑ کی نسبت وہ حکم نہیں دیا تھا۔  
 بلکہ کنایہ اُس حکم عام میں یہی تھا جس کو علی مرتضیٰ ؑ جانتے تھے کہ سوائے  
 علی مرتضیٰ ؑ کے دوسری لوگ کاغذ و دوات لایں اور دوسری لوگ  
 پیغمبرؐ کی وصیت کو اُس کی بات لکھیں تاکہ پھر کسی وقت وہ لوگ امر خلافت پر  
 کچھ حجت و تکرار نہ کر سکیں۔ لیکن لوگوں نے کاغذ اور دوات کی طلب  
 پر اور پیغمبرؐ جو لکھوانا چاہتے تھے اُس کے لکھنے پر اسے زور و شور  
 سے مخالفت کی کہ جس سے پیغمبرؐ کو اذیت ہوئی اور پیغمبرؐ نے اپنے  
 پاس سے اُن لوگوں کو اُٹھوا دیا۔ اگر حاضرین جلسہ اپنی رضامندی  
 طلب کاغذ و دوات پر اور اُس لکھوانے پر جو پیغمبرؐ لکھوانا چاہتے تھے  
 ظاہر کرتے اور اُن لوگوں کے اُٹھوا دینے کی نوبت نہ آتی۔ یا بعد دفع  
 مخالفت کے مخالفت کرنے والوں کو سکوت ہو جاتا اس وقت علی مرتضیٰ ؑ  
 کاغذ و دوات حاضر نہ لاتے یا جب سکوت اختلاف سے ہو جاتا اور پھر  
 اُس وقت پیغمبرؐ ضرور حاضر لانے کاغذ و دوات کا علی مرتضیٰ ؑ کو حکم  
 دیتے اگر اس وقت علی مرتضیٰ ؑ تعمیل حکم پیغمبرؐ کی نہ کرتے تو اُن کی  
 نسبت مصنف مخاطب یہ کہہ سکتے تھے کہ جناب امیر مہم نے حکم کی کچھ بھی  
 پروا نہ لی، مگر جو صورت کہ حکم طلب کاغذ و دوات میں پیش آئی اُس



میں مخالفین حکم پیغمبرؐ نے موقع ہی نہیں آنے دیا کہ علی مرتضیٰؑ اس حکم کی کچھ تعمیل کر سکیں۔

حضرت عمرؓ جو یہ سمجھ گئے کہ رسولؐ یہ لکھواتے ہیں کہ قرآن کو مست چھوڑو اس لیے انھوں نے بعض صحابہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم کو قرآن کافی ہے جیسا کہ مصنف مخاطب ظاہر کرتے ہیں۔ مگر ایسا سمجھنا حضرت عمرؓ کا اور اسی نیت سے ان کا صحابہ سے کہنا اور مصنف مخاطب کا ایسا ظاہر کرنا سب غلط ہی پیغمبرؐ پہلے مجمع عام میں یہ کہہ چکے ہیں کہ قرآن کو اور میرے اہل بیت کو مست چھوڑ دو اگر پیغمبرؐ صرف یہ لکھوانے والے تھے کہ قرآن کو مست چھوڑو جیسا کہ حضرت عمرؓ نے بہ قول مصنف مخاطب کے سمجھا تو ضرور تھا کہ حضرت عمرؓ پیغمبرؐ سے صرف اس لکھوانے پر اصرار کرتے کہ قرآن کو مست چھوڑو کہ پیغمبرؐ اپنے فرمودہ سابق کو جس میں قرآن کے ساتھ اپنے اہل بیت کے ساتھ تمسک کو فروغ دیا تھا منسوخ کرنے والے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے جو کچھ سمجھا اور کہا اس کی حالت ہرگز ایسی نہیں ہو سکتی جس طرح جروج کی حالت دیکھ کر علیؑ یہ سمجھ گئے تھے کہ اب اس کا قتل مقصود نہیں ہے اس کی حالت پر رسولؐ کو اطلاع کر دینا کافی ہے وقت طلب کا غزوہ دوات کے پیغمبرؐ نے کوئی حکمت و معاملہ کی بیان نہیں فرمائی تھی مگر بعد ازیں سے یہ قرینہ ہرگز نہیں پیدا ہوتا کہ پیغمبرؐ یہی لکھوانا چاہتے ہیں کہ قرآن کو مست چھوڑو جو حضرت عمرؓ ایسا سمجھ سکتے کہ جو کچھ حضرت رسولؐ لکھواتے ہیں وہ ہم کو معلوم ہے اور اس کی اطلاع کر دینا کافی ہے اگر ہماری سمجھ میں غلطی ہوگی تو رسولؐ

دوبارہ حکم کرینگے ورنہ شدت مرض میں رسول م کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے کاغذ و دوات وغیرہ لانے سے یہ جواب اولیٰ تھا کہ رسول م یہ معلوم کر کے بہت خوش ہونگے کہ جو کچھ میں لکھوانا چاہتا تھا وہ ان کو خوب معلوم ہے اور یہ لوگ ایسی ہدایت کامل پا چکے کہ اب ان کو اور کچھ بتانے کی حاجت نہیں ہے یہ سمجھہ حضرت عمرؓ کی جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں کسی طرح نہیں ہو سکتی اگر حضرت عمرؓ کی یہ سمجھہ ہوتی تو دوسرے ہم نشینوں سے بعد اس فرمانے کے کہ ہم کو کتاب خدا کافی ہے پیغمبرؐ کی نسبت یہ نہ کہتے کہ اس مرد کو ہڈیاں ہے اس کو اس کی حالت پر چوڑ دنگا اور باہم ہم نشینوں کے جھگڑا کر اکر اور شور غل مچوا کر اور ایسی تکلیف پیغمبرؐ کو پہونچا کر پیغمبرؐ سے اٹھوا دیے جانے کا حکم حاصل نہ کرتے پیغمبرؐ جانتے تھے اور بتا چکے تھے کہ قرآن کتاب خدا اولیٰ بیت پیغمبرؐ عالم قرآن لوگوں کو دین اسلام پر چلانے کے لیے کافی ہیں۔ لن تضلوا بعدی ابدًا سے مراد کسی امر عظیم میں اختلاف نہونے سے ہو سکتی ہے ایسا اختلاف جس نے دین اسلام کو کمزور اور مسلمانوں کی خصلت کو خراب کر دیا اور بیچ نا اتفاقی کا مسلمانوں کے سرشت میں بودیا۔ لن تضلوا بعدی سے وہ قرینہ پیدا نہیں ہو سکتا جسکو مصنف مخاطب سمجھہ حضرت عمرؓ کی ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ اس تمام واقعہ سے صاف نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پیغمبرؐ امر صریح ایسا لکھوانے کو تھے کہ جو خلاف مقصد حضرت عمرؓ کے تھا اور حضرت عمرؓ سمجھہ گئے تھے کہ پیغمبرؐ امر خلافت کے متعلق ایسا کچھ لکھوانے کو ہیں کہ اس میں گنجائش پھر کسی حجت و تکرار کی نہ ہوگی اور یہ ہی سمجھہ کہ انھوں نے اپنی دانائی اور

عقلمندی سے ایسا اختلاف کا جگڑا اور شور غل مچوایا کہ نوبت لکھوانے  
 اس امر کی نہ آسکی۔ یہ سچ ہے کہ پیغمبر جو کچھ لکھوانے کو تھے وہ نیا حکم  
 نہیں تھا اس لیے کہ آیت **اَحْكُمْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ** تازلے ہو چکی تھی جیسا  
 کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں۔ اور میں اس سچ یہ اور اضافہ کرتا ہوں کہ  
 قبل نزول اس آیت کے پیغمبر خم غدیر پر تعمیل حکم آیت **يَا أَيُّهَا  
 الرِّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ** الخ کی کر چکے تھے لیکن بہ نظر حکم عام  
 اس آیت کے۔

۲۷ وانزلنا عليك الذِّكْرَ اور نازل کیا ہم نے اوپر تیرے  
 لتبين للناس ما نزل اليهم ذکر تاکہ صراحت سے ظاہر کرے تو  
 واسطے لوگوں کے جو کچھ نازل ہوا ہی ان کے لیے ۲۸ پیغمبر کسی امر کو  
 زیادہ تفصیل سے بیان کرنے والے تھے اور جو کچھ کہ پیغمبر بیان فرما  
 وہ حدیث پیغمبر ہوتی۔ اکثر پیغمبر نے کسی آیت کے معنی کسی وقت خود یا  
 کسی کے استفسار پر بیان فرمائے ہیں اور وہ سب احادیث پیغمبر  
 میں داخل ہیں مگر کسی امر کا تصریح سے بیان کرنا خود پیغمبر پر اپنی طرف  
 سے ایسا واجب نہیں ہے جیسا کہ کسی آیت ربانی کا لوگوں پر پہنچانا  
 لیکن آیت قرآنی جیسے نص ہوتی ہے ویسے ہی حدیث پیغمبر ۲۹ پیغمبر  
 نے جس امر کے لکھوانے کے لیے کاغذ و دوات طلب کیا تھا اور لوگوں  
 کی مخالفت اور تنازع اور شور غل کے سبب سے ناخوش ہو کر اون کو  
 اٹھوایا اور اس وقت یا دوسرے وقت نہ لکھوایا یہ امر ان کا اختیار ہی  
 تھا الا نہایت قابل افسوس کے ہے کہ آخر وقت زندگانی میں انی سے  
 ادنی شخص کچھ لکھوانا یا کہنا چاہتا ہے تو اس کے عزیز اور دوست نہایت

آرزو سے اُس کا سُنا اور لکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن پیغمبرؐ آخر الزمان کی وصیت اور پسند اُس کے دوستوں نے سُنا گوارا نہ کی اور اُس کو لکھوانے سے روک دیا۔ اور جھگڑے کی ابتدا حضرت عمرؓ نے کی جھگڑنے نے یہ فرمایا کہ تم کو کسی کتاب کی ضرورت نہیں ہے ہم کو قرآن کافی ہے اور اس مرد کو ہدایاں ہے اس کو اس کی حالت پر چور و دو کہ استیلافت پیغمبرؐ پر تنازع شروع ہو کر شور غل ہوا اور مجلس پیغمبرؐ سے وہ لوگ اٹھوادیے گئے۔

وہ راے حضرت عمرؓ کی اس بنا پر کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوانے کی ضرورت نہ سمجھی پیغمبرؐ کا وہ امر لکھوانا اختیاسی تھا نہ ضروری لیکن پیغمبرؐ کے امر اختیار کیے استعمال کے وقت حضرت عمرؓ کی مخالفت قطعی نا واجب تھی۔ اور حضرت عمرؓ کی مخالفت ہے جو اختلاف کرنے میں جھگڑا ہوا اسکا الزام خود حضرت عمرؓ پر ہے کہ نہ وہ مخالفت کرتے نہ اُن کی مخالفت سے اختلاف کا جھگڑا ہوتا اس سے تمام تر الزام حضرت عمرؓ پر ہے پیغمبرؐ نے جو اپنے پاس سے لوگوں کو اٹھوادیا وہ اس کا نتیجہ نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ کی راے سے اختلاف کیا گیا تھا بلکہ اس کا نتیجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے پیغمبرؐ سے مخالفت کی تھی۔ ابن عباس کی راے بالکل ٹھیک ہے کہ وہ اس تحریر کے ملوث ہو جانے کو بڑی مصیبت سمجھتے ہیں ۱۰ مصنف مخاطب اُن کی راے کو اس بنا پر بغیر صحیح قرار دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی راے کو رسولؐ نے قبول کر لیا اور پھر لکھوانے کا قصد نہ کیا حالانکہ یہ نتیجہ جو مصنف مخاطب نکالتے ہیں بالکل

غلط ہے پیغمبرؐ نے کوئی کلمہ ایسا نہیں فرمایا کہ جس سے راعے کو حضرت عمرؓ کی پیغمبرؐ کا قبول کرنے کا نتیجہ نکلے اور پھر لکھوانے کا جو پیغمبرؐ نے قصد نہیں کیا اس کی وجہ صریح ہے کہ پیغمبرؐ نے یہ سمجھ لیا کہ عمرؓ اور ان کے حامیوں نے وائے مجھ پیغمبرؐ کے قول کو ہڈیاں جانتے ہیں اور میری زندگی میں میرے سامنے مخالفت کرتے ہیں تو بعد میں اس کو کیا قبول کرینگے اور کیا اس پر عمل کرینگے ایسی تحریر کا لکھوانا بالکل بیکار ہے۔ پس حکم کی تعمیل نہ کرنے کا الزام سراسر حضرت عمرؓ پر عائد ہوتا ہے علیؓ پر کیا اس حکم کی بابت اور کیا حکم قتل جریح کی بابت کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

روایت حکم قتل جریح کا منشا یہی تھا کہ بعد تحقیق اور تفتیش کے جریح قتل کیا جائے اور جس میں دوبارہ حکم کی ضرورت نہ تھی اور اس حکم پیغمبرؐ میں گو کسی نوعیت سے تھا علی مرتضیٰؓ نے کچھ حجت نہیں کی تھی اور فوراً اس کی تعمیل کے لیے بغیر کسی چون و چرا کے چلے گئے تھے۔ برخلاف اس کے حکم طلب قرطاس و دوات میں اور پیغمبرؐ جو کچھ کہ لکھوانا چاہتے تھے اس میں کسی تحقیق اور تفتیش کی ضرورت نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے چون و چرا کی۔ اور پیغمبرؐ کے حکم کی تعمیل نہ ہونے دی۔ علی مرتضیٰؓ نے مجرّد صدور حکم قتل جریح کے وقت پیغمبرؐ سے نہ مخالفت کی تھی نہ کچھ عذر کیا تھا نہ اس کو غیر ضروری سمجھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مجرّد صدور حکم طلب قرطاس و دوات کے پیغمبرؐ سے مخالفت بھی کی عذر بھی کیا غیر ضروری بھی سمجھا پیغمبرؐ کو ہڈیاں کی نسبت بھی دی یہ بھی کہا کہ اس مرد کو اسکی حالت

پر چھوڑ دو۔ یعنی حکم پیغمبرؐ کو قابل عمل بھی نہیں سمجھا۔ قطب الدین راوندی نے کتاب الخراج میں نظم قرآن کے معجزات سے نوازا ہے۔ بے شک یہ لکھا ہے جس کا ایک جزو مصنف مخاطب نقل کرتے ہیں کہ اُس میں وہ سب چیزیں موجود ہیں جنکے علم کی ہندوں کو حاجت ہے۔ اصول دین اور فروع دین سے بعد اس کے اُسی نوین معجزہ قرآن میں ملا قطب الدین راوندی نے یہ لکھا ہے کہ اُس میں آگاہ کرنا ہے طریقوں عقلیات کا اور قائم کرنا محبت کا اور پر ملاحظہ اور براہمہ و منکرین بعثت اور قائمین طبائع کے نہایت مختصر و کلام بلیغ سے اور اُس میں ہے طرح طرح کے اعراب اور عریضیت اور حقیقت اور مجاز بیان تک کہ طب اور محکم و متشابہ اور ناسخ اور منسوخ ہے۔ بحث یہ نہیں ہے کہ قرآن کسی چیز سے خالی ہے یا وہ ناتمام ہے یا اُس میں کچھ نقص ہے۔ خدا خود فرماتا ہے لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔

ہمارے ہندوستان میں لاکھوں مسلمان ایسے ہیں۔ اور دوسرے ملکوں میں بھی کروڑوں ایسے ہیں کہ جنکی بغلون میں اور جن کے گروں میں قرآن موجود ہے اور وہ زبان عربی نہیں جانتے یا جانتے ہیں اور اُس کے معنی و مراد نہیں سمجھ سکتے خصوصاً آیات، متشابہات کو سمجھنا تو عالموں کو بھی مشکل ہوا ہے ایسے لوگوں کو مجرد قرآن کیا کفایت کر سکتا ہے اور ہر ایسا مسلمان کیا فائدہ اُس سے اٹھا سکتا ہے نہیں قرآن کے ساتھ اعلم کا ہونا ضروری ہے اور اسی وجہ سے

پیغمبرؐ فرما گئے ہیں ۲۲ کہ میں بہا ری دو چیزیں درمیان تمہاری چوڑی جاتا ہوں کتاب اللہ اور اپنی عترت یا اہلبیت وہ اس سے جدا نہیں کیے گئے ان کو مضبوط پکڑے رہنا ۲۳ اور خاص علیؑ کی نسبت فرمایا ہے کہ ۲۴ علیؑ قرآن کے ساتھ ہی اور قرآن علیؑ کے ساتھ ۲۵ جس سے مقصود پیغمبرؐ کی ہے کہ قرآن اس وقت میں کافی ہے کہ جب اس کلام کی مراد اور مقصد کو علیؑ اور اہلبیتؑ سے جن میں ائمہ اہل بیت داخل ہیں پہنچو کہ ان سے زیادہ کوئی عالم نہیں ہو سکتا جیسا کہ خود پیغمبرؐ فرما گئے ہیں۔ پس حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ ہم کو کتاب اللہ کافی ہے غلط اور مخالف ارشاد اور ہدایت رسولؐ کے ہے۔ مصلحت اس حکم پیغمبرؐ کی ظاہر ہے کہ قرآن کے مراد اور مقاصد علیؑ اور اہل بیتؑ پیغمبرؐ ایک ہی بتائیں گے اور ان میں اختلاف نہیں ہوگا اور ایک راہ پر کل مسلمان چلتے رہیں گے۔ اور حضرت قول حضرت عمرؓ سے یہ ہوئی کہ ہر شخص نے اپنے مطلب اور غرض کے واسطے یا اپنی اپنی سمجھ اور ضرورت کے موافق قرآن کی مراد اور مقاصد کو بیان کرنا شروع کر دیا جس سے امت رسولؐ میں اختلاف واقع ہو گیا اور اس اختلاف نے مسلمانوں کو جدا گانہ راہوں پر ڈال کر باہم عناد پیدا کر دیا اور امت واحد کو منتشر کر کے برباد کر دیا اور درجہ تنزل پر پہنچا دیا حضرت سلمانؓ نے جو ان لوگوں پر اعتراض کیا ہے جنہوں نے قرآن چھوڑ کر حدیث پر عمل شروع کیا تھا وہ اعتراض ان کا صحیح ہے اور مجرد حدیث پیغمبرؐ پر عمل کرنے والوں کا فعل خلاف ہدایت پیغمبرؐ کے تھا۔ مجرد حدیث پر ہر شخص کا عمل اپنی سمجھ کے موافق رد و تائید کرنا

جب تک کہ وہ قرآن کو نہ جانے کیونکہ جب تک کوئی قرآن کو نہ جانے تب تک وہ صحیح اور غیر صحیح حدیث کو نہیں پہچان سکتا۔ اور قرآن کو ہدیہ جان سکتا ہے کہ جس نے اس کے معنی اور مراد کو علی م اور اہل بیت پیغمبر سے سمجھا ہو۔ جو لوگ کہ مجرد حدیث پر عمل کرتے تھے اس حیثیت سے کہ اپنی رائے سے اس کے معنی لگائے باوصف اس کے کہ علی م اس وقت موجود تھے ایسے لوگوں پر اعتراض حضرت سلمان م کا تھا ٹھیک تھا۔ اور میں جہاں تک خیال کرتا ہوں۔ حضرت سلمان م (ز) جن کی نسبت پیغمبر م نے فرمایا ہے۔

۲۰ من اهل البيت ۱؎ یہ اعتراض اُسی وقت شروع کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکر م نے معاملہ فدک میں ایک حدیث پیغمبر بیان کی کہ قرآن کو چھوڑ دیا اور اپنی بیان کی ہوئی اور اپنی سمجھ سے سمجھی ہوئی حدیث پر عمل کیا۔ باوصف اس کے کہ علی مرتضیٰ م اور فاطمہ زہرا م جو اہل بیت پیغمبر م سے تھے۔ اصرار کرتے رہے کہ قرآن کے بموجب انبیاء بھی وارث ہوتے ہیں۔ اور فاطمہ م کو اپنے باپ کی میراث مال حضرت محمد م میں پہنچتی ہے۔ جیسے کہ دیگر مسلمانوں کو اپنے مورث کی میراث۔

مصنف مخاطب حضرت عمر م کے اس قصہ کا مقابلہ اس قصہ سے کرتے ہیں جب رسول م کو اسد نے یہ حکم دیا تھا۔ کہ ولایت علی م کا حکم امت کو خدا دو۔ اور تفسیر صافی سے ذیل آیت ۱؎ یا ایہا الرسول بلغ ما أنزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت ربنا اللہ انکم کی امام محمد م باقر علیہ السلام سے ایک روایت کا حوالہ دیتے ہیں اور



اُس طولانی روایت کا بطور حاصل بہ قدّر ضرورت اپنی کے تبدیل الفاظ جس کی نوعیت متغیر ہو جائے اپنی مذاق کے موافق ترجمہ کرتے ہیں۔

پہلے ایک روایت امام علیہ السلام سے یہ ہے کہ خدا از حکم کیا ولایت علی بن ابی طالبؑ کا اور نازل کی آیت انا ولیکم اللہ ورسوله والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وہم س اکون اور فرض کی ولایت اولی الامر کی پس نہ جانا لوگوں نے کہ وہ کیا چیز ہے۔ حکم کیا خدا نے محمدؐ کو یہ کہ تفسیر کر دین واسطے اولن لوگوں کے ولایت کی۔ جیسے کہ تفسیر کی ان لوگوں کے لیے نماز اور زکوٰۃ اور روزہ اور حج کی پس مشوا معلوم ہوا پیغمبرؐ کو یہ امر اور خوف کیا یہ کہ پھر جاوینگے لوگ دین سے اور جھٹلا دیں گے وہ پیغمبرؐ کو۔ پس رجوع کی پیغمبرؐ نے اپنے رب کی طرف اور وحی بھیجی اس نے یہ یہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیہک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس

پس پیغمبرؐ نے سخن حق آشکار کیا اور ولایت علی بن ابی طالبؑ کو ونام کیا دن خدا پر ختم کے اور اُس روایت کا حاصل جس کا مصنف محض مطلب ذکر کرتے ہیں یہ ہے تحقیق قصد کیا پیغمبرؐ نے مدینے سے درحالیہ کہ تمام شریعہ اپنی قوم کو پہنچا چکے تھے سوائے حج اور ولایت کے پس آئے تھے جبریلؑ اور کہا اُنھوں نے کہ اے محمدؐ خدا تم کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں کسی پیغمبرؐ اور نبیؐ کی روح قبض نہیں کرتا مگر بعد

کامل کرنے دین اور تاکید حجت کے اور تم پر دو فریضہ باقی رہے ہیں مکی  
 طرف قوم محتاج ہے فریضہ حج اور فریضہ خلافت بعد تمہارے میں مانی  
 نہیں چھوڑتا ہوں زمین کو خالی حجت سے پس منادی کرائی پیغمبر نے  
 کہ حج کا ارادہ کرتے ہیں اور مکے رسول اللہ اور لوگ اُنکے ساتھ  
 اور حج کیا۔ جب تلبیہ کے متصل ٹھہرے پس آئے جبریل اور کہا کہ خدا  
 سلام کہتا ہے اور فرمانا ہے کہ نزدیک ہو بچی ہے اجل تمہاری پس  
 پورا کرو عہد اپنا اور مقدم رکھو وصیت اپنی کو اور جو کچھ کہ تمہارے  
 پاس علم اور میراث علوم انبیاء سے اور سلاح و تابوت نشانیاں انبیاء  
 سے سونپ دو اپنے وحی اور خلیفہ اپنے علی ابن ابی طالب کو کہ حجت  
 بالغہ میری ہے۔ اور یاد دلا دو میری بیعت اور میثاق کا ولائتی  
 میرے سے اور مولیٰ ہر مومن و مومنہ سے کہ علی بن ابی طالب ہے  
 اور کمال توحید اور دین کا اور اتمام نعمت کا خلق پر اتباع میرے ولی  
 کا اور اُس کی اطاعت ہو۔ پس اندیشہ کیا رسول اللہ نے اپنی قوم  
 کا اور اہل نفاق اور شقاق کا یہ کہ متفرق ہو جائیں گے اور رجوع کر جائیں  
 طرف جاہلیت کے کہ پیغمبر اُن کی عداوت اور جو کچھ کہ اُن کے  
 نفسوں میں لپٹا ہوا تھا بغض علی سے جلتے تھے اور چاہا جبریل  
 سے یہ کہ وہ نگہبانی پروردگار کی لوگوں سے پیغمبر کے لیے جاہل  
 اور انتظار کیا جبریل کا یہاں تک کہ پونچھے پیغمبر مسجد خیف تک پس  
 آئے جبریل اور حکم دیا یہ کہ عہد کو پورا کرو اور قائم کرو علی کو لوگوں  
 کے لیے اور نہ لائے نگہبانی خدا سے یہاں تک کہ پیغمبر آ کر کراخ نعیم  
 میں پہر آئے جبریل اور ویسا ہی حکم لائے اور نگہبانی نہیں لائے

پیغمبرؐ نے کہا کہ اے جبریلؑ مجھ کو اندیشہ ہے اپنی قوم کا یہ کہ جب ملاوین  
مجھ کو اور نہ قبول کریں میری بات علیؑ کے بارے میں کہیں کو چ کیا پیغمبرؐ  
نے اور پہونچے عذیر خم پر پس آئے جبریلؑ پانچ گھڑی دن چڑھے سنا  
زجر اور کپ کیا ہٹ چڑھا دینے کے اور نگہبانی کی لوگوں سے یہ  
ان روایتوں سے صاف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ تعمیل حکم کی مخالفت پر  
آمادہ نہیں ہوئے جیسا کہ حضرت عمرؓ باعث منع قرطاس اور دوات  
کے ہوئے بلکہ پیغمبرؐ تعمیل حکم ربانی میں اندیشہ کرتے تھے اور اطمینان  
اپنی حفظ کا چاہتے تھے۔ چنانچہ یہ واقعہ کہ پیغمبرؐ کو تبلیغ رسالت اس  
امر میں اندیشہ تھا اور نگہبانی اپنی چاہتے تھے خود اسی آیت کے اخیر  
فقہر وعدہ ربانی سے واضح ہے۔

ۛۛ ۛالله ۛعصمٹ من الناس ۛۛ خدا نگاہ رکھے گا تجھکو لوگوں سے ۛۛ  
پس جبکہ وہ اندیشہ اور خواہش وعدہ حفظ خود آیت قرآنی میں  
موجود ہے تو بغیر ۛ سے پوچھنا چاہیے کہ اے پیغمبر ۛ تم نے کیوں اندیشہ  
کیا تھا اور کیوں نگہبانی کا وعدہ چاہا تھا اور بلا کسی اندیشہ اور وعدہ ۛۛ  
کے فوراً تعمیل حکم کی کیوں نہ کر دی ۛۛ باوصف اس کے جیسا کہ مصنف  
مخاطب کہتے ہیں کہ ۛۛ تم نے صنعت اسلام کے وقت میں مشرکین ۛۛ  
کے سامنے اُن کے معبود بتوں کی بڑائی بیان کی اور شرک کا رد کیا  
اور اسد کے حکم کے مقابلہ میں کافروں کی ایذاؤں کی کچھ پرواہ نہ کی  
اب قوت اسلام کے زمانے میں مسلمانوں سے اُن کو یہ خون ہوا  
کہ وہ اللہ پر توکل نہ کر سکے نہ اس سے پہلے جو اسد نے اُنکی نصرت  
اور مدد کے بہت سے وعوے کیے تھے وہ اُن کو یاد رہے ۛۛ یا بلحاظ فقرہ

آخر آیت کے جس سے پیغمبر کا اندیشہ ناک ہوتا اور وعدہ حفظ کا چاہنا ظاہر ہے۔ مصنف مخاطب کو اُن سب اعتراض کا پیغمبر پر وارد کرنا لازم تھا جو بنظر روایت امام م کے شیعوں پر اعتراض بارادہ تصدیق امر جانشینی علی مرتضیٰ م کے جس کا وقوع خم حذیر پر ہوا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ آیت قرآنی میں جس اندیشہ اور وعدہ حفظ کا احتمال ہے اُسی کی امام م نے تفسیر کی ہے اور حق بالکل مطابق آیت کے ہے۔

اصلی بات یہ ہے کہ ان روایتوں کا مفاد جن میں بیان ایسے الفاظ سے ہے کہ انسان اُسی محاورے کے بموجب اُس مقصود کو باسانی سمجھ جاوے۔ صرف اس قدر ہے کہ پیغمبر قوت ملکوتیہ کو مشورہ کی حیثیت سے کام میں لاتے تھے اور براہ دور اندیشی نگہبانی کا اطمینان چاہتے تھے۔ اور بالآخر ہر پہلو پر نظر کر کے تبلیغ رسالت اُس امر کی اطمینان کے ساتھ کی۔ اور کہ میں جو مشرکین کے معبود بتوں کی بڑائی کی اور شرک کو روکا اُس میں بھی پیغمبر م نے دور اندیشی اول مد نظر رکھی تھی اور حمایت حضرت ابوطالب م اور وجاہت حضرت خدیجہ الکبریٰ پر اپنی نگہبانی کا اطمینان کر لیا تھا۔ جیسا کہ تاریخ اسلام سے ظاہر ہے کہ جب اہل حاسیون کا انتقال ہو گیا تو پیغمبر نے اپنی نگہبانی کا اطمینان اہل مدینہ سے کر کے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی۔ اور اللہ نے جہان کسی پیغمبر سے نصرت اور مدد کے وعدہ کیے تھے۔ اُس کے اسباب اور سامان ظاہری نصرت اور امداد کے موجود فرمائے تھے علی مرتضیٰ م اور بنی ہاشم کا وجود جنہوں نے کبھی پیغمبر کو لوگوں میں تنہا نہیں چھوڑا باوصف اس کے کہ مخصوص صحابہ نے ہمیشہ اپنی

اپنی راہ لی تھی۔ مصنف مخاطب یہ چاہتے ہیں کہ پیغمبر کو وصف اللہی اور اطمینان سے فائدہ اٹھانے کو پاک دکھادیں اور بے اندیشہ اور بغیر اطمینان حفظ کے پیغمبر سے کسی امر کے وقوع میں لانے کی توقع رکھیں۔ حالانکہ بغیر اندیشہ اور اطمینان حفظ کے کسی امر کا کرنا داخل تو رہی جو اوصاف ردیہ میں داخل ہے۔ اور باندیشہ اور اطمینان حفظ کے کسی امر کا کرنا داخل شجاعت ہے جو اوصاف حمیدہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اور پیغمبر تمام اپنے کاموں میں نصرت کے اور اپنی حفظ کے خدا سے خواستگار اور امیدوار رہے ہیں جس میں شان عبد اور عبود کی ہے۔

اصول کافی کتاب الحج باب نص اللہ میں بیشک ایک طویل روایت ہے جس میں امام علیہ السلام نے تفسیر اطيعوا اللہ الخ کی فرمائی ہے اور اس میں ذکر حدیث من کنت مولاهم وہدیت ثقلین اور آیت تطہیر اور آیت اولی الارحام کا ذکر فرما کر ولایت کو علی مرتضیٰ اور ائمہ اہل بیت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ لیکن اس حدیث میں وہ مضمون جو مصنف مخاطب نے ظاہر کیا ہے نہیں ہے البتہ وہ مضمون (یعنی ذکر قصہ غدیر خم اور یہ بیان ہے کہ جب تبلیغ ولایت کا حکم آیا تو رسول ص کا دل تنگ ہو گیا اور خوف ہوا کہ کہیں لوگ اس پر نہ جاویں اور اس حکم کو رب کی طرف پھیر دیا جائے) ایک دوسری حدیث میں ہے۔ کہ جو طولانی نہیں ہے۔ مصنف مخاطب نے یہ ترجمہ کہ ہے اس حکم کو رب کی طرف پھیر دیا دوسرے عنوان سے کیا ہے وہ اصل الفاظ یہ ہیں۔

۱۔ سراجہ سربہ عز و جل ۷ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بڑے رجوع کر آیا  
 اپنے پروردگار کو ۷ یعنی پروردگار کی توجہ کو اس طرف رجوع کرنا چاہا  
 کہ تعمیل حکم ربانی میں جس امر کا اندیشہ تھا اور جو خواہش تھی ۷  
 جس فقرہ حدیث پر مصنف مخاطب اعتراض کرتے ہیں اس حدیث  
 کا شروع یہ ہے ۷ امام محمد باقر علیہ السلام سے ہو کہ حکم کیا اللہ عز و جل  
 نے اپنے رسول کو ولایت علی کا اذن نازل کی اس رسول پر آیت  
 انھا ولیکم اللہ الخ۔ اور فرض کی ولایت اولی الامر کی۔  
 پس نہ جانا کسی نے کہ کیا ہے وہ۔ پس حکم کیا اللہ نے محمد صلم کو یکہ  
 تفسیر کریں ان لوگوں کے لیے ولایت کو جیسے کہ تفسیر کی پیغمبر نے  
 واسطے ان لوگوں کے صلوٰۃ زکوٰۃ صوم اور حج کی۔ پس ہر گاہ کہ آیا  
 یہ امر اللہ کی طرف سے۔ تنگ ہوا اس کے سبب سے سینہ رسول  
 اسدم کا اور خوف ہوا یہ کہ پر جاوینگے اپنے دین سے اور یہ کہ جٹلا دیں  
 گے وہ لوگ پیغمبر کو۔ پس تنگ ہوا سینہ آنحضرت کا اور رجوع کر آیا  
 اپنے پروردگار عز و جل کو ۷

اس مضمون پر یہ اعتراض مصنف کا وارد نہیں ہوتا ہے کہ یہ  
 رسول ۷ نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ اللہ کو بھی سب کچھ خبر ہے وہ حکیم  
 اور علیم ہے۔ پر ان کو اللہ کا حکم پہنچانے میں کیا تردد تھا۔ اللہ  
 کے حکم کو بار بار یاد کرنا اور اس میں یہ بشرط مقرر کرنا کہ محافظت کا  
 وعدہ نازل ہو گا تو ہم اس حکم کو ادا کریں گے ورنہ ادا نہ کریں گے  
 اطاعت نہیں بلکہ منکرشی ہے۔ اگر محافظت کا وعدہ نازل نہ ہوتا تو  
 رسول ۷ اس حکم کی تبلیغ کبھی نہ کرتے ۷ مصنف مخاطب کے اس اعتراض

کا جواب ہماری اُسی تقریر سے ظاہر ہو جاتا ہے جو ابھی ہم نے اوپر تحریر کی ہے کہ جب خود آیت سے یہ ظاہر ہے کہ پیغمبرؐ نے کچھ اندیشہ بھی کیا اور وعدہ محافظت بھی چاہا تو ہر مسلمان کو سوچنا چاہیے کہ پیغمبرؐ سے زیادہ کوئی خدا کو حکیم اور علیم نہیں جان سکتا تھا پیغمبرؐ نے کیوں تفسیر آیت میں اندیشہ کیا اور کیوں وعدہ محافظت کا چاہا؟ خدا کے حکیم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اُس نے اپنی حکمت سے ہر کام کے ہونے اور نہ ہونے کے لیے اسباب اور سامان کے جمع ہونے کا قاعدہ مقرر کیا ہے۔ اور خدا کے علیم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جو جو واقعات پیش ہوتے جائیں اُس کا علم اُس کو محیط ہو۔ خدا کو بیشک اس بات کا علم تھا کہ میں ایک آیت متعلق ولایت کے نازل کروں گا اور پیغمبرؐ کو اُس کی تفسیر کرنے کے وقت اندیشہ ہوگا اور پیغمبرؐ اپنا اطمینان حفظ کا مجھے چاہے گا اور میں وعدہ نگہبانی اُسکی کا کروں گا۔ تب وہ تفسیر اُس آیت کی کر دے گا۔ ایسی حالت میں نہ پیغمبرؐ کے اندیشہ اور خواہش اطمینان پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے اور نہ خدا کے حکیم و علیم ہونے پر۔

خدا اور پیغمبرؐ کے درمیان اور قوت ملکوتیہ کے ذریعہ سے جو کچھ کہ راز و نیاز ہوتا ہے مضمون حدیث کا کچھ ہی اُس کے منافی نہیں ہے۔ اور نہ اُس سے رد کرنا حکم خدا کا۔ یا انکار تعمیل حکم کا لازم آتا ہے۔ ایک محکوم کی شان اطاعت اور ایک عبد کی شان جہودیت بمقابلہ اپنے حاکم و معبود کے اسی سے ثابت ہوتی ہے کہ محکوم اور عبد کے دل میں جو کچھ ہو وہ اپنے حاکم اور معبود کے سامنے ظاہر اور اُسی سے

دعاے نصرت کرے۔ اس موقع پر پیغمبرؐ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ جو کچھ پیغمبرؐ کے دل میں اندیشہ تھا وہ خدا کے سامنے بیان کیا اور اپنی حفظ کا اطمینان چاہا۔ خدا سے عرض حال اور دعا مانگنے اور خدا کو اپنی التماس پر متوجہ اور رجوع کرانے کی مراد و حکم اور عدم اطاعت اور سرکشی سے نہیں ہو سکتی اور یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ اگر خدا وعدہ حفظ نہ کرتا تو پیغمبرؐ اس امر کو نہ کرتے بلکہ یہ یقین کرنا چاہیے کہ اگر خدا وعدہ حفظ نہ کرتا اور یہ فرماتا کہ اے پیغمبرؐ گو تو قتل ہو جاوے مگر اس امر کی تعمیل کرتو بھی ضرور پیغمبرؐ تعمیل اس کی کرتے۔ نبیؐ معصوم کا حال حضرت عمرؓ پر طعن سے بالکل مخالف ہے۔ نبیؐ نے نہ حکم خدا کو رد کیا نہ اطاعت خدا سے سرکشی کی۔ اپنی نگہبانی کا اطمینان چاہا ہی۔ اور حضرت عمرؓ نے وہ حرکت کی کہ جس سے وہ اطاعت رسولؐ سے منع قرطاس اور دوات کے باعث ہو کر خارج ہو گئے۔

علمائے شیعہ میں سے کوئی بھی مضمون حدیث پر حیران نہیں ہوا۔ ملا خلیل قزوینی نے جو یہ لکھا ہے کہ رسولؐ کا سبیل یہ تھا کہ شاید تخریج اور تفسیر ولایت کی قرآن میں ہو جائے اور کتب سنت پر نہ ہے بلا نہ ہماری تقریر کے منافی ہے اور نہ کچھ قابل اعتراض کے ہے وہ بھی ایک عالم شیعہ کی رائے ہے۔ اور جس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مضمون نے حیران ہو کر وہ رائے ظاہر کی ہے۔ اس کی کاموں میں بے شک رسولؐ کو یہ دخل نہیں کہ رسولؐ خدا سے یہ چاہے کہ خدا اپنے حکم کو رد کر دے لیکن رسولؐ کو یہ



یہ اختیار تھا کہ کسی امر کی تفسیر اور وضاحت بحیثیت قرآن کے نازل کرے اور خدا کو یہ اختیار تھا کہ چاہے اُس کی توضیح بہ حیثیت قرآن کے نازل کرے چنانچہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسولؐ اور رسولؑ کسی غیر رسولؐ نے بھی کسی امر کی تشریح رسولؐ سے چاہی ہے اور خدا نے اُس کے متعلق آیت نازل کر دی ہے اور یہ بھی خدا کا اختیار تھا کہ کوئی تفسیر بہ حیثیت قرآن کے نازل نہ کرے اور تفسیر کا اختیار رسولؐ پر چھوٹے اور اس واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسولؐ کے نزدیک مسئلہ امامت قرآن میں نہ تھا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ کے نزدیک مسئلہ امامت قرآن میں تھا۔ جیسے کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور صوم و حج کا۔ مگر تفسیر اُس کی اختیار رسولؐ میں تھی اور رسولؐ مٹنے لگی تفسیر کر دی۔ اور اسی وجہ سے جیسے کہ قرآن نص ہے ویسے ہی قول اور فعل رسولؐ کا۔

علامہ باقر مجلسی رحمہ نے حیات القلوب کی جلد دوم ذکر حجۃ الوداع میں بیشک یہ لکھا ہے۔ کہ یہ پہلے بھی اس باب میں (نصب امیر المؤمنین بہ خلافت) وحی اُن حضرت پر نازل ہوئی تھی۔ لیکن وقت ضرور نہیں تھا اور تاکید نہ تھی اس سبب سے حضرت نے تاخیر کی کہ مبادا درمیان امت کے اختلاف حادث نہو۔ اور بعض اُن کے دین سے پھر جاوین ۱۱ یہ اسے اُس عالم موصوف کی خلاف اخبار نہیں ہے اور انھوں نے فوراً عمل میں نہ لانے کی وجہ ظاہر کی ہے۔ لیکن اُس کا نتیجہ یہ نہیں ہے۔ کہ رسولؐ اُس امر کی تبلیغ کو ملتے رہے تھے اگرچہ تبلیغ رسالت رسولؐ پر واجب تھی مگر جب ابتدائی

حکم فوری نہ تھا۔ تو اُس حکم کی تعمیل میں رسول م کو ہر پہلو پر نظر کرنا ضرور تھا۔ کہ کیونکر اُس کو عمل میں لاوین اور جو اندیشہ کہ اُس کے عمل میں لانے سے پیدا ہو سکتا تھا۔ اُس کے متعلق فکر اور اپنی حفاظت کی استدعا خدا سے کریں اور جس وقت کہ حکم تاکید آیا اور وعدہ حقائق کا کیا گیا اُس وقت فوراً تعمیل کی اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے۔ کہ پیغمبر اُس کی تعمیل کو ٹالتے رہے یا جس وقت کہ صلوٰۃ یا زکوٰۃ کا حکم آیا تھا۔ تو کیا یہ ہو سکتا تھا کہ پیغمبر اُسی وقت سے تعمیل ان احکام کی اس طرح سے شروع کر دیجے کہ بندگان خدا ہر وقت بلا تعین وقت اور تعداد رکعات کے برابر نماز پڑھتے رہتے۔ اور زکوٰۃ بلا قید سال اور بلا تعین نصاب کے دے جاتے۔ کیا یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ تعین وقت اور تعداد رکعات معینا اور نصاب سے پیغمبر نے حکم صلوٰۃ اور زکوٰۃ کو ٹال دیا۔ کہ بجائے اس کے کہ رات دن نماز پڑھتی جاوے پانچ وقت مقرر کر دیے کہ جس میں چند لحظہ صرف ہوتے ہیں اور بجائے اس کے کہ بعد اخراجات معمولی روزانہ و شبانہ کے جو کچھ بچے وہ زکوٰۃ میں دیدیا جاوے ایک سال کے قوت اور نصاب زکوٰۃ مال میں اندازہ پر مقرر کیا۔ اس کی نسبت معترض کہہ سکتا ہے کہ ان احکام کی تعمیل کو پیغمبر نے حزب ٹالا۔

اصول کافی کی کتاب الحجۃ میں باب ما عند الائمہ میں سلاطین و اولیائے دین میں بے شک امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت ہے کہ جب نزدیک موئی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلایا عباس ابن عبد المطلب اور امیر المومنین علیہ السلام کو اور کہا عباس

سے (آیا) لے گا تو میراث محمد کی اور ادا کرے گا تو دین اُس کا اور پورا کرے گا تو وعدوں کو اُس کے پس لوٹا دیا اُن عباس نے اُن پیغمبر پر اور کہا یا رسول اللہ میں بڑھا کثیر العیال قلیل المال تاب نہیں ہ سکتا تیر ہی حالانکہ تو برابر ہی کرتا ہے۔ ہوا کی (یہ ایک محاورہ عرب کا) کا ہے کہ تیزی اور مستعدی اور سخاوت کے محل پر بولتے ہیں) پس سر نہوٹا لیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر بچھ فرمایا اے عباس آیا یوسے گا تو میراث محمد کی اور پورا کرے گا اُس کے وعدوں کو اور ادا کرے گا دین اُس کا پہر کہا اُن عباس نے میرے مان باب تم پر خدا ہوں میں بوڑھا کثیر العیال اور قلیل المال ہوں۔ اور حالانکہ تو برابر ہی کرتا ہے ہوا کی۔ فرمایا پیغمبر نے آگاہ ہو بے شک کہ میں قریب نہ ہے کہ دون کا ایسے شخص کو کہ لے گا اُس کو کہ خدا اُس کا ہے ۱ مضمون اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بنظر اسکے کہ عباس چچا پیغمبر کے تھے اور خاندان پیغمبر میں بسن تھے۔ پیغمبر نے بہ نظر مصلحت اور تمام محبت کے اس اندیشہ سے کہ مبادا بعد وفات پیغمبر کے حضرت عباس علی مرتضیٰ مرے کسی قسم کا بھگڑا کرین عباس اور علی مرتضیٰ ۲ دونوں کو طلب کیا اور عباس کی نیت اچھ ارادے کو بہ طریقہ اسلوب دریافت فرمایا اور حضرت عباس کے جواب سے انکار اُن کا ظاہر ہو گیا۔ یقین کرنا چاہیے کہ اگر حضرت عباس اقرار کرتے تو پیغمبر اُن کو سمجھا دیتے کہ وہ مستحق اُس کے نہیں ہیں۔ جس کا وہ ارادہ کرتے ہیں اور اُس کا مستحق وہ شخص ہو جو حضرت عباس کے ساتھ بلایا گیا ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی پیغمبر نے فرمادیا کہ آگاہ

ہو کہ میں وہ اس شخص کو دون گا کہ جو اس کے لینے کا حق رکھتا ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ پیغمبر نے جو کچھ یہ اصرار حضرت عباس سے دریافت فرمایا وہ بہ نظیر اتمام حجت اور قطع نیت اور ارادہ حضرت عباس کے تھا تاکہ ہر کوئی جان جاوے کہ بعد پیغمبر حضرت عباس کا کسی چیز میں کوئی حق نہیں ہے اور جس اندیشہ سے کہ پیغمبر نے یہ علم کیا تھا وہ بعد پیغمبر وقوع میں آیا۔ کہ با این ہمہ حضرت عباس علی رضی اللہ عنہ سے جبرگڑتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے سامنے دونوں کے عہد خلافت میں گئے اور ناکام ہوئے۔ اور خلفائے بنی عباس نے امر خلافت کو میراث پیغمبر کا استحقاق اپنے دادا اعم پیغمبر میں قرار دے کر ایک تہ پر سے اپنے اوپر قائم کر لیا اور اپنا مذہب اور مسلک یہ قرار دے لیا کہ خلفائے ثلاثہ اور علی مرتضیٰ سب کے سب ناحق تھے۔ حالانکہ اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ میراث پیغمبر لینے کی اور پیغمبر کے دین ادا کرنے کی اور اس کے وعدے کو پورا کرنے کی لیاقت اور قابلیت اور اس کا حق سوائے علی مرتضیٰ کے اور کوئی نہیں رکھتا تھا۔ اور مقصود اس عمل پیغمبر کا یہ ہی تھا کہ اس امر کی لیاقت اور قابلیت اور حق علی مرتضیٰ رکھتے ہیں نہ عباس نہ کوئی اور۔ مصنف مخاطب جو اس روایت کا نتیجہ یہ بتاتے ہیں کہ پیغمبر کی مرض موت میں نیت بدل گئی تھی۔ اور عباس کو اپنا وصی اور وارث بنانا چاہتے تھے۔ اگر عباس وصی ہونا قبول کر لیتے تو یہ ہتھیار وغیرہ انھیں کوٹتے جو نشان امامت اور خلافت تھے ایسا نتیجہ طرز بیان اور مضمون حدیث کے صریح خلاف ہے۔ اگر حضرت عباس کا انکار کیا جائے

ہوتا تو پیغمبر ضرور اُن کو سمجھا کر اپنا وصی اور ولی امت کا مقرر کر دیتے لیکن پیغمبر اُن کو مستحق وصایت اور ولایت نہیں سمجھتے تھے اس لیے پیغمبر نے اُن کے انکار کے اظہار کے بعد یہ فرما دیا کہ وہ حقدار کو یہ امور عطا فرمائیں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضانت حضرت فاطمہ و دختر پیغمبر کی بوجہ شوہر ہونے علی مہ کے۔ اور حفاظت حسنین م کی بوجہ والد ہونے علی م کے لامحالہ ذمہ علی کے تھی اب طرف سے پیغمبر کے حفاظت حقوق حضرت فاطمہ اور حسنین کی بابت اور کوئی وصی مقرر کیسے ہو سکتا تھا؟ اور ایسے ہی کارامامت پیش پیغمبر علی م کو تھے کسی اور کو حق ولایت پہنچا کیسے سکتا تھا؟ اور کچھ شبہ نہیں کہ یہ روایت مؤید روایت طلب قرطاس اور دوات کے ہے کہ جو خود اہل سنت کے یہاں بھی صحیح طور پر منقول ہوئی ہے۔ پیغمبر کو جو اندیشہ حیلہ اور محبت کا علی مرتضیٰ م کی جانشینی کے متعلق۔ لوگوں کی طرف سے تھا اور اُس کے رفع کرنے کو پیغمبر یہ ارادہ کرتے تھے کہ علی مرتضیٰ م کی جانشینی کو ہر کوئی بلا حیلہ اور محبت کے قبول کر لے اور اُس کے سر انجام کے لیے جو تدبیر فرماتے تھے وہ بمقابلہ اہل خاندان پیغمبر اور غیر اہل خاندان پیغمبر دونوں کے لیے تھی اس لیے کہ وہ اندیشہ پیغمبر کو خاندان اور غیر اہل خاندان دونوں کی طرف سے تھا۔ اور سخت اندیشہ اس بات کا تھا کہ اہل خاندان غیر اہل خاندان سے اتفاق کر کے اہل جانشینی علی مرتضیٰ م کو دہم ویرہم نہ کر دیں اسی لیے پیغمبر نے اول حضرت عباس م سن اہل خاندان سے اپنے آخر خلافت اپنے کا کہ جس کی حضرت عباس م قابلیت اور لیاقت نہیں رکھتے تھے اُس روش سے جو روایت میں مذکور

سچے ترک ارادہ اور نیت کا اور انکار اس کا ظاہر کرایا تاکہ بوجہ ترک ارادہ اور نیت اور انکار بڑے بوڑھے خاندان کے اہل خاندان میں کسی بھی کسی اور کو جرات اور موقع حیلہ اور حجت جانشینی پیغمبر علی رضی اللہ عنہ کی نسبت نہ ہو سکی اور جب اہل خاندان میں سے ایسی جرات نہ ہو سکی تو غیر اہل خاندان کو موقع حیلہ اور حجت کا ہرگز نہ ہو سکے گا۔ جب پیغمبر اہل خاندان کی طرف سے مطمئن ہو گئے۔ تب انھوں نے غیر اہل خاندان کے سامنے صرف اسی قدر کافی سمجھا کہ کاغذ و دوات منگا کر آخری نصیحت اپنی لکھا دین تاکہ پھر یہ موقع حیلہ اور حجت کا اور مرضی پیغمبر سے اختلاف کا باقی نہ رہے یقین کرنا چاہیے۔ کہ پیغمبر جو تدبیر اور کوشش کر رہے تھے کہ علی مرتضیٰ کی جانشینی میں کوئی حیلہ اور حجت پیدا نہ ہو۔ اسی ایک تدبیر اور کوشش کے متعلق یہ دو حصہ ہیں۔ اول روایت متعلق حضرت عباس کے اور دوسری روایت متعلق طلب قرطاس و دعا کے۔ پس امامت علی م کا حکم ایسا تھا کہ۔ رسول م آخر وقت تک اس کے قائم کرنے کے لیے کوشش کرتے رہے۔ یہ کہنا مصنف مخاطب کا یہ کہ امامت علی م کا حکم ایسا تھا کہ رسول م آخر وقت تک اس کی مخالفت کی کوشش کرتے رہے۔ صریح غلط قرار پاتا ہے۔ رسول م کو ہرگز خیال مخالفت حکم امامت علی مرتضیٰ کا نہیں تھا۔ اور نہ اس خیال رسول م نے صحابہ کے دلوں میں اثر کیا تھا۔ بلکہ صحابہ کے دلوں میں خود یہ خواہش تھی کہ خلافت مرضی پیغمبر کے حیلہ اور حجت سے خلافت اپنی طرف منتقل کر لیں اور خلافت اپنی خواہشوں کے صحابہ کی دلائل میں حکم امامت علی م کا اثر پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ کبھی دل سے اس خیال

امرا مامت علی مرتضیٰ کو قبول ہی نہیں کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے مانع قراطس و دوات کے ہونے کے بہ حالت آخری وصیت تحریری پیغمبر کے امرا مامت علی مرتضیٰ میں کسی کو پہر موقع حیلہ اور حجت کا باقی نہ رہے گا اور اُس آخری وصیت تحریری کو شور غل مچا کر اور نزاع کو طول دے کر طال دیا ہے خیال مخالفت حکم امامت علیؑ کا مستحکم کرنے کے لیے رسولؐ نے یہ امر تقدیری نہیں سنا دیا تھا۔ کہ میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ پہر خلیفہ ہونگے جیسا کہ مصنف مطالبہ لکھتے ہیں۔ بلکہ بنظر موجودہ حالت زمانہ کے جانتے تھے کہ لوگ میری اور خدا کی مرضی کے موافق عمل نہ کریں گے اور جو کچھ کہ میں نے امر امامت اور خلافت علی مرتضیٰ کے لیے تبلیغ رسالت قولاً اور فعلاً کیا ہے اُس کو نہ مانیں گے اور میرے آخر وقت تک کی کوشش بکھار جائے گی اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ خلیفہ بن بیٹھیں گے۔ اسی وجہ سے پیغمبرؐ نے وہ پیشین گوئی کی اور اُس پیشین گوئی میں مخالفت حضرات شیخین کی پیغمبرؐ نے ظاہر کی ہے۔

لیکن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا مخالفت مرضی اور کوشش کے خلیفہ بن بیٹھنا ایسا امر تقدیری نہیں تھا کہ جیسر وہ مجبور ہوں۔ بلکہ وہ امر ان کا اختیاری تھا اور اُسی ان کے اختیار نے سیاہ داغ مخالفت پیغمبرؐ کا انکی پیشانی پر لگا دیا۔ کوئی مسلمان ارتداد یا مخالفت ہدایت پیغمبرؐ کی اختیار کرے تو وہ اُس امر کا ضرور مستحق ہوگا جس کا کہ وہ بحالت ارتداد یا مخالفت ہدایت پیغمبرؐ کی مستحق ہو سکتا ہے۔ یہ سمجھ کر کہ امر تقدیری وہی تھا بری نہیں ہو سکتا

پس طعن قرطاس، میں جو الزام حضرت عمرؓ پر عائد کیا جاتا ہے اس سے بڑھ کر امر و نہی کی تبلیغ میں رسولؐ پر کیونکر الزام عائد ہو سکتا ہے جیسا کہ مصنف مخاطب خیال کرتے ہیں پیغمبرؐ آخر وقت تک امر و نہی کی تبلیغ اور تعمیل اور تشریح میں ایسی حیثیت سے کہ کسی کو موقع حیلہ و حجت کا نہ رہے۔ کوشش کرتے رہے۔ اور حضرت عمرؓ نے اسی آخری ہدایت پیغمبرؐ کی تشریح کو کہ موقع حیلہ و حجت کا باقی رہ چیلے سے اس کی تعمیل کو روک دیا۔ اس سے جو کچھ طعن قرطاس میں وہ الزام ہے وہ حضرت عمرؓ پر عائد ہی امر و نہی کی تبلیغ میں اور اس کی تعمیل اور سعی اس کے قائم کرنے میں پیغمبرؐ پر کچھ بھی الزام نہ عائد ہے نہ ہو سکتا ہے۔ واقعہ طلب قرطاس و دوات میں چہ پیغمبرؐ کی نسبت لفظ ہجر لکھا گیا ہے۔ اسکی نسبت معترضہ منیٰ طعن ہے کہ یہ ہیں اور واقعہ کو یہاں سے لیتے ہیں کہ ایک ذوق کہ انسانی کا ہوتا ہے کہ لاؤ دوسرا کہتا تھا کہ اس شدت مرض کے وقت میں یہ کہتا ہے اسوقت بعض لوگوں نے یہ کہا۔

مَا شَأْنُ أَهْجَرَ اسْتَفْهَمُوا۔ رسولؐ کا کیا حال ہے یہ کہہ رہے ہیں ہو گئے غور کرو یہ واقعہ طلب قرطاس کے متعلق اہل سنت سے بیان صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور مشکوٰۃ میں متحدہ روایات بہ طور مختلفہ ابن عباسؓ سے منقول ہوئی ہیں جن میں سے کسی میں تفسیر سے بخاری کتاب العلم باب کتاب العلم کتاب الجہاد باب هل یشتغل المسلمون اهل الذمۃ۔ کتاب الخمس باب اخراج اليهود باب مرض بنی دو جگہ۔ کتاب المغنۃ۔ مسلم کتاب الوصایح باب وصیت النبیؐ دو جگہ مشکوٰۃ۔



قرطاس کی تفصیل ہے اور کسی میں اجمال لیکن نتیجہ مضدین میں سب  
 تختہ ہیں اور ان سب روایات کو جب یکجا پڑھا جاوے تو حاصل  
 مضمون ان کا یہ ہوتا ہے کہ جس وقت نزدیک ہوا زمانہ وفات  
 پیغمبر کا اس حالت میں کہ گھر میں چند لوگ اور ان میں حضرت عمر  
 بھی تھے پیغمبر نے فرمایا کہ لے آؤ تم میرے پاس کاغذ اور اوقات تاکہ  
 لکھ دوں میں تم کو ایک کتاب کہ ہرگز بعد اس کے تم گمراہ نہ ہو پس  
 کہا عمر نے غلبہ کیا ہے پیغمبر پر رنجوری اور درد مندی نے اور تمہارا  
 پاس قرآن ہے۔ پس کافی ہے ہمارے لیے کتاب خدا۔ پس خلافت  
 کیا اور جھگڑا کیا ان لوگوں نے اور نہیں سزاوار تھا نبی ص کے پاس  
 جھگڑا بعضہ کہتے تھے کہ نزدیک لے آؤ سامان کتابت اور بعضہ  
 کہتے تھے کہ جو کچھ عمر نے کہا تھا۔ اور کہا لوگوں نے ہجر کیا ہجر کیا  
 رسول اللہ نے اور ہجر کرتا ہر رسول لکھتا کہتے تھے کہ کیا شان نبی کی آیا ہجر کیا  
 اس نے سمجھ لیا پیغمبر سے۔ جب جھگڑے کی باتیں بڑھ گئیں اور  
 بیہودگی زیادہ ہو گئی۔ پیغمبر نے فرمایا کہ چھوڑ دو جھگو اس حالت  
 میں کہ جس حالت میں میں ہوں کہ وہ بہتر ہے اس سے کہ جس میں تم  
 جھگو چاہتے ہو۔ پس چلے گئے لوگ رد کرتے ہوئے پیغمبر پر ابن  
 عباس کہتے ہیں۔ سخت مصیبت تھی ہر مصیبت سے جو کچھ کہ حائل  
 ہوئی درمیان رسول اللہ اور ان کی کتاب کے۔ ابن عباس  
 یہ بھی کہتے تھے کہ مصیبت کا دن تھا دن پنجشنبہ کا اور پھر وٹے  
 پھانک کہ آئندہ ان کے سنگریزوں پر جاری ہو گئے۔  
 ان روایتوں میں یہ بھی منقول ہے کہ اسی وقت پیغمبر نے

ہجرت و وصیتیں کیں ایک اخراج مشرکین کے لیے جزیرہ عرب سے  
دوسرے جائزہ دینا سر فیرون کو۔ تیسری وصیت سے راوی  
نے سکوت کیا ہے یا کہا ہے کہ میں بھول گیا۔  
ہجر کے معنی جدائی کرنے اور پریشان باتیں کہنے بیمار کے  
ہیں اور ہجور کے معنی سخن پریشان کرنے کے آتے ہیں۔ خدا کا قول ہے  
- ان قومی اتخذوا هذا الذی تحقیق کہ میری قوم نے ٹھہرایا  
القرآن مھجور اے قالوا اس قرآن کو غیر حق ہے  
فبہ غیر الحق ہے

خاص لفظ ہجر کے کہنے والوں کا نام اگرچہ ان روایتوں میں  
مذکور نہیں ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کا نام بالاختصاص لیا گیا ہے  
کہ وہ ان لوگوں میں موجود تھے جو اس گمراہی میں آئے۔ اور حضرت  
عمرؓ نے کہا۔ کہ غلبہ کیا ہے درود نے پیغمبرؐ پر اور۔ تمہارے پاس  
قرآن ہے پس کافی ہے ہمارے لیے کتاب خدا جس کا صاف مقصود  
یہ ہے کہ پیغمبرؐ شدت مرض میں ویسی ہی پریشان باتیں کرتا ہے  
جیسے کہ معمولاً انسان شدت مرض میں باتیں کیا کرتا ہے۔ اور تمہارے  
پاس کتاب خدا موجود ہے۔ پیغمبرؐ خیر حق کتاب لکھنا چاہتا ہے  
جن لوگوں نے کہ صاف ہجور کا لفظ پیغمبرؐ کی نسبت کہا ہے  
وہ لفظ باتباع معنی منظرہ حضرت عمرؓ کے کہا۔ اور روایتوں میں  
صاف منقول ہے۔ کہ بعضے وہی کہتے تھے کہ جو کچھ کہ عمرؓ نے کہا  
تھا۔ پس مصنف مخاطب کے اس کہنے سے کہ لفظ ہجور کے کہنے  
والوں کا نام معلوم نہیں۔ کہ وہ کون کون تھے اور اگر اس عبارت

اکتوبر ۱۹۹۷ء

۳۰۰

جلد ۶ نمبر ۱

سے کوئی طعن پیدا ہو تو وہ کسی شخص خاص کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ اس طعن سے بری نہیں ہو سکتے۔ بلکہ جب اس حقیقت کو دیکھا جائے جو ہم نے ظاہر کی سراسر وہ طعن صرف حضرت عمرؓ کے ذمہ عائد ہوتا ہے اور اس مصیبت کے نازل کرنے کے باعث حضرت عمرؓ ہی ہوئے ہیں۔ کہ جس مصیبت کو عباسؓ یاد کر کے ایسا روتے تھے کہ ان کے آنسوؤں سے سنگریزے تر ہو جاتے تھے۔ اگر سچ کے معنی جدائی کے لیے جائیں اور کہنے والوں کا یہ مطلب سمجھا جاوے کہ رسول اللہؐ جو ایسا فرماتے ہیں۔ کیا آپ کی وفات کا وقت قریب آگیا۔ اور ہم سے جدا ہو گئے۔ جیسا کہ مصنف مخاطب یہ ہی سننے لیا چاہتے ہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ پیغمبرؐ کے ارشاد کا اور یہ جواب اس ارشاد کے لوگوں کے اس جواب کا اور نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ پیغمبرؐ نے یہ فرمایا تھا کہ لے آؤ میرے پاس کاغذ اور دو اداں تاکہ لکھ دوں میں تم کو ایک کتاب کہ ہرگز بعد اس کے تم گمراہ نہ ہو۔ اس ارشاد کا اگر لوگوں نے درحقیقت یہ جواب دیا تھا کہ کیا اب آپ کی وفات کا وقت قریب آگیا ہے اور ہم سے جدا ہو گئے تو جواب اس کے پیغمبرؐ فرمادیتے کہ ان میری وفات کا وقت قریب آگیا ہے اور میں جدا ہوتا ہوں اور اسی واسطے میں تم کو ایسی کتاب لکھنا چاہتا ہوں کہ بعد میرے تم گمراہ نہ ہو۔ اور اس کے بعد بالاتفاق کل مجمع پیغمبرؐ سے وہ کتاب لکھوا لیتا جس کو کہ پیغمبرؐ لکھنا چاہتے تھے۔ لیکن نہیں ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ بعد ارشاد پیغمبرؐ کے سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے کہا کہ پیغمبرؐ پر غلبہ رنجوری اور درد مندی نے کیا ہے۔ کافی ہے

ہمارے لیے کتاب خدا کا لینے اور کتاب لکھنے کو پیغمبر ناحق کہتے ہیں۔ اور اسی پر لوگوں میں اختلاف اور جھگڑا ہونے لگا کہ بعض کہتے تھے کہ سامان کتابت کالے آؤ اور بعض اس کے خلاف تھے۔ بعض جو حضرت عمرؓ نے کہا تھا اسی کی قیید کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ پیغمبرؐ نے ہجر کیا اور پیغمبرؐ کی شان کو سمجھ لو کہ آیا اس نے ہجر کیا ہے یعنی یہ گروہ حاضر کرنے سامان کتابت کا مانع و مخالفت تھا ایسی حالت میں ہجر کے معنی ہجر سخن پریشان اور قول ناحق کے اور کچھ لیے جا ہی نہیں سکتے۔

ہجر کے اس معنی میں کہ شدت مرض میں بیمار کی زبان سے جو باتیں مشتبہ نہیں جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں بلکہ پریشان اور بیہودہ اور ناحق نکلیں اس کی ایک قسم مصنف مخاطب یہ قرار دینا چاہتے ہیں کہ وہ مریض قصد صحیح سے کلام کرنا چاہے مگر زبان پر خشکی غالب ہونے کی وجہ سے آواز ایسی نکلے جو سننے والوں کی سمجھ میں اچھی طرح نہ آوے۔ یہ قسم ایجاد مصنف مخاطب نے کی ہے اہل لغت نے یہ معنی نہ کہیں لکھے اور نہ ایسی قسم معنی ہجر میں داخل ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہجر کے معنی میں وہ قسم داخل ہو سکتی ہے۔ کہ جو غلبہ مرض کے سبب سے عقل اور فہم مریض میں فتور آ گیا ہو۔ اور اس حالت میں وہ کچھ کلام کرے۔ اور مصنف مخاطب جو قسم اس میں داخل کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس میں مریض قصد صحیح سے کلام کرنا چاہے مگر زبان سے بہ وجہ کسی اور تعذر کے ایسی آواز نکلے جو سننے والوں کی سمجھ میں اچھی طرح سے نہ آوے یہ صورت بوجہ

نقص اور تعذر عضو ادا سے کلام کی ہوگی اور اسی واسطے نہ پیشیہ  
 میں یہ شرط کی گئی ہے کہ پیغمبر اور امام ایسا نہیں ہو سکتا کہ جسکے  
 کسی عضو میں نقصان ہو۔ اور اگر یہ قسم بھی بھیجوں کے معنی میں تجاو  
 جس کا قصد مصنف مخاطب کرتے ہیں تو یہ حالت پیغمبر پر طاری  
 نہیں تھی اس لیے کہ پیغمبر نے جو یہ ارشاد فرمایا تھا۔ کہ اے اوتھم  
 میرے پاس کا غزوہ وراثت تاکہ لکھدوں میں تم کو ایک کتاب کہ ہرگز  
 تم بعد اس کے گمراہ نہ ہو، یہ کلام بلا اختلاف اور بلا تردد صاف  
 سمجھ لیا گیا۔ کسی روایت میں یہ وارد نہیں ہوا کہ یہ کلام پیغمبر  
 کا زبان خشکی غالب ہونے کی وجہ سے آواز ایسی نکلی جو ٹھننے  
 والوں کی سمجھ میں اچھی طرح نہ آئی۔ اور کسی ایک شخص نے بھی  
 اس نوعیت سے اس کلام پیغمبر کو ظاہر کر کے اختلاف نہیں کیا  
 اور بعد ٹھننے اختلاف اور ہلکے اور زیادتی یہودی کے پیغمبر نے  
 جو یہ فرمایا کہ چوڑ دو مجھ کو اس حالت میں کہ جس حالت میں بن ہیں  
 کہ وہ بہتر ہے اس سے کہ جس میں تم مجھ کو چاہتے ہو، اس کلام  
 کی نسبت بھی نہیں کہا گیا ہے۔ کہ وہ حالت تعذر میں پیغمبر نے  
 کہا تھا اور اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ بلکہ کسی نے اس کلام پیغمبر  
 کو ہجیر بھی نہیں کہا اور جس کی مراد یہ تھی کہ وہ لوگ پیغمبر کے پاس  
 سے دور ہو جاویں اور اٹھ جاویں۔ اور اس کلام کو پیغمبر کے  
 پیغمبر کا کلام سمجھ کر بغیر کسی خیال ہجیر کے سمجھ کر اس کی تعمیل  
 لوگوں نے کی اور پیغمبر کے پاس سے چلے گئے۔ اگر پیغمبر کے  
 اس کلام کو بھی ہجیر سمجھتے یا ہجیر ہونے میں تردد کرتے تو پیغمبر کے

پاس سے ہرگز نہ چلے جاتے اس حالت میں وہ قسم پھر کی گیسٹر قمار  
نہیں پاسکتی جو مصنف مخاطب قرار دینا چاہتے ہیں۔

اسی وقت پیغمبرؐ نے وہ تین وصیتیں بھی کی تھیں جن کا کہ  
ہم نے اوپر کیا ہے۔ اور جن میں سے ایک وصیت گورامی نے  
بیان نہیں کیا۔ اور وہ وصیتیں بھی اسی قصہ قرطاس میں منقول  
ہیں کیا وجہ ہے کہ ان وصیتوں کو صحیح اور قابل عمل اس وقت تک  
سمجھا جاتا ہے۔ اور ان کو ہجر نہیں کہا جاتا۔ اور حسبنا کذا بقولہ  
برہ عمل کر کے ان وصیتوں پیغمبرؐ کو کیوں برحق قبول کیا جاتا ہے  
مصنف مخاطب بیہوشی میں بلا قصد معنی فرض کر کے یہ کلام اس فرق کا  
ٹھہرا۔ تھے ہیں کہ جو لکھنے کا اصرار کرتے تھے یہ قصد مصنف مخاطب  
کا ویسا ہی۔ بے محل ہے جیسا کہ پیغمبرؐ کے ارشاد کو کچھ لوگوں نے  
ہجر کہا۔ وہ فرق جو لکھنے کا اصرار کرتا تھا اگر یہ کہتا تھا (حالانکہ اس نے  
ایسا نہیں کہا) کہ کیوں نہیں لکھواتے کیا رسولؐ کی باتیں بیہوشی کی  
کی ہیں ایسا کہنا ان کا اسی وقت میں ہو سکتا ہے کہ پہلے جب نبویؐ  
فریق یہ کہ چکا ہو کہ وہ کلام پیغمبرؐ کا بوجہ غلبہ رنجوری اور دروغ  
کے ہے اور ہم کو کتاب خدا کا فی ہے سینے اور کتاب کی حاجت نہیں  
ہے۔ اور پیغمبرؐ کا یہ کلام ناحق ہے۔

بالآخر مصنف مخاطب اپنی تاویلات کے خلاف فرض کر کے ان  
لوگوں کی نسبت کہ جنہوں نے کلام پیغمبرؐ کو کلام بیہوشی کہا یہ لکھتے  
ہیں کہ انہوں نے یہ خیال کیا ہو گا۔ کہ بیہوشی میں بلا قصد باتیں کرنا  
عوارض مرض سے ہے۔ اور جس طرح مرض کے دوسرے عوارض

رسول ﷺ پر طاری ہوتے ہیں اسی طرح کلام بیہوشی کی کیفیت بھی طاری ہوتی ہے۔ لیکن ایسی باتیں جو منافی شان نبوت ہوں بیہوشی میں بھی زبان رسول ﷺ سے نہیں نکلیں گی۔ پس اس کلام کی نسبت کلام بیہوشی کا لفظ اس وجہ سے اُن کی زبان سے نکل گیا کہ وہ اس کلام کو منافی شان نبوت نہیں سمجھتے تھے یعنی رسول ﷺ کا یہ فرمانا کہ کاغذ و دواست وغیرہ لاؤ میں ایسا مضمون لکھوا دوں جو تم کو گمراہی سے بچا دے منافی شان نبوت نہ تھا۔ اور اسی کلام کا بلا قصد رسول ﷺ کی زبان سے نکل جانا وہ جائز سمجھتے تھے پس اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ حالت بیہوشی میں اچھے کلام بھی بلا قصد رسول ﷺ کی زبان پر نہیں آتے تب اُن کی خطا ثابت ہوگی وہ معصوم نہ تھے اور رسول ﷺ کی شدت مرض دیکھ کر اس وقت بدحواس بھی تھے اللہ سے امید ہے کہ یہ بیان مصنف مخاطب کا جو اُن کی حالت صحت میں بالقصد ہے اور جس میں ایک عجیب تاویل قرار دی گئی ہے کم از کم اس سے نہیں ہے کہ جو بلا قصد کسی مریض کی زبان سے کلمات نکلیں۔ یہ سچ ہے کہ بیہوشی میں مریض پر ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ بلا قصد یا بے سمجھے باتیں اس کی زبان سے نکلتی ہیں۔ لیکن اگر یہی کیفیت رسول ﷺ پر بھی طاری ہوتی ہے۔ جیسا کہ مصنف قائل ہیں تو پھر مصنف طیب کا یہ کہنا کہ ۱۱ ایسی باتیں جو منافی شان نبوت ہوں بیہوشی میں بھی زبان رسول ﷺ سے نہیں نکلیں گی ۱۲ ہماری سمجھ میں تو آتا نہیں کہ رسول ﷺ بیہوش بھی ہو اور منافی شان نبوت کی کوئی بات زبان سے بھی نہ نکالے۔ ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے اور آسکتا ہے کہ نبی پا تو

ایسا میویش پر جائے گا کہ اوس کی زبان سے کوئی بات نہ نکل سکے یعنی وہ قادر بات نکالنے پر نہ ہوگا۔ اور یا میویش ہی نہیں ہوگا گو تھی ہی شدت مرض کی ہو کہ بقصد اور منافی شان نبوت زبان سے نہ نکالے اس لئے کہ انبیاء اور ائمہ کے دل و دماغ قدرت خدا خاص وضع کے بنائی ہو۔ پس یہ مسئلہ مسلمانوں میں مسلمہ ہونا چاہئے۔ اور میں جہاں تک خیال کرتا ہوں مسلمہ ہے کہ پیغمبر کوئی کلام کرے وہ اوس کا کلام یہ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ اور کلام اوس سے میویشی نہیں کیا ہے۔ اور اس میویشی سے یہ ماننا لازم ہے کہ جس وقت تک پیغمبر کلام کرے وہ میویش نہیں ہے جس وقت کہ اوس کی زبان بند ہو جائے اور وقت سمجھا جائے کہ وہ میویش ہو گیا۔ بن لوگوں کی زبان سے ایسا لفظ کلام پیغمبر کی نسبت نکلا گیا کہ وہ کلام پیغمبر کی میویشی کا ہے۔ مگر وہ اوس کلام کو منافی شان نبوت کے نہیں سمجھتے ہیں۔ اول کی نسبت: وہ حقیت مصنف مخاطب اس بات کے قائل ہیں تو میں کہ اوں ارگوں کے ذہن میں تناقص تھا کہ یہ کلام کلام پیغمبر کی میویشی اور بلا قصد تھا تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ وہ کلام منافی شان نبوت کے نہ تھا۔ کیا یہ امر قبول کیا جا سکتا ہے کہ بلا قصد پیغمبر کلام منافی شان نبوت کے نہیں ہے۔ بلا قصد اور بغیر عیہ و بہا شخص باتیں کر سکتا ہے جو صحیح شائبہ جنوں اور غلط و ماعی کا ہے۔ اور حکم سے عمر ایسا فعل اوس کا فعل محبت سمجھا جائیگا جو منافی فعل حکیم کے ہو۔ ایسا ماننا پیغمبر کا کہ کسی حالت میں وہ بلا قصد کلام کرتا ہے۔ تو اوں کو برزخ ماننے کو برابر ہے۔ اور جیسے کہ یہ نہیں مانا جا سکتا کہ اچھے کلام ہی حالت میویشی میں بلا قصد رسول کی زبان پر آتے ہیں ویسے یہ بھی نہیں مانا جا سکتا کہ حالت میویشی میں میوہ کلام بھی بلا قصد رسول کی زبان پر آتے ہیں۔ صرف یہ مانا جا سکتا ہے کہ جب بنی میویش ہو جاوے گا تب وہ کوئی کلام نہیں کرے گا نہ اچھا نہ بُرا اور حسبِ مذکر کہ وہ کلام کرے گا میویش نہیں سمجھا جاوے گا۔ پھر جو لوگوں کی زبان سے کلام پیغمبر کی نسبت کلام میویشی کا لفظ نکل گیا۔ اور وہ اوس کلام کو منافی شان نبوت بھی نہیں سمجھتے ہیں



توان کی نسبت یہ لازم آویگا کہ وہ نشان نبوت کو سمجھتے تھے اور نہ جانتے تھے نبی کی نشان کا ماننا چاہئے اور کیا اوس کی شان سمجھ کر ایمان لانا چاہئے۔ افسوس ہے کہ ایسا ایک بڑا صحابہ جنہوں نے خود پیغمبر سے تعلیم پائی تھی۔ انہوں نے اس قدر بھی نہیں سمجھا کہ شان نبوت کیا ہوتی ہے۔ اور بڑی پر ایمان کس شان سے لانا چاہئے۔ یہ اعتقاد کہ طایفہ کلام کہ جو سنانی نشان نبوت نہ ہو۔ حالت بیہوشی میں بلا قصد رسول کی زبان سے نکل جانا جائز ہے یہ سید مرتضیٰ نے صحیح نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس امر کا فیصلہ کرنیوالا کون ہو سکتا ہے کہ وہ کلام بلا قصد رسول کی زبان سے نکلے۔ کلام پیغمبر کو بلا قصد کلام بیہوشی سمجھنا اور ادا کو سنانی نشان نبوت نہ سمجھنا۔ اور ایسا اعتقاد کہنا اور اس قسم کی خطائیں ہیں۔ جو غیر محسوس سے ان خالی فحش و فحش و رسوا و ہولنا ہیں۔ بلا نقص ایمان نسبت رسول کے ہو۔ اس نوعیت سے کہ حقیقت رسول اور اول نہیں مانا۔ ایسے لوگوں کی نسبت اللہ سے امید مغفرت رکھنا اور انہیں کے مثل ہے کہ جنہوں نے رسول کو رسول نہیں مانا۔ اور ان کی نسبت امید مغفرت رکھ لی جائے۔ ہم پہلے یہ دیکھا پہلے ہم یہ کہ کچھ لوگ بعد رسول اپنے ظلیفہ ہو جانے کی خواہش رکھتے تھے۔ اور علی بن ابی طالب کی جائیداد کو بالقلب قبول نہیں کرتے تھے۔ اور حیلان پر تکیہ کئے ہوئے تھے۔ اور رسول خود ان اور کو جانتے اور سمجھتے تھے ان کے حیلوں کو قطع کرنے کی فکر اور تدبیر کرتے رہے۔ وقت طلب قرطاس رسول کی شدت مرض دیکھ کر بدحواسی میں ان لوگوں کی زبان سے یہ کہہ لیا کہ کلام پیغمبر حالت بیہوشی کا ہے۔ سید مرتضیٰ نے سمجھا نہیں جاسکتا بلکہ شدت مرض میں ہی دیکھ کر اس قدر ہمت نہ کھانے کہ مخالف مرضی پیغمبر کے پوری ہونے آرزوئے خلاف کا وقت قریب آگیا ہے۔ ان کے حواس غیب سے کو جمع کر دیا تھا۔ اور اسی جمعیت حواس نے کلام پیغمبر کو حالت بیہوشی کا کہہ لیا۔ تاکہ وہ جہر تحریر نہ ہونے اوس کتابت کے جو پیغمبر لکھو لانا چاہتے تھے ان کی خواہشات خلاف مرضی پیغمبر کے پوری ہو جاوین۔ اور ان کے حیلے قائم رہیں۔ انہوں نے اپنے کامل حواس سے یہ سمجھ لیا تھا کہ پیغمبر کے کلام کو حالت بیہوشی کا ظاہر کرنا۔ اسی مرض موت پیغمبر کو وقت نبوت

درست ہے۔ کہ جس کے بعد پیغمبر کی جلد وفات ہو جائیگی اور پیغمبر کو موقع ملے گا کہ کذب مخالفین کا نہ لکے گا۔ غور کرنا چاہئے کہ یہ امور حقیقت کو اس کے مین یا بدحواسی کہ اگر وہ لوگ بدحواس ہوں تو ہرگز ایسا کوئی کلمہ اون کی زبان سے نہ نکلتا اس لئے کہ محبت رسول کی مقتضی اس کے تھی کہ کوئی کلمہ اون لوگوں کی زبان سے صادر نہ ہوتا۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس بدحواسی میں کہ جو مصنف مخالف طبع کا ہے کہ مین رسول کے کلام کی اطاعت کا خیال بھی اون کے سینوں سے محو ہو گیا تھا۔ مین مصنف مخالف طبع کو اس کھنے پر کہ وہ کلمہ لوگوں کی حالت بدحواسی کا تھا جسکی رو سے انہوں نے کلام پیغمبر کو میوہی کا ظاہر کیا۔ آفرین لکھتا ہوں کہ جن لوگوں نے پیغمبر کے کلام کو حالت میوہی کا ظاہر کیا خود اون لوگوں کے کلام کو مصنف مخالف طبع نے میوہی کا ظاہر کر کے خوب اون لوگوں سے پیغمبر کا بد لایا لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اون لوگوں کا کلام بوجہ بدحواسی کے جب قابلِ محاذ نہ تھیرے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہی ہونا چاہئے کہ بلا اختلاف پیغمبر کو کچھ چاہتے تھے وہ ہونا چاہئے تھا۔ اور پیغمبر جو کچھ چاہتے تھے وہ یہی ہو سکتا ہے جس کو از روئے تحقیق ہم ادبیان کہہ چکے ہیں۔ یعنی علیٰ غرر نقلی کی جانشینی ایسی حیثیت سے قائم کر دینا۔ کہ جس میں پھر کسی کو جائے دم نہ دن نہ ہو۔ بدحواسی اون لوگوں کی جنہوں نے پیغمبر کے کلام کو میوہی پیغمبر کا کلام کہا ایاک ایسا تازہ مضمون ہے کہ۔ اور قضیت قرطاس سے مصنف مخالف طبع کے زمانہ تک کی زبان پر نہیں آیا۔ اور نہ اب تک کہی۔ نے اون لوگوں کے لئے معافی خدا سے مانگی۔ مصنف مخالف طبع کی یہ ایجاد تازہ اگرچہ بتقدیر منع قرطاس کے ہو مگر اسی حیثیت سے ہو کہ جیسی نرید کے لئے اس کے طرفدار نرید کے اپنے افعال پریشان ہونے سے امید حضرت رکھتے ہیں۔ اور جب یہ لوگ مادم بدحواسی کا نتیجہ تھی تو ادنین سے کوئی بھی قابلیت خلاف کی نہیں کہہ سکتا تھا۔ مصنف مخالف طبع نے روایت صحیح چھ ماہیہ پڑھایا تھا اسکی حقیقت میں دکھا چکنے کے بعد پھر اصل متن کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اون کے متن میں موقع وہ ہی ہے کہ

جہان وہ انبیاء اور معصومین کی غلط قیاس قرار دے رہے ہیں تاکہ نبی بنی عائشہ کو غلطی قرار دے کر انہیں مختلف مخاطب نے اللہ ام غلطی قیاس نامی بنی عائشہ پر لگایا ہو جہان بحث غمناکی و ناخوشی جناب فاطمہ صلوات اللہ علیہا پر شروع کی ہے، اہم مرتبہ انبیاء اور معصومین کا بناوین اور انبیاء اور معصومین کو درجہ عصمت سے کھینچ کر درجہ تشریف غیر عصمت میں لائے ہیں مصنف مخاطب روایت جرح کے بعد غیر صحیح قیاس کی مثال یوں دیتے ہیں ۲۲ کہ سیدہ کربہ یقین ہو گیا کہ علی باوجود قوت کے میری مدد نہیں کرتے اور بغض و غضب میں وہ مضمون ارشاد فرمایا کہ جسکا ترجمہ حق یقین میں اول منقول ہے۔

ہم جو جنین در رحم الخ۔ حالانکہ جناب سیدہ کا یہ خیال بہ گمان خضر شیعہ صحیح تھا علی یہ روایت منقولہ حق یقین وہ ہی روایت ہے جس پر مصنف مخاطب نے یہ نوع دگر استدلال کیا تھا اور جس کی حقیقت ہمیں جلد ایک صفحہ بارہ ۸۹ نمبر ۱۰۸۹ حروف جیم کی شروع میں دیکھا دی ہے۔ یہ روایت صاحب کتاب حق یقین نے کتاب شقیقہ ابوبکر جو ہمدی سے لی ہے جو علماء ثقہ اہل سنت سے ہیں۔ اہم اوہمیں کوئی غلط قیاس جناب سیدہ کا مرقوم نہیں ہے جناب سیدہ کا یہ یقین ہی ٹھیک تھا کہ علی مرتضیٰ زشیان خان زمانہ کو خاک ابلاک میں ملا دیا اور یہ یقین ہی ٹھیک تھا کہ وقت ضبطی فکر کے علی مرتضیٰ گوشت نشین ہو گئے تھے۔ اور یہ یقین ہی ٹھیک تھا کہ پیر ابو قحافہ شمش پور سیدہ اور عشیت اول کے فرزندوں کی دہلی کی اور بآواز بلند مخاطبہ کیا۔ اور یہ یقین ہی جناب سیدہ کا ٹھیک تھا کہ انصار جناب سیدہ کی یاری نہیں کرتے تھے اور مہاجرین نے اپنی آپ کو ایک طرف کر لیا تھا۔ اس سے زیادہ مضمون اس روایت کا اور کچھ مفہوم نہیں ہے۔ ہاں سیدہ علی مرتضیٰ کو جو شرس دلاتی تھیں کہ وہ لوہا کہیں گے۔ تو یہ امر ایسا تھا کہ خود علی مرتضیٰ نے اس پر غور اور فکر کرتی تھی جیسا کہ انہوں نے خطبہ شقیقہ میں فرمایا ہے۔ کہ میں سوچتا رہا کہ دست بردہ سے حکم کرتا یا انہوں کے اندھا دہند پر صبر کروں یا اور بالآخر ان کی رائے صبر کی قرار پائی

چنانچہ اس روایت میں ہی خطاب جناب سیدہ کا یہ جواب دیا کہ صبر کرو اور آتشِ حزن کو بجھا دو اور  
 دفترِ برگزیدہ کا عالم ان میں سے کسی ایک میں نہیں رہی اور جس چیز پر کہ نہ کیجیڑ نہ کیجیڑ  
 میں امورِ معاملہ میں لایا۔ اور جس قدر کہ میرا مقصد درخطا طلب حق اپنے سے کوتاہی نہیں کی کیا اس  
 مضمون روایت سے کوئی غلط قیاس کرنا چاہتا ہے سیدہ کی نسبت ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کہیں  
 شیعوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ جناب سیدہ کا یہ خیال صحیح نہیں تھا۔ تعجب یہ کہ مصنفِ مخاطب نے  
 کہاں سے یہ بیان کیا ہے کہ جناب سیدہ کا یہ خیال یہ گمان حضرتِ اشعیدہ کے صحیح نہیں تھا اور  
 اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ مصنفِ مخاطب انبیاء اور معصومین کا غلط قیاس اپنے زعم میں دیکھ رہا ہے  
 میں اور اس مثال میں وہ خلافِ واقع غلط گمان شیعوں کا دیکھانے لگے۔ مصنفِ مخاطب ایک مثال  
 غلط فہمی اور غلط قیاس علی مرتضیٰ کی جس کو پہلے نکتہ شیعوں نے ہی علی مرتضیٰ کی غلطی قرار دیا ہے  
 یوں دیکھاتے ہیں کہ میرے جناب امیرِ حبيب خلیفہ ہوئے۔ توجہ بلوائیوں نے عثمان کو قتل  
 کیا تھا وہ لیکار ایک اون پر ایسے مسلط ہوئے کہ جناب امیرِ ادون کے ہاتھ میں یا نکل عبور  
 تھے اسی وجہ سے نہ قتل عثمان کا قصاص مل سکے نہ اس مفہم گروہ کو کچھ سزا دی سکے  
 اس جماعت کی کثرت دیکھ کر جناب امیرِ ادون کی قوتِ بڑی سمجھی تھی اور اپنے آپ کو اون کے  
 مقابلہ میں عاجز سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے جو کچھ وہ چاہتے تھے جناب امیر کو یہ مجبوری وہی کرنا  
 پڑتا تھا حالانکہ یہ خیال جناب امیر کا خلافِ واقع تھا۔ اگر جناب امیر عرسِ تدبیر سے اون کو  
 وضع کرنا چاہتے تو مفہم گروہ بہت جلد پریشان ہو جاتا۔

مصنفِ مخاطب اپنے اس بیان کی تائید کلامِ علی مرتضیٰ سے کرنا چاہتے ہیں۔ جس کا شروع  
 یہ ہے۔ ومن کلامہ علیہ السلام بعلمہ ما یورع بالخلافۃ اور اس کلام کے ایک حصہ  
 کا یوں ترجمہ کرتے ہیں اور جناب امیر علیہ السلام کا کلام ہے اور سوخت کہ جبکہ اون سے خلاف  
 امر معیت کی گئی اور اون سے صحابہ کرام ایک جماعت نے کہا تھا کہ جن لوگوں نے عثمان پر بلوہ کیا  
 تھا اگر اون میں سے ایک ایک گروہ کو سزا دہ تو بہتر ہے تو جناب امیر نے فرمایا کہ اے

میرے بھائیو میں ناواقف نہیں ہوں اس سے جو تم جانتے ہو، بیان مصنف مخاطب یہ فائدہ لکھتے ہیں ۛ یعنی جس طرح تم جانتے ہو کہ یہ لوگ سزا دینے کی لائق ہیں۔ میں بھی یہی جانتا ہوں اور اسی خیال میں ہوں۔ شرح مسیم میں لکھا ہے کہ اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیر کے دل میں تھا کہ کسی طرح اول کو سزا دوں ۛ پھر ترجمہ کلام علی عمر قرضی کا یہ کیا ہے ۛ اور لیکن مجھ میں قوت کہاں ہے اور بلوہ کرنیوالی جماعت اپنی پوری قوت پر ہے کہ وہ ہیرے کا پتھر کہتے ہیں اور ہم اون پر قابو نہیں رکھتے بیشک جمع ہو گئے ہیں اور میں غلام تمہارے اور مل گئے ہیں اون کے ساتھ چھوٹی لوگ اور وہ تمہارے درمیان میں ہیں مجبور کرتے ہیں۔ (ۛ اعتبار لغت ترجمہ ہونا چاہئے ۛ دھمکاتے ہیں) تمکو جس امر پر چاہتے ہیں کیا دیکھتے ہو تم کوئی موقع قدرت کا اس کام میں جس کا تم ارادہ کرتے ہو ۛ

مصنف مخاطب نے کلام علی عمر قرضی کا آخری حصہ ترک کر دیا ہے۔ جو اون کو استدلال کی نوعیت کو بڑے اٹھا رہا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

ۛ اور با تحقیق یہ امر جاہلیت کا ہے اور بیشک واسطے اس قوم کے مادہ ہے۔ تحقیق کہ لوگ اس امر میں جب قوت کہ تحریک کی گئی اور پامور کے متفرق ہو گئے۔ فرقہ ہر کہ رائے رکھتا ہے جو کچھ کہ تم رائے رکھتے ہو۔ اور فرقہ ہر کہ رائے رکھتا ہے جو کچھ کہ تم رائے نہیں رکھتے۔ اور فرقہ ہے کہ نہ رائے رکھتا ہے یہ نہ وہ۔ پس صبر کرو تم یہاں تک سکون پا جاؤ میں لوگ (اسے قنہ سکون پا جاؤ) اور ٹھہراؤ میں قلوب اپنے مواقع پر اور لیوین حقوق آسانی سے پس تسکین لو مجھ سے اور انتظار کرو کہ کیا حکم ہوتا ہے میرا تمکو۔ اور نہ کرو کوئی فعل کہ بہت ہو جاوے قوت اور ساقط ہو جاوے توانائی اور پیدا ہو جاوے سستی اور ذلت۔ اور قریب زمانہ تک روکتا ہوں میں اسے کہ جب تک کہ رک سکے۔ اور جب قوت کہ نہ پاؤ گا میں کوئی چارہ پس آخری دوا دلخ ہے ۛ مصنف مخاطب تشبیح اپنے استدلال کی یوں کرتے ہیں کہ ۛ

مشرع میمین لکھا ہے۔ کہ قتل عثمان کے قصاص لینے کا عذر جناب امیر کی طرف سے  
یہی تھا۔ کہ پوری قدرت حاصل نہ تھی۔ جناب امیر کی اس غلط فہمی کی۔ کہ قاتلان عثمان کے  
مقابلہ میں عاجز اور مغلوب سمجھ لیا تھا۔ بیان کس نوبت ہو چکی کہ یہ بلوایوں کا یہ کہنا  
لگے۔ طلحہ اور زبیر انہیں کے دھمکیوں کی وجہ سے مدینہ سے نکلے۔ انہیں بلوایوں نے جناب  
امیر کو فوج کشی پر مجبور کیا۔ اور اگرچہ بصرہ میں پہنچ کر جناب امیر کے اور طلحہ اور زبیر کے ساتھ  
بالکل بے صفائی ہو گئی تھی۔ مگر انہیں بلوایوں نے بغیر اجازت اور اطلاع جناب امیر کے یکایک  
ٹھانڈا چھری۔ اور کشت و خون شروع کر دیا جسکی وجہ سے چاروں اچانک فریقین کو جناب میں  
مبتلا ہونا پڑا۔ امیر معاویہ سے جو ٹھانڈا ہوا ان میں اور انہیں بھی بناءِ محض یہ تھی۔ کہ  
ان بلوایوں سے قصاص کیوں نہ لیا۔ اگر جناب امیر ابتدا میں اس غلط فہمی میں مبتلا  
نہ ہوتے اور ان کو سزا دینے کا قصد مصمم کر لیتے تو یہ ناگوار حوادث جو واقع ہو  
میں نہ آتے۔ اور مسلمانوں میں باہم کشت و خون نہ ہوتا۔ طلحہ اور زبیر اور معاویہ جیسے  
مصلح خفاہ شہ کے رہے۔ جناب امیر کے یہی بہتے اور جناب امیر کی خلافت کی وہ  
حالت نہ ہوتی جو ہوئی۔ افسوس کہ جناب امیر ان مقد بلوایوں کو ساتھ لیکر بصرہ میں  
طلحہ اور زبیر اور صفین میں معاویہ سے لڑے اور یہ نہ کیا کہ طلحہ اور زبیر اور معاویہ کو لیکر  
اون بلوایوں سے لڑتے۔ اس کی وجہ یہی غلط فہمی تھی کہ جناب امیر نے اپنے آپ کو ان کے  
ماتوں میں بالکل مجبور سمجھ لیا تھا۔

سب سے پہلے مخاطب نے اس موقع پر جناب غلط قیاس علی مرتضیٰ کی دیکھائی ہے اور یہیں  
کہ ہیں تاریخی واقعات غلط دیکھاتے ہیں اور کہیں غلط ترتیب واقعات اور اس کی غنایت  
سے سنجیدگی لگاتا ہے۔ اگرچہ وہ واقعات تاریخی ہمارے رسالہ جات روشنی میں جا بجا حسب  
موقع بہ قدر ضرورت مذکور ہو چکے ہیں۔ مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعد وفات پیغمبر مرتب  
مختصر واقعات تاریخی متعلق خلافت کے اور شروع بہ بھی خلافت حضرت عثمان اور ان کے

قتل کی دیکھا کر اور نتائج صحیح نوعیت سے نکال کر بتاؤں کہ علی مرتضیٰ نے جو کچھ اپنے کلام میں فرمایا ہے اس کو موافق کوئی نکتہ چینی نہ علی مرتضیٰ پر ہو سکتی ہے نہ انہوں نے کوئی غلط قیاس کیا۔ جو کچھ انہوں نے کیا اور کہا اس سے بہتر نہ کوئی کچھ کہہ سکتا تھا اور نہ کوئی کچھ کہہ سکتا تھا اور ان کے قول و فعل پر جو کوئی نکتہ چینی کرے وہ حقیقت قتل و غفلت پر غیر نکتہ چینی کرنا والا ہو گا۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ نے جنازہ پیغمبرؐ کو چھوڑ کر اور انصار نے شرکت جنازہ پیغمبرؐ سے تعین خلیفہ مقدم جانکر سقیہ بنی ساعدہ میں جھگڑا کیا جس میں حضرت ابو بکر کا تعین خلاف ہو گیا اور جب کا اتیار آیا ہے تہہ ہستہ ہوتا گیا وقت وفات ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کے لئے استخلاف کیا اور حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت اہل شورش سے مقرر کر کے کہ اس مجلس میں حضرت عثمان خلیفہ قرار پائے گئے۔ لیکن علی مرتضیٰ شروع سے ان خلفاء کے تعین و تقرر کے مخالف اور ان کے تقرر کو بے محل اور اپنا استحقاق برابر ظاہر کرتے رہے۔ مگر انہوں نے ان خلافتین پر حملہ کرنا ہی سے سکوت و بصراختیار کیا۔ حضرت عثمانؓ سے اپنے زمانہ خلافت میں ایسے افعال اور اعمال ظہور میں آئے۔ کہ جن مسلمانوں نے ان کی خلافت کو قبول اور اذکار اہرام کیا تھا وہ ہی مسلمان اونسے برگشتہ اور ان کے مخالف ہو گئے۔ یہاں تک کہ بی بی عائشہؓ ترغیب قتل عثمانؓ کی دینے لگیں۔ اور طلحہؓ اور زبیرؓ کوشش قتل عثمانؓ میں کرنے لگے اور حضرت معاویہؓ کو جس وقت کہ حضرت عثمانؓ نے جان ہوا کہ یہاں آیا تو وہ نہ آئے جس کا مطلب یہی ہے کہ اگر حضرت معاویہؓ مد حضرت عثمانؓ کے لئے طاعتی تو حضرت عثمانؓ پر واقعہ قتل نہ گذرے۔ اول اول جو مخالفت کا اجتماع ہوا اس میں اکثر لوگ مدینہ اور کوفہ اور مصر کے تھے۔ اور جو یہ قصد اصلاح اور عزل خلیفہ وقت کا تھا جس میں علی مرتضیٰ متوسط بنائے جاتے تھے اور وہ حضرت عثمانؓ کو فتنہ بین کر رہے تھے

ملکہ تاریخ اہم کوئی جنگ جل ۱۲

الکبریا

۳۲

الحمد لله

لیکن مرزا ابی بن حکم جو خلیفہ وقت پر ایسا سکھ رہا ہے ہوتا ہے اور نصیحتوں پر غور نہیں کر سکتا بلکہ  
 حضرت عثمانؓ کے نہیں بیٹھے دیتے تھے۔ بالآخر ایسے واقعات پیش آئے اور خاص مسلمانوں  
 کو ایسا جوش پیدا ہوا کہ نوبت قتل حضرت عثمانؓ کی ہو گئی۔ اس کے بعد علیؓ مرتضیٰ پر جو  
 غرات اختیار کئے ہوئے تھے۔ اور قبل خلافت سے بدولی رکھتے تھے تمام اکابر اور غیر اکابر  
 صحابہ اور حاضرین مدینہ بلوایوں اور غیہ بلوایوں کا اتفاق اور تجویز علیؓ مرتضیٰ پر ہوا۔ عام اس  
 کہ رضائے اہلنی کسی کی ہونا نہ ہو۔ یہ سب مسلمان جنہیں اعیانہ داشتہ ان مہاجر و انصار  
 تھے بیعت کرنے پر تیار ہوئے۔ اور علیؓ مرتضیٰ کی طرف دوڑ پڑے۔ اور ہر بیت میں نصرت  
 اور مددگاری کا اصرار ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں علیؓ مرتضیٰ خلافت کو قبول کر لیا جب علیؓ مرتضیٰ  
 خلیفہ قبول کر گئے اور ان کے خلیفہ مقرر ہو جانے کی شہرت ہو گئی تب ان لوگوں نے  
 کہ جنہوں نے علیؓ مرتضیٰ سے بیعت نہیں کی تھی جیسے عبداللہ بن عامر حضرت عثمانؓ کی طرف  
 سے ابصرہ تھا۔ اور حضرت معاویہ جو اسیر شام تھے۔ اور ان لوگوں نے کہ جنہوں  
 نے بیعت علیؓ مرتضیٰ سے کر لی تھی جیسے طلحہ اور زبیر کہ ایسے لوگوں نے کہ انہیں سے خواہش تھی  
 خلیفہ ہونے کی رکھتے تھے۔ علیؓ مرتضیٰ کی خلافت میں خللی ڈالنا چاہنا نہ طلحہ اور زبیر نے بی بی عائشہ  
 زوجہ رسولؐ کو جو سال حضرت زبیرؓ کی تعیین اپنے سرگروہی کا سر تاج بنا کر اتفاق عبداللہ  
 بن عامر اور عبداللہ خزرجی و انہی کہ معہ گروہ اپنے اپنے کے متوجہ ابصرہ کے ہوئے اور طلب خون حضرت  
 عثمانؓ کا علیؓ مرتضیٰ سے حیلہ اختیار کیا اور اصلی مقصد ان لوگوں کا یہ تھا کہ خلافت علیؓ مرتضیٰ  
 کے ہاتھ میں نہ رہے۔ دوسری جگہ قائم ہو جاوے۔ جب بی بی عائشہ کی سر تاجی سے حضرت  
 طلحہ اور زبیر مدد کر فرما دیں ابصرہ کو تشریف لے گئے تاکہ ابصرہ پر اپنی امارت قائم کر کے خلافت  
 علیؓ مرتضیٰ میں فتور ڈال دیں تب علیؓ مرتضیٰ نے ان کا تعاقب کرنا چاہا تاکہ ان لوگوں کی  
 اصلاح کر کے ان کو راہ راست پر لا دیں وقت تعاقب کرنے کے۔ علیؓ مرتضیٰ نے اہل مدینہ  
 سے معاونت چاہی۔ کچھ نے آپ کی اطاعت کا اظہار کیا۔ اور کچھ نے مخالفت کی۔ اور کہا کہ ہم نے



علی کو نصیحت کی تھی کہ قاتلان عثمان پر سیاست کرے تاکہ کوئی دشمن نہ ہو سکے۔ لیکن علی مرتضیٰ نے قاتلان عثمان کو سزا دینا چاہا تھا۔ مگر نہ کوئی مدعی حاضر ہوا نہ گواہ۔ علی مرتضیٰ نے قصد سیاہ مخالفت کا کیا۔ ابولیلہ بن عمرو بن جراح اور عبداللہ بن عباس اور عمر بن سلمہ سرور لشکر اور ابو قتادہ انصاری اور ابوالہشیم ثبیان بدری اور حنفیہ بن ثابت ذوالشہادینین ساتھ تھے اور موقع ذی قار میں پھر کراپے فرزند حسن اور عمار یا عسدر کو کوفہ روانہ کیا کہ لشکر کوفہ کو جمع کریں اور لبصرہ میں لے آویں کہ نہ وہ میں خبر ملے گی تھی کہ علی مرتضیٰ نے لبصرہ میں شیعہ بن علی کو قتل کر ڈالا اور عثمان بن حنیف علی مرتضیٰ کی جدیڑیا تھا بچا اس کے کہ اوس کے عزیز اقربا خاموش رہیں۔ اور اوسکی ڈاڑھی اور ونچہ اور پگھنیں نوج ماہ تھیں۔ جب امام حسن اور عمار یا عسدر نے جامع مسجد کوفہ میں لوگوں کو جمع کیا اور مددگار بھی تو ابولہشیم اشعری نے کہ عامل کوفہ تھا لوگوں کو منع کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ جدال و قتال روا نہ رکھو۔ عمار یا عسدر نے اوس کو چپ کیا اور شیعہ بن علی سے بدجگ ہو گئے۔ اوس وقت موسیٰ اشعری نے کہا کہ عائشہ نے مجھ کو لکھا ہے کہ اہل کوفہ کو اپنی طرف ملا لوں وہ اپنی گہر و نین شیتے رہیں۔ تو کار کوفہ کے لوگوں نے حسن اور عثمان کی بات قبول کی اور کئی ہزار جمع ہو گئے اور علی مرتضیٰ کی خدمت میں آئے۔ علی مرتضیٰ اوس میدان سے کوچ کر کے لشکر عائشہ کے مقابل خمیزہ بن ہبوسے۔ اور ایک خط بنام طلحہ و زبیر کے لکھا جس میں اون کی حمد و شکر کی اور کہ سنا گیا کہ افریقہ کہ وہ اپنی تدبیر اور اندیشہ سے باز آئیں اور یہ کہ قتل عثمان کی تہمت سے میں پاک ہوں۔ اہل مدینہ کو جو اس وقت حیرے اور تہارے موافقت میں نہیں ہیں چھ کر دو کہ وہ لوگ واقعتاً گواہی دیں کہ میری طرف سے کس کس نے قتل عثمان میں سعی کی ہے جو ہم اوسکا سلوک ہو جاویگا۔ اور عثمان کے خون میں جسے جھنسنی کی ہوگی کھل جاویگی۔ بہترین یہ کہ جسے قتل عثمان میں سعی ملے اس کو قتل کر دینا اور اس کو میرا قریبان ہوا رہنا لازم ہے۔ اس خط بعد میں لوگوں کو اس خط کو اپنے باپ کے خون کا دھوسے ہوئے حضور میں کنواں

نہ ناکہ سلاطین اور حکم شریعت کے اس قصہ کا تخیل کیا جاوے۔ یہ وہم و گم کہ جس  
 خون عثمانی سے کیا واسطہ ہے۔ اور ایک خط پیام بی بی عائشہ کے لکھا کہ توفی او  
 رسول کی گنگنا رہو گئی کہ تو اگر سے باہر نکل آئی۔ تجھے اس کام کے سہ انجام بھی کی  
 ٹکڑے جس سے خدا نے عورتوں کو سبک دوش کیا ہے۔ عورتوں کو لشکر کشی کرنا  
 اور مردوں میں اصلاح کرنا سے کیا واسطہ۔ تو نے جو مشہور کر رکھا ہے کہ خون عثمان  
 ۱۰ عوجی چاہتی ہوں تیرے اور عثمان میں کیا غریزہ دارین اور تربت داری سہ۔ لیکن  
 یمن مشہور و خیانت تک علی مرتضیٰ کو کوشش اصلاح میں اس قدر کامیابی ہوئی کہ حضرت  
 زبیر نے ہدایت علی مرتضیٰ کے اثر سے ارادہ قتال علی مرتضیٰ سے ترک کر کے اپنی لشکر  
 کو چھوڑ دیا۔ اور یسے کہ سے علی ہو کر ایک ایسے تمام پر پونچھے کہ جان دھوکہ میں وہ قتل  
 ہو گئے۔ مگر بی بی عائشہ کے جوش جنگ سے اور عبداللہ بن زبیر نے اور ان کے شاگردوں  
 نے اور حضرت طلحہ نے جنگ سے ہاتھ نہ اٹھایا اور ثانی مشہور و گم کردی اور عینہ بن خویلد  
 وہ مغلوب ہوئے یہ مغلوبی اُسی قتال میں ہوئی جو جنگ جمل کے نام سے مشہور  
 اور عینہ حضرت طلحہ بھی حضرت مروان کے تیرے جو شریک لشکر ان کے قتل  
 ہو گئے۔ علی مرتضیٰ نے بعد قبول خلافت اپنے عمال مخصوص واسطے ضبط ممالک خلافت  
 کے معین کئے۔ اور اسی عرصہ میں ادھر ادھر سے ایسے لوگ جو علی مرتضیٰ سے عناد  
 رکھتے تھے یا ناخوش تھے یا دل سے ان کی اطاعت پسند نہیں کرتے تھے حضرت معاویہ  
 کے پاس پہنچ گئے اور حضرت معاویہ نے جذیرہ عرب سے بیعت لے کر اپنا خراج گزار  
 بنایا۔ علی مرتضیٰ نے مالک اشتر کو حاکم ان دیار کا مقرر کیا کہ سبھا کہ مالک اشتر نے یہ  
 جنگ۔ مداح کا عالم ان حضرت معاویہ کو ہزیمت دی۔ حضرت معاویہ نے تیار بیان شروع  
 کیا کہ توفی علی مرتضیٰ سے جنگ و جدال کیا جاوے۔ اور اس در بیان میں باجماع علی مرتضیٰ اور  
 حضرت معاویہ کے نام پر اس ہوئے۔ علی مرتضیٰ یہ چاہتے تھے کہ حضرت معاویہ علی مرتضیٰ کی خلافت

کو قبول کریں اور سرکشی سے باز آویں۔ لیکن حضرت معاویہؓ باز نہ آئے اور مستعد جنگ کے ہو گئے اور مقام صلیس جنگ ہو کہ وہ وقت قریب آگیا حضرت معاویہؓ بھی مغلوب جاوین لیجئے بعد جنگ لیلۃُ الحریس کے علی مرتضیٰ نے اپنے نژاد کے سواروں سے فرمایا کہ تم دیکھتے ہو تمہاری اور تمہارے دشمنوں کی کس مرتبہ کو پیوچ گئی ہے۔ اور اونسے سوائے دم آفر کے کچھ باقی نہیں رہا کلبہ مشغول جنگ میں ہو۔ تاکہ خدا حکم کر دے ویران چارہ اور وہ خیر الحاکمیں ہے۔ جب دوسرے روز جنگ شروع ہوئی۔ تو بموجب اوس شورہ کے جو شب میں باہم عرصہ اور حضرت معاویہؓ کے ہو چکا تھا سارے پانسو قرن نیرون پر باندھ کر پیش کئے گئے اور یہ بکا آگیا کہ اسے گردہ عرب برائے خدا اپنی اولاد اور بچوں پر رحم کر۔ اگر جنگ کو نہ بند کر دے۔ روم و فارس کے عرب تمہارے بچہ اور عورتیں بک کر لی جائیں گے اشعث بن قیس کی شب کو یہ رائے قرار پا چکی تھی کہ اگر کل لڑائی ہوگی۔ عرب کو دامخون کر دھوئیں اور جاوین گے اور اہل و عیال ان کے جاتے رہیں گے۔ اہل خواقین سے کر دوس بن مانی بکری نے کہا۔ کہ قرانوں کا بند کرنا مکہ و نفاق ہے۔ سفیان بن زید بکری نے کہا کہ بھلے ہم نے کتاب خدا کی طرہ کو اون کو بلایا تھا اور وہ نہیں آئے تو اونکا خون ہم پر حلال ہو گیا تھا اب وہ ہم کو کتاب خدا کی طرہ کو بلاتے ہیں ہم اگر قبول نہ کریں گے تو ہمارا خون اون پر حلال ہو جاویگا۔ خالد بن عمر اور حسین بن منظر نے کہا کہ رائے علی کی صائب تر ہوگی۔ علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ میں سنہ اور تیرہوں کتاب خدا کے قبول کرنے پر قسم سے اور یہ جیلہ اور مکہ ہے۔ مقصود اون کا کتاب خدا پر عمل سے نہیں ہے بلکہ جنگ سے تنگ آ گئے ہیں۔ اور میں اونسے لڑوں گا جب تک کہ وہ حکم خدا پر راضی ہو جاوین۔ مگر اکثر امرا اور اعیان سپاہ علی مرتضیٰ نے کہا کہ معاویہ سے رشوت لے لی تھی۔ کہ دعوت معاویہ کو قبول کرنا چاہئے اس پر علی مرتضیٰ کے لشکر کے لوگ جنگ سے باز آنے لگے مگر مالک اشتر بعد اصرار کے علی مرتضیٰ کی طلب کو بموجب

واپس آیا۔ اور اس نے اہل عراق کو لامتناہی کی اور آخر کار عمرو عاص اہل شام کی طرف سے  
 اور اشعث بن قیس اور شکر بن علی مرتضیٰ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری خلاف رائے علی  
 مرتضیٰ کی حکایتیں سنیں۔ یہ سب سچے سچے شہور ہیں کہ جب دونوں فرقہ دوستہ الجحدل میں رہے  
 ہوئے۔ اور عمرو عاص کے مکہ سے ابو موسیٰ اشعری کے درمیان جھگڑا پیدا ہوا اور کوئی بات  
 ملے نہیں ہوئی۔ اور زیادہ فرقہ ہو گیا جب ابو موسیٰ اشعری دوستہ الجحدل کو جانے لگا  
 تو ایک گروہ نے چاہا کہ علی رضی اللہ عنہ کو روکیں اور علی مرتضیٰ نے اس امر کو قبول نہ کیا  
 تو اس فرقہ نے یہ کہا کہ ہمیں یہ حکم گروہ اسطے خدا کے۔ اور اس گروہ نے علی مرتضیٰ سے  
 سخت ہتھکنڈا کر دی۔ اور اس گروہ کو خوارج کہتے ہیں اور یہ فرقہ انہیں لوگوں میں سے ہی  
 جو خلاف رائے علی مرتضیٰ کے جنگ کا تہ ہونا اور صلح باہم چاہتے تھے۔ جب ان واقعات یہ  
 یہ ترتیب غور کیا جاوے اور ہر واقعہ کے ساتھ یہ فکر کی جاوے کہ علی مرتضیٰ کی ہر ہمت کی کیا کرنا  
 چاہئے تھا اس سے بہتر کوئی رائے قائم نہیں ہو سکتی کہ جو اعلیٰ سے اعلیٰ صائب رائے شخصہ  
 پور مشکل معاملات کا جاننے والا اور راہ مستقیم پر بغیر کسی کمزوری سے چلنے والا ہو  
 والا کر سکی جو کچھ کہ علی رضی اللہ عنہ نے سچا اور فرمایا۔ جناب امیر حبیب خلیفہ ہوئے نوبین بلوین  
 نے عثمان کو قتل کیا تھا وہ اوس وقت اپنے دست سلطنت میں ہو گئے تھے کہ جناب امیر اہل مدینہ کے ہاتھ  
 میں مجبور رہوں اور قس عثمان کا قصاص نہ لے سکیں۔ اور نہ محض اوس وقت اون کی قوت کو نہایت  
 امیر نے بڑا سمجھ لیا تھا اور نہ اپنے آپ کو اون کے مقابلہ میں عاجز سمجھتے تھے اور نہ جو کچھ وہ  
 چاہتے تھے۔ جناب امیر کو مجبور ہی وہی کرنا پڑتا تھا جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں۔ بلکہ  
 جناب امیر حبیب خلیفہ ہوئے تو اون کو تمام مہاجر و انصار مدینہ اور تمام گروہ مسلمانوں  
 نے جو مدینہ میں اوس وقت موجود تھے خلیفہ قبول کیا تھا اور علی مرتضیٰ کے ہاتھ پر بیعت کی  
 تھی۔ گو ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے کہ جنہوں نے بلوہ کر کے حضرت عثمان کو قتل کیا  
 تھا۔ مگر علی مرتضیٰ کے سامنے نہ کوئی مدعی حاضر آیا اور نہ گواہ کہ قتل عثمان کی تہنیت

اکتوبر ۱۹۳۷ء



بجائے نہ اُٹھنا اور سب خلافت نے اپنی جانب کا مصلح قرار دے علی مرتضیٰ رہ گئے۔  
 عطا الرحمن کے صحابہ کی ہدایت نے جو علی مرتضیٰ سے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ وہ  
 انگوٹھ کے نشان پر لبوہ کیا تھا۔ اگر انہیں سے ایک ایک گروہ کو سزا دو تو بہتر ہے اور  
 اوس کا جواب جو کچھ علی مرتضیٰ نے دیا ہے وہ عین بعد تعین خلافت بمقابلہ مخالفانِ بلوائیوں  
 کے نہیں ہے کہ جنہوں نے ابتداً لبوہ کر کے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا تھا بلکہ بھلا  
 اوس کا مقصد یہ ہے کہ جو بعد قتل عثمانؓ اور خلافت علی مرتضیٰ کے جنگ جمل اور  
 صفین اور تبک کے بعد ان کا خون بھاننا اور مقابل کا سلسلہ اُسی لبوہ اور قتل عثمانؓ  
 اور بیعت خلافت علی مرتضیٰ کے ساتھ تھا۔ پیغمبر خدا نے دین اسلام کے قائم کرنے  
 کے لئے جو عمل کیا تھا وہی علی مرتضیٰ نے اپنی خلافت کے قائم کرنے کے لئے  
 عمل کیا۔ بعد ہجرت کے مدینہ میں جب پیغمبر کو مجاہد انصار ہم پہنچ گئے تھے جو  
 اقرار رسالت پیغمبر کا اور پیغمبر کی اطاعت کا بیعت کر کے کھچے تھے۔ اور پھر جب قوم  
 عرب کی مختلف گروہ پیغمبر پر پناہ اور ہولی۔ یا پیغمبر کے اجر اور دین میں مزاحمت کرنے  
 والی تھیں اور ہر طرف طور سے جب جس گروہ سے مقابلہ ہو جنگ کی اور او کی  
 فراحتوں کو جدا کرنا طور پر رفع کیا۔ دینی، یا علی مرتضیٰ نے جبکہ اذن کے ہاتھ پر  
 خلافت کے لئے بیعت ہوئی اور اس کے بعد جو فرقہ مخالف اور مقابل ہوتا گیا اوس  
 سے اس وقت پر جنگ کی اور فراحت کو دفع کیا لیکن ہنوز مخالفت بالکل  
 طے نہیں ہوئی تھی کہ علی مرتضیٰ شہید ہو گئے۔ اذن کی شہادت کی وجہ سے جو مقابلہ  
 اور جنگ اور دفع ہونا فراحت کا باقی رہ گیا تھا اوس سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ جو  
 فکر اور کوشش علی مرتضیٰ نے گروہ گروہ مخالف کو زیر اور فراحت کو اذن سے دور کرنے  
 کی کی اوس میں کوئی سوء تدبیر بھی تھی۔ حسن، یا براسی میں تھا کہ بے فائدہ گروہ پیدا ہوا

اوس کے پریشان اور دفع کرنے کے ان فوراً تدبیر اور کوشش کی گئی یہ پیغمبر جیسا کہ جب لوگ  
 فنا و کسی گروہ قوم مخالف سے پیدا ہوتا تھا، وسعہ و نصیب فوراً فرما تھے دیسا ہی علی  
 مرتضیٰ نے جب گروہ مخالف قوم نے کوئی شکوفہ کھلایا فوراً اوسکی کھلی کو کچل دیا اور  
 اوسکے کچل دینے کے لئے بلا توقف کوشش کی۔ لیکن جبکہ پیغمبر اپنی وفات کی  
 سبب سے ملک شام اور روم اور ایران کل روئے زمین پر تسلط کر کے دین اسلام  
 کو قائم نہ کر سکے دیسی ہی علی مرتضیٰ اپنی شہادت کی وجہ سے کل قوم سے مخالفت اور بناو  
 نورفع نہ کر سکے۔ گھیسے کہ پیغمبر پر یہ الزام نہیں آسکتا کہ وہ کل قوموں اور انسانوں  
 پر تسلط کر کے دین اسلام کو قائم نہ کر سکے۔ ویسے ہی علی مرتضیٰ پر یہ الزام وارد نہیں ہو  
 سکتا کہ وہ کل قوم مسلمانوں سے مخالفت اور بغاوت کو رفع کر کے اپنی خلافت کو  
 قائم نہ کر سکے۔ اور علی مرتضیٰ کی نسبت کسی واقعہ یا اون کی کسی تدبیر یا اون کی کسی  
 سعی کی نسبت ہرگز یہ تصور نہیں ہو سکتا کہ اون کا خیال کسی امر کی بابتہ خلاف واقع تھا  
 جسکے ثابت کر نیکا مصنف مخاطب قصد کرتے ہیں۔ جب علی مرتضیٰ سے بیعت کی  
 گئی۔ اور جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر بلوہ کیا تھا انہوں نے ہی علی مرتضیٰ سے بیعت کی  
 اور سوت کوئی وجہ نہ تھی کہ اون لوگ ان کی بیعت قبول نہ کی جاتی اور ان کو قہراً اور مطیع  
 خلافت کا کہہ جوتے۔ ان سے تنہا یا جاتا۔ بلکہ ضرورتاً کہ اون کی بیعت قبول کر کے  
 مطیع اور مطیع خلافت اور ان کو کہیا جاتا تاکہ حکم قصاص قتل حضرت عثمانؓ کا اون پر نافذ  
 ہو سکتا۔ لیکن یہ قصاص نہیں لیا جاسکتا تھا جب تک کہ کوئی حق گواہ نہ ہو اور اسی  
 حالت میں ضرورتاً کہ اون لوگوں کو ساتھ لیکر متقابلہ باغیان اور خلل اندازان خلافت  
 کے جنگ کی جائے پیغمبر ہمیشہ ایسے لوگوں کو ساتھ لیکر دشمنوں سے مقابلہ کرتے تھے کہ جن سے  
 کبتر صادر ہوتے تھے۔ اون ابتدائی بلوائیوں کے ساتھ کہ جو مطیع خلافت ہو گئے تھے  
 اور لوگ بھی شامل ہو گئے۔ اور وہ اور دوسری گروہ بنا تیار علی مرتضیٰ مطیع خلافت

برہنہ تھے اور وہ کل جماعت واسطے رفع بغاوت اور فروختہ پروا ہی نہ کرتے تھے۔ لیکن جب جماعتیں کثیر مختلف طور پر علی مرتضیٰ سے جدا ہو گئیں اور ہر ایک نے اپنے اپنے قتل اور مغلوب کیا اور گرد و کثیر سہلانوں کا ایسا پیدا ہو گیا کہ جو علوی قتل کی طرف تشریف لے آئے ان کا زور اور اپنی حمایت میں سستی کرتا تھا۔ یعنی مختلف الراے فرقہ پیدا ہو گئے تھے کہ کہی کچھ رائے رکھتا تھا اور کوئی کچھ راے رکھتا تھا اور ایسا گرد و جمالی مرتضیٰ سے متوقع ہو۔ اور علی مرتضیٰ کی خلافت کا ماننے والا یا اون کے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑنے والا تھا وہ اوس گروہ بلوایوں قتل حضرت عثمان سے کم زور تھا۔ اس وقت ہرگز مصلحت یہ نہیں ہو سکتی تھی کہ اون بلوایوں اپنے ہمراہیوں مطیع خلافت کو قتل کر کے علی مرتضیٰ سے لڑا دیے کہ گرد و ہون باغی اور دشمن کا ساتھ بلجیکے ساتھ جمع کثیر تھا کیوں کر کیا جاسکتا تھا اس وقت کی مصیبت یہی ہو سکتی تھی کہ ہم ہمراہی اون لوگوں کے جو بہ اتباع علی مرتضیٰ اور اون کی خلافت کے مطیع تھے اولاً صلی باغیوں اور دشمن سے مقابلہ اور بغاوت کو رفع کیا جاتا اور بعد اسکے جو قاتلان عثمان قرار پاتے اون کو سزا دی جاتی۔ اس وقت جو عدل یا مصلحت بلوایوں عثمان کو سزا نہ دینے کے لئے علی مرتضیٰ کو ہوا وہ بالکل صحیح تھا۔ اور شارح مہتمم کا مفہوم یہی اسکے خلافت نہیں ہے وہ خود لکھتے ہیں یہ حضرت عثمان پر بلوہ کرنے والا اکثر اہل مدینہ اور اہل مصر اور کوفہ سے خلق عظیم اپنے شہر و نسے قطع مساف کر کے آگئی تھی۔ اور اجلاف اعراب بادیر نشین اور بندگان مدینہ اون کے ساتھ ہو گئے تھے اور اسی حالت کے متعلق علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے جبکہ مصنف مخاطب بحث کرتا ہیں ۲۱ جبکہ ایک جماعت نے صحابہ میں سے کہا تھا کہ جن لوگوں نے عثمان پر بلوہ کیا تھا۔ اگر دشمن سے ایک ایک گروہ کو سزا دو تو بہتر ہے ۲۲ اوس کے جواب میں جو کچھ کہ علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے وہ بہ نظر حالت اوس وقت کے ٹھیک ہے۔ اور ہر گروہ کی حالت پر نظر کر کے وہ ارشاد علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ وہ گروہ جو علی مرتضیٰ کو ساتھ

ساتھ میں تھا باجم کیا کرتا تھا۔ اور علی مرتضیٰ کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ جو گروہ درگروہ مختلف کی ہو گئے تھے علی مرتضیٰ نے اس وقت بلوائیوں اور اذن کے شرک کی قوت کا اور اپنی قوت کا جو ذکر کیا ہے۔ اس وقت جناب امیر نے اس کے اندازہ میں کچھ غلط فہمی نہیں کی اور نہ اس قاتلان عثمان کو سزا دینے کے لئے خلاف مصلحت سمجھنے میں غلطی کی۔ مصنف مخاطب بنے اس وقت کے متعلق جو یہ نتیجہ نکالے کہ غلط فہمی جناب امیر کی اپنے آپ کو قاتلان عثمان کے مقابل میں عاجز اور مغلوب سمجھنے کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ یہ بلوائی صحابہ کو دھمکانے لگے طلحہ اور زہیر انہیں کی دھمکیوں کی وجہ سے مدینہ سے نکلے اور انہیں بلوائیوں نے جناب امیر کو فوج کشی پر مجبور کیا۔ اور اگرچہ مصر میں پہنچ کر جناب امیر کے اور طلحہ اور زہیر کے ساتھ بالکل صحابہ ہو گئے تھے مگر انہیں بلوائیوں نے بغیر اجازت اور اطلاع جناب امیر کے یکایک لڑائی چھیڑ دی اور کشت و خون شروع کر دیا جس کی وجہ سے چار دنا چار فریقین کو جنگ میں مبتلا ہونا پڑا بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ جب علی مرتضیٰ استداء خلافت کے لئے قبول کئے گئے ہیں اسی وقت اپنے آپ کو علی مرتضیٰ قاتلان عثمان کی سزا دینے کے لئے عاجز اور مغلوب ہرگز نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن اس وقت نہ کوئی مدعی کھڑا ہوا نہ گواہ باوصف اس کے کہ علی مرتضیٰ قاتلان کی سزا دینے پر جس جس پر الزام ثابت ہوا آمادہ تھے۔ اور جیسے کہ اس وقت علی مرتضیٰ قاتلان عثمان کو سزا دینے سے عاجز نہیں تھے دیسے ہی بلوائیوں کے دھمکانے سے طلحہ اور زہیر مدینہ سے نہیں نکلے۔ طلحہ اور زہیر نے علی مرتضیٰ کے ساتھ جو معیت کی تھی اس کو بہت جلد اس خیال نے کہ خود خلیفہ بجائے علی مرتضیٰ کے پنجائیں بہت جلد توڑ دیا تھا۔ اور بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے علی مرتضیٰ کے خلیفہ ہونے کو اول ہی پسند نہیں کیا تھا اپنے ہمراہ لیکر اور ایک لشکر جمع کر کے شروع خلاف علی مرتضیٰ پر جنگ کے لیے تمام بصرہ و یمن تھیں اور طلحہ کیا تھا۔ پورے عین وقت جنگ تک علی مرتضیٰ نے کوشش کی کہ گروہ مخالف اور کنگاہ سے بچا کر علی مرتضیٰ کی خلافت کی اطاعت کہے اور اسکا اثر صرف ذات حضرت زہیر پر پڑا



لیکن کل گروہ اپنے ارادہ جنگ سے باز نہیں آیا کشت و خون شروع ہو گیا تا اس  
 مجبوری سے ہوا کہ گروہ مخالف علی مرتضیٰ کا راہ راست پر نہیں آیا۔ اور اس کے راست  
 آنے پر امید ہی نہیں رہی تھی جو خلافت مرضی علی مرتضیٰ کے تھا۔ اور اگرچہ حضرت طلحہؓ نے اپنے  
 اخیر وقت پر جن پر حضرت مروان کا تیر کار گر ہو گیا تھا علی مرتضیٰ کے ایک لشکری کے  
 ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن جس وجہ سے کہ مسلمانوں کو جنگ میں مبتلا ہونا پڑا اس کو بادی  
 اور بانی میری طلحہؓ اور سیر اور بی بی عائشہؓ تھیں۔ حضرت معاویہؓ سے جو لڑائیاں ہوئیں اول میں  
 بناء غاصمت جس حیثیت سے مصنف مخاطب تھے ہیں ہرگز یہ نہیں تھی کہ ان بلوائیوں سے  
 قصاص کیوں نہ لیا۔ بلکہ شروع سے حضرت معاویہؓ نے علی مرتضیٰ کی خلافت کو قبول  
 نہیں کیا اور باوصف اسکے کہ علی مرتضیٰ خلافت کے لئے قبول کیے گئے۔ اور جو اصلی اور  
 برحق خلیفہ تھے حضرت معاویہؓ نے ان کی بیعت سے سرکشی اور سربازی کی اور طلب  
 خون عثمانؓ کی علی مرتضیٰ کے مقابلہ میں ایک حجت ناسخ پیدا کی۔ حضرت معاویہؓ کو چاہئے تھا  
 کہ اول علی مرتضیٰ کی خلافت کو قبول اور ان کی اطاعت واجب سمجھ کر ان کی فرمانبرداری  
 کرتے اور پھر قاتلان عثمانؓ پر جرم ثابت کر کے علی مرتضیٰ سے سزا دو اتے حضرت معاویہؓ  
 کو بمقابلہ خلیفہ وقت اور برحق کے ہرگز یہ حق حاصل نہیں تھا کہ با شمشاہ بلوہ اور قتل عثمانؓ  
 کے جن جن لوگوں کو چاہتے اپنے ہاتھ میں لیکر قصاص لیں۔ یہ کام خلیفہ محمدؐ کا تھا نہ ان کے  
 غیر کا۔ یہ کام حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں دینا اباہی تھا۔ کہ منصب خلافت علی مرتضیٰ او  
 ہاتھ میں دینے۔ مصنف مخاطب غلط کہتے ہیں کہ اگر جناب امیرؓ بدارین اس غلط فہمی میں  
 مبتلا نہ ہوتے تو یہ ناگوار حوادث پیش نہ آتے۔ علی مرتضیٰ ابتدا میں ہی بلوائیوں اور قاتلان  
 حضرت عثمانؓ کو سزا دینے پر آمادہ تھے مگر نہ کوئی مدعی حاضر آیا نہ گواہ کسی پر  
 جرم قتل حضرت عثمانؓ کا یا بہ نسبت قتل حضرت عثمانؓ کے کسی کا بلوہ کرنا ثابت  
 ہوا۔ بلوائیوں کی نسبت اول کی نیت کی تحقیق ضروری کہ ان کا بلوہ محض بغض و نفرت

حالت حضرت عثمان کی اور درستی انتظام خلافت کے تھا یا محض بغرض قتل حضرت عثمان کے جب تک کہ اون کی نیت بغرض قتل حضرت عثمان کے تحقیق نہ ہو جاتی کسی بلوائی کو سرسزا نہیں دیا جاسکتی تھی طلحہ اور زبیر اور معاویہ جسطرح خلفائے ثلاثہ کو بطبع رہے علی مرتضیٰ کے بطرح نہیں رہے۔ طلحہ اور زبیر اور معاویہ بیعت کرنے کے بعد تو اگر اطاعت علی مرتضیٰ سے باہر ہو گئے اور معاویہ نے علی مرتضیٰ کی نہ خلافت کو قبول کیا نہ اون کی اطاعت کی جسکی سبب سے مسلمانوں میں کشت و خون ہوا اگر طلحہ اور زبیر اور معاویہ علی مرتضیٰ کی اطاعت کرتے اور جیسا کہ انہوں نے تین خلافتوں سابقہ کو قبول کیا اور اون کی اطاعت کی تھی اور بلوائیوں کی نسبت اون کی نیت قتل عثمان کی اور قاتلان عثمان پر عزم قتل کہہ سکتے تھے کیا ثابت ہوتا ہے اور علی مرتضیٰ سے انحراف کر کے اون کی خلافت پر حملہ اور جنگ کے لئے آمادہ اور خلافت علی مرتضیٰ میں خلل ڈالنے کے لئے تیار ہو جاتے تو یہ ناکوار ہوا بدلتا کیسی پیش نہ آتے۔ اور جناب امیر کی خلافت کی وہ حالت برگر نہ ہوتا جو ہونی۔ جبکہ طلحہ زبیر نے علی مرتضیٰ سے انحراف کر کے اور خلافت علی مرتضیٰ میں خلل ڈالنے کے مقصد سے پانچوں کے سہ بی بی عائشہ کے بصرہ میں علی مرتضیٰ کی خلافت پر حملہ اور فتنہ شمر معاویہ یا اطاعت خلافت علی مرتضیٰ کی نہ قبول کر کے اور لشکر گران لیکر علی مرتضیٰ پر حملہ کرنے کو بمقام صفین پہنچے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ علی مرتضیٰ طلحہ اور زبیر اور بی بی عائشہ سے بمقام بصرہ اور معاویہ سے بمقام صفین نہ لڑے اور اپنی خلافت میں شامل ڈالنے والوں اور فتنہ پردازوں سے جنگ کر کے فتنہ کو فرو اور رفع بغاوت کی کوشش نہ کرتے۔ بمقابلہ طلحہ اور زبیر اور بی بی عائشہ کے بمقام بصرہ اور بمقابلہ معاویہ کے بمقام صفین علی مرتضیٰ صرف بلوائیوں کو ساتھ لیکر مقابل نہیں ہوئے تھے بلکہ بلوائی اور غیر بلوائیوں کو جن میں مہاجر و انصاری شامل تھے ساتھ لیکر طلحہ اور زبیر اور بی بی عائشہ کے بمقام بصرہ اور حضرت معاویہ کے بمقام صفین مقابل ہوئے تھے

اور بلوائی جو علی مرتضیٰ کے ساتھ تھے اور ان کی نسبت اس وقت تک یہ تحقیق نہیں ہو سکی تھی کہ انہوں نے بلوہ کس نیت سے کیا تھا اور حضرت عثمان کو کس کس نے قتل کیا تھا اور وہ سب اس وقت تاج علی مرتضیٰ اور ان کی خلافت کے تھے کوئی وجہ نہیں تھی کہ علی مرتضیٰ اور ان کو اپنے ساتھ نہ لیتے اور رفع بغاوت اور فساد اور قفس کے لئے جو علی مرتضیٰ کی خلافت میں برپا کیا گیا تھا اعانت کا فائدہ حاصل نہ کرتے۔ کیا پیغمبر ایسے لوگوں کو حبس گناہ کیسوں صادر نہ ہو جاتا تھا یا جو میدان جنگ میں پیغمبر کو چھوڑ جاتے تھے اور پیغمبر کے ساتھ نہ جاتے بلکہ لوگ کرتے تھے یا جو لوگ کہ پہلے پیغمبر سے جنگ اور پیغمبر پر حملہ اور پیغمبر کے قتل پر آمادہ ہو چکے تھے اور پھر اطاعت پیغمبر کی قبول کرتے تھے تو ان کو پیغمبر اپنے ساتھ لیکر دوسرے موقعوں پر اپنے دشمن سے مقابلہ کرتے نہیں لیجاتے تھے یا ان کو اپنے لشکر کے ساتھ نہیں رکھتے تھے ایسے ہی جن لوگوں نے عہد خلافت حضرت عثمان میں بلوہ کیا تھا یا حضرت عثمان کے قتل میں شریک ہوئے اور پھر انہوں نے خلافت علی مرتضیٰ کا اتنا برا کیا اور ان کو علی مرتضیٰ نے ہر ایک لیکر باہیون اور مخالفوں سے جنگ کی تو کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ بلوائی اور باغی اسی وقت تک قابل سزا ہیں جب تک کہ وہ اطاعت قبول نہ کر لیں اور ہر اسد کی طرف نہ آجاویں۔ یہی حکم خدا کے باغی رسول کے باغی امام اور خلیفہ کے باغی کو ملے ہوئے ہے اور اس حالت میں جبکہ یہ امر ملکی معاملہ سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن جبکہ یہ امر کسی ذات واحد سے تعلق رکھتا ہے یعنی کوئی کسی امام یا خلیفہ کو قتل کر ڈالے تو قاتل ضرور قابل قتل ہوگا۔

افسوس ہے کہ طلحہ اور زبیر اور بنی عائشہ اور حضرت معاویہ علی مرتضیٰ کی اور ان کی خلافت کی اطاعت کر کے بلوائیوں اور قاتلان حضرت عثمان کو سزا نہ دلوائی اور خود علی مرتضیٰ خلیفہ سزا اور برحق سے انحراف مخالفت کوہ کے جنگ کی۔ اور ان بلوائیوں کی ایسی قدرت بٹھا دی کہ جنگی نسبت بالآخر علی مرتضیٰ کو دیکھنا نہ آکھیا انہوں نے اپنے کلام زیر بحث میں فرمایا ہے۔ مصنف مخاطب اسی کے ساتھ علی مرتضیٰ کی غلطی قیاس کی یہ بھی مثال لائے ہیں۔

جناب امیر زادوں لوگوں کو جنہوں نے بہت سا ہجوم کر کے اون سے بیعت کی اپنا ناصر اور مددگار سمجھ لیا۔ چنانچہ خطبہ شفق شقیہ میں فرماتے ہیں۔

”اگر اتنے آدمی بیعت کے لٹی حاضر نہ ہوتے۔ اور مددگاروں کے موجود ہو جانے کی وجہ سے حجت پوری نہ ہو جاتی تو میں خلافت کو کبھی نہ قبول کرتا۔ یہ دہو کہ جناب امیر کو اس وجہ سے ہوا کہ لوگ بڑی بدحواسی کے ساتھ بیعت کے لئے آئے حالانکہ یہ خیال جناب امیر کا بالکل غلط تھا اور بعد کو ظاہر ہو گیا کہ وہ ہرگز مددگار نہ تھے۔ چنانچہ امتحان کی وقت اون کی حالت ظاہر ہو گئی۔ انہیں کیوجہ سے جناب امیر اس ظلم و جور کے باقی رکھنے پر مجبور ہوئے جس کا وہ پتہ نہ کر سکا۔“

مصنف مخاطب اپنے اس بیان کی سند کی واسطے متن بیچ البلاغہ مشرح میثم جناب امیر کے دو کلاموں کی سند لاتی ہیں۔ ایک کا یہ ترجمہ کیا ہے ”غارت کہے“ مکتوٰۃ مشک۔ بہر دیا تینے میرا دل سپ سے اور بھر دیا تینے سینہ میرا غصہ سے“ دو کلام امیر المومنین کا یوں ترجمہ کیا ہے ”اے اللہ میں نے اون کو غول کر دیا اور انہوں نے مجھ کو غول کر دیا اور میں نے اون کو عاجز کر دیا اور انہوں نے مجھ کو عاجز کر دیا۔ پس بدل دے تو میرے لیے ان کے عیوض بہتر قوم اون سے اور بدل دے ان سے۔“

مصنف مخاطب نے اخیر مضمون اپنے ترجمہ کا جو یہ لکھا ہے ”اور بدل دے تو میرے لیے ان کے عیوض بہتر قوم اون سے اور بدل دے“ اور ”کیلتے میری عیوض میں زیادہ شر والا مجھ سے“ اس مضمون کا اصل فقرہ عربی یہ ہے ”فابذلنی بھم خیر امنہم وابدلہم فی شر امنی“ مصنف مخاطب نے جو اصل فقرہ میں لفظ بہتر ترجمہ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ وہاں پر لفظ نیک ترجمہ کرنا چاہیے تھا۔ اور فقرہ دوم میں ”جہاں زیادہ شر والا مجھ سے“ ترجمہ کیا تو ”جہاں سے زیادہ شر والا مجھ سے“

اصل عبارت عربی میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کے ترجمہ میں لفظ زیادہ کا اسکے۔۔  
مصنف مخاطب نے لفظ زیادہ ترجمہ میں اپنی طرف سے زیادہ کیلئے صحیح ترجمہ  
یہ ہے پس بدل دے میرے لئے نیک اور اُن سے اور بدل دو اُنکے  
لئے بجائے میرے بدلے یعنی۔ بجائے اُنکے میرے لئے نیک بدل دے اور بجائے  
میرے بدلے اُنکے لئے بدل دے۔

مصنف مخاطب اپنی ترجمہ کیے ہوئے اخیر فقرہ سے یہ نکتہ چینی کرتے ہیں کہ اس  
قول میں جناب میرے کسی قدر شرکی اپنی طرف بھی نسبت کی یہ کمال فصاحت  
کا مقتضا تھا کہ کوئی ایسا لفظ اُن کو میسر نہ آیا جس میں یہ وہم پیدا نہ ہوتا لیکن یہ نکتہ چینی  
مصنف مخاطب کی صریح غلط ہے کیونکہ مصنف مخاطب جو سب سے مضمون اپنے ترجمہ کے  
لیتے ہیں اُس ترجمہ میں انہوں نے خود لفظ زیادہ زیادہ کیا ہے صحیح ترجمہ کے مضمون  
سے جو مراد اوسکی لی جاوے کوئی اعتراض نہیں وار دہین ہوتا ہے۔ مضمون دونوں  
فقرہوں کا صرف یہ ہے پس بدل دے میرے لئے بجائے اُنکے نیک اور جیسوں سے اور  
بدل دے اُنکے لئے بجائے میری بدجھ جیسے سے اُن اس مضمون میں کمال فصاحت اور بلاغت  
یہ کہ صنعت تضاد کا پہلو ہو اور کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جس سے اپنی مدح اور اپنی مذمت  
ہو اور پھر اپنی مدح اور اپنی مذمت صحیح موجود ہے۔ اور ایسا کلام خاص فصیح اور بلخ آواز  
مہذب سے ہو سکتا ہے۔ اور لفظ خیر اور شر یعنی نیک اور بد کی خبر سے مضمون ہو جاتا ہے کہ خیر  
کس میں ہے اور شر کس میں ہے یعنی وہ مضمون یہی ہے کہ اُنکی جگہ نیک بدل دیئے جائیں اور  
میرے جگہ بد بدل دیا جائے۔ جبکہ مفہوم بہ شان ضد یہ ہو گا کہ وہ لوگ یہ ہیں اور میں نیک ہوں  
حالانکہ اُنکے نسبت لفظ بد اور اپنی نسبت لفظ نیک کا استعمال نہیں کیا بلکہ اُنکے مقابل کو یہ لفظ نیک  
اور اپنے مقابل کو یہ لفظ بد استعمال کیا۔ کہ جس سے خاتمہ بلاغت اور فصاحت اور صنعت تضاد  
اور تہذیب و اخلاق کا ہو گیا۔

مستشف غائب نے جن دو کلاموں علی مرتضیٰ کا جزو لے کر ترجمہ کیا ہے۔ میں اُن  
پورے کلاموں کا ترجمہ کرتا ہوں۔ تاکہ اوس جزو کلام میں جس طرف خطاب ہے۔ اوس کا منشا  
اور یہ کہ کن لوگوں کی طرف وہ خطاب ہو یا سنی سمجھ میں آجائے۔

## ترجمہ کلام علی مرتضیٰ اول

پس از حمد و نعت تمھیں معلوم ہو کہ جہاد ایک دروازہ دروازہ ہے جنت سے ہو  
خداوند عالم نے اسے اپنی مخصوص دوستوں کے واسطے کشادہ فرمایا ہے۔ اور جہاد پر بہتر گاری  
کی کوشش ہے اور خداوند عالم کی مضبوط اور مستحکم زرہ ہے دینے دین خدا کی اور اسکی سچھکر  
اور استوار ہے۔ پس جو شخص اسے نفرت کی نگاہ سے چھوڑ دیکھا خداوند عالم اسے پوشاک  
ذلت پہنا دینگا۔ اور بلا و مصیبت اور سکو گھیر لگی اور ذلت و خواری کے ساتھ وہ شخص  
بے غیرت ہو جاوے گا۔ اور اس کے دل پر بے عقلی اور جہالت کی مار پڑے گی۔ اور حق و راستی  
اوس سے پھیر لی جاوے گی یہ سبب ضائع کرنے اس جہاد کے۔ اور ملگی اوسے ذلت اور باز  
رکھا جائے گا وہ شخص انصاف سے۔ آگاہ ہو کہ میں نے ممکن ان لوگوں سے لڑنے کے واسطے شہداء  
روز را و بر بلا اور پوشیدہ طور پر دعوت کی اور تم سے کہتا رہا کہ تم ان لوگوں سے لڑو  
قبل اسکے کہ یہ تم سے لڑیں۔ کیونکہ قسم بخدا انہیں لڑی کوئی قوم کبھی اپنے گھر کے اندر مگر یہ کہ  
ذلیل ہوئے پس تم لوگوں نے ایک دوسرے پر ٹالا اور ایک فرد دوسرے کو چھوڑ دیا۔  
یہاں تک کہ تمھارے یہاں لوٹ پڑ گئی۔ اور تمھارے وطن چھین لیے گئے۔ اب دیکھو  
کہ یہ برادر غلام (معاویہ) کا لشکر اُتار میں اُتر رہا ہے اور اسنے حسان بن حسان بکری کو قتل کر  
ڈالا اور تمھارے لشکر دن کو سیکڑنیوں کے مقام سے ہٹا دیا اور مجھے خبر ہے کہ انہیں کا ایک  
ایک شخص زن مسلمان اور ذمیہ کے پاس جاتا ہے اور اس کے لنگن اور چھانگل اتار لیتا ہے  
ملعون تلوار کوکتے ہیں جو میان میں رکھی ہوا درگوا یہ معاویہ برہنہ شمشیر کی ضد میں ہوا

اور وہ اپنے آپ کو اوس سے ہرگز بچا نہیں سکتی مگر گڑگڑا کے پورا ناک لینے سے اور جھبشمش چاہنے سے۔ اس کے بعد وہ لوگ سح مال بسیار لوٹ گئے۔ ان میں سے ایک شخص کو بھی زخم نہ لگا۔ اور نہ کبھی کا ان میں سے خون بہایا گیا۔ بس اگر کوئی مرد مسلمان اس ظلم عظیم کے بعد اس رنج و اندوہ میں مر جائے تو وہ شخص لائق ملامت نہیں ہے۔ بلکہ وہ سزاوار مرگ ہی۔ کتنا بڑا مقام تعجب کا ہے وہ تعجب جو قسم بخدا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور رنج و ملال کو کھینچ لاتا ہے اس امر کو دیکھا کہ یہ لوگ کس قدر اپنے ہل پر مجتمع ہو گئے ہیں۔ اور تم لوگ اپنے حق پر تفریق و پر لگندہ ہو۔ پس بد حال ہو تمھارا۔ اور نکو صدمہ و ملال نصیب ہوے کہ تم لوگ ہدف بن گئے ہو تیروں کا۔ تمھارا مال لوٹا جاتا ہے اور تم نہیں لوٹتے۔ اور تم سے لوگ جنگ کرتے ہیں اور تم نہیں جنگ کرتے۔ اور خدا کی نافرمانی کیا تھی ہے اور تم راضی ہو۔ جب میں تم سے سو تم گرامین ان کی طرف چلنے کو کہتا ہوں تو تم کہتے ہو کہ سُرخی گرمی کی جوش میں ہے۔ آپ استعد ہو مہلت دیں کہ گرمی تیر جائے۔ اور جب جاڑے میں ان کی طرف چلنے کو کہتا ہوں تو کہتے ہو تم کہ اب سخت ٹھہر ہو گئی ہے۔ آپ مہلت دیں کہ ہمیں سردی گزر جاوے۔ یہ سب حذر جاڑہ اور گرمی سے بھاگنے کے لیے ہیں پھر جب تم اگر جاڑہ اور گرمی سے بھاگو ہو تو تم بخدا نکو اس سے زیادہ بھاگو گے۔ تم لوگوں کی شکل مردوں کی ہے مگر مرد نہیں ہو تمھارا۔ فکرین لڑکوں کی سی فکرین ہیں اور مرد نہ سینوں کی سی عقلین ہیں۔ اسے کاش میں نے تمہیں دیکھا نہ تھا۔ اور تمہیں بچانا نہ ہوتا۔ اس بچانے سے۔ قسم بخدا۔ مجھے سخت شرم نہ لگی۔ ہو پچی۔ اور رنج و غم حاصل ہوا۔ خدا تمہیں ہلاک کرے تم لوگوں نے میرا دل پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غیظ و غصہ سے پر کر دیا۔ اور ہوسان میں تم مجھے رنج و ملال کے گھونٹ پینے کو دیتے ہو۔ اور اپنی نافرمانی اور ترک رہنے سے تمہیں میری رے کو بالکل بگاڑ دیا۔ یہ نہانک کہ قریش کہنے لگے کہ پسڑا طالب مرد شجاع ہے۔ مگر نانا نہیں جانتا خدا کرے کہ ان کے باپ اچھے رئیس آیا ان میں سے کوئی ایسا ہے جو مجھ سے بڑھکر جنگ کا علاج و تدبیر جانتا ہو۔ اور

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَكُمْ أَذِقِلْ لَكُمْ أَنْفِرُوا  
 فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا قَلَّمَ لَكَ الْأَرْضُ طَائِفَةً  
 بِأَحْيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَاستَأْذِنْ  
 الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ الْآخِرَةُ أَكْثَرُ  
 تَنْفَرُوا وَيُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَلَا يَسْتَبْدِلْ قَوْلًا  
 غَيْرَ كُمْ وَلَا تَنْفَرُوا شَيْئًا وَلَا تَسْتَبْدِلْ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ  
 بِمُقَابَلَةٍ آخِرَةٍ كَيْسَ لَا يَسْتَبْدِلْ قَوْلًا  
 (جہاد کو) عذاب دیکھا تمکو عذاب دردناک اور بدل دے گا قوم غیر تمہاری۔  
 (اگر تم ایسا نہ کرو گے) کچھ مفرّت خدا اور اسکے رسول کو نہیں ہوگی خدا ہر چیز  
 پر قادر ہو (سورہ توبہ) اور اسی حالت کے متعلق سورہ انفال میں یہ آیت  
 موجود ہو۔

كَمَا أَخْرَجَكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَ  
 إِنَّ فِرْعَانَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَا رُحُونَ  
 يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا بَيَّنَّ كَا تَمَّا  
 يَسْأَلُونَ لِمَ قُتِلَ الْوَلَدُ وَهُمْ نَافِرُونَ  
 وہ تجھے حتیٰ بات میں جدا کر سکے کہ ظاہر لگتی گویا کہ وہ لوگ گھسیٹے جاتے ہیں  
 طرف موت کے درحالیکہ وہ دیکھتے ہیں

یہی حالت قوم کی عہد خلافت علی مرتضیٰ بن بعد جنگ صفین و نہروان  
 ہو گئی تھی جسکا ذکر اٹھنوں نے ان دونوں خطبوں میں فرمایا ہو۔ اور یہ وہی  
 حالت ہی جو حالت پیغمبر کی صحابہ اور مسلمانوں کی آخر عہد پیغمبر میں ہو گئی  
 تھی اور علی مرتضیٰ کے یہ دونوں خطبے آیات قرآنی سورہ انفال اور سورہ نو

عہد جاہلیہ آخرت کے



سے مقتبس ہیں۔ علی مرتضیٰ نے ان خطبات میں قوم کو ترغیب جہاد کی دی ہو اور بوجہ غصہ اور افسردگی کے جو قوم کیطاف سے علی مرتضیٰ کو پہنچی تھی علی مرتضیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ: ”جنگو عوض میں انکے نیک لوگ دے اور انکے لیے میرے عوض میں بد شخص قرار دے“ یہ وہی حالت اور وہی مضمون ہو جسکا ذکر خدا نے آخر عہد پیغمبر میں سورہ برات میں فرمایا ہو جسکو ابھی ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ قوم کی وہی حالت آخر عہد علی مرتضیٰ میں ہوئی اور وہی قوم کے لیے بدل جانا ملے مرتضیٰ نے خدا سے چاہا کہ جو خدا نے آخر عہد پیغمبر میں قوم کو آگاہ کیا تھا۔ کہ میں تمکو بدل دوں گا۔ پیغمبر نے سچ فرمایا ہو کہ علی قرآن کے ساتھ ہو اور قرآن علی کے ساتھ“

اب میں یہ سوال کرتا ہوں کہ پیغمبر کے وقت میں وہ قوم جو سلوک پیغمبر سے کرتی تھی اُس سے کیا یہ لازم آتا ہو کہ پیغمبر نے وقت بیعت کے اُن لوگوں کی نسبت غلط قیاس یا غلط فہمی کی تھی یا پیغمبر کو دھوکا ہو گیا تھا؟۔ اگر یہی امر نسبت پیغمبر کے لازم آتا ہو تو اُسی امر کے لزوم سے علی مرتضیٰ کی نسبت جیسا مصنف مخاطب عائد کرنا چاہتے ہیں ہلکے کچھ عذر نہیں ہو کہ ہلکے علی مرتضیٰ کی اسوۂ پیغمبر کے ساتھ مقصود ہو۔ لیکن ہلکے یقین ہو کہ پیغمبر پر کوئی مسلمان ایسا الزام نہیں لگا سکے گا۔ اُس ہر عمل پیغمبر کے جو سلوک قوم کے مقابلے میں پیغمبر وقوع میں لائے تھے۔ بلکہ ہر عمل پیغمبر کو ہر مسلمان امر شرعی اور کم سے کم سنون سمجھے گا۔ ویسے ہی علی مرتضیٰ کے ہر عمل کو جو کچھ اُنھوں نے اپنے ہر ایک نامے میں کیا اُسی کو واسطے قیام امر شرعی واجب یا مستثنیٰ سمجھے گا۔ یقین کرنا چاہیے کہ کسی قوم کی حالت سوائے مصلوم کے ہر وقت یکساں نہیں رہتی ہو اسکے خلاف ہمیشہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور واقعات و اتفاقات زمانہ قوم کی حالت اور

خیالات کو متغیر کر دیتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ وَاَيُّوْمُ حَتّٰى يُغَيِّرَ وَاَبْلَغْنٰهُمْ۔ کہ خدا کسی قوم کی حالت کو متغیر نہیں کرتا جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت کو آپ متغیر نہ کرے پس ایک وقت کی حالت ہے دوسرے وقت کی حالت پر یا امام معصوم پر یہ الزام نہیں ہو سکتا کہ اُس نے کسی وقت غلط قیاس یا غلط فہمی قوم کی حالت درست کرنے میں کی کسی قوم کی حالت جب متغیر ہو جائے گی تو نبی اور امام اوس کی ہر حالت کو سمجھ لیگا یعنی جو وقت جو حالت ہوگی اُس وقت وہی حالت اوسکی سمجھ کر ہر حالت کے لحاظ سے حکم دے گا۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد مصنف مخاطب کی یہ مثال کہ نبیت خلافت کے وقت علی مرتضیٰ کا خیال غلط تھا یا اُن کو دھوکا ہو گیا ہرگز صحیح نہیں سمجھی جاسکتی۔

مصنف مخاطب اسی مثال میں علی مرتضیٰ کے ساتھ بیعت کرنے والوں اور انکی اطاعت کرنے والوں کی نسبت جو یہ فقرہ لکھتے ہیں کہ ”اُنھیں کیوجہ جناب امیر اوس ظلم و جور کے باقی رکھنے پر مجبور ہوئے جسکا ذکر اوپر ہو چکا“ مصنف مخاطب نے اعتراض جو ر و ظلم کے باقی رکھنے کا ایک خطبہ علی مرتضیٰ سے اپنی رسالہ جلد اول میں کیا تھا چسپور پوری بحث ہمارے رسالہ روشنی ضمیمہ اول جلد صفحہ ۷۷ پر موجود ہے۔ اور ہمیں شک نہیں کہ علی مرتضیٰ نے اپنے خطبے میں بہت کچھ اُن امور کا ذکر فرمایا ہو کہ جو عہد خلفائے ثلاثہ میں خلافت شرع پیغمبر کے طور میں آئے تھے لیکن علی مرتضیٰ اصلاح ان امور کی نہیں کر کے کہ اُن کے خلیفہ قبول ہونے کے بعد فوراً مخالفتوں اور دشمنیوں اور بغاوتوں نے علی مرتضیٰ سے لڑائیاں شروع کر دیں اور علی مرتضیٰ کو وہ وقت نہیں مل سکا کہ اُن مخالفتوں اور بغاوت کو پورا فرو کر سکیں کہ خود قتل ہو گئے۔ اس لیے صرف

اُسین لوگوں نے نہیں کہ جنھوں نے حضرت عثمان پر بلوہ کیا تھا اور پھر علی مرتضیٰ کو خلیفہ قبول کیا۔ علی مرتضیٰ کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا ہو کہ علی مرتضیٰ کو اُسی جو دستور کے باقی رکھنے پر مجبور کیا بلکہ اُن کل لوگوں پر الزام ہو کہ جنھوں نے علی مرتضیٰ کی خلافت کو قبول نہیں کیا یا قبول کر کے انحراف کیا اور علی مرتضیٰ کو جنگ کرنے اور بغاوت کے فرد کرنے پر مجبور کیا وہ سب لوگ مانعین صلح اُن امور کے ہیں کہ جو عہد خلفائے ثلاثہ میں خلافت شرع ظہور میں آئے تھے اگر وہ سب لوگ خلافت علی مرتضیٰ کو قبول کر لیتے اور بعد قبول خلافت علی مرتضیٰ کے انحراف نہ کر کے کسی قسم کا فتنہ و فساد برپا نہ کرتے تو علی مرتضیٰ اصلاح اُن امور کی فرما سکتے جب ملک اور انکی خلافت کا فتنہ و فساد دسویں پاک ہو جاتا اور بعد رفع بغاوت کے ملک میں امن ہو جاتا تب اصلاح اُن امور کی ہو سکتی تھی۔

مصنف مخاطب ایک شال غلطی اور دھوکہ کھانے علی مرتضیٰ کی اُس وقت کی پیش کرتے ہیں جب جنگ صفین میں لشکر معاویہ کی طرف سے قرآن علمین میں باندھ کر دکھائے گئے۔ مصنف مخاطب یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ”اُسین یہ شال تھا کہ اسے مسلمانوں آپس میں لڑوا اور کسی کو ثالث مقرر کر دو جو قرآن کے جوہر فیصلہ کر دے۔ اُس وقت ابتدا میں جناب امیر کی رائے یہ تھی کہ ہرگز ثالثی نہ کیا دے اور غضب میں آکر آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ کلمہ حق زبان سے اُٹھ کر اُس سے باطل مراد لیتے ہیں۔ اور تمام لشکر سے آپ نے فرما دیا کہ ہرگز ثالثی پر راضی نہ ہوتا چاہیے اِس رائے کے ظاہر کرنے کے بعد جناب امیر کی (جو باحق و شیعہ خطای اجہنادی سے بھی معصوم تھے) رائے بدلی۔ اور ثالث مقرر کرنے پر راضی ہو گئے بعض بعض خیالات سے دھوکا کھاکر جو

مجھے زیادہ سحر کہ جنگ میں ثابت قدم ہو میں اُس زمانے میں جنگ کے واسطے کھڑا ہوا تھا کہ جب میں سال کا بھی نہ تھا۔ اور اب ساٹھ برس سے زیادہ میری عمر آچکی۔ لیکن اصل یہ ہو کہ جسکی بات نہ مانی جائے اُسکی رائے کیا ہے؟

## ترجمہ کلام دوم

یہ اور یہ خطبہ اُن علیہ السلام کے خطبوں میں سے ہو جبکہ آپ کو متواتر خبریں پہنچتی رہیں کہ اصحاب معاویہ شہروں پر غلبہ حاصل کر رہے ہیں۔ اور دو عامل جو حضرت کے یمن میں تھے ایک عبید اللہ بن العباس اور دوسرے سعد بن مزان۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جبکہ بُسر بن ارطاہ ان دونوں شخصوں پر غلبہ پا چکا تھا اسوقت حضرت نہایت بیچینی کی حالت میں بوجہ اسکے کہ حضرت کے اصحاب بھادین سستی کرتے تھے اور حضرت کی رائے سے مخالفت کرتے تھے۔ بمرکزِ طاقت لگتے اور فرمایا کہ کیا چیز رہ گئی ہے میرے پاس سوائے کوفے کے۔ اُسکو سمیٹنا ہوں اور اُسکو پھیلاتا ہوں۔ اگر تو (کوفہ) نہوتا میرے لیے۔ مگر تو ہے۔ کہ تجھ میں آذنیان چلا کرتی ہیں۔ پس خدا سے تعالے بد حال کرے نکھے۔ پھر حضرت نے بطور مثال فرمایا (مضمون شعر) قسم ہو نیک زندگی تیرے باپ کی لے عمر و تحقیق کہ میرے پاس قبیل چکنائی لگا ہوا برتن رہ گیا ہو۔ مجھے خبر ملی ہو کہ بُسر بن مزان آ گیا ہو۔ اور قسم بذاتِ خدا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہو کہ دولت تم لوگوں سے کلکار اُن لوگوں کو بھائے گی۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے باطل پر مجتمع ہو گئے ہیں اور تم اپنے حق سے متفرق ہو۔ اور تم لوگ اپنے امام کی نافرمانی حق بات میں کرتے ہو۔ اور وہ لوگ اپنے امام کے امر باطل میں فرمانبردار ہیں۔ اور وہ واسطے امانت کرتے ہیں اپنے صاحب کی۔ اور تم خیانت کرتے ہو اور وہ اپنے شہروں میں اصلاح کرتے ہیں اور تم فساد کرتے ہو۔

پس اگر میں تم میں سے ایک شخص کو چوبی پیالے کے واسطے بھی امین قرار دوں تو مجھ خوف ہو کہ اسکا بندھن تک نہ لے اوڑھے۔  
 پروردگار! مجھے ان لوگوں نے تنگ کر دیا ہو اور یہ مجھے تنگ ہو گئے ہیں۔ اور میں انکو ستوہ میں لے آیا ہوں اور یہ مجھے ستوہ میں لے آئے ہیں۔ پس مجھ انکے عوض میں ان سے نیک لوگ عنایت فرما۔ اور انکے لیے میرے عوض میں شخص قرار دے۔ خداوند! انکے دونوں کو مردہ کر دے جیسے تک پانی سے گل جاتا ہو۔ قسم بخدا مجھے متا ہو کہ میرے پاس تمہارے عوض میں ہزار سوا قبیلہ بنی فرس کے ہوتے (یہ خاندان شجاعت کے واسطے مشہور ہو۔ اور یہ شعر چھام اسوقت اگر تم بلا لیتے تو ان (بنی فرس) لوگوں میں سے تے سوار تمہاری پاس دوڑتے آتے جیسے گرمی کے بادل نہایت تیزی کے ساتھ دل کے دل دوڑتے چلے جاتے ہیں۔“

جو واقعات تاریخ بنی ہمنے ابھی اوپر لکھے ہیں اور جن پورے دو خطبوں کا بھی ترجمہ ہمنے تحریر کیا ہو کہ جن میں سے ایک ایک فقرہ مصنف مخاطب نے لیا ہو۔ ان واقعات اور علی مرتضیٰ کے خطبات کو دیکھنے سے ظاہر ہو جاتا ہو کہ وقت ہجوم بیت کا علی مرتضیٰ پر اول تھا۔ اور جسوقت قوم کی حالت علی مرتضیٰ نے ایوان دونوں خطبوں میں فرمائی ہو اور انکو جنگ کو لیے ہمدید اور اپنی نصرت کے لیے ترغیب دی ہو وہ وقت اخیر ہو۔ اور یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہو کہ جس قوم کو کہ ہمدید اور ترغیب فرمائی ہو وہ قوم اسوقت اسقدر بہنیں تھیں کہ جسقدر نے مدینے میں علی مرتضیٰ سے بیعت کی تھی بلکہ علی مرتضیٰ کے قبول خلافت اور اطاعت میں بعد کو اور بھی ایک جماعت کثیر داخل ہو گئی تھی اور ان دونوں خطبوں میں اگلے اور پچھلے کل قوم سے خطاب ہو۔ یہ سچ ہو کہ علی مرتضیٰ پر مدینے میں بیعت کرنے والوں نے ہجوم کیا تھا اور

ضمنی بیعت میں اقرار نصرت کا داخل ہوتا ہوا اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اس وقت  
 علی مرتضیٰ کو خلیفہ قبول کرنے کے لیے اس قدر اور ایسے لوگ جمع ہو گئے تھے کہ علی  
 مرتضیٰ پر قبول خلافت کے لیے حجت پوری ہو گئی تھی اور اس حجت پوری ہوجانے  
 نے علی مرتضیٰ کو قبول خلافت پر مجبور کر دیا تھا اور اس حجت کے پورا ہونے پر  
 نہ علی مرتضیٰ کو شبہ ہو سکتا تھا اور نہ دعو کہ سمجھا جا سکتا تھا۔ وہ لوگ کسی ایسی  
 بدحواسی کے ساتھ بیعت کے لیے نہیں آئے تھے کہ جیسے یہ گمان اُس کے کہ بخون  
 نے علی مرتضیٰ کی قابلیت خلافت کو نہیں سمجھا تھا۔ ان میں ایسے لوگ بالخصوص بھی  
 شامل تھے کہ جو ہر زمانے میں علی مرتضیٰ کو مستحق خلافت سمجھتے تھے اور بالعموم اس وقت  
 علی مرتضیٰ سے بہتر کسی دوسرے میں قابلیت خلافت کی نہیں جانتے تھے اور اسی  
 وجہ سے بنظر حالت اس وقت کے ان لوگوں کے دلون کے شوق اور جوش اصرار  
 نے قبول خلافت کے لیے علی مرتضیٰ پر ہجوم کرایا۔

ایسے شخص کی طرف جو پہلے سے بیدل ہو کر گوشہ نشین ہو چکا تھا ایسے جوش  
 بیعت کو مصنف مخاطب ایسی بدحواسی ان لوگوں کی قرار دیکر علی مرتضیٰ پر یہ  
 الزام لگانا پابستہ بہن کہ انکو دھوکا ہو گیا۔ لیکن جو کوئی کہ حقیقت حالت اور دعو  
 پر نظر کرے گا وہ کبھی مصنف مخاطب کا ہم داستان نہیں ہو سکتا۔

اس وقت کی حالت قطعی ایسی تھی کہ علی مرتضیٰ کے خلیفہ قبول کرنے کا لوگوں  
 کے دلون میں ایسا ہی جوش تھا کہ جس سے بیعت کے لیے وہ ہجوم ہوا۔ اور اس وقت  
 باعتبار اس حالت ظاہری کے لوگ کسی کے باطن میں کوئی دوسری بات ہو لیکن امر  
 شریعت پیغمبر کے حجت کے پورا ہوجانے کی وجہ سے علی مرتضیٰ ایسے مجبور تھے کہ سوچ  
 قبول خلافت کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ بعد اُس کے اگر قوم کی حالت متغیر ہو گئی  
 اور خود قوم نے اپنی حالت کو متغیر کیا اور خلیفہ برحق اور باصلاح کے خلافت

امیر شریعت پیغمبر کی نافرمانی کی یا اس کے حکم کی تعمیل میں سستی اور کاہلی کرنے لگے جیسا کہ واقعات تاریخی سے اور ان دونوں خطبہ میں علی مرتضیٰ سے ظاہر ہوتا ہو تو اس سے وقت ہجوم بیعت کے علی مرتضیٰ کے فہم اور فعل پر کوئی غلطی وارد نہیں ہو سکتی۔

پیغمبر نے بھی یہ ہی کیا تھا۔ کہ اول جو کوئی پیغمبر کی رسالت کو قبول یا اونکی رسالت کا اقرار کر کے بیعت کرتا تھا وہ اس کو اپنے زیر اطاعت سمجھ کے اور اپنے ساتھ لیکر دشمنوں سے مقابلہ کرتے تھے گو کسی کے دل میں کوئی دوسرا امر بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ نفاق اور منافقوں کی علانیہ خبر قرآن میں دی گئی ہو لیکن پیغمبر منافقوں اور منافقوں کو ساتھ لیکر براہر دشمنوں سے لڑتے رہتے تھے اور تنہا نہ رہتے۔ پہونچتی تھی کہ معرکے کے وقت وہی لوگ جنہوں نے پیغمبر کی رسالت کا اقرار یا پیغمبر کی رسالت اور اطاعت کو بیعت کر کے قبول کیا تھا میدان جنگ میں پیغمبر کو چھوڑ دیتے تھے یا پیغمبر سے جدا ہو جاتے تھے جیسے کہ عبد اللہ بن ابی سلول مع جماعت سواروں کے پیغمبر سے علاحدہ ہو گیا تھا۔ با اینہم جو لوگ کہ میدان جنگ میں پیغمبر کو چھوڑ جاتے تھے اور وہ پھر زیر اطاعت پیغمبر آتے تھے اور کبھی پیغمبر دربارہ بیعت کے تجدید کرتے تھے یا جو لوگ ہمارا یہاں پیغمبر سے جنگ کے دشمن سے مقابلے کے لیے نہیں نکلتے تھے یا جنگ کے جانے سے انکار کر دیتے تھے ایسے سب لوگوں کو دوسرے موقع پر پیغمبر دشمن سے مقابلے کیلئے پھر ساتھ لیجاتے تھے۔ اور آخر زمانے میں بعد فتح حنین اور طائف کے جب پیغمبر نے قصد جہاد روم کا کیا تو پیغمبر کے اطاعت والوں کی یہی حالت ہو گئی تھی کہ وہ جنگ کر لیے آمادہ نہیں ہوتے تھے اور دل چراتے تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہو۔

جناب ایئر نے اپنی رائے بدل دی اور ثالثی مقرر کر دی۔ یہ جناب ایئر کی مری بھاری غلطی تھی جسکے نتیجے میں جناب ایئر کے لشکر میں سے ایک گروہ خارجی ہو گیا اور یوں کہنے لگا کہ پہلے تم نے ہکو ثالثی مقرر کرنے سے منع کیا تھا اب ثالثی پر راضی ہونے کا حکم کرتے ہو۔ اب ہم نہیں جانتے کہ تمہاری پہلی رائے صحیح تھی یا دوسری رائے بہتر ہو۔ مگر اس رائے بدلنے اور ثالثی مقرر کرنے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ تمکو خود اپنی امامت میں شک ہو، اور نہج البلاغہ سے مصنف کی طب ایک فقرہ سند میں لاتے ہیں کہ ”اسوقت جناب ایئر نے کفِ افسوس ملکہ یہ فرمایا۔ یہ ہو سزا اور ملکی جسے چھوڑی رائے مستحکم“

مصنف مخاطب شام میسم کا یہ قول بھی لکھتے ہیں کہ جناب ایئر کی رائے بدلنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اصحاب جناب ایئر سے ایک گروہ ثالثی مقرر کرنے پر ایسا اصرار کرتا تھا کہ اُس نے جناب ایئر سے یہ کہا کہ اگر تم ثالثی مقرر نہ کرو گے تو ہم تمکو ایس طرح قتل کر دیں گے جیسے ہمنے عثمان کو قتل کر دیا۔ پس جناب ایئر نے اپنی رائے چھوڑ کر انھیں کی رائے اختیار کی۔“

اسکے بعد مصنف مخاطب یوں اعتراض وارد کرتے ہیں کہ ”جب خلیفہ مفسدون کی دھکیون سے ایسا ڈر جائے تو اس سے خلافت کا نظام کیا ہو سکے۔ کثرتِ فضائل و مناقب دوسری چیز ہے اور انتظام ملک اور تدبیر جنگ دوسری چیز ہو۔ میں کچھ شک نہیں کہ جناب ایئر کے قلب منور پر کیفیات باطنی کی تجلیات ایسی غالب تھیں کہ وہ ہمہ تن انھیں مشاہدات میں مجھ تھے اور انکی رائے کی جتنی قوت تھی وہ اسی میں مصروف تھی خلافت زبردستی انکے سر پر ڈالی گئی جس سے وہ بچنا چاہتے تھے ایسوجہ سے انکے احباب نے جو انکے حالات سے بہت اچھی طرح واقف تھے ابتدا



میں خلافت کی مصیبت سے اُن کو بچایا تھا وہ جانتے تھے کہ جناب امیرؒ کی حالت کے مناسب یہی ہو کہ کیفیات باطنی اور مشاہدہ انوار قدس کی اونکو پوری فرصت اور آزادی دیجائے اور انتظامی معاملات میں غفلت نہ جائے۔ چنانچہ یہ رائے صحابہ کی ایسی صائب تھی جس کا نتیجہ اس شخص پر بہت اچھی طرح ظاہر ہو گا جس نے خلفائے ثلاثہ کے عہد حکومت اور کثرت فتوحات کا مقابلہ جناب امیرؒ کے عہد خلافت کے واقعات سے کیا ہو گا۔ جناب امیرؒ نے جو اپنی رائے بدلی اور مفسدون کے دھمکانے سو ڈر گئے اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ وہ قاتلان عثمانؓ کے ہاتھ میں کیسے مجبور تھے مصنف مخاطب نے جس خطبہ علی مرتضیٰ سے ایک فقرہ لیکر اپنے اعتراض کو رونق دینا چاہا ہو اس پر اسے خطبہ کا مین ترجمہ کہتا ہوں تاکہ یہ امر آسانی سے معلوم ہو جاوے کہ اس فقرے کے سبب حضرت مخاطب سندھ لائے ہیں کیا معنی ہیں اور کس سے مراد ہے کہ تیر ہی جزا ہو، ہو سکی۔ چھوڑی رائے مستحکم اور اس پر اسے خطبہ کے مفسدون نے حقیقت غلطی اختیار کیا۔ مصنف مخاطب کی کس معلوم ہو جاوے گی اور یہ بھی ظاہر ہو جاوے گا کہ علی مرتضیٰ نے جو وقت جو کچھ فرمایا اور کیا وہ بحالت تغیر قوم کے تھا اور اس بہتر اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

## ترجمہ خطبہ علی مرتضیٰ ۲

حضرت علیہ السلام کا ایک سخن ہو جبکہ ایک شخص حضرت کے اصحاب کے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ آپ نے حکم مقرر کرنے سے ہکو منع فرمایا اور پھر اس کا حکم امر کیا اب ہم نہیں جانتے کہ دونوں امروں میں سے کونسا زیادہ روبرو

لاسٹے والا ہے۔ پس حضرت علیہ السلام نے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا کہ آواز آئی (انہارا فوس کے لیے) پھر فرمایا کہ یہ سزا ہو اُس شخص کی جو کہ مستحکم کو چھوڑ دے۔ آگاہ ہو قسم بخدا اگر میں تمکو اُس کام کرنے کو کہتا جسکا میں نے تمکو حکم دیا تھا۔ تو میں تمکو ایسے امر ناپسند یہ کہے بوجھ کو تمہاری پشت پر سر پر رکھتا جسین خدا نے نیکی قرار دی ہو۔ پس اگر تم استقامت ظاہر کرتے تو میں تمکو راہِ راست دکھا دیتا اور اگر تم کچی کرتے تو تمکو میں سیدھا کر دیتا۔ اور اگر تم انکار کرتے تو میں تمہارا تدارک کرتا ایسی حالت میں یہ کام استوار ہو جاتا۔ لیکن یہ کام کسکی مدد سے کر دن اور کس سے مدد چاہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سے اسکا علاج کروں حالانکہ تم خود میرے لیے درد ہو۔ جیسے کہ کوئی کانٹے سے کانٹے کو نکالنے والا ہو در حالیکہ وہ جانتا ہو کہ وہ کانٹا اس کانٹے کیطرت ہم پہلو جو رکھا ہی (یعنی کانٹے کو کانٹے سے نکالنے میں جو رکھا ہو گا۔ ایک کانٹے نے بدن میں چھب کر جو رکھا ہی دوسرا کانٹا اُس کانٹے کے نکالنے کے وقت چھبے گا اور جو رکھے گا) بار خدا۔ اس درد کا تھکاہ کے علاج سے اظبا تنگ آگئے اور پانی پھینچنے والا اس گہرے کنوئین کی لمبی رسیوں سے عاجز آ گیا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جنکو اسلام کی دعوت کی گئی اور انھوں نے اوسکو قبول اور قرآن کی تلاوت کی تو اوسکے عل کو ستلار کیا اور جہاں کیطرت رغبت دلائی گئی تو اونکو اُس سے ایسی محبت ہو گئی جیسے کہ حاملہ عورتوں کو بچوں کے پیدا ہونے کی ہوتی ہی۔ انھوں نے اپنی تلواریں نیاموں سے نکال لین اور گر وہ در گر وہ وصف در صف ہو کر اطراف زمین کو لے لیا بعض ان میں سے مارے گئے اور بعض انہیں سے ہلاک ہوئے اور بعضوں نے نجات پائی۔ زندوں کو تنہیت نہ دی گئی

اور مردوں کی تعزیت نہ کی گئی کہ آنکھیں روتے روتے بے آب ہو جائیں۔ روزہ رکھتے رکھتے پیٹ اونکے لگ گئے اور دعائیں مانگتے مانگتے لکڑیوں کے اونکے پڑمردہ ہو گئے اور بیداری سے رنگ اُنکے زرد پڑ گئے اُنکے چہروں پر گرد و فروتنی پڑی ہو تھی۔ وہ لوگ میرے بھائی تھے جو گزر گئے اور ہکو سزاوار ہے کہ ہم اونکے لیے پیاسے ہون اور اونکی جدائی پر اپنا پشت دست دانتوں سے کاٹیں۔ بیشک شیطان تمہارے لیے ایک طریقہ درست کر رہا ہے اور تمہارے دین کی گرہیں کھول رہا ہے اور تمہاری جماعت میں تفرقے کے پھندے دے رہا ہے پس سمجھو تم اور اُسکے دوسروں اور مشرکوں سے روگردانی کرو اور قبول کرو نصیحت اپنی خیر خواہی کی بہت اُس شخص سے جو تمکو راہ راست دکھاتا ہو۔ اور اپنی گانٹھ میں اوسکی بات باندھ لو۔“

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جسوقت تک کہ جب بمشورہ اور حیلہ حضرت معاویہ اور عمرو عاص کے لشکر حضرت معاویہ کی طرف سے قرآن علیوں میں باندھ کر دکھائے گئے اُسوقت تک قوم اور جماعت علی مرتضیٰ کے ساتھ تھی وہ ایسی زیر اطاعت علی مرتضیٰ کے تھی کہ باغیوں سے اور دشمنوں سے یہاں تک جنگ کر رہی تھی کہ باغیوں اور دشمنوں کو اپنے مغلوب ہو جانے کا سخت اندیشہ ہو گیا تھا اور اُس وقت تک حالت قوم کی جو علی مرتضیٰ کے ساتھ تھی اُسکی نسبت یہ بھی یقین ہو سکتا تھا کہ وہ برابر زیر اطاعت اور فرمان اپنے امام اور خلیفہ کے رہے گی آپسے کہ وہ قوم ایسا سخت کام کر رہی تھی کہ جس سے زیادہ کوئی دوسرا کام دشوار نہیں ہو سکتا تھا کہ قتل کرنا اور قتل ہونا۔ کسی کی جان کو ختم کرنا

اور اپنی جان کا صرف کرنا نہایت اہم ہے لیکن جسوقت کہ لشکر حضرت معاویہ کی طرف سے یزید پر قرآن باندھ کر دکھائے گئے اُسوقت ایک جماعت کثیر اُس قوم نے جو علی مرتضیٰ کے ساتھ تھی خلافت یقین اور غرضت اپنی حالت کو متغیر کر لیا اور اطاعت و فرمان علی مرتضیٰ سے باہر ہو گئی جیسے کہ کسی مسلمان یا اگر وہ مسلمان کی نسبت عموماً یقین کامل ہو کہ وہ برابر مسلمان اور اپنے مذہب پر رہے گا اور کسی وقت رسول یا امام اور خلیفہ دبر حق کہی بادشاہ کی اطاعت سے کوئی گروہ فوجی باہر نہوگا اور وہ دفعتاً اپنی حالت کو متغیر کر کے اپنے طریقے سے مُرتد یا اپنی مطاع سے مغرور ہو جائے جسکی مثالیں خود عہدِ پیغمبر اور خلفاء اور شاہانِ مملکت میں پائی جاتی ہیں۔

اوس حصہ جماعت قوم نے جو علی مرتضیٰ کے ساتھ تھی۔ دفعتاً جبکہ لشکر حضرت معاویہ کی طرف سے قرآن یزید میں باندھ کر دکھائے گئے۔ تو اپنی حالت کو یوں متغیر کیا کہ باہم مسلمانوں کے جنگ بند کیجائے اور حکم و دونوں طرف سے مقرر ہو کر فیصلہ کر دے۔ اور علی مرتضیٰ نے بہت سختی سے انکے ہدایت اور اپنی رائے مستحکم ظاہر فرمائی کہ باغی اور مخالفت لوگ کلمہ حق زبان سے کہہ کر اوس سے باطل مراد لیتے ہیں یہ قصود انکا کتاب خدا پر عمل سے نہیں ہو بلکہ جنگ تنگ آ گئے ہیں اور میں اونسے لڑوں گا جب کہ وہ حکم خدا پر راضی نہو جائیں۔ لیکن اس جماعت نے علی مرتضیٰ کی نافرمانی کی اور اطاعت علی مرتضیٰ سے باہر ہو کر یہ اصرار کیا کہ اگر تم حکم مقرر نہ کر دو گے تو ہم تمکو اسی طرح قتل کر دیں گے جیسے ہمنے عثمان کو قتل کر دیا۔ اس جماعت میں صرف وہی لوگ نہیں تھے جنہوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا تھا یا اُنہیں بلوہ کیا تھا۔ بلکہ وہ لوگ بھی تھے جو بلوہ اور قتل حضرت عثمان میں شریک

نہیں تھے مگر تحت حکومت خلافت حضرت عثمانؓ کے رہ چکے تھے اور حبیب  
 خلافت علیؓ مرتضیٰ پر منعقد ہوئی تو زیر اطاعت علیؓ مرتضیٰ کے آگئے  
 تھے۔ مگر عموماً مسلمانوں کے اُس وقت یہ خیالات راسخ ہو گئے تھے کہ مسلمانوں  
 ہاتھ میں خلیفہ کا نصب و عزل اور اس کا قتل کر دانا ہو۔ اور ایسا رسول  
 اعتقاد اُن لوگوں کا اُسی عمل سے ہو گیا تھا کہ جو وفات رسول صلعم کے بعد  
 نصب خلیفہ کے بابت قرار دیا گیا۔ اگر بموجب ہدایت اور مرضی خدا  
 و رسولؐ کے جو اصولی قواعد حق بادشاہت سے مطابق تھے اور ملک  
 عرب میں اوس کا رواج تھا ابتدا میں بعد وفات رسول امام اور خلیفہ  
 برقرار رکھا جاتا اور قبول کیا جاتا تو جماعت برگشتہ کو علیؓ مرتضیٰ سے  
 اس سخن کی جرات نہوتی کہ اگر تم حکم مقرر نہ کرو گے تو ہم تمکو اُسی طرح  
 قتل کر دیں گے جیسے کہ ہمنے عثمانؓ کو قتل کر دیا اور نہ وہ خلاف حکم امام  
 اور خلیفہ وقت کے ایسا اصرار کر سکتے تھے کہ حکم مقرر کیا جائے اور نہ  
 وہ علی مرتضیٰ کے قتل پر مثل قتل عثمانؓ کے آمادہ اور مستعد ہو کر اپنی حالت  
 کو متغیر کر سکتے تھے۔ اور جبکہ اُس جماعت نے اپنی حالت کو اسامیغیر  
 کر لیا تھا تو میں پوچھتا ہوں کہ اُس وقت اُس حالت کے اعتبار سے  
 علی مرتضیٰ بجز اسکے کیا کر سکتے تھے کہ اوس جماعت کو اوسکی حالت پر  
 چھوڑیں اور وہ حکم مقرر کر لے۔ اُس وقت علی مرتضیٰ یہ نہیں کر سکتے تھے کہ  
 اُس جماعت کے قتل پر اُس وقت آمادہ ہوں یا اوسکے ساتھ جنگ پر  
 مستعد ہو جائیں۔ اسلئے کہ جس قدر قوم علی مرتضیٰ کے ساتھ تھی وہ قتل اسکے  
 کہ لشکر معاویہ کی طرف سے قرآن علموں میں باندھ کر دکھائے گئے اس امر  
 پر متفق تھی کہ حضرت معاویہ اور باغیوں سے مقابلہ کیا جائے لیکن اس

قوم کی جماعت کثیر نے جب اوس امر سے انحراف کیا اور یہ چاہا کہ حضرت معاویہ اور باغیوں سے جنگ بند ہو اور حکم مقرر کیا جائے تو پھر علی مرتضیٰ اُس موقع پر جبکہ لشکر علی مرتضیٰ میں اختلاف واقع ہو گیا اور جماعت کثیر خلافت راے علی مرتضیٰ کے اس بات پر آمادہ ہو گئی کہ بنائے حضرت معاویہ اور باغیوں کے خود علی مرتضیٰ کو قتل یا اونے جنگ کرین اُن لوگوں کو سزا نہیں دے سکتے تھے۔ اسوجہ سے بنین کہ علی مرتضیٰ اُن مفسدون کی دھمکیوں سے ڈر گئے تھے بلکہ حالت قوم کی وہ ہو گئی تھی جیسا کہ علی مرتضیٰ کا اونکے خطبے میں ارشاد ہے کہ یہ قسم خدا کی میں یہی کر سکتا تھا کہ تنکو حکم دون باغیوں سے جنگ کے لیے جو مکروہ تھی مگر خدا نے بہتری اُسی میں گردانی تھی۔ اگر تم اوس حکم کی تعمیل پر قائم ہوئے تو ہدایت پا جاتے اور اگر تم اپنی گردنیں کج کرتے تو میں تمہاری گردنیں سیدھی کرتا اور اگر تم انکار کرتے تو میں تمہارا تدارک کرتا اوسوقت وہ امر مضبوط ہو جاتا۔ لیکن میں ایسا کرنے میں کس سے مدد لیتا اور استعانت میں کسکی طرف رجوع کرتا اور میں دو اکس سے چاہتا تھا کہ بعض کی ساتھ بعض کے در حالیکہ تم سب میرے لیے درد تھے اور اگر میں ایسا کرتا تو اس ضرب لہلہ کا مصداق ہو جاتا کہ کانٹے کو کانٹے سے نہ بھکانا چاہیے کہ وہ ہم پہلو جو رکاوٹ ہو یہ مثل اُسوقت بولی جاتی ہو جبکہ استعانت چاہی جائے اور یہ بنین ہو سکتا اسلئے کہ بعض سے اعانت بعض کے لیے غیر ممکن ہو جبکہ وہ مشابہ ہوں اور انکی خواہشوں کا اتحاد ہو اور یہ بعض کا طرف بعض کے ہو جیسے ہمارے یہاں بھی فارسی کی یہ مثل مشہور ہو۔ سب زرد برادر شغال بینی دونوں ہرننگ اور مشابہ ہیں۔ در حقیقت علی مرتضیٰ نے اپنی اُس راسی شکر کو

کہ لڑائی بند نہ کی جائے اور حکم مقرر نہ کیا جائے خود نہیں چھوڑا بلکہ قوم نے اپنی حالت سابقہ کو متغیر کر کے علی مرتضیٰ کی اس رائے کو چھوڑا اور جو حالت کہ قوم نے اپنی متغیر کی تھی اس حالت تغیر پر علی مرتضیٰ نے قوم کو چھوڑا اور وہ حالت متغیرہ قوم کی یہی تھی کہ وہ جنگ کو بند کر دے اور حکم مقرر کر لے۔ اور اس حالت سے حالت اول پر قوم کو لانے کے لیے علی مرتضیٰ کو موقع ہی نہیں تھا اور اس وقت یہی مصلحت تھی کہ قوم کو اسکی حالت متغیرہ پر چھوڑا جائے تاکہ اس فتنے سے محفوظ رہا جائے جو علی مرتضیٰ کے قتل کے لیے یا لشکر علی مرتضیٰ میں باہم جنگ ہونے کے لیے دگو علی مرتضیٰ کے ساتھ اس وقت اُنکے قرابت دار اور چند اصحاب ہوں) برپا ہو۔

اس تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ علی مرتضیٰ نے اپنی اول رائے کو تبدیل نہیں کیا بلکہ قوم نے اُس رائے پر عمل نہ کر کے دوسرا فتنہ برپا کرنا چاہا اور اس فتنے کے برپا ہونے کے لیے قوم کی خواہش کے بموجب حکم مقرر ہوئے۔

حکمین مقرر ہونے کے بعد اُس جدید فتنے سے امن ہو گئی اور اس وقت علی مرتضیٰ نے جو قوم کو اسکی حالت متغیرہ پر چھوڑا اسکا صواب بھی ظاہر ہو گیا۔ لیکن ایک دوسرا فتنہ تازہ یہ پیدا ہو گیا کہ بعد تقرر حکمین کے بعض انہما ہیوں نے اس خدشے کو دلی یقین کر کے اپنی حالت کو متغیر کیا کہ منع کیا آپ نے حکم مقرر کرنے سے اور پھر حکم کیا آپ نے اسکا داعی جب قوم نے علی مرتضیٰ کی رائے مستحکم کو نہیں مانا اور علی مرتضیٰ قوم نامراد کو سزا نہیں دے سکتے تھے اور دوسرا فتنہ برپا ہوتا تھا اس وقت قوم سے یہ فرمایا کہ تم اپنی خواہش کے موافق حکم مقرر کرو پس ہم نہیں جانتے کہ دو

امردن میں سے کس میں رشد زیادہ ہو؟ اسپر علی مرتضیٰ نے جو ہاتھ کو ہاتھ پر مار کر یہ فرمایا ہے کہ ”یہ سزا ہے اوس شخص کی کہ جس نے چھوڑا رے مستحکم کو“ کچھ شبہ نہیں کہ علی مرتضیٰ نے جو فعلاً افسوس ظاہر کیا ہے وہ قوم کی حالت پر ہے کہ قوم اپنی حالت کو لمحہ بلحہ اور لحظہ بلحظہ تغیر کرتی تھی۔ قوم کو اپنی حالت و مبدع تغیر پر اور اپنے امام اور خلیفہ برحق کے حکم کو نہ مانتے پر خود نادم اور شرمندہ ہونا چاہیے تھا لیکن حالت قوم کے تغیر سے جو الزام کہ قوم پر عائد ہونے کے لائق تھا وہ اپنے امام اور خلیفہ برحق پر لگاتی تھی۔ ضرورت تھا کہ علی مرتضیٰ کو قوم پر افسوس ہو ایسی قوم جو اپنی حالت کو یوں تغیر کرے اور نافرمانی اپنے امیر سے نادم نہ ہو ایسی بیقراری اور نافرمان قوم بے شک اپنے امیر کو لیے قابل افسوس کے تھی۔ اور جیسا کہ علی مرتضیٰ نے قوم پر افسوس کیا ہو ویسا ہی بمقابلہ اُس پوچھنے والے کے وہ کہ منع کیا تھے ہکو حکم مقرر کرنے سے اور پھر حکم دیا تھے اُسکا پس نہیں جانتے ہم کون سی بات دونوں میں سے کس میں زیادہ بر شدہ ہے“

یہ ارشاد علی مرتضیٰ کا کہ ”یہ سزا ہے اوس شخص کی جس نے چھوڑا رے مستحکم کو“ اسی قوم قابل افسوس کے لئے ہے۔ علی مرتضیٰ نے فعلاً اور قولاً اوس قوم کو جو لمحہ بلحہ اپنی حالت تغیر کرتی تھی۔ اور فرمان اپنے امیر کا نہیں مانتی تھی جواب دیا ہے۔ اس ارشاد علی کا انطباق علی مرتضیٰ پر نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ مصنف مخاطب عدا یا غلط فہمی سے علی مرتضیٰ پر عائد کرنا چاہتے ہیں بلکہ یہ مضمون پوچھنے والے اور شخص اُس جماعت پر منطبق ہوتا ہے کہ جس نے علی مرتضیٰ کی اُس رائے مستحکم کو چھوڑا آپ کے اس فرمان کی تشریح یہ ہے کہ۔



کہ اون لوگوں نے علی مرتضیٰ کی رائے مستحکم کو نہ مان کر چھوڑ دیا اور اطاعت اور نسر مان بردار ہی سے باہر ہو گئے اور علی مرتضیٰ اس درد کی دوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اور بغرض اسکے کہ وہ لوگ ایک اور فتنہ میں مبتلا نہ ہوں علی مرتضیٰ انکو انکی حالت متغیر پر چھوڑا کہ وہ حکم مقرر کر لیں ایسا جو انکو یقین دہانہ ہو کہ علی مرتضیٰ نے پہلے حکم مقرر کرنے سے منع کیا تھا اور پھر حکم دیا اور نہیں معلوم ان دونوں امر دین میں سے کس میں زیادہ رشتہ ہے ان لوگوں کا کلام دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ بے شک علی مرتضیٰ کے نفس امامت میں ان لوگوں کو شک ہوا یہ خدشہ اس رائے مستحکم کے نہ ماننے سے زیادہ خراب ہے کہ جس سے بجائی ناقربانی کے انکار مطلق امامت اور خلافت سے پیدا ہوتا ہے اور قطعی امامت اور خلافت سے منکر ہو کر اطاعت سے خارج ہو جاتا ہے پس یہ فرمانا علی مرتضیٰ کا اون لوگوں کے حق میں ٹھیک ہوتا ہے کہ یہ منزا ہے اس شخص کی جس نے چھوڑا اور مستحکم کو مانا اور وہ رائے مستحکم ہی تھی کہ جنگ قائم رکھو اور جنگ کرنے پر علی مرتضیٰ کو اصرار تھا اور وہ جنگ اگر چہ مکروہ تھی مگر اللہ نے اسی میں بہتری فتح دی کی اور سلامتی عاقبت کی گردانی تھی۔ اگر وہ لوگ اس رائے مستحکم یعنی قائم رکھنے حرب کو مانتے جس کے نہ ماننے پر علی مرتضیٰ کچھ علاج ان کا نہیں کر سکتے تھے اور علی مرتضیٰ انکو حالت متغیر پر نہ چھوڑتے اور حکم مقرر کر لینے نہ دیتے تو یہ خراب خدشہ انکو ہرگز پیدا نہ ہو سکتا کیونکہ اس خراب خدشہ کے درجہ پر پہونچنا اون کا اسی سبب ہے کہ اسے مستحکم قائم رکھنے حرب کو نہ مانا۔ اور یہ خدشہ خراب تر اس لیے ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں یہ خدشہ

پیدا ہوا ذکی دنیا اور آخرت دونوں خراب ہو گئیں کہ یہ بھی فرقہ علی مرتضیٰ کا امامت اور خلافت کا شکر ہو کہ علی مرتضیٰ کی اطاعت سے باہر ہو گیا اور جسے لقب خواج کا پایا سوائے چند آدمیوں کے وہ فرقہ دنیا میں قتل ہو گیا۔ اور آخرت میں اگر رسول اور امام اور خلیفہ برحق اور سلطان عادل و قسط جو کوئی انحراف کرے اور انکی اطاعت سے اپنے آپ کو خارج کرے اُس کے لئے کوئی سزا ہے آخرت میں تو یقین کرنا چاہیے کہ وہ اُس سزا کو بھگتے گا۔

علی مرتضیٰ کے تمام خطبہ پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علی مرتضیٰ نے قوم کی حالت کو قابل افسوس سمجھا ہے اور مصداق اس فقرہ کا یہ سزا ہے انکی جسے چھوڑا اسے مستحکم کو اُسی قوم کو قرار دیا ہے۔ یہ امر کہ وہ قوم قابل افسوس کے اور مصداق اس فقرہ کی تھی اور خود علی مرتضیٰ مصداق اُس افسوس اور اس فقرہ کے نہیں ہو سکتی خود اس الشہد علی مرتضیٰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی مرتضیٰ نے اُس فقرہ کے بعد صاف فرمایا کہ کیا نہیں ہے۔ بات قسم خدا کی بیشک جس وقت کہ حکم کیا میں نے مکو جس امر کا کہ حکم کیا میں نے مکو (قیام جنگ) اور بوجہ رکھ دیا میں نے تمھارے سروں پر ایسے مکروہ کا کہ جس میں اللہ نے بہدائی قرار دی تھی۔ پس اگر قائم ہو جاتے تم ہدایت کرنے والا ہوتا میں تمھارا اور اگر تم اپنی گردنیں ٹیڑھی کرتے سیدھا کر دینے والا ہوتا میں تمھارا۔ اور اگر انکار کرتے تم مزارک کرتا میں تمھارا ہر آئینہ ہوتا میں امر مضبوط لیکن کس سے میں اعانت لیتا اور کس کے طرف رجوع کرتا یہ کہ دو اگرے اور تم خود میرے لئے در دستے پس ہوتا میں شل نکالنے والے کانٹے کے ساتھ کانٹے کے ٹکڑے کا ہوتا ہے کہ علی مرتضیٰ کیونکر مدد چاہتے

ہاں کچھ بعض اُن کے کچھ بعض اُن کے کے لئے۔ جب کہ وہ سب اپنی خواہش میں متحد تھے اور میل اور پہلو جو بعض اُن کے کا طرف بعض اُن کے کے تھا طبیعت میں بعض اُن کے کی مشابہ بعض کے تھیں اور خواہش بعض کی طرف بعض کی تھی پس اس ارشاد سے لازم آتا ہے کہ علی مرتضیٰ نے قوم کو قابل افسوس کے جانا ہے نہ اپنے آپ کو اور مصداق اُس فقرہ کا یہ ہے کہ یہ سراسر ہے اُس کی جس نے چھوڑا راستے مستحکم کو؟ قوم کو قرار دیا ہے نہ اپنے آپ کو۔ جس سے ظاہر ہے کہ علی مرتضیٰ کی کوئی غلطی نہیں تھی نہ انہوں نے دھوکھا کھایا۔ جس ارشاد سے کہ ایسا لازم آتا ہے اُس کے بعد آپ خدا سے شکایت کرتے ہیں کہ بار خدایا عاجز آگئے اطباء اس درد لاعلاج سے اور گران ہو گیا ہے کھینچنا ساتھ رسیوں دراز کے پانی گھرے کنون کا؟

اس ارشاد میں بھی قوم کو قصو کی خدا سے شکایت ہے۔ اور اس شکایت میں بھی ظاہر کر دیا کہ قوم کی حالت پر علی مرتضیٰ نے افسوس کیا ہے نہ اپنی حالت پر۔ اور فقرہ زیر بحث بھی قوم کی نسبت فرمایا ہے نہ اپنی نسبت یہ شکایت اُسی قسم کی ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے شکایت کی تھی جسکا ذکر خدا فرمایا ہے آیت اِنَّمَا اشکو بئس وحزنی الی اللہ۔ (سورۃ یوسف)

ترجمہ ۲۲ سوائے اُس کے نہیں ہے کہ شکایت کرتا ہوں میں نے اپنے حلال پر گناہ اور خزن کی طرف اللہ کے بے اس شکایت کے بعد علی مرتضیٰ نے اُس قوم مسلمانوں کو یاد کیا ہے۔ جسکی حالت مخالف حالت اس قوم مسلمانوں کے تھی ۲۲ یعنی اُن لوگوں کو اسلام کی دعوت کی گئی انہوں نے اُسکو قبول کیا اور یہ لوگ دعوت امامت اور خلافت کو قبول نہیں کرتے اور جنہوں نے قبول کیا اُس سے انحراف کرتے ہیں۔ اُن لوگوں نے

قرآن کی تلاوت کی تو اس کے عمل کو نہایت استوار کیا یہ لوگ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو اس کے عمل کو استوار نہیں کرتے۔ ان لوگوں کو جہاد کی طرف رغبت دلائی گئی تو ان کو ایسی محبت ہو گئی جیسے حاملہ ماؤں کو اپنے بچوں کی پالائش سے ہوتی ہے۔

ان لوگوں کو جہاد کی رغبت دلا جاتی ہے تو اسمین حیلہ کرتے ہیں اور جہاد کا بند کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی تلواریں میانوں سے نکالیں یہ لوگ اپنی تلواریں میانوں کے اندر ڈالتے ہیں ان لوگوں نے جماعت در جماعت اور صف در صف ہو کر اطراف زمین کو لے لیا یہ لوگ متفرق اور پرگنہ ہو کر اپنے مقبوضہ اطراف زمین کو چھوڑنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے جو مارے گئے۔ او کو تعزیت کی پروا نہ ہوئی۔ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مرئیے تباہ ہو جائیں گے اور ان لوگوں میں سے جو زندہ رہے ان کو کچھ تہنیت نہیں دی گئی۔ یہ لوگ جو زندہ ہیں وہ مشتاق بشارت کے ہیں ان لوگوں کے شکم روزہ رکھتے رکھتے پیٹھ سے لگ گئے تھے۔ یہ لوگ شکم سیری اور شکم پر دہری چاہتے ہیں اور ان لوگوں کے لب دعائیں مانگتے مانگتے پڑ مر رہ گئے تھے۔ یہ لوگ خدا سے دعا مانگنے کی پروا نہ نہیں کرتے ان لوگوں کو کثرت بیداریے رنگ زرد پڑ گئے تھے یہ لوگ خواب آسائش میں ایسے سو گئے ہیں کہ چپکنے ہی نہیں اور ان لوگوں کے چہروں پر گرد و فروتنی پڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ یہ لوگ اپنے چہروں پر غارہ غرور اور نخوت کا سہا ہوئے ہیں۔ یہ یا دلی مرتضیٰ کی واسطے ترغیب سامعین کو ہے۔ تاکہ یہ لوگ اپنی حالت مثل حالت اور ان لوگوں کی بنا دین کہ جھگے اوصاف حمیدہ علی مرتضیٰ نے بیان فرمائے۔ اور اس یا دلی مرتضیٰ سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ حالت ان مسلمانوں کی

خلاف ان مسلمانوں کے تھی۔ کہ جنکو علی مرتضیٰ نے یاد فرمایا۔  
چنانچہ ان لوگوں کو یاد کرنے کے بعد علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے ”ہم کو  
دیر باہ ہے کہ ہم اُنکے لیے پیاسے ہوں اور اُنکی جدائی پر پشت دست اپنی کو  
دانت سے کاٹیں اور پھر ان لوگوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ شیطان تمہارے  
لیے ایک طریقہ درست کر رہا ہے اور تمہارے دین کی گراہیں کھول رہا  
اور تمہاری جماعت میں تفرقہ کے پھندے ہے۔ باہ ہے۔ میں سمجھو تم اولہ کے  
وہو ہوں اور منتر دن سے روگردانی کرو اور قبول کرو اپنی غیر خواہی کی  
بات اس شخص سے جو تمکو راہ راست دکھاتا ہے اور اپنی گانٹھ میں اس کی  
بات باندھ لو اس تمام ارشاد سے علانیہ واضح ہو گیا۔ کہ علی مرتضیٰ نے  
اپنے ہمراہیوں کی حالت کو قابل افسوس سمجھا ہے۔ اور فقرہ زیر بحث کا  
مصدق انھیں کو قرار دیا ہے۔ نہ اپنے آپ کو۔

اور پھر اسی خطبہ پر موقوف نہیں ہے۔ کہ علی مرتضیٰ نے ان کو قابل  
افسوس اور لائق شکایت سمجھا اس سے پہلے بھی دو خطبوں میں اُنکی نسبت  
ایسے ہی قابل افسوس اور لائق شکایت فقرہ فرماتے ہیں۔ جنکو خود مصنف  
مخاطب نو اوپر نقل کیا ہے۔ اور جس پر بحث ہو چکی ہے۔ ایک کلام میں علی  
مرتضیٰ ان سے مخاطب ہو کر بون فرماتے ہیں۔

”غارے کرے مکو اللہ بیشک بھر دیا تنے میرا دل پیچا اور بھر دیا تنے  
سینہ میرا غصہ سے“ دوسرے کلام میں فرماتے ہیں ”اے پروردگار  
مجھے ان لوگوں نے تنگ کر دیا ہے اور یہ مجھے تنگ ہو گئے ہیں اور میں  
ادھمکستوہ میں سے آیا ہوں اور یہ مجھے ستوہ میں لے آئے ہیں پس مجھ اُنکی  
عیوض میں نیک لوگ عنایت فرما اور اُنکے لیے میری عیوض میں بخش

قرار دے "ان تمام ارشادات علی مرتضیٰ سے ظاہر ہے کہ قوم بوجہ آپ کے کہ بار بار اپنی حالت کو متغیر کرتی تھی اور بے درپے درپے خطائیں وقوع میں لاتی تھی اور کسی طرح اصلاح پذیر نہیں ہوتی تھی اور اپنے آپ کو قابل افسوس اور لائق شکایہ کے بناتی تھی۔ قوم کی رنگ برنگ حالت میں ہو جانے اور ایک حالت سے دوسری حالت پر بدلتے رہنے سے کوئی اعتراض غلط فہمی یا دہوکا کھانے کا علی مرتضیٰ پر وارد نہیں ہو سکتا۔ علی مرتضیٰ قوم کی ہر حالت کو عین اس وقت پر جو اس کی حالت ہو جاتی تھی ٹھیک سمجھ لیتے تھے۔

مصنف مخاطب جو کثرت فضائل اور مناقب کو دوسری چیز اور نظام ملک و تدبیر جنگ کو دوسری چیز قرار دیکر بغیر کسی شک کے قبول کرتے ہیں کہ جناب امیر کے قلب منور پر کیفیات باطنی کی تجلیات ایسی غالب تھیں کہ وہ ہمہ تن اس شہادت میں محو تھے اور انکی رائے کی جتنی قوت تھی وہ اُسی میں مصروف تھی۔

اس تقریر مصنف مخاطب میں صریح اشعار ان امور کا موجود ہے کہ علی مرتضیٰ کے کثرت فضائل و مناقب اور انکے قلب منور پر کیفیات باطنی کی تجلی ایسی تھی کہ جو دوسرے خلفاء کے لئے نہیں تھی بحث باقی یہ رہتی ہے کہ انتظام ملک اور تدبیر جنگ علی مرتضیٰ کے فضائل و مناقب کو شامل ہے یا نہیں اور انکے قلب منور پر کیفیات باطنی کی تجلیات جن کے شہادت میں وہ محو تھے اور انکی رائے کی جتنی قوت تھی وہ اُسی میں مصروف تھی اور انتظام ملک اور تدبیر جنگ اس میں داخل ہی نہیں۔ مصنف مخاطب کو اپنی تقریر میں بتانا چاہیے تھا کہ علی مرتضیٰ کے قلب منور پر کیفیات باطنی کی تجلیات

کا غلبہ تھا اور وہ اُنکے مشاہدات میں محو تھی اور اُنکی رائے کی قوت اُس میں مصروف تھی۔ تو انتظام ملک اور تدبیر جنگ جو امامت اور خلافت سے متعلق ہے علی مرتضیٰ کے قلب منور پر کیفیات باطنی کی تجلیات کی غلبہ اور محویت اور اُن کے مشاہدات اور اُنکی مصروفیت قوت رائے سو کیسے جاریہ جاتی تھی اور اُن کا جاریہنا کیوں اور کس طرح سمجھا جاسکے۔ مذہب اسلام میں دین و دنیا جدا جدا چیزیں نہیں ہیں۔

دین اسلام اور شریعت محمدی کی وضع پر جب ادب نے غور کیا جاتا ہے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ اصول تمدن اور انتظام تمدن اور سیاست مدن سب دین ہے جس میں انتظام ملک اور جنگ کی تدبیریں سب کچھ داخل ہیں۔ کون وجہ ہے کہ علی مرتضیٰ کے قلب منور پر کیفیات باطنی کی تجلیات جو غالب تھیں اور جنکے مشاہدات میں وہ محو تھے اور اپنی رائے کی قوت اسی میں صرف کرتے تھے اُس میں انتظام ملک اور جنگ کی تدبیریں شامل نہ ہو سکیں۔ پیغمبر خدا جب کہ انگو وہ وقت آیا ہے کہ دشمنوں سے محفوظ رہیں اور دشمنوں کے حملوں کو دفع کریں اور دشمنوں پر حملہ کریں۔ کہ چین تدبیر جنگ اور ملک عرب پر قبضہ حکومت اور انتظام ملک سب کچھ داخل ہے۔ یعنی زمانہ ہجرت سے تہذیب و پیشرفت اُتساہ اور قریب اوس زمانہ تک کہ جب روح مقدس پیغمبر کے جسم مقدس سے پرواز کر گئی علی مرتضیٰؑ سے تخلیق میں مشورہ کرتے رہتے تھے اور دن میں ایک وقت ایسا ہوتا تھا کہ تنہائی میں علی مرتضیٰؑ سے راز داری کے امور طے پاتے تھے اور علم و رایوں پیغمبر سے علی مرتضیٰؑ کو آگاہی ہوتی تھی۔ بعض دفعہ تخلیق کو ایسا طویل ہوا ہے کہ دوسرے دن نے اُس پر رشک کیا ہے۔ (یہ امور چارے رسالہ حیات

روشنی میں کتب اہل سنت سے مذکور ہو کے ہیں تو کیا کسی کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ ان روزانہ مشورون اور تخلیوں اور رازدار یونین تدابیر جنگ اور نظام ملک شامل نہیں تھیں جبکہ انہیں امور کے لیے وقت تھا۔

نہیں۔ بلکہ یقین کرنا چاہیے کہ پیغمبر خدا نے ان تمام امور کے لیے بھی علی مرتضیٰ کو منتخب کر لیا تھا اور یہ انتخاب درحقیقت اسی وقت منجانب رسول بن آیا تھا جبکہ پیغمبر خدا نے اپنے کنبہ کو تعمیل حکم (دائز عشرت تک الاقرین) کے دعوت اسلام کیلئے بلا کر ضیافت کی تھی اور اسی مجلس میں علی مرتضیٰ نے کھڑے ہو کر پیغمبر سے کھا کہ میں تمہارا ناصرا اور مددگار ہوں گا اور پیغمبر نے فرمایا تھا کہ تو میرا وزیر اور خلیفہ ہے کیا کیسی سمجھ میں آسکتا ہے کہ پیغمبر خدا اپنے وزیر اور خلیفہ سے امور وزارت اور خلافت کے متعلق تخلیہ اور مشورہ اور رازداریان نہیں کرتے تھے۔ ایسے شخص سے کہ جسکو اپنا وزیر اور خلیفہ قرار دیا تھا۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ انتخاب تخلیوں اور مشورون اور رازدار یون کے لیے پیغمبر کی طرف سے غلط ہوا تھا۔ لیکن ایسا لکھا بھی خود غلط ہو گا کیونکہ عہد پیغمبر میں علی مرتضیٰ نے جو تدابیر جنگ اور اس کے ذریعہ سے فتحندیان اور انتظام ملک کے باتباع پیغمبر عملاً دکھائی ہیں جسکی مفصل کیفیت سوانح عمری پیغمبر خدا اور علی مرتضیٰ سے ظاہر ہوجاتی ہے اور اس کے نشانات جا بجا ہمارے رسالہ جات روشنی میں بھی موجود ہیں۔ ان سے خود بخود ثابت ہوجاتا ہے کہ علی مرتضیٰ قدرتنا ایسے قابل مدد و لائق تھے کہ پیغمبر خدا تخلیہ میں مشورہ ہر امر کا سوائے علی مرتضیٰ کے کسی دوسرے سے نہیں لے سکتے تھے اور علی مرتضیٰ ہی ایسے شخص تھے کہ تمام امور رسالت کو جس میں تدابیر جنگ اور انتظام ملک شامل تھا ٹھیک طر پر اپنی کارگزاری ہی



قائم کرتے تھے اور اسی کارگزاری کی بدولت سندین فضائل اور مناقب کی پیغمبر سے حاصل کرتے تھے اور اسناد فضائل اور مناقب کو جب واقعات تاریخی کی حیثیت سے دیکھا جائے جو خود کتب اہل سنت میں منقول ہیں اور ہم نے بھی اپنی رسالہ جات روشنی میں کیسٹڈرائن کا ذکر کیا ہے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ تدابیر جنگ اور انتظام ملک کی حیثیت سے بھی علی مرتضیٰ کے فضائل اور مناقب میں بہت کچھ سندین پیغمبر کی عطا کی ہوئی موجود ہیں سب سے اعلیٰ درجہ کی فیصلت انسان کے لیے علم ہے۔ اور پیغمبر نے خود فرمادیا ہے کہ پیغمبر مدینہ علم ہیں اور علیؑ اسکا دروازہ اور علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ اور علیؑ تم میں اقتضا ہے یہ اور اسی اعتبار سے علیؑ مرتضیٰ نے جنگ صفین میں جبکہ لشکر معاویہ کی طرف سے یزید پر قرآن دکھانے لگے فرمایا کہ یہ قرآن حق ہے اور میں قرآن ناطق ہوں پیغمبر نے اپنے اسناد سے جو تصدیق علم علی مرتضیٰ کی کی ہے۔ علم تدابیر جنگ اور انتظام ملک علم علی مرتضیٰ سے اسی وقت خارج سمجھا جاسکتا ہے کہ جب علم پیغمبر سے بھی خارج سمجھا جاسکے۔

علی مرتضیٰ کا تدابیر جنگ اور انتظام ملک اور دیگر امور میں اعلیٰ درجہ کا عالم اور اہل الرائے ہونا ان واقعات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جو بعد پیغمبر عہد خلفائے ثلاثہ میں پیش آئے ہیں اور علی مرتضیٰ کی رائے ہمیشہ امور اہم میں لی گئی ہے یا خود انھوں نے نصیحت کی ہے۔ حضرت عمرؓ جو بڑی فاتح ملک شام اور ایران کے سبب سے سمجھے جاتے ہیں خود انھوں نے حملہ شام اور ایران کے وقت علی مرتضیٰ سے تدابیر جنگ اور انتظام ملک کیلئے مشورہ کیا ہے اور علی مرتضیٰ کی رائے لی ہے۔

عہد خلفائے ثلاثہ میں جو ایسے واقعات پیش آئے ہیں۔ کہ جن میں

علی مرتضیٰؑ کو چھایا گیا ہے یا خود غلامی مرتضیٰؑ نے نصیحت کی ہے اُن سے یہ امر مسلم ہوتا ہے کہ خود خلفائے ثلاثہ علی مرتضیٰؑ کو اعلیٰ درجہ کا عالم اور اہل الرائے تسلیم کرتے تھے۔

علی مرتضیٰؑ کے خطبات اور اُن کے مکتوبوں اور کلاموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تدابیر جنگ اور انتظام ملک اور تمام امور دین میں اعلیٰ درجہ کا علم اور قابلیت رکھتے تھے خلفائے ثلاثہ کو اُس وقت خلافت ملی تھی کہ جس وقت پیغمبرؐ اور علی مرتضیٰؑ کا کیا ہوا انتظام موجود تھا علی مرتضیٰؑ کو خلیفہ اس وقت قبول کیا گیا ہے کہ بوجہ بلوہ کے خلافت پر اور قتل حضرت عثمان کے انتظام خلافت درہم برہم ہو گیا تھا اندرون ملک کیلئے تدبیر جنگ اور انتظام ملک کا خلفائے ثلاثہ کے لئے وقت ہی نہیں ہوا تھا اگر انہی عہد میں ایسا برہمی خلافت کا معاملہ پیش آتا اور وہ ایسے جنگ اور انتظام ملک اپنی رائے سے کرتے تو انکی سازش موازنہ کی حیثیت سے قابلِ نظر کے ہوتی۔ قوت مجتہد متفقہ حمیدین علی مرتضیٰؑ نے خلل نہیں ڈالا تھا۔ شام اور حصہ ایران کے بیچ کرشکا معاملہ جو بیرونِ سلطنت تھا اور جسکے متعلق علی مرتضیٰؑ کی رائے کی گئی تھی معاملہ فتنہ و فساد اور بغاوت اندرونِ سلطنت کی تدابیر جنگ اور انتظام ملک سے موازنہ نہیں ہو سکتا۔

اندرونِ سلطنت جو فتنہ و فساد اور بغاوت پہیلی اُسکے فرو کرنے میں علی مرتضیٰؑ نے جو تدابیر جنگ کیں اور انکو فتنہ بان حاصل ہوئیں کہ جنہیں انتظام ملک خلافت شامل تھا اُس میں علی مرتضیٰؑ کو کامیابی حاصل ہوئی اور جسقدر کہ فتنہ و فساد اور بغاوت باقی رہ گئی تھی اگر علی مرتضیٰؑ قتل نہ ہو جاتے تو یقین کرنا چاہیے کہ وہ بھی فرو ہو جاتی۔ علی مرتضیٰؑ نے اندرونِ خلافت کے جو فتنہ و فساد اور بغاوت کے رفع کرنے کے لئے تدابیر جنگ

اور انتظام ملک کے لیے کچن جس میں کامیابی ہوئی علی مرتضیٰ کی غلطی یا غلط فہمی  
کھنا یا یہ کھنا کہ انہیں تدابیر جنگ یا انتظام ملک کی قابلیت نہیں تھی۔ کسی طرح روا  
اور صحیح نہیں ہو سکتا۔ (دیکھو اسی بحث کے متعلق رسالہ روشنی جلد ۵  
صفحہ ۵۹)

اور ناس حشیت سو جس حشیت سو کہا گیا ہے یہ کھنا مصنف مخاطب کا  
صحیح ہو سکتا ہے یہ کہ جناب امیر کے قلب منور پر کیفیات باطنی کی تجلیات  
ایسی غالب تھیں کہ وہ ہمہ تن انہیں مشاہدات میں محو تھی اور انکی رائے کی جتنی  
قوت تھی وہ انہی میں مصروف تھی خلافت زبردستی انکے سر پر ڈالی  
گئی، علی مرتضیٰ خلافت اول سے لے کر خلافت سوم تک برابر خواہش خلافت  
کی اور اپنے حق کا اظہار اور دعویٰ اور خلفائے ثلاثہ کے نصب پر اعتراض کرتے  
رہے۔ اور ان تینوں عہد خلافت میں جب ان سے رائے لی گئی۔ یا جب  
انکو موقع ملا اسلوبی خلافت کو لینے اور اسکی بہبودی اور ترقی کے لیے رائے  
برابر دیتے رہے اگر ان میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت انتظام ملک اور تدبیر جنگ  
کی نہیں تھی تو ان کی لائین کیوں لے جاتی تھیں اور انکی رائے کو کیوں پسند کیا  
جاتا تھا۔

البتہ مرتبہ چہارم میں ان مابین علی مرتضیٰ تبدیل ہو گئے تھے اور حالت  
خلافت کی برہم درہم ہو گئی تھی اور یہ بھی درہم صرف اسی وجہ سے ہوئی  
تھی کہ خلافت اصول سلطنت اور مخالف ایما رخدا اور رسول کے علی مرتضیٰ علی  
اور فضل قابلیت رکھنے والے خلافت کو سلطان اور خلیفہ قبول نہ کر سکے انکے  
غیر دن کو خلیفہ اور بادشاہ بنایا تھا۔ اگر علی مرتضیٰ کو بعد وفات رسول خلیفہ  
قبول کیا جاتا تو نوبت تبدیلی علی مرتضیٰ اور برہم درہم خلافت کی نہ پہنچتی۔

بیشک وقت قتل حضرت عثمانؓ کے جب حالت خلافت کی نہایت خراب ہو گئی اور مدینہ کے تمام موجودہ اہل الرائے نے یہ دیکھا کہ سوائے علیؓ مرتضیٰ کی کوئی حالت خلافت کو درست نہ کر سکی گا کہ اس وقت خلافت نہ بروستی اُنکے سر پر ڈالی گئی جس سے وہ بچنا چاہتے تھے، لیکن حجت کرنے والو کی حضورؐ کی ہی نے اون پر حجت تمام کر دی اور انکو قبول خلافت پر مجبور کیا۔

مگر پھر جیسے کہ ابتدائین خلافت کے لیے انکو قبول نہیں کیا گیا باوصف اسکے کے کہ اسنے استحقاق خلافت اور قابلیت کار خلافت سے کوئی انکار نہیں کرتا تھا اور انتظام ملک اور تدبیر جنگ اور انفصال قضایا میں ادنیٰ رائے و ہدایت اور اُنسے مدد لی جاتی تھی۔

(جس سے ظاہر ہے کہ خود خلفاء ثلاثہ انکو علی اور فضل کار خلافت کیلئے جانتے تھے) دیے ہی پھر بعض لوگوں نے مثل حضرت طلحہ اور زبیر اور ابی بلعاشہ کے اون کی خلافت سے انحراف کیا اور بعض لوگوں نے مثل حضرت معاویہ کے انکو خلافت کے لیے قبول نہ کیا جس سے ظاہر ہے کہ کسی وقت میں خواہ وقت تقریر خلفاء ثلاثہ کے خواہ بعد قبول کیے جانے کے خلافت کے لیے درجہ چہارم میں علیؓ مرتضیٰ کو اس خیال سے کہ یہ کیفیات باطنی اور مشاہدہ انوار قدس کی انکو پوری فرصت اور آزادی دی جاوے اور انتظامی معاملات میں نہ پھنسیا جاوے، کار خلافت سے عہدہ نہیں رکھا اور علیؓ کو نہ نہیں چاہتے تھے۔ اگر یہی وجہ تھی تو بعد خلفاء ثلاثہ میں کیوں انکو انتظام ملک اور تدبیر جنگ اور انفصال قضایا کے لیے رائے اور ہدایت اور مدد حاصل کرنے کے واسطے تکلیف دی جاتی تھی۔ اور کیوں مرتبہ چہارم میں انکو خلیفہ قبول کیا گیا اور ان کی پوری فرصت اور آزادی کیفیات باطنی اور

شاہد انوار قدس کو کیوں روکا گیا اور انکی خدمت میں پہنچنے کی بجائے انکی گیارہ اور کیوں  
انتظامی معاملات میں پھنسا گیا؟ اس سے ظاہر ہے۔ (درشان تمام واقعات  
تاریخی دیکھا رہی ہے کہ خلفائے ثلاثہ نے جو اپنی بیعت خلافت کو حاصل کیا اور بعد  
قبول خلافت کے مرتبہ چہارم میں علی مرتضیٰ نے انحراف کیا گیا۔ اور انکی وجہ  
نواہشات نفسانی تھیں نہ کچھ اور غیر مناسب ہونا اس راستے کا کہ بعد وفات  
رسول علی مرتضیٰ کو خلیفہ قبول نہ رکھا گیا اور مرتبہ چہارم میں انکی خلافت  
سے انحراف کیا گیا، ہم پہلے دکھا چکے ہیں کہ ایسی راستے نے اشاعت مذہب  
اسلام کو تمام روئے زمین پر مسلمانوں کی قوم کو غمزدہ اور نقصان پہنچایا اور  
یہ بھی دکھا چکے ہیں کہ خلافت ثلاثہ کی عہد حکومت اور کثرت فتویٰ نہ کا مقابلہ  
جناب امیر کے عہد خلافت کے واقعات میں کیا اختلاف غلطی مستند اور یہ  
بھی دکھا چکے ہیں کہ علی مرتضیٰ نے کبھی اپنی راستے نہیں بدلی نہ مفسدوں کے  
دھمکانے سے ڈر گئے۔ اور نہ وہ قاتلان عثمان کے ہاتھ میں کبھی مجبور ہوئے  
بلکہ تیسرے جیسا حالت قوم کا ظہور میں آتا گیا اسی کے موافق وہ اپنی راستے صحیح  
قائم کرتے گئے۔ اگر وہ مفسدوں کے دھمکانے سے ڈر جاتے اور قاتلان عثمان  
کے ہاتھ میں مجبور ہوتے تو انھیں مفسدوں اور انھیں قاتلوں کے مونہ پر مطلع  
میں اون کی بار بار تیسرے حالت پر اور اپنی نافرمانی کرنے پر اور اپنی اطاعت سے  
باہر ہو جانے پر ہرگز نہایت سختی اور شدت سے انکی فرست اور ملامت اور  
افسوس ظاہر نہ فرماتے۔ ہر حالت موجودہ پر اور ہر وقت کی ضرورت کے  
محاط سے علی مرتضیٰ صحیح راستے قائم کرتے تھے اور حکم دیتے تھے۔ حالت ما  
بعد پر راستے اور حکم دینے سے یہ اعتراض کرنا۔ یا نتیجہ نکلانا کہ حالت اول کی وقت  
غلط فہمی ہوئی تھی و مفسد مخاطب کی غلط فہمی ہے۔

مصنف مخاطب ایک مثال غلط تھی امام محمد باقر علیہ السلام کی یوں ظاہر کرتے ہیں وچھول کافی کی باب کراہتہ التوقیت میں مذکور ہے کہ جب اللہ نے خروج مہدی کے لیے مسئلہ مقرر کیے تھے تو امام باقر علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ہمیں تمکو اسکی خبر کر دی اور تم نے اس راز کو مشہور کر دیا۔ اس لیے اللہ نے اُس وقت کو ٹال دیا اور آئندہ اوس کا کوئی وقت مقرر نہ کیا۔ اس روایت سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ امام باقر وغیرہ ائمہ نے نااہل ہے اس راز کو ظاہر کیا تھا پس اگر اوکو پہلے سے نااہل جانتے تھے تو اونسے راز کھنا گناہ کبیرہ تھا اور اگر دہوکا کھایا اور اہل نااہل کا تیسرہ نہ ہوا تو یہ غلط تھی۔ یہ روایت وہی ہے جسکو مصنف مخاطب نے اپنے رسالہ جلد اول کی نمبر پر نقل کر کے دوسری نوعیت سے اعتراض کیا تھا۔ اور جسکی حقیقت ہم نے اپنے رسالہ حصہ اول اکتوبر ۱۹۹۳ء کے صفحہ ۶۷ پر دکھائی ہے اور پھر اسی روایت اور اسی کی ہم قسم دوسری روایتوں پر ہمارے رسالہ جلد ۲ نمبر ۴۷ میں صفحہ ۴۷ سے بحث ہوئی ہے۔

مصنف مخاطب نے جو اس روایت میں یہ ظاہر کیا ہے کہ جب اللہ نے خروج مہدی کے لیے مسئلہ مقرر کیے تھے یہ بیان اذن کا غلط ہے۔ روایت میں مطلق ذکر خروج مہدی کا نہیں ہے۔ بلکہ روایت میں یہ ہے کہ بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ کے (نزدیک) تھا وقت اس امر کا سنجیدہ پس جبکہ قتل کئے گئے حسین علیہ السلام سخت غضب اللہ کا ہوا اہل زمین پر پس تاخیر ہوئی مسئلہ تک پس بیان کیا ہم نے تم سے اور ضائع کیا تم نے بات سوا اور کھول دیا تم نے پردہ ہیا۔ کا اور نہ گردانا اللہ نے اُسکے لیے بعد اُسکے کوئی وقت ہمارے پاس لاٹھو کرتا ہے اللہ جو کچھ چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہی

لے یہ تہذیب و ادب کے جوامع امام حسینؑ کے لئے اللہ کی شان و عہدہ اُم الکتاب ۱۲

اور اسکے پاس اُم الکتاب ہے ۱۱ کما ابو حمزہ نے کھا کہ میں نے اس حدیث کا ذکر کیا امام جعفر صادق علیہ السلام سے انھوں نے فرمایا تحقیق ایسا ہی تھا ۱۲

اس روایت سے ظاہر ہے کہ خروج مہدی علیہ السلام کا زمین کچھ ذکر نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث اس امر سے متعلق ہے کہ خلافت خاندان رسالت میں کسی کسی وقت آنے کو تھی اور نہ آئی۔ امام علیہ السلام نے جو جو وقت بیان فرمائے ہیں اُس اُس زمانی میں ایسے ایسے سامان اور اسباب مہیا ہو گئے تھے کہ خلافت خاندان رسالت میں آجاتی اسی اعتبار سے امام علیہ السلام نے فرمایا ہی کہ وہ اوقات خدا کے نزدیک ایسی تھے کہ خلافت خاندان رسالت میں آجاتی۔ مگر دوسرے وجہ اور اسباب ایسے پیدا ہو گئے کہ خلافت خاندان رسالت میں نہ آئی خلافت کا خاندان رسالت میں آنا نہ آتا تقدیر الہی ہے اور اسی نظر سے امام علیہ السلام نے آیت الہی کا ذکر کیا کہ محو کرتا ہے اللہ جس چیز کو چاہتا ہی اور ثابت کرتا ہی اور نزدیک اور اسکے اُم الکتاب ہی ۱۳ مگر باعتبار فطرت انسانی کے کہ جو خدا کی قدرت سے وضع ہوئی ہے انسان اپنے اعمال اور افعال کا محتا رکھا گیا ہے اور قوم اپنی حالت کو متغیر کرتی ہے چنانچہ خدا فرماتا ہی کہ ۱۴ خدا کسی قوم کو متغیر نہیں کرتا بلکہ قوم اپنے آپ کو اپنے نفسوں سے متغیر کرتی ہے ۱۵ اور یہ ہی مژدہ ہے کہ ۱۶ محو کرتا ہی اللہ جس چیز کو چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہی اور پاس اُس کو اُم الکتاب ہی ۱۷ یعنی جب قوم اپنے آپ کو خود متغیر کرتی ہو تو اُس کا علم خدا کے عندیہ میں ہوتا ہی۔

جس وقت کہ حضرت امام حسین علیہ السلام قتل ہوئے اوس زمانے

میں بیشک ایسی حالت تھی کہ خاندان رسالت میں خلافت آجائے اوس وقت سے اس وقت تک کسی مسلمان کے ذہن میں یہ آسکتا ہے کہ قوم مسلمانوں کی بمقابلہ یزید کے حضرت امام حسینؑ کو خلیفہ قبول نہ کرے۔ یا قبول کر کے منحرف ہو جائے اور یزیدؓ کی طرف سے حسینؑ علیہ السلام کو قتل کر ڈالے اسی تغیر حالت قوا نے خلافت خاندان رسالت میں نہ آنے دی اور جس وقت کہ قوم مسلمانوں نے کوفہ میں حضرت مسلمؑ کے ہاتھ پر نیا بٹا حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کو لے لیتے: جیت کی اس وقت کسی کے ذہن میں یہ آسکتا تھا کہ وہی قوم منحرف ہو کر حضرت مسلمؑ اور حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کو قتل کر ڈالے گی۔ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے جو مکہ سے کوفہ کا سفر اختیار کیا تھا وہ بہ اعتبار حالت قوم کے تھا جو اس وقت حالت قوم کی تھی اگر قوم اپنی حالت کو متغیر نہ کرتی تو کچھ شبہ نہیں ہے کہ شکہ تک خلافت خاندان رسالت میں آکر حکم ہو جاتا جس کا اشارہ اس حدیث امام علیہ السلام میں ہے۔ لیکن قتل حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کا اسے بھری میں واقع ہو گیا۔ یہ زمانہ منصور و انیسویں کا تھا اور محمد اور ابراہیم اولاد حسن علیہ السلام کا خروج مشہور ہے اس کے عہد میں امام اہلبیتؑ اور شیعوں کو اسیدائیں بات لگی تھی کہ خلافت خاندان رسالت میں آجائے جس کے سامان اور اسباب مہیا ہو چکے تھے۔ مگر راز کے فاش ہو جائیں خلیفہ عہد نے اس کے خلاف انتظام کر لیا اور خلافت خاندان رسالت بنی فاطمہ میں نہ آسکی اور امام زمانہ خلافت پر مسلط نہ ہو سکے جس وقت امام زمانہ نے شیعوں پر اپنا راز ظاہر کیا تھا اس وقت ان کی حالت بیشک ایسی ہی تھی کہ امام اہلبیتؑ راز کو اون سے مخفی نہ رکھتے اور اس وقت ضرورت اس بات کی تھی کہ اون لوگوں سے راز ظاہر کیا جائے اور اس وقت



وہ لوگ قطعی راز داری کے قابل سمجھے جاتے تھے اسوقت امام اہلبیت سے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی البتہ ان شیعوں راز داروں سے غلطی ہوئی کہ انھوں نے اُس راز کا افشانا وقت کر دیا۔ حالت مابعد سے حالت مابعد کی نسبت یہ کہنا کہ حالت اول پر غلط فہمی ہوئی کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ اسباب کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جان سکتا۔ کہ کل کیا واقعہ پیش آویگا اور کل کسکی حالت متغیر ہو جائیگی۔

مصنف مخاطب ایک مثال غلط فہمی امام محمد باقر علیہ السلام کی یوں ظاہر کرتے ہیں کہ غلام کو اتفاقاً زمانہ سے ایک ایسا طعام طیب نعمت غیر مستر قبول کیا تھا جسکے کھانے والے کے لئے خواہ وہ عمل کرے یا کمرے جنت واجب ہو جاتی تھی اسکو جناب امام نے ایک اپنے غلام کی پاس امانت رکھا اور حکم کیا کہ اس امانت کو رکھ میں تناول کروں گا مگر وہ غلام تا فرمان اور خائن اس مال طیب کو بلا اجازت امام خود کھا گیا پس امام نے جو اسکو امین سمجھا تھا یہ انکی غلط فہمی تھی۔

مصنف مخاطب اپنے اس بیان کی سند کیلئے کتاب بن لایحضرة العقیقہ باب المكان للحدث سے ایک روایت نقل کر کے ترجمہ کرتے ہیں ”داخل ہوئے امام باقر علیہ السلام یا خانے میں تو پایا روٹی کا ایک ٹکڑا جو گوہ میں پڑا تھا تو اٹھا لیا اسکو اور دہویا اور ایک غلام کے حوالہ کر دیا جو اونکے ساتھ تھا اور فرمایا کہ یہ ٹکڑا تیرے پاس رہے جب میں نکلونگا تو اسکو کھاؤں گا پھر جب امام یا خانے سے باہر تشریف لائے تو غلام سے پوچھا کہ تمہارا کمان ہے غلام نے کہا کہ ابن رسول اللہ میں اسکو کھا گیا۔ امام نے فرمایا کہ وہ نہ پوچھے گا کسی کے معذہ میں مگر واجب ہو جائیگی

اُسکے لیے جنت پس چلا جاتا تو آزاد ہے مین ناپسند کرتا ہوں کہ کسی ایسی شخصیت سے خدمت لون جو جنت والا ہو گا

مصنف مخاطب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ائمہ اہل جنت سے خدمت نہیں لیتے تھے اور چونکہ سب ائمہ کی حالت ایک سی ہوتی تھی تو اب فرمائیے کہ رسول نے اور ائمہ نے جن لوگوں سے خدمت لی ہے جیسے بلال اور قنبر وغیرہ انکی کیا حالت ہوگی؟ مصنف مخاطب یہ جنت بھی کرتے ہیں کہ جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ بعض صورتوں میں شائع معصوم کی نافرمانی میں بھی جنت ملتی ہے تو قصہ قرطاس میں غمگین کیا الزام ہو گا

پھر شیعوں پر یہ تعجب کرتے ہیں کہ شیعیان امام نہایت امام کو چھوڑ کر تلاش معاش میں سرگردان ہیں ایسی غذا لے لطف اور رقم طیب کی تلاش کیوں نہیں کرتے کہ ہم خرماد ہم ثواب ہو لذت زبان اور سیری شکم کے علاوہ جنت ثمت ملتی ہے

یہ روایت متعلق مسئلہ طہارت کے ہے کہ جو ایک جز شرعیہ محمدی کا ہے اور جسکا مقصود یہ ہے کہ اگر کسی چیز کو ماکولات میں سے قاذورات لگ جائیں۔ تو وہ چیز پانی سے ظاہر ہو سکتی ہے اور اسے کھانے سے نفرت کرنا نہیں چاہیے یہ ظاہر ہے کہ جو کوئی ایسے ماکولات کے کھانے سے کہ جو ظاہر کمرلی گئی ہو منکر یا متنفذ ہو گا حقیقت میں وہ ایک مسئلہ طہارت شرعیہ کا منکر اور اس سے نفرت رکھنے والا ہو گا۔

جو کوئی کہ کسی مسئلہ طہارت شرعیہ سے شکر یا متنفذ ہو گا اس کے جہنمی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور جو کوئی کہ مسئلہ طہارت پر

غیبت اور عمل کرنے والا ہوگا لازم ہی کہ وہ جنتی ہو۔

امام کا دراصل کام یہ ہی کہ وہ ہر ایک مسئلہ شریعت کو اپنے عمل سے دکھائے تاکہ لوگوں کو اس مسئلہ کی صحت پر شبہ نہ رہے اسی نظر سے امام علیہ السلام نے اُس روٹی کے ٹکڑے کو قاذورات سے نکال کر اور ظاہر کر کے حوالہ غلام گئے کیا اور یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ خود امام علیہ السلام اسکا استعمال کریں گے تاکہ عمل امام سے اس مسئلہ شریعت پر کسی کو شبہ نہ رہے اور کسی کو اس مسئلہ طہارت سے انکار نہ یا اس سے نفرت پیدا نہ ہو۔ غلام کو امام علیہ السلام کے اس ارشاد سے یقین ہو گیا کہ امام علیہ السلام اپنے عمل سے اس مسئلہ طہارت کو دکھا چکے اور اُس ٹکڑہ ظاہر شدہ کے استعمال سے نفرت کرنی نہیں چاہیے جس سے انکار ایک مسئلہ طہارت شریعت کا لازم آتا ہوا ایسی حالت میں اس مسئلہ طہارت پر عمل کر نیسے جنتی ہونا لازمی ہے اور اُس کے انکار یا نفرت پیدا ہو نیسے جنتی ہونا لازم آتا ہی اس سے غلام نے اُس ٹکڑہ کو کھالیا تاکہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ جس مسئلہ طہارت کو امام علیہ السلام اپنے عمل سے دکھانا چاہتے تھے اوپر اس نے عمل کر لیا اور اُس مسئلہ کے انکار یا اس سے نفرت پیدا ہونے کے باعث وہ جنتی ہو گیا اور امام علیہ السلام نے اسی بنا پر اس غلام کا جنتی ہونا ظاہر فرمایا۔ اور ضروری عمل غلام کا جس سے صحت مسئلہ طہارت شریعت کا ثابت ہونا لازم آتا ہے۔ ایک عمل عظیم تھا اور وہ اس غلام کے جنتی ہونے کی جتنی بس ہے۔

امام علیہ السلام مسئلہ غلامی اور آزاد می کے متعلق منشا پر پیغمبر کو بخوبی سمجھتے تھے کہ جہاں تک انہوں کی انسانیت قید غلامی سے آزاد کیا جائے اور غلاموں کے

ساتھ وہ ہی بنا دیا گیا جو آزادوں کے ساتھ کیا جاتا ہی ایسی۔ جو سیلام علیہ السلام آزاد کو نہایت پسند فرماتے تھے اور اپنے عمل سے اپنی پسندیدگی دکھاتے تھے جیسا کہ امام علیہ السلام نے اوس غلام کو جس نے ہایت امام کی جمبو ایک سلسلہ طہارت شریعت کو اپنے عمل سے ثابت کر دیا فوراً اور بلا توقف آزاد فرمایا۔

پیغمبر اور آئمہ اہلبیت فی ملال اور قبور او مثل اونکے دوسرن سی غلامی اور آزادی دونوں حالتوں میں خدمت لی ہے۔ فرق یہ تھا کہ خدمت حالت غلامی کی معاوضہ میں ہوتی تھی اور آزادی کی حالت میں وہ خدمت ان آزادوں کی اپنے اختیار اور خوشی سے ہوتی تھی صرف یہ لحاظ عقدا کو جو مذہب اسلام قبول کرینگے سبب سے وہ نسبت پیغمبر اور آئمہ اہلبیت کے رکھتی تھی۔ اور جسکے سبب سے اونکو عزت اور فخر اور اجر عظیم حاصل ہوتا تھا اون آزاد شدہوں کی وہ خدمت اسی حیثیت سے ہوتی تھی کہ جو ایسے لوگ بلا معاوضہ کرتے تھے جو کبھی غلام نہ ہونے ہوں اور خر ہوں۔ اور غلاموں کو بعد مسلمان ہو جائینگے پیغمبر اور آئمہ خاص خاص موقع پر آزاد کر دیتے تھے۔ جب اونکی حالت قابل آزادی کے پاتے تھے جس سے اخلاق پیغمبر اور آئمہ کا قابل تسلیم ہو جاتا تھا۔

امام علیہ السلام نے اوس غلام کو آزاد کر کے جو فرمایا ہو کہ میں نا پسند کرتا ہوں کہ کسی ایسے شخص سے خدمت لون جو اہل جنت سے ہو اوس سے صرف مقصود یہ ہو کہ اہل جنت کو حالت غلامی میں رکھنا اور حالت غلامی میں اوس سے خدمت لینا نا پسندیدہ ہو اور یہ ایک خاص موقع غلام آزاد کر دینا اور امام کو حسن اخلاق کی ثابت ہونیکا تھا۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونیکے بعد وہ خدائے مصنف مخاطب کا کلمہ  
آئمہ اہل جنت سے خدمت نہیں لیتے تھے اور رسول اور آئمہ نے خدمت  
لی ہو کسی طرح باقی نہیں رہ سکتا۔

مصنف مخاطب کا یہ اعتراض کہ غلام فی امانت میں خیانت اور  
تا فرمانی امام علیہ السلام کی کئی بالکل غلط ہی وہ ٹکڑا روٹی کا اقتادہ اور مال  
لقطہ سے تھا ملکیت امام علیہ السلام کا نہیں تھا اور غلام اس امر کو جانتا تھا  
کہ وہ مال لقطہ ہی اور ملکیت امام نہیں ہی اور امام علیہ السلام نے اس  
ٹکڑے روٹی کو امانتاً دسکی سپرد نہیں کیا تھا اور نہ روایت میں کوئی  
لفظ ایسا ہے جس سے امانتاً دینے سے سپرد کرنا ظاہر ہو بلکہ روایت سے صاف  
ظاہر ہے کہ مال لقطہ امام علیہ السلام نے حوالہ غلام سے کیا تھا اور یہ ظاہر  
فرمایا تھا کہ امام مسئلہ طہارت خود اپنے عمل سے دکھا دیں گے اور غلام  
کو منع نہیں کیا تھا کہ تو اسکو نہ کھانا۔ غلام نے امام کی اس بات پر یقین کرکے  
کہ ازم علیہ السلام ایک مسئلہ طہارت کی صحت کو ہم لوگوں کی ہدایت کیلئے  
اپنے عمل سے دکھانا چاہتے ہیں خود اسی فی جوائس ٹکڑے روٹی کو کھا لیا اور  
مسئلہ طہارت پر موافق منشاء امام علیہ السلام کے عمل کیا تو ایسی حالتیں  
نہ اس مال پر کہ لقطہ تھا اطلاق امانت کا ہو سکتا ہی اور نہ غلام خائن  
اور تا فرمان قرار پاسکتا ہی۔ بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا مطیع اور فرمان بردار  
قرار پاتا ہی۔ کہ جس نے امام علیہ السلام کو واجب الطاعت مان کر مسئلہ طہارت  
پر کسی طرح سے عمل کیا کہ جس طرح مسئلہ طہارت کو امام علیہ السلام اپنی عمل سے  
دکھانا چاہتے تھے۔

یہ نہایت اس روایت سے ہرگز نہیں پیدا ہوتی ہے کہ شام معصوم

کی تافرائیسے بھی جنت ملتی ہو، بلکہ اس روایت سی صریح ظاہر ہو کہ شائع  
مصنوع کی فرمانبرداری اور اطاعت سے جنت ملتی ہے۔ اور قصہ قرطاس  
کا الزام حضرت عمرؓ پر سے رفع نہیں ہو سکتا جسکے رفع کر نیکا مصنف محتاط  
اس موقع پر قصد کرتے ہیں۔ پیغمبرؐ نے جسوقت یہ فرمایا تھا کہ ”سنے آؤ  
میرے پاس کاغذ و ادوات تاکہ میں لکھ دوں تمکو ایسی کتاب کہ میرے بعد  
گمراہ نہ ہوئے اسوقت اگر حضرت عمرؓ ادوات قلم لاکر خود وہ کتاب لکھتے  
کہ جو پیغمبرؐ کا منشا تھا تو یہ الزام حضرت عمرؓ پر عائد نہیں ہو سکتا تھا کہ  
پیغمبرؐ نے تو فرمایا تھا کہ میں وہ کتاب لکھ دوں اور حضرت عمرؓ موافق منشا  
پیغمبرؐ کے وہ کتاب لکھ دی۔ بلکہ یہ فعل اونکا ایک اعلیٰ درجہ کا فعل  
اطاعت اور فرمانبرداری کا سمجھا جاتا اور اسوقت حضرت عمرؓ اُس  
غلام امام محمد باقر علیہ السلام کے سمجھے جاتے کہ جیسے مسئلہ طہارت کو امام  
علیہ السلام نے اپنے عمل سے قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اُس مسئلہ کی  
صحت کو اُس غلام نے اپنے عمل سے موافق منشا امام کے ثابت کر دیا۔  
وہی ہی حضرت عمرؓ اور اُس اُمرہایت کو جسکے لکھنے کے لیے پیغمبرؐ نے  
اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا خود لکھ دیتے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے بجائے اسکے  
کہ جو عمل پیغمبرؐ کرنا چاہتے تھے وہ ہی عمل خود کرتے یہ کیا کہ حجت کر کے پیغمبرؐ  
کو اس عمل سے باز رکھا۔ ایسی حالت میں وہ الزام نافرمانی کے عاید  
ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ یہ ظاہر ہے کہ غلام کی حالت جیسا ذکر  
اس روایت میں ہے مثل حالت حضرت عمرؓ کے اسوقت ہوتی کہ جب  
امام علیہ السلام نے اپنا دُست سے باہر تشریف لاکر غلام سے پوچھا کہ وہ نغمہ  
کہاں ہے اور غلام اُسکے جواب میں کہتا کہ وہ نغمہ موجود ہے مگر میں یہ نغمہ

آپ کو ہرگز کھانے نہیں دوں گا۔ اس صورت میں اس روایت سے نہ یہ معلوم ہوتا ہو کہ بعض صورتوں میں شائع معصوم کی نافرمانی میں بھی جنت ملتی ہے نہ قصہ قرطاس میں جو الزام حضرت عمرؓ پر ہے وہ ٹل سکتا ہے شیعیان امام نے سنت امام کو کبھی نہیں چھوڑا وہ تلاش معاش جائز اور غذا کی لطیف اور لقمہ طیب میں ہمیشہ رہے اور رہتے ہیں۔ انھوں نے کبھی حرام کو حلال اور حلال کو حرام اور نجس کو طاهر اور طاهر کو نجس خلاف شریعت نہ سمجھا نہ قرار دیا جن لوگوں نے کہ خلافت خاندان رسول پر ناحق قبضہ کیا اور خلافت حق متصرف ہوئے اور حق کو ناحق اور ناحق کو حق قرار دیا اور اس دولت کے جو اوکے لئے غیر طیب اور غیر طاهر بلکہ نجس اور متنجس تھی ظاہرہ غذائے لطیفہ مثل شراب و کباب کی متبادل فرماتے رہے وہ غذا بموجب سلسلہ شریعت کی درحقیقت باطن میں قاذورات کے برابر ہے۔ ایسے لوگ جبگو ایسی غذائے لطیف اور لقمہ طیب ہم پہنچتے رہے ہیں اور جس کے کھانے کے وہ عادی ہو گئے ہیں انکو کچھ ضرورت ایسی غذا کی تلاش کی بلا شک نہیں رہی ہے کہ جس کی ہدایت مصنف مخاطب شیعوں کو کر رہے ہیں۔

اہل سنت کو اپنے یہاں کے مسائل طہارت اور نجاست پر نظر کرنی چاہیے (دیکھو در مختار اور در مختار) نجس چیز خواہ برتن ہو خواہ کھانے کی شے مستعمل پانی سے اور سرکہ اور گلاب و ردودہ سے اور جس حیوان کا گوشت کھاتے ہوں اسکو پیشاب سی (جو ادیکے نزدیک خود نجس ہے پاک ہو جاتی ہے یہاں تک کہ لعاب ذہن سے جس چیز میں مسام نہ ہوں جیسے تاخنہ اور آئینہ اور مٹی اور چکنا برتن اور غیر منقوش چاندی کی ٹکڑے پونچھنے سے پاک ہو جاتی ہے) اس نجاست کا جرم ہو یا نہ ہو وہ نجاست ترمو یا خشک ہو اس مسئلہ کے

قائلین کو چاہیے۔ کہ چینی کی رکابی یا پیالہ جو بول و برائے سے نجس ہو جاتی۔  
 اسکو پونچھ کر بے تکلف اس میں کھانا کھالین۔ نجس گھی زیادہ جوش اور  
 نجس گوشت جوش سے پاک ہو جاتا ہو ایسے گھی اور گوشت سے اتنے یہ لطیف  
 طیار کر کے تناول فرمانا چاہیئے اور کھانے کی دیگ میں شراب ڈال دینی جاتی۔  
 پھر سرکہ ڈال دیا جائے۔ اور وہ ترش ہو جائے اس کے کھانے کا کچھ مضائقہ  
 نہیں ہے۔ ایسے مزیدار کھانے کو ہرگز ترک کرنا نہیں چاہیئے و خشک مٹی بھی  
 جہاں کھین لگی ہو اسکا میل رگڑنے اور چھلنے سے پاک ہو جاتا ہو۔ اور ناپاک  
 روئی دھتے سے پاک ہو جاتی ہے۔ ایسے لباس جسے مٹی رگڑ ڈالی ہو۔ اور  
 ناپاک روئی دھنی ہوئی ہے لباس تیار کر کے زرب تن فرمانا چاہیئے۔ تاکہ  
 جیسی غذائی لذیذ ہو ویسا ہی نفیس لباس ہو۔

بدن کے صاف کرنے کے لیے بھی عمدہ صابون تجویز کیا گیا ہے کہ نجس  
 روغن اور صابون بنانے سے پاک ہو جاتا ہے اور یہ جھٹنے یہ ہی حقیقت  
 میں جو لوگ ایسے صابون سے بدن کو صاف کریں اور ایسے لباس پھین او  
 ویسی غذائیں کھائیں اور کواور کسی مطہرات کے تلاش کی ضرورت  
 نہیں ہو سکتی۔

جس روایت پر امام اہلبیت کی اعتراض کیا جاتا ہے اس میں یہ ثابت  
 کرنا چاہیئے تھا کہ وہ بکڑا روئی کا جو قاذورات میں پڑا ہوا تھا ہونے سے پاک  
 نہیں ہو سکتا تھا۔ جس پر یہ الزام لگ سکتا کہ امام علیہ السلام نے نجس  
 کو طہر اور حرام کو حلال قرار دیدیا جیسا کہ ہم نے مختصر حالت آئمہ اہل  
 سنت کے دکھائی۔

مصنف مخاطب فی اب تک جو مشاہین غلط فہمی بنیاد و رائے کی



دکھائی تھیں اور عائشہ صدیقہ کو جھٹلایا تھا اسے منقول روایت غضبنا کی اور  
 خوشی جناب بیٹہ کی بابت اسکی حقیقت ہم دکھا چکے اور اس جلد ششم کو  
 ختم کرتے ہیں۔ آئندہ جو مثالیں مصنف مخاطب فی غلط فہمی ملائکہ  
 کی دکھائی ہیں اور انکی حقیقت انشا اللہ جلد ہفتم ۱۹۷۷ء ع میں  
 دکھائی جائے گی۔

راقمین ہوں وہی خاص شیعہ

### مختصر فہرست مضامین جلد ہفتم

| صفحہ | خلاصہ مضمون  | صفحہ | خلاصہ مضمون   |
|------|--|------|---|
| ۱    | مصنف کے ایک خطبہ جناب امیر<br>کے چند فقرات سر جہانگازان ہند لائون<br>کی مفصل حقیقت کہ جناب امیر خلافت<br>ابوبکر سے مزاحمت فتنہ سمجھتے تھے۔ | ۴۹   | پربندہ دن کا کودنا اور اسکی تصدیق<br>اور ثناء جناب امیر سے۔<br>علی رضی اللہ عنہ کے ایک کلام کے بعض<br>فقرات سے اس غلط استدلال کی مفصل<br>حقیقت کہ جناب امیر ابوبکر کی اطاعت<br>واجب سمجھتے تھے اور پوری خطبہ<br>کا ترجمہ۔ |
| ۱۴   | روایت تغیبہ صبا فی وجمع البیان سے<br>اس استدلال مصنف کی مفصل حقیقت<br>کہ جناب امیر کو اپنی خلافت کا وقت<br>اسلام تھا اور روایت حفصہ۔       | ۶۸   | واقعات سقیفہ کے سلسلہ میں آیتہ و ما<br>محمد الارسلو الخ کی سننے کی فہمیں تطبیق<br>اس استدلال کی حقیقت کہ تاخیر حدیث   |
| ۲۲   | ایک حدیث اور شجرہ سحونہ کی تفسیر میں آیا<br>خلق مذمت میں آیتہ امیر مہر محمد  | ۷۰   | اس استدلال کی حقیقت کہ تاخیر حدیث   |

| صفحہ | باز صدم نمبریں  | صفحہ | خلاصہ مضمون  |
|------|---|------|--|
| ۴۳   | جناب امیر طوبہ دہلوی کی تائید اور<br>جناب امیر کے ایک خطا کو سونے عاقبت<br>کے بعض فقرات سے اس استدلال کی<br>مفصل حقیقت کہ وہ خلافت ابوبکر<br>کو خلافت حقہ سمجھتے تھے اور اس<br>کیون لڑتے اور پورے خطبہ کا ترجمہ<br>اور سید رضی کی نسبت قابل فساد<br>کلمہ کا جواب۔ | ۱۲۸  | اوتے اوتے اور اوتے اور اوتے<br>الاست باطل ہو گئی وغیرہ اور لقمہ پورا<br>ترجمہ خطبہ کا۔<br>آخری استدلال حضرت جناب امیر کو<br>ابوبکر سے نہ لے بیٹے خیال کی بابت و<br>روایت کتاب اعمال اور فقط۔<br>الجماعۃ سے استدلال اور اسکی<br>پوری حقیقت۔ |
| ۹۵   | آیتہ۔ حسن یشاق الرسول الخ سے<br>استدلال پر جو شرف استدلال امام<br>شافعی کو دیا گیا ہو اسکی حقیقت۔   | ۱۳۶  | خطبہ شقیقہ پر جس سلسلہ میں<br>نے استدلال کیے تھے انکا بنا بر یاد دہانی<br>ناظرین رسالہ روشنی عطا دہ۔   |
| ۱۰۵  | علی مرتضیٰ کے انکار قبول خلافت<br>اور اس ارشاد پر کہ کسی اور کو خلیفہ<br>بنالو مکر استدلال کی بجائے بحث ساقی<br>حقیقت۔  | ۱۳۷  | جناب امیر کے ایک کلام سے ان<br>استدلالوں کی مفصل حقیقت کہ ابوبکر<br>تھے الامکان باوجود ضعیفی اچھا کام<br>کرنیکی کوشش کرتے تھے اور انکے عہد میں<br>ظلم نہ تھا اور نہ جناب امیر مت مکر تو۔   |
| ۱۰۵  | ایک کلام جناب امیر کے چند فقرات<br>سوا استدلالوں اور انکی ان نتائج کی<br>مفصل حقیقت کہ جناب امیر خدا<br>خلافت نہ تھے وہ دست بردار تھے<br>انکا علم حتمی سے زیادہ نہ تھا بخیر۔  | ۱۴۰  | ایک ارشاد جناب امیر اور اس پر<br>قول شامی مضمون سے ان نتائج کی حقیقت<br>کہ جناب امیر نے اپنے اوپر ظلم کا ہونا<br>گوارا کیا بقابلہ اس کے کہ مسلمانوں پر   |

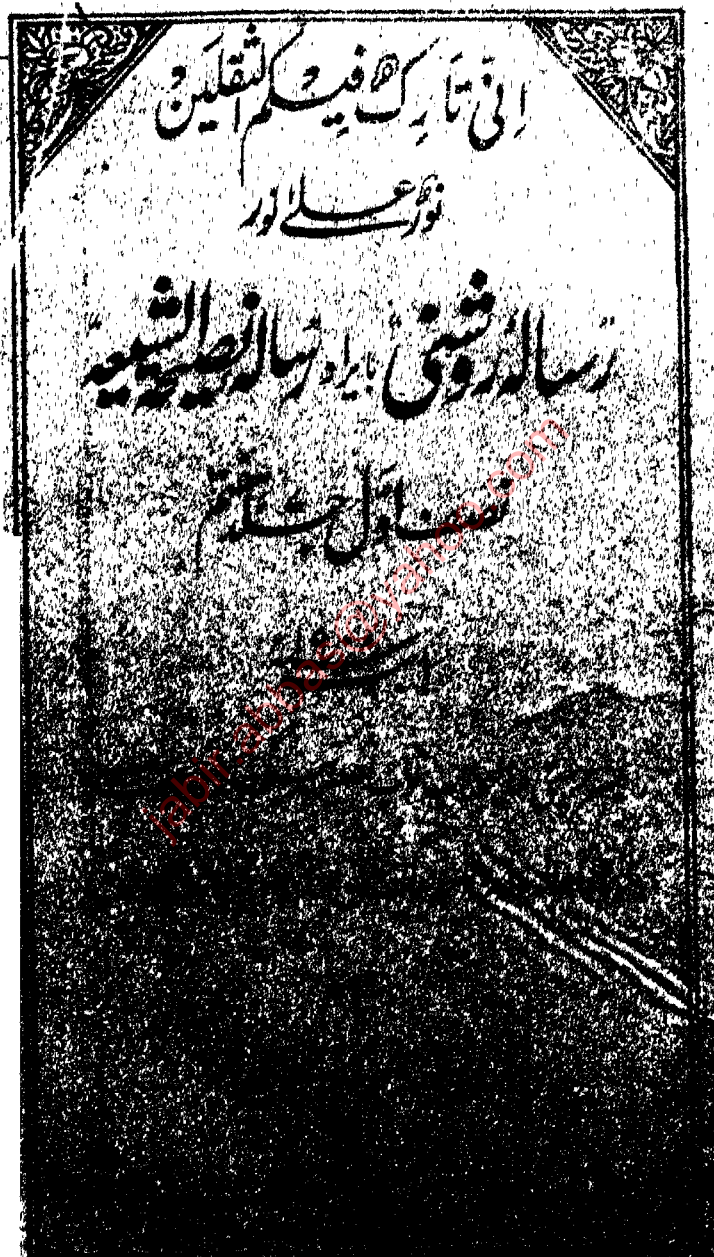
| صفحہ | خلاصہ مضمون  | صفحہ | خلاصہ مضمون   |
|------|--|------|---|
|      | ظلم ہو۔ اور خلافت شیخین میں ظلم تھا<br>وہ بندگانِ امیر ہرگز صلح قائم نہ کھتے<br>سعد پور سے ترجمہ کلام و قول شجاع<br>شیم اور فرقہ در میان عہد خلافت<br>ثلاثہ و عہاد یہ۔   |      | دیکھنا ہوں میں اپنی سیاست کی لوث<br>اس استلال کی حقیقت کہ جو عالم<br>کہ میں ابو طالب فی چھوڑ دی تھی اسکو<br>طائب و طقیل فی فروخت کہ یہ تھا<br>جناب امیر کو اتھیں سے کچھ غلامنگی<br>لطف اشارہ ہو۔  |
| ۱۵۳  | تولوی امیر علی خان صاحب بہادر<br>بشش کلکتہ باکیورت سی آئی<br>ای کی تحقیق متعلق عہد حضرت عثمان<br>و عہد شیخین۔  | ۱۹۰  | محقق کے اس بیان کی مفصل<br>کہ خلافت پر میراث کا لفظ صادق<br>نہیں آتا، خلافت کوئی مال نہیں<br>جس میں میراث جاری ہو، نہ جناب<br>امیر شرفاوارث رسول تھی۔   |
| ۱۵۸  | اس بیان اور اشکی مثال کی مفصل<br>کہ ظلم و جور اور امور شہسہ کا وقوع<br>جناب امیر کو ناگوار نہ تھا یہ سب کچھ<br>خاص انکی مجلس میں واقع ہوتا تھا<br>اور وہ ابن انور کو خلافت بننے کی<br>خوشی میں فخر یہ بیان کیا کرتے تھے۔ | ۱۹۴  | آنحضرت پہلے ابوبکر پر عمر کیلئے خلافت<br>کی بشارت نہیں دیکھتے تھے۔  |
| ۱۶۵  | آیت متعلق بیعت نسوان و طریقہ<br>بیعت محمد اسناد۔   | ۱۹۹  | اس بیان کی حقیقت کہ خاک بھی<br>جناب امیر کی میراث نہ تھا۔ انہوں<br>نے خود وہی عمل کیا جو خلفائے<br>کیا تھا۔ اگر خلفاء کا فیصلہ غلط تھا<br>تو جناب امیر اپنے وقت میں میراث<br>جاری کرتے حالانکہ جب وہ خطبہ<br>شقشقیہ پڑھ رہے تھے اور سوت بھی |
| ۱۶۸  | نقیبہ ایکسٹرنل موسنہ کا جنگ اُچار<br>میں شریک جہاد ہوتا۔   |      | شقشقیہ پڑھ رہے تھے اور سوت بھی  |
| ۱۷۹  | خطبہ شقشقیہ کا اس فقرہ سے کہ   |      |   |

| صفحہ       | خلاصہ مضمون                          | صفحہ | خلاصہ مضمون                              |
|------------|--------------------------------------|------|--|
|            | فدک آٹ۔ ہاتھا۔                       |      | اسما کو بخار داری کے لیے کیوں جانے دیتے۔ |
| ۲۰۹        | فدک کو علاوہ دیگر سات قطعات کے       | ۲۲۸  | مصنف کو اس وہم کی حقیقت کہ               |
| ۲۱۵        | تخصیہ فدک میں ابو بکر سے سیدہ کی     |      | عائشہ کو پہلے سوا ابو بکر سے سیدہ کی     |
|            | غضبناکی اور ناخوشی کی روایات صحیحہ   |      | ناخوشی کا وہم بند ہوا تھا اسی پر سیدہ    |
|            | پر علماء مستقدمین کی ریکٹا دیونگیا   |      | کے کلام مگر نیکو قیاس کیا۔               |
|            | خلاصہ اور مصنف مخاطب کے اس نام پر    |      | اس بیان کی حقیقت کہ علیؑ نے ابو بکرؓ     |
|            | قطعی انکار کی مفصل حقیقت کہ عائشہ    |      | ایسے اطلاع خبر وفات سیدہ کی نہ کی        |
|            | نہ سیدہ کی رہائش مضمون غضبناکی       |      | کہ انکی بی بی نے کھلا بھیجا ہوگا۔        |
|            | اور ناخوشی نہیں سنا قرآن سرایا       | ۲۵۱  | کامل روایت صحیح بخاری مع ترجمہ           |
|            | سمجھا۔ ایسے قیاس میں کبھی غلطی       |      | متعلق ناخوشی وعدم کلام سیدہ۔             |
|            | بھی ہو جاتی ہے۔                      | ۲۵۵  | حضرت موسیٰؑ پر غلط فہمی اور غلط          |
| ۲۲۱<br>۳۳۳ | استاد روایات ناخوشی و غضبناکی        |      | قیاس کو الزام مصنف کی حقیقت              |
|            | جناب سیدہ از شیخین۔                  |      | اور دوسروں کی افعال کی وجہ سے اپنے       |
| ۲۲۲        | اس تاویل کی حقیقت کہ عائشہ نے        |      | لیٹی استغفار چاہنا مع اسناد۔             |
|            | بیان خلاف واقعہ کا قصہ نہیں کیا      | ۲۵۹  | حضرت موسیٰؑ کی ایک دوسری                 |
|            | تھا بلکہ جو کچھ وہ سمجھی تھیں اتفاقی |      | غلط فہمی کی مثال کی حقیقت بحوالہ         |
|            | بات ہو کہ وہ خلاف واقعہ تھا۔         |      | روایت امام جعفر صادقؑ۔                   |
| ۲۲۴        | اس استدلال کی حقیقت کہ سیدہ ابو بکرؓ | ۲۶۱  | حضرت یوسفؑ پر خلاف واقعہ                 |
|            | سور ناخوشی ہو تین تو ابو بکرؓ بنی بی |      | نتیجہ نکالنے کی الزام مصنف کی حقیقت      |

| صفحہ | خلاصہ مضمون   | صفحہ | خلاصہ مضمون  |
|------|---|------|--|
| ۲۶۲  | انحضرت صلعم پر غلط فہمی کو الزام<br>مصنف کی حقیقت بسلسلہ روایت<br>معاملہ ماریہ قبطیہ و قتل جبرج حسب<br>مخبری بی بی عائشہ صاحبہ۔   | ۲۸۰  | معیزہ متعلق اصول فروغ دین<br>ذکر اعتراض حضرت سلمان فارسی<br>بابت ترک عمل برقرآن۔ و عمل<br>بالحدیث۔   |
| ۲۶۶  | بی بی عائشہ کو دیگر صاحب اولاد<br>ازواج رسول سو سو خٹکی سوتن بچے<br>کی رہتی تھی اسکی ایک تازہ سند<br>از کتاب حقوق نسوان مصنفہ مولوی<br>سید ممتاز علی دیوبندی مالک کارخانہ<br>رفاہ عام ایٹم لاہور۔ | ۲۸۱  | مقابلہ حضرت عمر کے منع طلبہ<br>قرطاس کا واقعات نزول آیتہ<br>یا ایہا الرسول بلغ اور اسکی عدم<br>تبلیغ پیغمبر سے اور اسکی مفصل تحقیق<br>روایت کافی کتاب الحجۃ سے آیتہ<br>اطیعوا اللہ الخ کی تفسیر پر مترس کا<br>نسبت پیغمبر ایک غلط استلال اور<br>اسکی مفصل حقیقت۔ |
| ۲۶۷  | روایت قتل جبرج سے اس فائدہ<br>مصنف کی حقیقت کہ لفظ اہلبیت<br>سومرا دی بیان ہونگی۔   | ۲۸۶  | روایت امام جعفر صادق الخضر<br>کا عباس کو طلب کرنا۔ ذکر میراث<br>اور اس سے غلط استلال اور<br>انکی نتائج کی حقیقت۔   |
| ۲۷۰  | روایت قتل جبرج سے اس فائدہ<br>ثانیہ معرض کی مفصل حقیقت کہ<br>جیسے معاملہ قتل جبرج میں حامل<br>اور غور و فکر کی ضرورت تھی<br>ویسے ہی معاملہ طلب داوات و<br>قرطاس میں جوی و اسکا وغیرہ              | ۲۹۱  | روایت امام جعفر صادق الخضر<br>کا عباس کو طلب کرنا۔ ذکر میراث<br>اور اس سے غلط استلال اور<br>انکی نتائج کی حقیقت۔   |
| ۲۷۹  | نظم قرآن کے سببات جو نو ان  | ۲۹۵  | رسول اللہ کو آخر وقت تک علی کی<br>امامت کی مخالفت کا خیال تھا<br>اس استلال اور اس کے نتائج<br>کی حقیقت۔  |

| صفحہ | خلاصہ مضمون   | صفحہ | خلاصہ مضمون  |
|------|---|------|--|
| ۲۵۷  | حضرت عمرؓ کے ارشاد و لفظ ہجری کی تاویلین اور انکی حقیقت مع اسناد روایت منع قرطاس۔                       | ۲۵۸  | جناب امیرؓ کی نسبت بروایت مذکورہ حق الباقین ۲۰ ہجو جنین، ایک غلط قیاس کے الزام کا اعادہ اور انکی حقیقت۔  |
| ۲۵۹  | جناب امیرؓ کی نسبت بروایت مذکورہ حق الباقین ۲۰ ہجو جنین، ایک غلط قیاس کے الزام کا اعادہ اور انکی حقیقت۔ | ۲۶۰  | جناب امیرؓ نے قاتلان عثمان کو نہرا ندی اس الزام معترض کی مفصل حقیقت مع حالات جنگ جل جنگ صفین، خواج وغیرہ۔  |
| ۲۶۱  | جناب امیرؓ کی نسبت بروایت مذکورہ حق الباقین ۲۰ ہجو جنین، ایک غلط قیاس کے الزام کا اعادہ اور انکی حقیقت۔ | ۲۶۲  | جناب امیرؓ کے دو کلاموں سے اس استدلال معترض کی مفصل حقیقت کہ جناب امیرؓ نے بیعت کنندگان کو اپنا نامہ اور بدگامی سمجھ لینے میں غلطی کی اور دو کلاموں کا پورا ترجمہ۔ |
| ۲۶۳  | جناب امیرؓ کی نسبت بروایت مذکورہ حق الباقین ۲۰ ہجو جنین، ایک غلط قیاس کے الزام کا اعادہ اور انکی حقیقت۔ | ۲۶۴  | ایک متعلق کرامت از جنگ۔  |
| ۲۶۵  | جناب امیرؓ کی نسبت بروایت مذکورہ حق الباقین ۲۰ ہجو جنین، ایک غلط قیاس کے الزام کا اعادہ اور انکی حقیقت۔ | ۲۶۶  | علیؓ مرتضیٰ کے ایک اور دھوکا کھانے اور غلطی کی مثال متعلق جنگ صفین اور اس سے علیؓ مرتضیٰ   |
| ۲۶۷  | جناب امیرؓ کی نسبت بروایت مذکورہ حق الباقین ۲۰ ہجو جنین، ایک غلط قیاس کے الزام کا اعادہ اور انکی حقیقت۔ | ۲۶۸  | اہل سنت کے یہاں کے چند مسائل بجااست و طہارت بطور نمونہ مع اسناد خاتمہ جلد  |

| نمبر شمار   | نام معاونین                                    | تعداد |
|---|--|-------|
| ۷۸  | جناب سید محمد عسکری صاحب ضلع دار               | ۱ سے  |
| ۷۹  | جناب سید محمد نصیر صاحب ضیا                    | ۱ سے  |
| ۸۰  | جناب قاضی سید نور الدین علیخان صاحب برائے قاضی | ۱ سے  |
| ۸۱  | جناب مرزا محمد عباس علیخان صاحب بادور          | ۱ سے  |
| ۸۲  | جناب قاضی بندہ حسین خان صاحب سید برائے         | ۱ سے  |
| ۸۳  | جناب ماسٹر سید کاظم علی صاحب                   | ۱ سے  |
| ۸۴  | جناب مولوی سید آل احمد صاحب کلیل               | ۱ سے  |
| ۸۵  | جناب بابو سید محمد تقی صاحب بابت بقایا         | ۱ سے  |
| ۸۶  | جناب سید غلام امام صاحب سپرنٹنڈنٹ              | ۱ سے  |
| ۸۷  | پولیس مع بقایا -                               | ۱ سے  |
| ۸۸  | جناب سید محمد حسین صاحب شہر دار حاکم سروس      | ۱ سے  |
| ۸۹  | جناب حکیم سید میر نصاحب منجمل بقایا            | ۱ سے  |
| <p>جن جن چند بزرگواروں کے ذمہ اپنی سہ ماہی جلد حکم<br/>چند باقی ہو وہ بھی براہ کرم اگر جلد ششم ۹۹ء کے<br/>ساتھ ہی بھیج دیں تو بڑی عنایت ہو۔ ہمیں تو بار بار<br/>تقاضا کرتے ہوئے حجاب معلوم ہوتا ہے۔</p> <p>السید مرزا عبد التقی قزلباش ادیسر روشنی<br/>دفتر روشنی سے ذیل کی کتابیں نقد قیمت آگے<br/>یا بذریعہ ویلو پارسل بھیجی جاسکتی ہیں۔ اخلاء<br/>علی ترقی کو اسلام و ایمان کی ثبوت میں۔ قیمت ۵۰<br/>سختیہ المفاروق کاروبار موسوم بہ النظر ۵۰</p>  |  |       |
| <p>رسالہ روشنی<br/>***</p> <p>دو جز ماہوار شائع ہوتا ہے۔<br/>سالانہ چندہ سے رہے۔<br/>تجددات سنین ماضیہ کی قیمت<br/>علاوہ محصول ڈاک حسب<br/>جلد اول مد حصص ضمیمہ۔<br/>جلد ثانی بابت ۹۵ء<br/>جلد ثالث بابت ۹۶ء<br/>جلد رابع بابت ۹۷ء<br/>جلد خامس بابت ۹۸ء<br/>جلد سادس بابت ۹۹ء<br/>یعنی جلد ہذا -<br/>ترسیل نر اور ہر قسم کی خط و کتابت<br/>بنام ادیسر دفتر رسالہ روشنی لکھنؤ<br/>کے پتے سے ہوئی چاہئے۔<br/>اپنا پتہ نشان مد نام ڈاک خانہ<br/>صاف لکھنا چاہئے۔ اور پیشہ<br/>تبدل مقام سے ہی اطلاع<br/>دینی چاہئے۔<br/>المشہر مرزا قزلباش ادیسر روشنی<br/>چاہ لکھ لکھنؤ۔</p> |  |       |





التماس

[illegible]



## جلد شابع من مجلدات روشنی

باب ۱۹۰

مصنف خطاب بہ سلسلہ اویحیٰ بنی شالون غلط فہمی کے جو وہ امر اور انبیاء  
واسطے تکذیب عائشہ صدیقہ کے دکھا رہے ہیں اور جنگی حقیقت ہم جلد ماسبق  
میں دکھا چکے۔ ایک اور نشان غلط فہمی ملائکہ کی نہایت مذاق اور مضحکہ سیوں  
دکھاتے ہیں کہ ۲۲ شہادت حسینؑ سے پہلے ملائکہ نے اللہ سے اجازت حاصل  
کر لی تھی کہ حسینؑ کی مدد کریں ملائکہ یہ سمجھتے تھے کہ جب اللہ نے ہلکود کی  
اجازت دی ہو تو ضرور ہلکود کرنے کا موقع ملے گا چنانچہ ملائکہ فی سان  
جنگ درست کرنے کے لئے کسی قدر توقف کیا (شائد زنگ آلودہ ہتیار  
تیز کرتے ہوئے رسد کے اہتمام کے لئے بار برداری کے جانور اور غلہ ہم  
پہنچاتے ہوں گے آسمان سے زمین کر بلا تک عبور فوج کے لئے سڑکیں  
بناتے ہوئے خبر رسانی کے لئے ٹیلیگراف قائم کیا ہو گا زخموں کیلئے اسپتال  
بنائے ہوں گے) جب وہ ملائکہ زمین کر بلا میں پہنچے تو امام حسینؑ شہید ہو چکے  
اور وقت اللہ سے اون ملائکہ نے شکایت کی کہ اگر ہمارے پھونچنے سے  
پہلے امام حسینؑ کا خاتمہ کر دینا منظور تھا تو ہم کو اجازت کیوں دی تھی۔

تو اون کو یہ حکم ملا کہ اب تم اونکی قبر پر بیٹھے رو یا کرو جب وہ قبر سے نکلیں تو اونکی مدد کیجیو۔ پس ملائکہ نے جو یہ سمجھا تھا کہ اللہ نے ہکمو مد کی اجازت دی ہے تو فخر و رہم کو مد کرنے کا موقع ملے گا اور ہم جب تک سامان جنگ درست کر کے کر بلا تک پہنچیں گے اُس وقت تک جناب امام ضرر و زخم نہ ہو سگے۔ اُنکی غلط فہمی تھی۔

مصنف مخاطب اصول کافی کے باب ان الامم لم یبعثوا اشبارا الا بعد من اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کر کے یہ ترجمہ کرتے ہیں۔

۲۲ امام حسین علیہ السلام کو جو عظیم عطا ہوا تھا وہ انھوں نے پڑھا اونکے لئے اُس میں تفسیر تھی آئے والی باتوں کی معجزہ گس کے اور باقی رہ گئے تھیں اس حقیقت میں بہت سی چیزیں جو ابھی پوری نہیں ہوئی تھیں پھر مکے امام حسین قتال کے لئے۔ اور تھے وہ امور جو باقی رہ گئے تھے یہ کہ ملائکہ نے اللہ سے اجازت چاہی تھی امام حسین کے مدد کرنے کی تو اللہ نے اُنکو اجازت دیدی پس ٹھہرے ملائکہ کہ تیار ہوتے تھے طرائی کے لئے اور سامان درست کرتے تھے جنگ کے لئے اتنے میں قتل ہو گئے حسین۔ پھر ملائکہ اوترے اور ختم ہو چکی تھی عمر حسین کی اور قتل ہو چکے تھے حسین۔ تو ملائکہ نے کھا کہ اے اللہ تو نے ہکمو اجازت دی تھی اُترنے کی اور تو نے ہکمو اجازت دی تھی حسین کی مدد کرنے کی پس ہم اوترے اور تو نے اونکی روح قبض کر لی تو اللہ نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ حسین کی قبر پر ہر وقت سو جو در ہو اُس وقت تک کہ تم حسین کو دیکھو کہ قبر سے نکلیں تو اونکی مدد کیجیو اور اب روئے۔ حسین پر

اس روایت پر محض مفاہیم، یہ نظریہ بھی کرتے ہیں کہ جس طرح ملائکہ  
 اور غلام نہیں ہوئی اسی طرح حسین علیہ السلام سے بھی غلط فہمی ہوئی۔ چنانچہ  
 یہ مفسرین نے کہہ کر ہو چکا ہے کہ نعم فرشتہ جو انکی مدد کے لیے نازل ہوا تھا  
 انکی مدد آتھوں سے قبول نہیں کیا اسکی وجہ شاکہ یہی تھی کہ اپنے محفہ سے  
 اونکو یہ خبر پڑی تھی کہ ملائکہ کا منکر ہو۔ دے کے لیے نازل ہو گا۔ پس وہ اسخی خیال  
 پر اس مدد کے منتظر رہے لیکن تاثریاق از عراق آورد و شود کا حساب ہو گیا۔  
 اب اگر کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ اللہ نے معرکہ کربلا میں حسین کی جان کیوں نہ  
 بچائی اور ظالمونکو دفع کیوں نہ کیا تو اسکا معقول جواب یہ ہے کہ اللہ نے فرشتوں  
 مدد کرنے کا حکم کیا تھا اب فرشتے نہ آئیں تو اللہ پر کیا الزام۔ پھر اگر فرشتوں  
 کو یہ الزام دیا جائے کہ تم نے دیر کیوں کی تو انکا جواب یہ ہے کہ بغیر درستی  
 سامان کے فرشتے آتے کیا کر سکتے تھے۔ درحقیقت حسین کے معاملہ میں اس  
 وجہ سے تساہل ہو گیا کہ رسول نے اور جناب سیدہ نے بار بار انکی ہنشات  
 رد کی تھی اور جناب سیدہ نے بہت سی رد و کہ کے بعد رضامندی ظاہر کی  
 اور پھر ایسی ناراض ہو گئیں کہ انکا حمل و تولد ناگوار تھا۔ پس جب حسین مظلوم  
 کے معاملہ میں رسول اور جناب سیدہ کی نگاہیں بھری ہوئی تھیں پھر انکے معاملہ میں  
 فرشتے تساہل نہ کرتے تو اوپر کیا کرتے؟

کوئی فرقہ مسلمانوں کا وجود ملائکہ اور نزول ملائکہ سے انکار نہیں کر  
 سکتا۔ ملائکہ کا ذکر عام اور خاص طور پر قرآن میں موجود ہے۔ اور یہاں تک  
 کہ لشکر کے لشکر ملائکہ کے جنگ بدر اور جنگ احد میں بھی لڑی تھی۔  
 اور پیغمبر کے دشمنوں کے قتل کیلئے ایک دوسرے کے پیچھے سوار ہو کر  
 نازل ہوئے ہیں۔ دیکھو آیات قرآنی صفحہ ۷ رسالہ روشنی جلد اول چوتھا

حصہ جنوری سنہ ۱۹۸۷ء روایات اہل سنت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اُن ملائکہ کے عامہ سرخ اور سفید پوشاک تھی اور عاموں کے طرے دو نشانوں کے بیچ میں لگے ہوئے تھے اور وہ اہلق گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کے گھوڑوں کا یہ نشان تھا کہ صوف سرخ گھوڑوں کی پیشانی اور کانوں پر باندھا تھا یا پنا یہ نشان رکھا تھا کہ عامہ سفید تھے اور طرہ دو نشانوں کے درمیان لگے ہوئے تھے۔ مبارزان عرب کی عادت مستمر تھی کہ وہ بزرگ جنگ کوئی نشان اپنے گھوڑے پر یا اپنے لیے باندھتے تھے۔

بہر حال اُن ملائکہ نے جو دشمنوں پیغمبر کے قتل کیلئے اور پیغمبر کی کمک کے لیے آئے تھے انکی شکلیں مثل انسانوں کے تھیں یا انھوں نے ایسی صورتیں مثل انسانوں کے بنائی تھیں۔

میں بجاظہار انا مصنف مخاطب کے کہہ سکتا ہوں کہ خدا نے پیغمبر کی مواظن کثیرہ پر جو لشکر ملائکہ سے مدد کی ہو وہ لشکر خود خدا نے بھیجا تھا ان ملائکہ نے خود درخواست نصرت پیغمبر کی نہیں کی تھی اور خدا نے جس لشکر ملائکہ کو خود بھیجا تھا اُس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ لشکر ملائکہ کا خاص ارادہ تھا کہ باڈی گاڈ تھا اُسکے ہتھیار نہ رنگ آلودہ تھے نہ ہتھیاروں کے تیز کرنے کی اونکو ضرورت تھی نہ رسد کے اہتمام کی حاجت تھی بار برداری کے بانو اور غلہ ہر وقت موجود رہتا تھا آسمان سے مواقع جنگ تک سرکین بنی ہوئی تھیں خبر رسانی کے لیے ٹیلیگراف قائم تھے شیون کیلئے ہسپتال بنے ہوئے تھے۔ انکو وہ ف خدا کے حکم کی دیر تھی اور سامان جنگ سب انکے لیے طیارہ تھا ہتھیاروں کا علم انزدی کے گھوڑے سر پر اوڑھائے ہوئے میدان جنگ میں داخل ہوتے اور انھوں نے کفار

کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

برخلاف اس کے جن ملائکہ کا ذکر روایت نصرت امام حسین علیہ السلام میں ہے انکی حالت ہی۔ ان ملائکہ نے خود اجازت ماوا امام حسین علیہ السلام کی چاہی تھی اور اللہ نے انکو اجازت دے دی تھی جس سے یہ معاویہ ہوتا ہو کہ یہ ملائکہ رسالہ باٹھی گاڑے نہیں تھے وہ عام لشکر ملائکہ سے تھے اور انکے لیے ویسا سامان جنگ نہیں تھا جیسا کہ رسالہ باٹھی گاڑ دینے تھا اور انکو اگر لڑائی کے لیے تیار ہونے اور سامان جنگ درست کرنے کے لیے توقف ہو تو کچھ عمل احتجاج نہیں ہو۔ بڑائی سلطنتوں میں بچھلے وقت کے بادشاہوں کے عہد میں فوج کی ایسی ہی حالت ہوا کرتی تھی کہ سامان جنگ درست نہیں ہوتا تھا اور جنگ کے لیے تیاری میں فوج کو بہت توقف ہوتا تھا اور خدا کی سلطنت اور بادشاہی سب سے زیادہ قیام ہے۔

موافق مذاق مصنف مخاطب کے عام لشکر خداوندی کی اگر ایسی حالت ہو کہ لڑائی کے لیے تیاری اور سامان جنگ کی درستی میں توقف ہو تو کچھ تعجب کرنا نہیں چاہیے۔ مدد حضرت امام حسین علیہ السلام کی درخواست کا طرف سے ملائکہ کے اور انکو اجازت کا ہو جانا طرے خدا کے جو اس روایت میں مذکور ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ مدد وقوع میں بھی آجاتی اس لیے کہ اسکا تصدیق واقع سے ہوتا ہے اور کسی امر کا بندوبست یا رائے کے لیے تدبیر کی مدد تو اس سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ وہ امر ویسے ہی وقوع میں بھی آجائے۔

اس لیے یہ اعتراض مصنف مخاطب کا وار د نہیں ہو سکتا کہ ملائکہ سے غلط فہمی ہوئی لہذا ملائکہ نے جو خواہش مدد امام حسین علیہ السلام کی کی تھی

اور خدا نے انھیں اجازت دی تھی اور وہ اس وقت پہنچے کہ حسین علیہ السلام قتل ہو چکے تھے اور ملائکہ نے کہا کہ اے اللہ تو نے ہلکا اجازت دی تھی اترنے کی اور حسین کی مدد کرنے کی پس ہم اترے اور تو نے اونکی روح قبض کر لی جیسا کہ روایت میں ہے یہ ان فرشتوں کا اظہار انبی آرزو کا ہے کہ جو پوری نہیں ہوئی تھی چنانچہ انکی تلافی کے لیے خدا نے ان فرشتوں کو یہ حکم کیا کہ قبر حسین کی ملازمت کر دو اور ان پر روتے رہو جیسا کہ روایت میں وارد ہے۔

مصنف مخاطب جو مذاقاً نہ اعتراض اس روایت پر کیا ہو اور ہنسنے بھی انھیں کے مذاق کے موافق جواب دیا ہے یہ سب کچھ قابل افسوس کے ہی اور غصہ مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کے لیے ملائکہ کی نسبت ان امور کا جو قرآن اور روایات مذہب اسلام میں بیان ہوئے ہن قابل مضحکہ ہے۔

افسوس ہو کہ مصنف مخاطب نے وقت اس اعتراض مذاقاً نہ کیا کچھ لحاظ نہ کیا کہ اس اعتراض سے عموماً قرآن اور مذہب اسلام کا مضحکہ دوسری قوموں کی نگاہ میں ہو گا مصنف مخاطب کو چاہیے تھا کہ وہ ماہیت اور حقیقت ملائکہ پہلے تحقیق کرتے اور یہ دیکھتے کہ علماء اور حکماء شیعہ ماہیت اور حقیقت ملائکہ کی کیا سمجھتے ہیں اور کیا قرار دیتے ہیں۔ پھر یہ دیکھتے کہ اس روایت پر کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور ملائکہ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے کوئی غلط فہمی قرار پاسکتی ہی یا نہیں؟

قرآن میں اور احادیث پیغمبر اور ائمہ اہلبیت میں جو ذکر ملائکہ کا ہوا ہے اس میں ماہیت اور حقیقت انکی کچھ بیان نہیں ہوئی اور ایسے امور کا بیان موافق محاورہ انسانوں کے ایسے انداز سے کیا گیا ہے کہ جسکو انسان انبی

سمجھ کے موافق جان سکین۔ فلسفانہ حیثیت سے اور علم حکمت کی رُو سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ خداوندِ عالم نے جو انتظامِ عالم کے لیے اپنی قدرت سے قوّاسے اور قوامِ عالم میں تو تین پیدا کی ہیں اور اسبابِ عالم سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ ہی ملائکہ ہیں۔ جن انسانوں میں کہ ملکہِ ملکوتی کا ہوا اور جسکے سبب سے نیک نتائج پیدا ہوں وہ سب فرشتہ خصلت ملائکہ ہیں اور ایسی قوتِ ملکوتیہ سے بشرِ خالی نہیں ہے گویا ایسے بشر کم ہوں اور جن میں ایسے اعلیٰ درجہ کی صفتِ قدر شاہوگی وہ پیغمبر یا امامِ امرِ رسالت کو تعمیل کرنے اور کرانے والا ہوگا۔

تاریخانہ حیثیت سے ایسی روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ کہ بہت سلمان دوست دارانِ اہلبیت پیغمبرِ ایسے موجود تھے۔ کہ وہ نہایت شوقِ سونہرت حسین علیہ السلام کے لیے حاضر ہوتے۔ مگر انکو حسین علیہ السلام کی۔ اسحالت کی۔ کہ جو مقامِ کربلا پر نوبت پھونچی خبر نہیں ہوئی کہ تمام راہین چارہ کی مسدود ہو گئی تھیں۔ اور انکو بید قتلِ حسین کی خبر پھونچی۔

اور قرب و جوار کے جو ایسے سلمان دوست دار تھے۔ جیسے کہ مسیب بن محمد تعقاع یا سلیمان بن صرد خزاعی۔ اور مختار بن ابی عبیدہ ثقفی۔ جن کو حسین علیہ السلام کی حالت کی خبر ملی اوکو بیشک یار و یاور کے جج کرنے اور سلاح کے بہم پھونچانے اور تیز کرتے میں اور اپنے مقامات سے باوصف اسکے کہ وہ بطور ایثار کے روانہ ہوئے یا بوجہ دیگر مقامِ کربلا تک قبل شہید ہو جانے حسین علیہ السلام کے نہ پھونچ سکے۔ ایسے ہی مستدراک حسین علیہ السلام سے کہ جو نصرتِ حسین علیہ السلام کی آرزو رکھتے تھے۔ یہی امر ظہور میں آیا کہ یحیٰ علیٰ حسین میں مصروف ہوئے اور انھیں



طلب خون حسین علیہ السلام میں برابر خروج کرتے رہے۔ ان تاریخانہ حقیقت کا بیان اس روایت میں کیا بطور استعارہ کے نہیں سمجھا جاسکتا جس میں حسن بیان کا جلوہ ہے۔

اس روایت میں جو حضرت حسین علیہ السلام کے لیے صحیفہ کا ذکر ہے۔ اسکی حقیقت اور کیفیت اس بحث عمدہ نامہ سے جو جلد اول سالہ روشنی حصہ ہشتم ۱۹۹۷ء ص ۱۶۱ میں ہم نے لکھی ہے بخوبی واضح ہو سکتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر فرد بشر کے لیے ایک سرگزشت ہوتی ہے۔ وہی سرگزشت اس بشر کے لیے صحیفہ ہے جو کوئی نوشتہ تقدیر بولتے ہیں دیکھنے جو کچھ کسی بشر کے حق میں قوتوں پیدا کردہ خدا سے اور نتائج اسباب سے اور اس کے اپنے افعال سے ظہور میں آتا ہے اس کا اندازہ کہ اس اندازہ کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا اور اس لیے اسکو صحیفہ اور نوشتہ تقدیر بولتے ہیں اور ضرور ہے کہ اس اندازہ میں۔ قضائی معلق اور قضائی مبہم ہو اور بجا اس اندازہ کے کہ اس کے امور کا ظہور میں آتا قوتوں خداوندی اور نتائج اسباب فعال بشر پر موقوف ہے قضائی معلق اور قضائی مبہم کا ہونا عقلاً ضروری ہے۔

نتائج اسباب سے اور حضوری و دستار داران سے حسین علیہ السلام کو اگر نصرت پہنچ جاتی۔ اور حسین علیہ السلام امر خلافت پر متمکن ہو جاتے تو بیشک اونکی سوانح عمری کے متعلق بہت امور ظہور میں آتے۔ لیکن نتائج اسباب جو داخل قوتوں خداوندی کے ہیں قبل قتل حسین علیہ السلام کہ مہیا نہ ہو سکے اور حسین علیہ السلام کے قتل کی نوبت پہنچ گئی۔ اس سے بہت امور متعلق سوانح عمری حسین علیہ السلام کے باقی رہ گئے۔ لیکن

اون کے قتل ہو جانے نے جو قضای سعلق کے سعلق تھا۔ صداقت امر حق اور اذکی حقیقت کو قائم اور برقرار کر دکھایا اپنڑکا اُنکی موت (جو بوجہ آیتہ قرآنی کے ہر مسلمان پر واجب ہے) حقیقت لازم کرتی ہے۔

منشا اور مراد اس حدیث کا ایسا ظاہر ہونے کے بعد کو بھی غلط فہمی ملائکہ کی پیدا نہیں ہو سکتی۔

کچھ شبہ نہیں کہ تمام قوتیں ظاہری اور باطنی جو حقیقت مذہب اسلام کو قبول کیے ہوئے یقین ممتنی اور اُنیہ۔ وار شرت نصرت حسین علیہ السلام کی تھیں اور ہونی چاہیے تھیں۔ اور یقین کرنا چاہیے کہ ایسی تمام قوتوں کو اجازت اللہ کی طرف سے نصرت حسین علیہ السلام کی تھی۔ لیکن ایسی تمام قوتیں (سوائے ان قوتوں کی جو اس نصرت سے منکر اور نافرمان ہوں کہ وہ قوتیں شیطانی ہیں) وقت پر بہم نہ ہو سکیں اور اسی لئے یہ محاورہ بشری ان قوتوں کے لئے یہ کھنا درست ہو گا کہ اب تم روتے رہو۔ اور جس طرح ملائکہ کی غلط فہمی قرار نہیں پاسکتی اسی طرح سے حسین علیہ السلام کی بھی غلط فہمی قرار نہیں پاسکتی۔ نصر فرشتہ کا مدد کے لئے نازل ہونے کا اور اُنکی مدد قبول نہ کرنے کا جلد اول میں جو ذکر مصنف ملاحظہ فرمائیے۔ اُنکی حقیقت ہم جلد اول حصہ ہشتم اپریل ۱۹۸۷ء صفحہ ۱۳۱ پر سالہ روشنی میں دکھائی آئے ہیں۔

حسین علیہ السلام بیشک متوقع نصر کے تھے اور انھوں نے زبان اور تلوار سے پوری کوشش کی مگر اسباب نصرت جمع نہ ہوئے اور بالآخر انھوں نے ملاقات خدا کی اختیار کی۔ اس حدیث نصر اور اس حدیث ملائکہ کے منشا و جہد کا نہ ہیں۔ اگر حسین علیہ السلام کو اپنے صحیفہ سے یہ خبر

ملی تھی کہ ملائکہ کو مدد کی اجازت ہو گئی ہو تو انکو ضرور اہتمام دے دلائل مکہ بھی معلوم ہوا ہو گا۔ اسلئے مصنف مخاطب کا یہ اعتراض کہ میں تا تریاق از عراق دور  
 شہود کا حساب ہو گیا۔ وار و نہیں ہو سکتا۔ اور نہ بہ لحاظ منشاء اور محرو  
 حایت کے کوئی اعتراض مصنف مخاطب کا مصداق صحیح ہو سکتا ہے۔  
 یعنی حقیقت اوس بشارت اور جناب سیئہ کی تائید ضامندی اور رضامندی  
 اور عمل اور تولد کی ناگواری کی جسکا ذکر اعتراضہ مصنف مخاطب اس موقع پر کرتے  
 ہیں بہت تفصیل سے جلد اول حصہ چہارم جنوری ۱۹۹۰ء اور حصہ نهم جلد اول  
 صلہ و صبر سالہ روشنی میں دکھا دی ہے جہاں جہاں مصنف مخاطب نے  
 اُس حدیث پر اعتراض کیا تھا۔ اُس حقیقت کے دیکھنے کے بعد ہر مسلمان  
 جو صحیح اعتقاد رکھنے والا ہے اچھی طرح سے قبول کرے گا کہ اس مقام  
 پر مصنف مخاطب نے جو مضحکہ انہ اعتراض وارد کرنا چاہا ہے وہ کسی طرح وارد  
 نہیں ہو سکتا اور ایسا مضحکہ انکو کسی وقت بہت رو لائیگا۔

مصنف مخاطب غلطی گمان غالب انبیاء کی ایک مثال یہ بھی ظاہر کرتے  
 ہیں کہ علماء شیعہ نے یہ تصریح کی ہے کہ کبھی بعض انبیاء نے گمان غالب کے  
 اعتبار پر کوئی حکم کر دیا ہے لیکن وہ غلط ہو گیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے کوہ طور  
 واپس آنیکا وعدہ تیس دن کا کیا تھا مگر وہ غلط ہو گیا، اور ملا خلیل قرظینی کے قول کا یہ  
 ترجمہ کرتے ہیں ”موسیٰ کلیم اللہ عالم الغیب تھو گمان غالب کے اعتبار پر وعدہ کیا تھا وہ گمان  
 انکا غلط ہو گیا“ یہ بحث کہ حضرت موسیٰ تیس دن کا وعدہ کر کے گم تھے اور چالیس دن میں آئے  
 ہیں رسالہ روشنی جلد ۲۳ صفحہ ۲۰۰ میں مفصل کی ہو جان مصنف مخاطب نے حدیث امام جعفر  
 صادق علیہ السلام پر اوسکے متعلق اعتراض کیا تھا۔

مصنف مخاطب اس موقع پر جو مثال وعدہ حضرت موسیٰ کی اور علماء

شیعہ کی تصریح کی دیتے ہیں۔ اوسکا انطباق اُس امر کے بابت نہیں ہم ثابت ہو کہ جس امر کے لیے وہ مثال لائے ہیں۔

حضرت موسیٰ نے ایک کام کے کرنے کے لیے ایک مدت اور وقت مقرر کیا تھا جسکو یہ قات کہتے ہیں اور وقت کا مقرر کرنا کسی کام کیلئے اندازہ سے ہوتا ہو۔ اور مصنف مخا طب جس امر کے لیے کہ وہ مثال لائے ہیں۔

وہ یہ ہے کہ بی بی عائشہؓ نے جو فرمایا ہے۔ کہ حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا ابو بکرؓ سے ناراض مر گئیں یہ ایک خود واقعہ ہے کہ جسکا علم خود بی بی عائشہؓ کو تھا اور اُس کے نسبت اولکا علم غلط نہیں قرار پاسکتا بی بی عائشہؓ نے ناخوش کرنے جناب سیدہ کا کوئی وقت مقرر نہیں کیا تھا جسکے سبب سے اُنکا اندازہ میں غلطی سمجھی جاسکے۔

مصنف مخا طب ایک یہ مثال بھی دیتے ہیں کہ مثلاً علماء شیعہ نے یہ تصریح کی ہے کہ ملائکہ اور انبیاء اور ائمہ سے کبھی یہ غلطی ہو جاتی ہے کہ جس کام کا وقت ابھی دور ہی اُسکو سمجھ لیتے ہیں کہ جلد ہو نیوالا ہی جس کام کا وقت جلد ہی اُسکو سمجھ لیتے ہیں کہ دیر میں ہونے والا ہی ۛ

اور کتاب صافی ترجمہ کافی باب الباء سے قول شایح کا سند لاتی ہیں۔ کہیں ایسا بھی ہوتا ہو کہ ملائکہ اور رسول اور ائمہ کسی چیز کی نسبت یہ گمان کر لیتے ہیں کہ دیر میں واقع ہوگی اور اللہ اُسکو جلدی کر دیتا ہے۔ اور کبھی ہوتا ہے کہ کسی چیز کے جلد واقع ہونے کا گمان کرتے ہیں۔ اور اللہ اُسی میں دیر کرتا ہے۔ قرآن میں جو یہ آیت ہے ۛ ہوالذی خلقکم من طین ثم قضی اجلو اہل مسلمی عندہ ۛ ترجمہ ۛ خدا وہ ہے کہ پیدا کیا مٹی سے پھر جاری کیا اجل کو اور ایک اجل مقررہ ہے نزدیک اُس خدا کے ۛ

اس آیت میں جو کو اجملوں کا ذکر ہوا اسکی نسبت محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے ۔  
 کہ وہ دو اجلیں ہیں ایک اجل معنوم اور اجل موقوف کا اجل معنوم کے یہ معنی  
 ہیں کہ ایک کام ایک وقت پر ہو ہی جاوے گا اور اجل موقوف کے یہ معنی  
 ہیں کہ ایک وقت پر کسی کام کا ہونا یا نہ ہونا موقوف ہے اور انہیں  
 امام سے حدیث میں یہ وارد ہے کہ علم کو علم میں ایک علم خدا کے نزدیک  
 محفوظ ہے جس پر اپنی مخلوق سے کسی کو اطلاع نہیں دی ۔ اور ایک قسم علم کی  
 وہ ہے کہ جیسے ملائکہ اور رسولوں اپنے کو علم دیا ۔ اور جس چیز کا ملائکہ اور رسولوں کو  
 علم دیا ہے پس بیشک کذب اپنے لیے روا نہیں رکھیگا ۔ اور نہ اپنے ملائکہ اور  
 نہ اپنے رسولوں کے لیے ۔ اور جو علم کہ نزدیک خدا متعالی کے محفوظ ہے یہ تقدیم  
 کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہو اور تاخیر کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے گایہ احادیث باب بدار  
 میں منقول ہوئی ہیں ۔ اور شارح نے صاف لکھ دیا ہے کہ علم اللہ تعالیٰ  
 کا جسکا ذکر کہ حدیث میں ہے متعلق باحوال حوادث اللہ کے ہے اور اسی علم  
 کے متعلق شارح نے وہ شرح لکھی ہے جسکو مصنف مخاطب سند میں لائے  
 ہیں ۔ ایسے یہ مثال مصنف مخاطب کے اس واقعہ گذشتہ پر منطبق نہیں  
 ہو سکتی کہ جو بی بی عائشہؓ نے ناخوشی جناب فاطمہؓ صلوات اللہ علیہا  
 کی بیان کی ہے ۔

ایسے ہی مصنف مخاطب جو یہ مثال دیتے ہیں کہ یہ مثلاً علما شیعہ  
 نے یہ تصریح کی ہے کہ بدار کے معنی یہ ہیں کہ امام کو جو پہلے سے غلط فہمی ہو گئی  
 ہے وہ رفع ہو جاتے ہے اور اسکی سند کیلئے صافی ترجمہ کافی باب البدار  
 سے یہ قول شارح نقل کرتے ہیں کہ بدار کا مائل یہ ہے کہ امام نے جو خلاف  
 واقعہ کی کوئی گمان کر لیا ہے وہ رفع ہو جاتے ہے یہ مثال ٹھیک نہیں ہو سکتی

اس لیے کہ شارح نے پہلے معنی بدلے یہ بیان کیے ہیں کہ یہ ہم پہنچنا کسی کام کا کسی وقت اللہ کے واسطے یعنی کسی چیز کا صادر ہونا کسی وقت اللہ سے کہ پہلے اس کا کسی کو سوائے اللہ کے علم نہ ہو کہ خدا سے صادر ہو گا یا اس کے بعد۔ شارح نے یہ لکھا ہے کہ یہ پس بدستند محض گمان انام کا ہے۔ اگر گمان خلاف مقتضا اس کے کیا ہو جس سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ایک سطح زمین کا مدت سے ہموار اپنی حالت پر چلا آتا ہے۔ اور اس کا کسی کو علم نہ ہو کہ یہ سطح زمین کا کب بھٹ جاویگا اور کوئی گمان کرے کہ یہ نہیں بھٹے گا۔ یا اس ق۔ مدت کے بعد بھٹ جاویگا۔ اور وہ سطح زمین کا اس مدت تک نہ بھٹے جس کا کہ گمان کیا گیا ہے یا اس مدت سے آگے یا پیچھے بھٹ جاوے اور وہ گمان غلط ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ مثال متعلق گمان حادثہ آئندہ سے ہو نہ بیان واقعہ گذشتہ سے اس لیے یہ مثال بی بی عاتشہ کے بیان ناخوشی جناب سید کا سے منطبق نہیں ہو سکتی۔

پھر مصنف محض ایک آخر مثال یہ لائے ہیں کہ وہ علماء و شیوخ نے یہ تصریح کی ہے کہ ہر سال انام کے اعتقادات بدلا کرتے ہیں اور جو اعتقادات پہلے سے حاصل ہیں۔ ان میں بعض کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہو اور بعض نئے اعتقادات سکھائے جاتے ہیں جو پہلے سے حاصل نہ تھے اور یہ تغیر اور تبدل بذریعہ ایک کتاب کے ہوتا ہے جو ہر سال لیلة القدر میں نازل ہوتی ہے اور شارح صافی ترجمہ کافی کا یہ قول سند میں لاتے ہیں کہ۔

”ہر سال کی عہدہ کتاب ہوتی ہے جس میں ان امور کی صفحت

ہونے پر جنگی دوسرے سال تک امام کو حاجت ہوگی۔ ملائکہ اور ارواح اُس کتاب کو لیکر شب قدر میں نازل ہوتے ہیں اُس کتاب کے ذریعہ سے اللہ امام کے جو اعتقادات چاہتا ہے باطل کر دیتا ہے اور جو نئے اعتقادات چاہتا ہے ثابت کر دیتا ہے۔ اس موقع پر مصنف مخاطب نے اسی اعتراض کو مذاق شاعرانہ میں بھی اسطرح ظاہر کیا ہے۔

نظم

|  |   |
|--|---|
| ہر شب قدر میں نازل ہوتی ہوئی کتنا<br>حق جو تھا سال گدشتہ میں اب ناسخ | جس میں احکام نئی ہوتی ہیں اقوال نئے<br>اعتقادات بدل جاتی ہیں ہر سال نئے |
|--|---|

مصنف مخاطب نے ایک جزد قول شایع کا لیکر اصل امر کو بدنام کر کے دکھایا ہے۔ اور جس کا وہ مقصود نہیں ہی جو مصنف مخاطب نے دعویٰ کیا ہے۔ صافی شرح کافی کے دیکھنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اصل پوری آیت سورہ رد میں یہ ہے کہ ”لقد ارسلنا رسلنا من قبلك و ترجمہ ہر آیت نہ تحقیق بھیجا ہم نے جہلنا ہم ازواجاً و ذریعہ و ما کان رسول ان یاتی بآیۃ الا باذن اللہ کل اهل کتاب یوحی اللہ بایشاء و ثبت و عندہ ام الکتاب“ اور نہیں ہوتا ہے رسول کے لیے یہ کہ لاوے کوئی آیت مگر باذن خدا۔ واسطے ہر وقت کے ایک کتاب پر جو محو کرتا ہے جو کچھ اللہ چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہے اور نہ دیکھ اس کے اہم الکتاب ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں اس ضمن کے متعلق کہ یہ محو کرتا ہے اللہ جو کچھ چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہے امام جعفر و صادقؑ نے یہ فرمایا ہے ”محو کیا جاتی ہے وہ چیز کہ جو ثابت ہو اور آیا ثابت کی جاتی ہے وہ چیز کہ نہو“ یہ حدیث امام

اگلی باب پادار میں منقول ہوئی ہے اور جس کا مقصود صرف اس قدر رہی کہ خدا  
 نے علم سے امر موجود بنا دیا ہو جاتا ہے۔ اور امر بنا دیا ہو جاتا ہے۔ لیکن اصل  
 آیت میں چونکہ یہ امر بھی موجود ہے کہ نبی جو کوئی آیت لاتا ہے باذن خدا لاتا  
 ہے اور ہر وقت کے لیے ایک کتاب ہے اس کے لحاظ سے شارح نے جہان  
 اور مطالب شرح میں بیان کیے ہیں وہاں وہ امر بھی بیان کیا ہے جس کو  
 مصنف مخاطب سند میں لائے ہیں۔ مذہب مسلمہ شیعہ کے بموجب اگرچہ  
 یہ ضرور نہیں ہے کہ ایک وقت کا عالم یا مجتہد کوئی امر متعلق آیت یا حدیث  
 کے کچھ بیان کرے وہ ہمیشہ کے لیے سند ہو لیکن شارح علیہ رحمۃ نے اس موقع  
 پر جو کچھ بیان کیا ہے اس کے پورے بیان پر نظر کرنے سے یہ حاصل پیدا ہوتا ہے کہ  
 ہر وقت کے لیے جو کتاب ہوتی ہے اُس میں تفسیر احکام حوادث ہوتی ہے  
 کہ جس کی طرف امام محتاج ہوتا ہے یا جو کچھ کہ گمان امام رکھتا ہوتا ہو۔ اس کا  
 عموماً ثبات ہو جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانہ کے لیے امور مصالح انتظام  
 خلائق کے لیے جدا گانہ ہوتے ہیں اور ہر وقت کے لیے ایک مصلحت تھی ہوتی  
 ہے جیسے کہ حوادث بھی نئے نئے ہر ایک زمانہ کے مختلف صورت سے ظاہر  
 ہوتے ہیں اور کتابیں بھی انہی پر خدائی طرف سے بقدر ضرورت اور مصلحت  
 ہر زمانہ کے نازل ہوئیں اور دراصل وہ امور اور واقعات علم الہی میں جو ہر وقت  
 اور ہر زمانہ کے لیے جدا گانہ اور مختلف ہیں نقش ہوتے ہیں جن کو نوشتہ یا  
 کتاب بولا جاتا ہے اور ان کا اِلَاقا ایسے لوگوں پر ہوتا ہے کہ جس کے دماغ  
 اور قلوب خدا نے اپنی قدرت سے خاص طور کے وضع کیے ہیں کہ جنہیں  
 استعداد وہی ہوتی ہے اور جنہیں اطلاق انبیاء و صیاء اور اممہ کا صادق آتا ہے  
 اور ایسے اِلَاقا کا وقت کوئی وقت خاص ہوتا ہی جس وقت کہ وہ انفس



تذکرہ اور ذوات مقدسہ غور اور فکر کرتے ہیں اور اکثر ایسا وقت اوقات میں سے رات کا ہوتا ہے اور جس رات کہ ایسا اتفاق ہو وہ شبِ اپنی قدر و منزلت کی وکجہ شبِ قدر ہوتی ہے۔ جو کچھ تفسیرِ امام نے آیت کی فرمائی ہے۔ اور جو کچھ تفسیرِ اشکی جینے دکھائی ہو وہ مطابق آیت کے ہے۔ اور جب ۷ ائور زہن نشین رکھ لے جائیں کہ ہر زمانہ کے لحاظ سے انبیاء اہوئے اور ہر زمانہ کی ضرورت کے موافق احکام مقرر کئے اور ہر زمانہ کی حاجت کے موافق کتابین نازل ہوئیں اور کسی زمانے میں کوئی امر حلال تھا اور کوئی حرام اور ہر زمانہ کے واقعات کے لحاظ سے نئی نئی تدبیر و نئی ضرورت ہوئی اور ہوتی ہے اور نئی نئی تحقیقاتوں سے نوعیت اعتقادات تبدیل ہوتی جاتی ہے اور ہر انسان اپنے زمانہ زندگی میں اپنے خیالات مختلف طور پر مختلف ذرائع سے تبدیل کرتا رہتا ہے تو وہ ہی اشعار مصنف مخاطب کے صحیح اور مطابق واقعہ کے ہو سکتے ہیں اور انھیں کو ہم اپنی طرف سے کہہ سکتے ہیں۔

### نظم

|                                       |                                    |
|---------------------------------------|------------------------------------|
| ہر شب قدرین نازل نہی ہوئی برکشا       | جسمین احکام نئے ہوتی ہیں اقوال نئے |
| حق جو تھا سال گذشتہ میں وہ اپنا حق ہے | اعتقادات بدل جاتا ہیں ہر سال نئے۔  |

یہ مثال جو مصنف مخاطب نے دی ہے اس واقعہ سے منطبق نہیں ہو سکتی ہے جو بی بی عائشہ صدیقہ نے جناب سیدہ کی ناخوشی بیان کی ہے۔ ہم نے بی بی عائشہ کو اکثر صدیقہ اس لحاظ سے کہا کہ انھوں نے ناخوشی جناب سیدہ کی سچ ظاہر کر دی۔

مصنف مخاطب اپنے نزدیک یہاں تک بیان اون خطا نکال کر چکے

جنین غلطی کا قصد نہیں کیا جاتا بلکہ بمقتضای بشریت غلطی ہو جاتی ہے لیکن درحقیقت وہ خطائیں ہی نہیں تھیں نہ قصد نہ بلا قصد نہ اُس میں کچھ غلطی ہوئی جیسا کہ ہم نے ہر ایک بیان مصنف مخاطب کے مقابلہ میں دکھایا مگر مصنف مخاطب اپنے عندیہ میں علما رشیعہ کا اس سے بڑھکر ایک نادر دکھا ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ علما رشیعہ نے یہ تصریح کی ہے کہ انبیا جب تک اللہ کی کسی قدر مخالفت نہ کر لیں اس وقت تک وہ ذلت عبودیت کا اقرار نہیں کرتے اسلئے اللہ کبھی پیغمبروں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتا ہے تاکہ کوئی گناہ کر لیں یہ اور بیان کی تائید ملتا نجد باقر مجلسی علیہ رحمۃ کے قول حیات القلوب جلد اول بیان قصہ داؤد سے اس طرح کرتے ہیں کہ یہ پیغمبروں سے گناہ نہیں ہوتا لیکن انسان کے کمال کا سب سے بڑا مرتبہ یہ ہے کہ اپنے عجز و ذلت کا اقرار کرے اور یہ اقرار اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ کچھ مخالفت نہ کرے اسلئے اللہ کبھی انبیا کو اور اپنے دوستوں کو انکی حالت پر چھوڑ دیتا ہے کہ کوئی گناہ جو مکروہ یا ترک اولیٰ ہوا اسے صادر ہو جائے شہر گناہ کیوں نہ کر نہ شوق سے بنی و ولی کہ ہے مخالفت حق کمال انسانی

مصنف مخاطب نے قول صاحب حیات القلوب کا یہ ترجمہ کیا ہے اللہ کبھی اپنے انبیا اور دوستوں کو انکی حالت پر چھوڑ دیتا ہے کہ کوئی گناہ جو مکروہ یا ترک اولیٰ ہوا اسے صادر ہو جائے اس فقرہ میں جو لفظ لگنا ہکا کا درج کیا گیا ہے وہ مصنف مخاطب کی زیادتی ہے چنانچہ اصل قول فارسی حیات القلوب کا جو مصنف مخاطب نے نقل کیا ہے اُس میں لفظ لگنا ہکا نہیں ہے اور اسکا ترجمہ یوں ہونا چاہیے کہ نہ حق تعالیٰ کبھی انبیا اور اپنے

دوستوں کو انکے حال پر چھوڑ دیتا ہے کہ کوئی مکہ وہ یا ترک اولیٰ اؤن سے  
 صابر ہو جائے مکاحیات القلوب میں ایک فصل بیان ترک اولیٰ حضرت  
 داؤد میں لکھی گئی ہے اور اس میں ان آیات قرآنی کی نقل ہے جو حضرت داؤد  
 کے متعلق نازل ہوئی ہیں اور اس میں بیان ہے کہ وہ دو جنگیں لڑنے والے  
 حضرت داؤد کے سامنے آئے اور ان میں سے ایک نے دوسرے کی نسبت  
 کہا کہ اس میں سے بھائی کے پاس ۹۹ پیڑیں ہیں اور میرے پاس ایک پیڑ ہے  
 اور کہتا ہوں کہ وہ بھی بھگوا دیو سے اور پھر زیادتی کرتا ہے۔ حضرت داؤد نے کھا  
 کہ آسنے تجھے ستم کیا۔ اور حضرت داؤد نے گمان کیا کہ انھیں میلا امتحان کیا  
 گیا۔ پس استغفار کیا انھوں نے اپنے پروردگار کا اور رکوہ کرتے ہوئے  
 زمین ہر گر پڑے اور توہم کی پس خدا نے انکو بخش دیا اور فرمایا کہ اے داؤد  
 بیشک ہم نے تجکو خلیفہ کیا زمین کا پس حکم کر لوگوں میں سچائی سے اور پڑی  
 مست کر۔ خواہش نفس کی بظہر صاحب حیات القلوب نے یہ بیان کیا ہے  
 کہ قصہ حضرت داؤد اور یاکو ایک گروہ نے اہلسنت میں سے جو  
 تجویز گناہ پیغمبر کی نسبت کرتے ہیں تسک کیا ہے اور عصمت پیغمبر کی  
 ضروریات دین شیعہ سے ہے اور پھر احادیث شیعہ اور سنی کے یہاں سے  
 نقل کی ہیں جس سجدہ قصہ دروغ ثابت ہوتا ہے۔ اور حسین ایسے قصے  
 کو کو قابل حد تجویز فرمایا ہے بعد اسکے یہ بیان کیا ہے کہ جو لوگ تجویز گناہ  
 نسبت پیغمبروں کے نہیں کرتے ہیں انکے یہ امر خلاف ہے کہ استغفار حضرت  
 داؤد کا کسوا سٹے تھا اور امتحان ان کا کس واسطے لیا گیا ہے اس حدیث کے  
 دفع کیواسطے صاحب حیات القلوب نے جہان اور امور لکھے ہیں وہاں  
 یہ امر بھی لکھا ہے کہ وہ استغفار واسطے نازل خشوع اور سستی کے تھا۔

اور اوریا نے ایک عورت کی خواست گاری کی تھی اور داؤد نے بعد ازاں  
 اسیکی خواست گاری کی اور اوریا کو بھی عورت نہیں رکھتا تھا اور حضرت داؤد  
 کے ۹۹ مویدین تھے اور یہ تھا کہ وہ عورت اوریا کے لیے چھوڑی جاتی۔ جب  
 خبر شہادت اوریا کی پہونچی تو حضرت داؤد کو زیادہ متاثر نہ ہوسکا اور یہ امر کو  
 اتنا جو مناسب شان حضرت داؤد کے نہ تھا لیکن موجب گناہ نہیں تھا۔ اور  
 جب وہ وہ شخص جھگڑاتے ہوئے حضرت داؤد کے پاس آئے تھے تب حضرت  
 داؤد نے مدعی کے کہنے پر قبل اس کے کہ مدعا علیہ سے کچھ پچھین یہ فرما دیا کہ  
 تجھ پر ستم کیا ہے اگرچہ مقصود ادا نکایہ تھا اگر مدعی نے اِست کہا ہے تو اُس  
 ستم کیا ہو مگر اوّل یہ تھا کہ مدعا علیہ کا جواب لیکر کچھ کہتے اُنھیں اُس کو سکرو  
 اور ترک اوٹے کے لیے استغفار اور تضرع حضرت داؤد کا تھا

حضرت امام رضا علیہ السلام سے بھرا ایک حدیث نقل کی ہے۔  
 جس میں اس قدر کو جو اہلسنت کے ایمان بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد  
 نماز توڑ کر ایک جانور کے کپڑے کو پٹے لگے اور کوٹھے پر بچھو چکر ایک عورت  
 پر عاشق ہو گئے اور اس سبب سے اُس کے شوہر کو مرد و آلہ باطل قرار دیا  
 اور استغفار حضرت داؤد کی وجہ یہ فرمائی ہے کہ داؤد نے گمان کیا کہ  
 اللہ تعالیٰ نے اونسے دانا تر پیدا نہیں کیا ہے پس دو فرشتہ خانی بھیجے  
 اور میں نے اپنا دوسرا بیانا کیا اور حضرت داؤد نے مبارک کہا تم  
 اس سے کہ دو سو سو ستہ پوچھیں اور وہی سے گواہ غلبہ کہ جس سے تم  
 کرتے ہیں اونسے ترک اوٹے ہوا اور اسیلو اسٹیفی خدا نے حضرت داؤد کو  
 فرمایا کہ تجھ کو خلیفہ گردانا میں نے زمین دین۔ پس حکم کر تو درمیان لوگوں کے  
 ساتھ راستی کے

اور قصہ اُوریا کا یہ تھا کہ زمانہ داؤد عین یہ مقرر تھا کہ جس عورت کا شوہر مرجائے یا مارا جائے دوسرا شوہر نہیں کی جاتی تھی۔ حق تعالیٰ نے حضرت داؤد کے لیے ایسی عورت کو حلال کیا۔ جب اُو۔ یا مارا گیا اور عدہ منقضی ہو گیا حضرت داؤد نے اسکو اپنی عورت کر لیا بلکہ بعد اُسکے صحاحیات القلوب نے وہ فقرہ لکھا ہی جسکو مصنف مخاطب نے استدلالاً نقل کیا ہے اور اُس فقرہ کے شروع میں صاف ہے کہ یہ پیغمبروں سے گناہ صادر نہیں ہوتا ہے اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ ترک اولیٰ یا امر مکروہ کہ جو حقیقت گناہ نہیں ہوتا ہے شایان انبیاء اور دوستان خدا کے نہیں ہوتا ہے اور وہ اُس حالت میں تزلزل اور عجز ناتوانی اور تضرع اپنا خدا کے سامنے پیش کرتے ہیں تو انکو اور زیادہ مرتبہ کمال انسانی منزلت قرب الہی کی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اُسی مکروہ اور ترک اولیٰ کو کہ جو شایان انبیاء اور دوستان خدا کے نہیں ہوتا مخالفت فی الجملہ کے الفاظ سے جو صاحب حیات القلوب نے بیان کیا ہے تو کچھ بجا نہیں ہے جس حیثیت سے مصنف مخاطب نے اعتراض کیا ہے وہ وار و نہیں ہوتا۔

نظم

|                          |                        |
|--------------------------|------------------------|
| امر مکروہ ترک اولیٰ سے   | سب تضرع کرے بنی ودلی   |
| تب ہی ہوتا ہے قرب حق حال | اور یہی ہو کمال انسانی |

مصنف مخاطب نے یہاں سے بلحاظ اپنے بیان کے توجیہات شروع کی ہیں جسکے نقل کرنے کی ہرگز ضرورت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اُسکے مقابلہ میں جو کچھ ہم کہیں گے اوسے سے انکی توجیہات کا نشان مل جائیگا۔

انبیاء اور ائمہ اور ملائکہ کی غلط فہمی کا حال کسی امر موزودہ یا واقعہ گذشتہ

میں ظاہر نہیں ہوا اور نہ کوئی استدلال مصنف مخاطب کا بی بی عائشہ کے لیے غلط فہمی کا واقعہ موجودہ زیر بحث کی نسبت قائم ہو سکتا ہے اور محل طعن بدستور باقی رہتا ہے۔ اور یہ واقعہ ناخوشی جناب سیدہ اور محل طعن معاملہ مذکور ایسا حقیقی اور واقعی ہے کہ ہمارے معاصر مشہور شایع بہادر شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی کو خواب میں بھی ایسا ہی نظر آیا ہے اور ایسے ہی حقیقی امور کے بیان کو جو خواب کے پیرائے میں لکھے جائیں خود مصنف اور زمانہ روایتی صادق کے نام سے پکا لٹے جب جناب سیدہ فی الواقع بخفا اور ناخوش ہوئیں تو اس میں سراسر قصور حضرت ابو بکر کا ہے کہ ان کے ہی عمل کے سبب سے جناب سیدہ کو ناخوشی پیدا ہوئی۔ حضرت ابو بکر کا بیشک فعل یہ تھا کہ انھوں نے ایک ایک حدیث پیش کی جسکو انھوں نے ظاہر کیا کہ وہ حدیث پیغمبر ہے اور اس کے وہ تھا راوی وقت ضرورت کے ہوئے جبکہ ضعیفی فدک پر مستعد ہو گئے اور جیسا کہ انھوں نے محض اپنی طرف سے اس حدیث کے پیش کرنے میں غلطی کی ویسے ہی ان سے اُس پر عمل کرنے میں غلطی ہوئی۔ اس لیے کہ وہ حدیث خلاف آیات قرآنی کے تھی تو انکو چاہیے تھا کہ اس حدیث کی مراد ایسی قرار دیتے کہ جو مطابق آیات قرآنی کے ہوتی (دیکھو بحث فدک جلد اول کے ضمیمہ اول میں و جلد ششم ص ۱۹۹)۔

شمس العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ یہ جو شخص سب سے زیادہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے متاثر ہوا وہ فاطمہ زہراؓ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ان اور باپ دونوں کی جگہ بی بی سیدہ اور باپ بھی کیے دین اور دنیا دونوں کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سر پرست اٹھ ماہ پر حضرت علیؓ کا خلافت سے محروم رہنا اور تکبر و حراست ترکہ پوری باغ فدک کا دعویٰ کرنا اور مقدمے کا ہار جانا کسی دوسرے کو ایسے ہیہ صدمات پہنچتے تو وہ نہ ہر کھارم رہتا۔ مگر ان کے صبر و ضبط و تحمل و سادگی تھی۔ پھر بھی انھیں جو نہیں کھل کھل کر تھپتھپانے کے اندر اندر انتقال فرما گئے اور جیسے دن ہوا رہیں ان لوگوں نے جس طرح انکو بچ دیا۔ یہ بولیں اور نہ بات کی۔ بیان تک کہ ان لوگوں کے

۱۰۰  
۱۰۱  
۱۰۲  
۱۰۳  
۱۰۴  
۱۰۵  
۱۰۶  
۱۰۷  
۱۰۸  
۱۰۹  
۱۱۰  
۱۱۱  
۱۱۲  
۱۱۳  
۱۱۴  
۱۱۵  
۱۱۶  
۱۱۷  
۱۱۸  
۱۱۹  
۱۲۰  
۱۲۱  
۱۲۲  
۱۲۳  
۱۲۴  
۱۲۵  
۱۲۶  
۱۲۷  
۱۲۸  
۱۲۹  
۱۳۰  
۱۳۱  
۱۳۲  
۱۳۳  
۱۳۴  
۱۳۵  
۱۳۶  
۱۳۷  
۱۳۸  
۱۳۹  
۱۴۰  
۱۴۱  
۱۴۲  
۱۴۳  
۱۴۴  
۱۴۵  
۱۴۶  
۱۴۷  
۱۴۸  
۱۴۹  
۱۵۰  
۱۵۱  
۱۵۲  
۱۵۳  
۱۵۴  
۱۵۵  
۱۵۶  
۱۵۷  
۱۵۸  
۱۵۹  
۱۶۰  
۱۶۱  
۱۶۲  
۱۶۳  
۱۶۴  
۱۶۵  
۱۶۶  
۱۶۷  
۱۶۸  
۱۶۹  
۱۷۰  
۱۷۱  
۱۷۲  
۱۷۳  
۱۷۴  
۱۷۵  
۱۷۶  
۱۷۷  
۱۷۸  
۱۷۹  
۱۸۰  
۱۸۱  
۱۸۲  
۱۸۳  
۱۸۴  
۱۸۵  
۱۸۶  
۱۸۷  
۱۸۸  
۱۸۹  
۱۹۰  
۱۹۱  
۱۹۲  
۱۹۳  
۱۹۴  
۱۹۵  
۱۹۶  
۱۹۷  
۱۹۸  
۱۹۹  
۲۰۰  
۲۰۱  
۲۰۲  
۲۰۳  
۲۰۴  
۲۰۵  
۲۰۶  
۲۰۷  
۲۰۸  
۲۰۹  
۲۱۰  
۲۱۱  
۲۱۲  
۲۱۳  
۲۱۴  
۲۱۵  
۲۱۶  
۲۱۷  
۲۱۸  
۲۱۹  
۲۲۰  
۲۲۱  
۲۲۲  
۲۲۳  
۲۲۴  
۲۲۵  
۲۲۶  
۲۲۷  
۲۲۸  
۲۲۹  
۲۳۰  
۲۳۱  
۲۳۲  
۲۳۳  
۲۳۴  
۲۳۵  
۲۳۶  
۲۳۷  
۲۳۸  
۲۳۹  
۲۴۰  
۲۴۱  
۲۴۲  
۲۴۳  
۲۴۴  
۲۴۵  
۲۴۶  
۲۴۷  
۲۴۸  
۲۴۹  
۲۵۰  
۲۵۱  
۲۵۲  
۲۵۳  
۲۵۴  
۲۵۵  
۲۵۶  
۲۵۷  
۲۵۸  
۲۵۹  
۲۶۰  
۲۶۱  
۲۶۲  
۲۶۳  
۲۶۴  
۲۶۵  
۲۶۶  
۲۶۷  
۲۶۸  
۲۶۹  
۲۷۰  
۲۷۱  
۲۷۲  
۲۷۳  
۲۷۴  
۲۷۵  
۲۷۶  
۲۷۷  
۲۷۸  
۲۷۹  
۲۸۰  
۲۸۱  
۲۸۲  
۲۸۳  
۲۸۴  
۲۸۵  
۲۸۶  
۲۸۷  
۲۸۸  
۲۸۹  
۲۹۰  
۲۹۱  
۲۹۲  
۲۹۳  
۲۹۴  
۲۹۵  
۲۹۶  
۲۹۷  
۲۹۸  
۲۹۹  
۳۰۰  
۳۰۱  
۳۰۲  
۳۰۳  
۳۰۴  
۳۰۵  
۳۰۶  
۳۰۷  
۳۰۸  
۳۰۹  
۳۱۰  
۳۱۱  
۳۱۲  
۳۱۳  
۳۱۴  
۳۱۵  
۳۱۶  
۳۱۷  
۳۱۸  
۳۱۹  
۳۲۰  
۳۲۱  
۳۲۲  
۳۲۳  
۳۲۴  
۳۲۵  
۳۲۶  
۳۲۷  
۳۲۸  
۳۲۹  
۳۳۰  
۳۳۱  
۳۳۲  
۳۳۳  
۳۳۴  
۳۳۵  
۳۳۶  
۳۳۷  
۳۳۸  
۳۳۹  
۳۴۰  
۳۴۱  
۳۴۲  
۳۴۳  
۳۴۴  
۳۴۵  
۳۴۶  
۳۴۷  
۳۴۸  
۳۴۹  
۳۵۰  
۳۵۱  
۳۵۲  
۳۵۳  
۳۵۴  
۳۵۵  
۳۵۶  
۳۵۷  
۳۵۸  
۳۵۹  
۳۶۰  
۳۶۱  
۳۶۲  
۳۶۳  
۳۶۴  
۳۶۵  
۳۶۶  
۳۶۷  
۳۶۸  
۳۶۹  
۳۷۰  
۳۷۱  
۳۷۲  
۳۷۳  
۳۷۴  
۳۷۵  
۳۷۶  
۳۷۷  
۳۷۸  
۳۷۹  
۳۸۰  
۳۸۱  
۳۸۲  
۳۸۳  
۳۸۴  
۳۸۵  
۳۸۶  
۳۸۷  
۳۸۸  
۳۸۹  
۳۹۰  
۳۹۱  
۳۹۲  
۳۹۳  
۳۹۴  
۳۹۵  
۳۹۶  
۳۹۷  
۳۹۸  
۳۹۹  
۴۰۰  
۴۰۱  
۴۰۲  
۴۰۳  
۴۰۴  
۴۰۵  
۴۰۶  
۴۰۷  
۴۰۸  
۴۰۹  
۴۱۰  
۴۱۱  
۴۱۲  
۴۱۳  
۴۱۴  
۴۱۵  
۴۱۶  
۴۱۷  
۴۱۸  
۴۱۹  
۴۲۰  
۴۲۱  
۴۲۲  
۴۲۳  
۴۲۴  
۴۲۵  
۴۲۶  
۴۲۷  
۴۲۸  
۴۲۹  
۴۳۰  
۴۳۱  
۴۳۲  
۴۳۳  
۴۳۴  
۴۳۵  
۴۳۶  
۴۳۷  
۴۳۸  
۴۳۹  
۴۴۰  
۴۴۱  
۴۴۲  
۴۴۳  
۴۴۴  
۴۴۵  
۴۴۶  
۴۴۷  
۴۴۸  
۴۴۹  
۴۵۰  
۴۵۱  
۴۵۲  
۴۵۳  
۴۵۴  
۴۵۵  
۴۵۶  
۴۵۷  
۴۵۸  
۴۵۹  
۴۶۰  
۴۶۱  
۴۶۲  
۴۶۳  
۴۶۴  
۴۶۵  
۴۶۶  
۴۶۷  
۴۶۸  
۴۶۹  
۴۷۰  
۴۷۱  
۴۷۲  
۴۷۳  
۴۷۴  
۴۷۵  
۴۷۶  
۴۷۷  
۴۷۸  
۴۷۹  
۴۸۰  
۴۸۱  
۴۸۲  
۴۸۳  
۴۸۴  
۴۸۵  
۴۸۶  
۴۸۷  
۴۸۸  
۴۸۹  
۴۹۰  
۴۹۱  
۴۹۲  
۴۹۳  
۴۹۴  
۴۹۵  
۴۹۶  
۴۹۷  
۴۹۸  
۴۹۹  
۵۰۰  
۵۰۱  
۵۰۲  
۵۰۳  
۵۰۴  
۵۰۵  
۵۰۶  
۵۰۷  
۵۰۸  
۵۰۹  
۵۱۰  
۵۱۱  
۵۱۲  
۵۱۳  
۵۱۴  
۵۱۵  
۵۱۶  
۵۱۷  
۵۱۸  
۵۱۹  
۵۲۰  
۵۲۱  
۵۲۲  
۵۲۳  
۵۲۴  
۵۲۵  
۵۲۶  
۵۲۷  
۵۲۸  
۵۲۹  
۵۳۰  
۵۳۱  
۵۳۲  
۵۳۳  
۵۳۴  
۵۳۵  
۵۳۶  
۵۳۷  
۵۳۸  
۵۳۹  
۵۴۰  
۵۴۱  
۵۴۲  
۵۴۳  
۵۴۴  
۵۴۵  
۵۴۶  
۵۴۷  
۵۴۸  
۵۴۹  
۵۵۰  
۵۵۱  
۵۵۲  
۵۵۳  
۵۵۴  
۵۵۵  
۵۵۶  
۵۵۷  
۵۵۸  
۵۵۹  
۵۶۰  
۵۶۱  
۵۶۲  
۵۶۳  
۵۶۴  
۵۶۵  
۵۶۶  
۵۶۷  
۵۶۸  
۵۶۹  
۵۷۰  
۵۷۱  
۵۷۲  
۵۷۳  
۵۷۴  
۵۷۵  
۵۷۶  
۵۷۷  
۵۷۸  
۵۷۹  
۵۸۰  
۵۸۱  
۵۸۲  
۵۸۳  
۵۸۴  
۵۸۵  
۵۸۶  
۵۸۷  
۵۸۸  
۵۸۹  
۵۹۰  
۵۹۱  
۵۹۲  
۵۹۳  
۵۹۴  
۵۹۵  
۵۹۶  
۵۹۷  
۵۹۸  
۵۹۹  
۶۰۰  
۶۰۱  
۶۰۲  
۶۰۳  
۶۰۴  
۶۰۵  
۶۰۶  
۶۰۷  
۶۰۸  
۶۰۹  
۶۱۰  
۶۱۱  
۶۱۲  
۶۱۳  
۶۱۴  
۶۱۵  
۶۱۶  
۶۱۷  
۶۱۸  
۶۱۹  
۶۲۰  
۶۲۱  
۶۲۲  
۶۲۳  
۶۲۴  
۶۲۵  
۶۲۶  
۶۲۷  
۶۲۸  
۶۲۹  
۶۳۰  
۶۳۱  
۶۳۲  
۶۳۳  
۶۳۴  
۶۳۵  
۶۳۶  
۶۳۷  
۶۳۸  
۶۳۹  
۶۴۰  
۶۴۱  
۶۴۲  
۶۴۳  
۶۴۴  
۶۴۵  
۶۴۶  
۶۴۷  
۶۴۸  
۶۴۹  
۶۵۰  
۶۵۱  
۶۵۲  
۶۵۳  
۶۵۴  
۶۵۵  
۶۵۶  
۶۵۷  
۶۵۸  
۶۵۹  
۶۶۰  
۶۶۱  
۶۶۲  
۶۶۳  
۶۶۴  
۶۶۵  
۶۶۶  
۶۶۷  
۶۶۸  
۶۶۹  
۶۷۰  
۶۷۱  
۶۷۲  
۶۷۳  
۶۷۴  
۶۷۵  
۶۷۶  
۶۷۷  
۶۷۸  
۶۷۹  
۶۸۰  
۶۸۱  
۶۸۲  
۶۸۳  
۶۸۴  
۶۸۵  
۶۸۶  
۶۸۷  
۶۸۸  
۶۸۹  
۶۹۰  
۶۹۱  
۶۹۲  
۶۹۳  
۶۹۴  
۶۹۵  
۶۹۶  
۶۹۷  
۶۹۸  
۶۹۹  
۷۰۰  
۷۰۱  
۷۰۲  
۷۰۳  
۷۰۴  
۷۰۵  
۷۰۶  
۷۰۷  
۷۰۸  
۷۰۹  
۷۱۰  
۷۱۱  
۷۱۲  
۷۱۳  
۷۱۴  
۷۱۵  
۷۱۶  
۷۱۷  
۷۱۸  
۷۱۹  
۷۲۰  
۷۲۱  
۷۲۲  
۷۲۳  
۷۲۴  
۷۲۵  
۷۲۶  
۷۲۷  
۷۲۸  
۷۲۹  
۷۳۰  
۷۳۱  
۷۳۲  
۷۳۳  
۷۳۴  
۷۳۵  
۷۳۶  
۷۳۷  
۷۳۸  
۷۳۹  
۷۴۰  
۷۴۱  
۷۴۲  
۷۴۳  
۷۴۴  
۷۴۵  
۷۴۶  
۷۴۷  
۷۴۸  
۷۴۹  
۷۵۰  
۷۵۱  
۷۵۲  
۷۵۳  
۷۵۴  
۷۵۵  
۷۵۶  
۷۵۷  
۷۵۸  
۷۵۹  
۷۶۰  
۷۶۱  
۷۶۲  
۷۶۳  
۷۶۴  
۷۶۵  
۷۶۶  
۷۶۷  
۷۶۸  
۷۶۹  
۷۷۰  
۷۷۱  
۷۷۲  
۷۷۳  
۷۷۴  
۷۷۵  
۷۷۶  
۷۷۷  
۷۷۸  
۷۷۹  
۷۸۰  
۷۸۱  
۷۸۲  
۷۸۳  
۷۸۴  
۷۸۵  
۷۸۶  
۷۸۷  
۷۸۸  
۷۸۹  
۷۹۰  
۷۹۱  
۷۹۲  
۷۹۳  
۷۹۴  
۷۹۵  
۷۹۶  
۷۹۷  
۷۹۸  
۷۹۹  
۸۰۰  
۸۰۱  
۸۰۲  
۸۰۳  
۸۰۴  
۸۰۵  
۸۰۶  
۸۰۷  
۸۰۸  
۸۰۹  
۸۱۰  
۸۱۱  
۸۱۲  
۸۱۳  
۸۱۴  
۸۱۵  
۸۱۶  
۸۱۷  
۸۱۸  
۸۱۹  
۸۲۰  
۸۲۱  
۸۲۲  
۸۲۳  
۸۲۴  
۸۲۵  
۸۲۶  
۸۲۷  
۸۲۸  
۸۲۹  
۸۳۰  
۸۳۱  
۸۳۲  
۸۳۳  
۸۳۴  
۸۳۵  
۸۳۶  
۸۳۷  
۸۳۸  
۸۳۹  
۸۴۰  
۸۴۱  
۸۴۲  
۸۴۳  
۸۴۴  
۸۴۵  
۸۴۶  
۸۴۷  
۸۴۸  
۸۴۹  
۸۵۰  
۸۵۱  
۸۵۲  
۸۵۳  
۸۵۴  
۸۵۵  
۸۵۶  
۸۵۷  
۸۵۸  
۸۵۹  
۸۶۰  
۸۶۱  
۸۶۲  
۸۶۳  
۸۶۴  
۸۶۵  
۸۶۶  
۸۶۷  
۸۶۸  
۸۶۹  
۸۷۰  
۸۷۱  
۸۷۲  
۸۷۳  
۸۷۴  
۸۷۵  
۸۷۶  
۸۷۷  
۸۷۸  
۸۷۹  
۸۸۰  
۸۸۱  
۸۸۲  
۸۸۳  
۸۸۴  
۸۸۵  
۸۸۶  
۸۸۷  
۸۸۸  
۸۸۹  
۸۹۰  
۸۹۱  
۸۹۲  
۸۹۳  
۸۹۴  
۸۹۵  
۸۹۶  
۸۹۷  
۸۹۸  
۸۹۹  
۹۰۰  
۹۰۱  
۹۰۲  
۹۰۳  
۹۰۴  
۹۰۵  
۹۰۶  
۹۰۷  
۹۰۸  
۹۰۹  
۹۱۰  
۹۱۱  
۹۱۲  
۹۱۳  
۹۱۴  
۹۱۵  
۹۱۶  
۹۱۷  
۹۱۸  
۹۱۹  
۹۲۰  
۹۲۱  
۹۲۲  
۹۲۳  
۹۲۴  
۹۲۵  
۹۲۶  
۹۲۷  
۹۲۸  
۹۲۹  
۹۳۰  
۹۳۱  
۹۳۲  
۹۳۳  
۹۳۴  
۹۳۵  
۹۳۶  
۹۳۷  
۹۳۸  
۹۳۹  
۹۴۰  
۹۴۱  
۹۴۲  
۹۴۳  
۹۴۴  
۹۴۵  
۹۴۶  
۹۴۷  
۹۴۸  
۹۴۹  
۹۵۰  
۹۵۱  
۹۵۲  
۹۵۳  
۹۵۴  
۹۵۵  
۹۵۶  
۹۵۷  
۹۵۸  
۹۵۹  
۹۶۰  
۹۶۱  
۹۶۲  
۹۶۳  
۹۶۴  
۹۶۵  
۹۶۶  
۹۶۷  
۹۶۸  
۹۶۹  
۹۷۰  
۹۷۱  
۹۷۲  
۹۷۳  
۹۷۴  
۹۷۵  
۹۷۶  
۹۷۷  
۹۷۸  
۹۷۹  
۹۸۰  
۹۸۱  
۹۸۲  
۹۸۳  
۹۸۴  
۹۸۵  
۹۸۶  
۹۸۷  
۹۸۸  
۹۸۹  
۹۹۰  
۹۹۱  
۹۹۲  
۹۹۳  
۹۹۴  
۹۹۵  
۹۹۶  
۹۹۷  
۹۹۸  
۹۹۹  
۱۰۰۰

جب غیر صحیح اور غلط فعل حضرت ابو بکرؓ سے جناب سیدہ سائرہؓ ناراض ہو گئیں تو ابو بکرؓ کو چاہئے تھا کہ اپنے غلط اور غیر صحیح فعل سے باز آتے۔

شیعوں کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ ابو بکرؓ بنا ب سیدہ کی خاطر اس حدیث پر عمل چھوڑ دیتے بلکہ شیعوں کا یہ مطلب ہے کہ حضرت ابو بکرؓ جناب سیدہ کی خاطر شکنی کے لئے ایسی حدیث پیش نہ کرتے نہ اُس پر عمل کرتے کہ جو مخالف قرآن کے تھے اور بیشک حدیث خلاف قرآن پر عمل چھوڑ دیتے اور قرآن پر عمل کرتے ایسا قرآن جسکی نسبت حضرت عمرؓ فرمایا ہے۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ

معصومین میں کبھی باہم نہ جھگڑتے اور نہ معصومین میں سے کسی کا قصور ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور ہارونؑ کے قصہ کو ہم نے ایک زیادہ مقام پر اپنے رسالہ روشنی میں دکھایا ہے نہ انہیں باہم نہ جھگڑا اور نہ کسی کا قصور تھا اور ایسے ہی جناب سیدہ کے اوس غضب کا حضرت ابو بکرؓ پر جو بخاری کی روایت میں ہے جناب سیدہ کے اون الفاظ سے ”ہم جین الخ“ مقابلہ ہو سکتا ہے اور نہ اُن الفاظ سے جناب امیرؓ پر غصہ جناب سیدہ کا ظاہر ہوتا ہے۔ (دیکھو رسالہ روشنی جلد ۶ صفحہ ۵۵ و ۵۶)۔

اگر باہم حضرت موسیٰ اور ہارونؑ کے یا جناب سیدہ اور علیؑ فریقے کے کوئی رنج واقعہ ہوتا تو حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰ کو اور جناب سیدہ علیؑ فریقے کو منع کر جاتے کہ ہماری تجھیز و تکفیز اور دفن میں شریک نہ ہوں لیکن ایسا امر ظہور میں نہیں آیا اسی سے ظاہر ہے کہ نہ فیما بین حضرت موسیٰ اور ہارونؑ کے کوئی رنج تھا اور نہ درمیان جناب علیؑ فریقے اور سیدہ کے۔

جناب سیّدہ کو حضرت ابو بکرؓ اور جن جن لوگوں سے رنج تھا اولاً کو  
شیعہ نے ان کے جنازہ اور دفن میں شریک نہ ہونے اور علی مرتضیٰ نے  
ان کے جنازہ کو بوقت شب بموجب انکی وصیت کے بغیر ابو بکرؓ وغیرہ کی  
شرکت کے دفن کیا۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم میں وارد ہوا ہے (صفحہ ۲۲۹ و  
۲۵۱ جلد ۶ روشنی)۔

الفاظ یہ بھی حنین الیہ و حقیقت نہ درشت ہین اور نہ کسی غصہ کی خبر  
دیتے ہین اور نہ آخر وقت تک اوزکا رفع نہ ہونا لازم آسکتا ہی اور نہ اوسکے  
بعد دونوں کا ساتھ رہنا متعلق زوجیت اور بیماری کی مجبوری سے سمجھا  
جاسکتا ہے مگر بیماری کی مجبوری کی جو مجہ مصنف مخاطب ظاہر کرتے ہین انکی  
طرف سے ایسی وجہ کا ظاہر کرنا مجاہد بہت تعجب میں ڈالتا ہے۔ بعد وفات  
پیغمبرؐ خلافت اور فدک کا لینا اور ان جھگڑوں میں جو صدمات  
جناب سیدہ کو پہونچائے گئے جن کے سبب وہ لب گورسہین کیا اسی بیماری  
کی طرف اشارہ ہی؟ ورنہ کوئی اور بیماری نہیں ہی۔

یہ امر کہ جناب سیّدہ کے آخر وقت میں ابو بکرؓ نے جناب امیرؓ  
کے توسط سے اپنا قصور معاف کرانا چاہا جناب سیّدہ نے اپنے حضور میں  
بلا لیا مگر ان دونوں نے ہر چند معذرت کی قصور معاف نہ کیا شیعوں کی  
بعضی روایتوں میں نہیں ہے بلکہ خود اہلسنت کی بعض معتد کتابوں میں ہے  
اور یہ واقعہ آخر وقت جناب سیّدہ کا نہیں ہے بلکہ بعد انخوشی  
جناب سیّدہ کے ہے (دیکھو رسالہ روشنی جلد ۶ صفحہ ۲۱۹ لغایت ۲۲۹)

ایسی روایات پر مصنف مخاطب نے شیعوں پر بہت زور سے اعتراض  
کئے ہین کہ شیعوں کو شرم نہیں آتی کہ جناب سیّدہ سے کمال محبت کا



بڑے غلو کے ساتھ دعوت ہے اور کہی ہی میری اور سنگدلی کا عیب، ان میں لگا یا معذرت کے بعد معاف نہ کرنا میری ہے۔ لیکن مصنف نے مخاطب نے شیعہ کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا کہ کس کتاب میں ہے اور شیعہ انکو بقید نام کتاب کے بتا چکے ہیں کہ ایسے روایات انکی بعض معتبر کتابوں میں ہیں تو جو کچھ بے شرمی شیعوں کی مصنف مخاطب دکھاتے ہیں وہ خود حضرات اہلسنت کو اپنی بے شرمی قبول کرنی پڑیگی۔ لیکن ایسی روایتوں سے کوئی میری اور سنگدلی جناب سیدہ کی یا معذرت کے بعد قصور معاف کرنا بے ضرورت سمجھی نہیں جاسکتی۔ جو میری اور سنگدلی کا برتاؤ جناب سیدہ کے ساتھ کیا گیا اور معافی مانگی گئی۔ تو معافی انسی حالت میں دیا جاسکتی تھی کہ جن امور سے جناب سیدہ ناخوش ہوئیں وہ امور واپس کر لیے جاتے (دیکھو رسالہ - دشمنی جلد ۱۲ صفحہ ۱۲۵) جناب سیدہ اگر بغیر واپسی ان امور کے معافی دیدیتیں تو البتہ انبرا اطلاق ہے میری اور سنگدلی کا صادق آنا اور ایسا الزام کسی طرح جناب سیدہ اپنے اوپر عائد نہیں کر سکتی تھیں جناب سیدہ نے جو قصور معاف نہیں کیا ٹھیک کیا۔ آخرت کی حکومت بیشک انکے اختیار میں نہوگی لیکن جسکے ہاتھ میں ہوگی وہ احکم الحاکمین ہے۔ اور جن لوگوں نے کہ خلاف حکم انکے کی عمل کیا ہے ان کے لینے وہ ہرگز مغفور الرحیم نہیں ہوگا۔ وہ خوب جانتا ہے کہ ان دونوں نے جو معذرت کی وہ محض زبانی تھی۔ عمل کے ذریعہ سے نہیں تھی یعنی جو امور کہ خلاف حکم خدا اعلیٰ میں لائے گئے اور جن سے جناب سیدہ کو ناخوشی پیدا ہوئی انکو ان دونوں نے واپس نہیں لیا تھا۔ اگر ان امور کو وہ دونوں واپس لیتے اور جناب سیدہ

صفحہ ۲۲۱ لغایت ۲۲۳ جلد ۶ دشمنی حسین نام کتابوں کے گینے ہیں۔ ڈیڑھ

سے معافی چاہتے تو دہلی معافی اونکی سمجھی جاتی اور اسوقت ضرور جناب سیدہ  
اونکو معافی دیدیتیں۔ لیکن جن امور سے کہ ناخوشی جناب سیدہ کو پیدا ہوئی تھی  
بغیر انکے واپس لئے جو مغذرت کیگئی اور معافی جناب سیدہ نے نہیں دی  
تو اس سے جناب سیدہ کی سنگدلی اور بیرحمی جو مومن کی شان سے بعید ہو  
ہرگز سمجھی نہیں جاسکتی بلکہ جو لوگ کہ مخالفت حکم خدا اور امور ناخوشی کو دوسرے  
نہ لین اور بغیر انکے معافی چاہیں یہ فعل اونکا خود سنگدلی اور بیرحمی کا ہے جو  
مومن کی شان سے بعید ہے۔ اور جس نوعیت کے کہ انھوں نے مغذرت چاہی  
اس سے صرت وہی الزام جو انپر تھا باقی نہیں رہنا بلکہ ایسی مغذرت چاہنے  
سے کہ جو بغیر واپسی اور امور کے جو باعث ناخوشی ہوئے تھے اس الزام کو  
اور شاید کرتا ہے۔ اور جبکہ وہ روایت خود اہلسنت کے یہاں موجود ہے تو  
اہلسنت کو انکے قبول سے گریز نہیں ہو سکتا ہے اور جناب سیدہ پر اس سے  
ہرگز کوئی طعن قائم نہیں ہوتا ہے۔

شیعوں نے اس روایت کو تصنیف نہیں کیا جس سے ابو بکر و عمرؓ  
پر الزام بڑھانا اونکا مقصود ہو بلکہ خود اہلسنت نے حقیقی واقعات کو اپنی  
کتاہوں میں مندرج کیا ہے تاکہ آئندہ نسلیں ان واقعات پر غور کر کے اپنی  
راہنما قائم کریں۔ مگر مصنف غلط کی یہ جدید تصنیف ہے کہ مسلمان کو  
بے راہ کرنے کے لیے اپنے یہاں کی ایسی سچی روایات کو شیعوں کی طرف منسوب  
کر کے دھوکا دیں۔

مصنف غلط اپنے گمان میں ایک اور روایت شرح نہج البلاغہ  
ابن شیم بخرانی سے پیش کرتے ہیں اور اپنا عند یہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس  
روایت (معافی نہ دینے کی) قباحات علماء شیعہ سمجھ گئے اس کے مقابلہ میں

دوسری روایت پیش کرتے ہیں۔

مصنف مخاطب نے جس روایت کو شرح ابن شیم سے لیا ہے صرف اُسکو ہم علیہ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ اَوّل ہم فرمان علی مرتضیٰ سے عثمان بن حنیف کے اُس مضمون کا ترجمہ لکھتے ہیں کہ جسپر ابن شیم نے اس موقع پر شرح کی ہے اور پھر ہم اُس مضمون شرح کا ترجمہ کرتے ہیں جس میں وہ روایت بھی شامل ہے جبکو مصنف مخاطب نے نقل کیا ہے اور اُس پر خط کیونچ دیگئے تاکہ امتیاز ہو جائے کہ وہ حصّہ مضمون مصنف مخاطب کا مستدلہ ہے جس سے یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ وہ حصّہ مضمون مستدلہ مصنف مخاطب فرقہ شیعہ کے یہاں سے لیا گیا ہے یا کیا۔؟

## ترجمہ مضمون ابن علی رضی اللہ عنہ عثمان بن حنیف

دیر ہی فرمان ہے جسکا ترجمہ ہم نے پہلے بھی کیا ہے دیکھو صفحہ ۸۹ ہم علیہ چہار رسالہ روشنی

”ہاں تھا ہمارا کھلمین فدک کل اُس چیز سے کہ سنا یہ ڈالا ہے اُس پر آسمان نے پس بخل کیا اُسپر نفوس ایک قوم نے اور جو انگری کی ادس پر دوسرے نفوس نے (یعنی ایک قوم نے اُسکو لیلیا اور دوسرے نفوس نے اُسپر صبر کیا) اور اچھا حکم کرنے والا خدا ہے اور کیا کہ دن میں فدک کو اور غیر فدک کو درحالیکہ نفس کی سنرل کلید قبر ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور سکی ظلمت میں نشان اُسکے اور پوشیدہ ہو جاتی ہیں خبر میں اُسکی ۷ اُسپر ابن شیم نے جو شرح لکھی ہے وہ پورا مضمون شرح کا یہ ہے ۷ واضح ہو کہ فدک خاصہ واسطے رسول صلعم کے تھا جب حضرت نے فتح خیبر کی اور

خدا نے قلوب اہل فداک میں رعب کو ڈال دیا پس انھوں نے خواہش ظاہری کی تصف فداک پر حضرت اُن لوگوں سے مصالحہ کر لین حضرت نے اس امر کو قبول کر لیا اس سے فداک خاص حضرت کے لیے ہوا کیونکہ اُسپر حضرت نے لشکر کشی نہیں فرمائی۔ اور روایت کی گئی ہے کہ حضرت نے اُن لوگوں سے کل فداک پر مصالحہ فرمایا اور مشہور میں الشیعہ بلکہ متفق علیہ ہے کہ رسول حق راصلعم نے فداک کو حضرت فاطمہ کو عطا فرمایا۔

اور روایت ہے اس امر کی شیعہوں سے طرق مختلفہ سے منجملہ اون کے روایت ابی سعید خدری ہے کہ جب وقت آیتہ وَاَتٰ ذٰی الْقُرْبٰی حَقَّہ۔ (رے تو قرابت داروں کو حق ادا کیا) نازل ہوئی۔ حضرت نے فداک حضرت فاطمہ کو عطا کر دیا۔ پس جب وقت ابو بکر خلیفہ بن گئے قصد کیا بیٹنے فداک کا حضرت فاطمہ سے۔ پس جناب سیدہ نے وراثتاً فداک کا مطالبہ کیا اور یہ بھی کہا کہ حضرت نے اپنی حالت حیات میں مجھے اسکو عطا کر دیا تھا۔ اور اسکی شہادت حضرت علیؑ اور ام المینؑ نے دی۔ پس ابو بکر نے میراث میں حدیث یحٰن معاشر لا بنیاء سے۔ کہ جسکے وہ خود ہی تھا راوی بھی تھے۔ جواب دیا۔ اور متعلق عطا فداک یہ کہا کہ وہ خاص حضرت کی ملکیت نہ تھی بلکہ انکے ہاتھ میں کل مسلمانوں کا مال تھا جسکی آمدنی سے حضرت لوگوں کو جنگ پہنچتے تھے۔ اور سبیل اللہ میں بھی صرف کرتے تھے اور میں اس پر اوسے بیچ سے تصرف ہوں جیسے حضرت تھے۔ جب یہ خبر سیدہ کو پہونچی حضرت نے برقع اُٹھا اور ایک جماعت اپنے اعوان و قوم کی عورتوں کو بلے کر ابو بکر کے پاس آئین در حالیکہ حاد رآپ کے قدموں سے اولیج رہی تھی اور

لے روشنی جلد ۹ صفحہ ۲۱ پر بھی بقدر ضرورت یہ خطبہ موسوم ہے کہ معاہدہ دسا بعد حج ۱۹۸۰ء

اوسوقت ہونچیں جبکہ تمام مہاجر اور انصار ابو بکرؓ کے پاس موجود تھے بس ایک بار ایک پردہ درمیان ان لوگوں اور سیدہ کے مابین گیا بعد اُنکے حضرت نے ایسا ایک نعرہ کیا جسکی وجہ سے حاضرین متاثر ہو کر رونے لگے پھر حضرت نے تھوڑی دیر تامل کیا یہاں تک کہ جوش گریہ کم ہوا اور فرمایا کہ اب بند کرتی ہوں میں خدا کی حمد سے جیسا کہ بزرگ اور سختی حمد ہے۔ شکر کرتی ہوں میں اوسی خدا کا انکی نعمتوں پر اور شکر کرتی ہوں میں اوسکا ادن چیزوں کے لئے کہ جنکا ہمارے قلوب میں الہام کیا ہے بعد اوسکے خطبہ طویل ایسا فرمایا جسکو آخر یہ ہو۔ پس خوف کرو خداوند عالم کا حق خوف کرنے کا اور اطاعت کرو انکی اُس امر میں کہ جسکا اوسنے حکم دیا ہے۔ پس جہاں نیست کہ خدا کا خوف اوسکے بندوں میں علماء کرتے ہیں اور حمد کرو اُس خدا کی جس کی عظمت اور نور سے تمام مخلوقات زمین و آسمان انکی طرف وسیلہ دہوندتے ہیں۔ اور ہم ہیں وسیلہ خلق میں۔ اور ہمیں خاص اُسکے بندے ہیں۔ اور ہمیں محل قدس ہیں۔ اور ہمیں اوسکی حجت ہیں۔ اور ہمیں در ثناء انبیا ہیں۔ میں فاطمہؓ و دختر رسول صلعم ہوں۔ اور میں مکر رکھتی ہوں کہ میں نے اپنے خزا و شرف کی بیان میں تجا و زینیں کیا ہے۔ پس دل لگا کر اور کان دہر کر سنو۔ بعدہ یہ آیت ہے۔ لقد جاءکم فی ثلاث فرمائی ہے۔ ترجمہ تحقیق کہ آیا تمہارا ایک رسول تمہیں میں سے گراں ہے اُسپر تمہارا معصیت کرنا۔ اور حریص ہو تمہارے اوپر۔ اور مہربانی اور رحم کرنے والا ہے مومنین پر۔ پس اگر تم نسبت دو انکو مجھے تو وہ میرا باپ ہے نہ تمہارا۔ اور وہ بھائی ہے میرے ابن عم کا نہ تمہارے ابن عم کا۔ پھر کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہمیں ہے ارث میرے لئے (ترجمہ آیت) آیا حکم جاہلیت کو اختیار کرتے ہو اور کون شخص ہے زیادہ حکم دینے والا خدا سے واسطے اوس قوم کے جو کہ

یقین کرنے والی ہے۔ اسی گروہ ملت آیا لی جائے مجھ سے میراث میرے باپ کی۔ حالانکہ وارث ہو ابن ابو قحافہ اپنے باپ کا اور نہ وارث ہوں میں اپنے باپ کی۔ یہ تھنے ایک عجیب امر مصنوعی کیا پس لازم ہو گیا یہ فعل سیرے لیئے۔ اور مثل اوسکی مثل اس ناقہ کی ہے جو لجام دیا ہوا اور جو کسنا ہو کھڑا ہو۔ اور تو ای ابو قحافہ ملاتی ہو گا اس فعل کے ساتھ روز حشر۔ پس کیا ہی اچھا حاکم ہے خداوند عالم اور کفیل آنحضرت اور وعدہ گاہ قیامت (ترجمہ) آیت ۱۰ اور وقت روز قیامت کے افعال باطل کرنے والے زبان کا۔ ہوں گے اور واسطے ہر امر کے مستفسر ہے اور قریب ہے معلوم کر دے جسے نازل ہو گا غدا رسوا کرنے والا اور ملول کرے گا اُسپر عقاب دہائی و راوی کہتا ہے کہ پھر متوجہ ہوئیں طرف قبر اپنے پسر گوار کے اور قول ہند بنت امامہ کو بڑا (جس کا ترجمہ یہ ہے) یہ بالتحقیق آپ کے بعد بڑے بڑے امور پیش آئے اگر آپ موجود ہوتے تو کاہیکو ایسا سخت واقعہ ہوتا ظاہر کیا لوگوں نے اپنے امور غفنی کو جس وقت کہ اپنے قضا کی اور ہائل بہن در بیان آپ کے بڑے نوک ریگ کے خورش رومی کی مجھ سے لوگوں نے اور استخفاف کیا میرا جس وقت کہ آپ غائب ہو گئے ہم سے۔ پس آج کے روز ہم مغضوب ہوئے ہیں۔

راوی کہتا ہے اس وقت ایسا زیادہ جوش گریہ تمام مرد و زنیں واقع ہوا کہ کبھی ایسا نہیں دیکھا گیا تھا۔ بعد اُنکے آپ نے انصار موجودہ مسجد کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اسی گروہ انصار اور بانہان ملت اور پرورش کنندگان اسلام میری مدد گاری میں کیوں تلو تامل ہو۔ اور میری اعانت میں کیوں سستی ہے۔ اور میرے حق میں کیوں تلو ضعف ہے۔ اور میری یاد رسی ہے کیوں غافل ہوئے یا نہیں فرمایا پھر آنحضرت صلعم نے کہ انسان کی

حفاظت انہی اولاد میں کیجاتی ہے بہت جلدی کی تھنے ان افعال کی کرنے میں۔ ابھی آنحضرت نے انتقال کیا اور تھنے انہی دین کو بھی مردہ کر دیا۔ تحقیق کہ موت انہی ایک مصیبت بزرگ ہو۔ وسیع ہو گیا ہے چاک اوسکا۔ اور کٹا وہ ہو گیا ہے سوراخ اسکا۔ اور مفقود ہو گیا ہے درست کرنے والا اُسکا اور تاریک ہو گئی ہے زمین اور جھک گئے ہیں پہاڑ۔ اور نا امید ہو گئی ہیں آرزوئیں۔ اور ضائع کئے گئے بعد انہی حرم اور شہک کی گئی حرمت اور اربانت کی گئی عزت اور یہ ایک ایسی مصیبت ہو جسکا کہ کتاب اللہ نے اعلان کیا تھا قبل انہی وفات کے۔ پس کہا خدا نے (ترجمہ آیت) نہیں ہیں محمد صلیم۔ مگر رسول تحقیق گذرے ہیں قبل انہی بہت سے پیغمبر آیا پس اگر وہ مر جائے یا قتل ہو جائے پلٹ جاوے گئے تم اپنے پچھلے پاؤں پر۔ اور جو شخص پلٹ جائے گا اپنے پچھلے پاؤں انس سے خدا کو کچھ ضرر نہ ہوگا اور قریب ہے کہ جزا دیگا خداوندیکم شاکرین کو ای انصار آما محروم کی جاؤں میں ارث سے اپنے باپ کے دران حالیکہ تم دیکھتے ہو اور سننے ہو ہو پوچھتی ہو تلو میری فریاد۔ اور شامل ہو تلو میری آواز اور تم میں سامان بھی ہے اور تم کثیر التعداد بھی ہو۔ اور تمھارے واسطے گھر بھی ہے۔ اور سپرین بھی ہیں۔ اور تلو منتخب کیا ہو خدا نے اور برگزیدہ کیا ہے مقابلہ کیا ہو تھنے عرب کا۔ اور متوجہ ہوئے ہو تم امور کی طرف۔ اور دفع کیا ہے تھنے سختیوں کو۔ یہاں تک کہ چلی اسلام کی تھاری وجہ سے جلی۔ اور جاری ہو اشرار اس کا۔ اور بجھ گئی آتش حرب اور ساکن ہو گیا شرک کا جوش اور سست ہو گئے فتنہ۔ اور مستحکم ہو گیا انتظام دین کا۔ آیا پس تم بعد اقدام کے پیچھے ہو گئے۔ اور پیچھے رہ گئے بعد حملہ کرنے کے۔ اور

۱۔ دیکھو جلد ۶ صفحہ ۶۸ پر اس آیت سے استدلال ۱۳

بُردل ہو گئے بعد شجاعت کے۔ ایسی قوم سے جنھوں نے عہد شکنی کی بعد اپنے ایمان کے۔ اور رخنہ ڈالا انھوں نے اپنے دین میں۔ پس قتل کر دائے کفر کو نہیں ہے عہد انکے لیے تاکہ وہ مہی ہو جا دین۔ آگاہ ہو تحقیق میں دیکھتی ہوں تم کو کہ تم مائل ہو گئے ہو عیش و آرام کی طرف اور انکار کیا تھے دین کا اور پی گئے جو تم بلائے گئے (ترجمہ آیت) بے اور اگر کفر کو تم لوگ اذہ لوگ جو کہ زمین پر ہیں سب کے سب پس یہ تحقیق کہ خدا غنی ہو اور حمید ہے آگاہ ہو تحقیق کیا ہی میں نے درحالیکہ میں یقین کرتی ہوں اُس رسوائی کا جو ملکوں لازم ہو گئی ہے اور علم ہی تمھاری ضعیف طبیعت کا اور ضعف یقین کا۔ بس یہ قول تمھارے لیے لازم ہو گیا ہے پس تمھل ہو تم اُسکے اور مثال اُس فعل کی مثال اُس ناقہ کی ہے جسکی پشت زخمی ہو اور شتم اُسکے گھیس گئے ہوں۔ اور یہ فعل ایسا ہو کہ جسکا عار و ننگ اور ملامت کا اُصمیں نشان باقی رہے گا اور اُس دیکھتی ہوئی آگ کے ساتھ موصول ہو گا جو کہ پہونچگی اور قلوب کے پس خدا اُس کو دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو (ترجمہ آیت) بے اور قریب ہے کہ جاہلین گے وہ لوگ کہ جنھوں نے ظلم کیا ہے کہ کیسا بھٹا کھا دین گے جائے منتقلب میں۔

بعد آپ اپنے مکان پر واپس آئیں۔ اور قسم کھائی کہ نہ کلام کر نیکی مدت العمر ابو بکر سے۔ اور بد دعا کریں گی خدا سے اُسکے لیے۔ اور اور ایسا ہی حضرت نے کیا یہاں تک کہ وفات پائی۔ پس وصیت کی کہ نہ نماز پڑھے ابو بکر اُن پر پس نماز پڑھی ابو بکر نے اور دفن کی گئیں شکوہ روایت کی گئی ہے ابو بکر نے جب جناب سیدہ کا کلام سنا۔ تو ابو بکر نے اللہ کی حمد بیان کی اور رشاک کی اور رسول پر درود پڑھا پھر کہا۔ کہ اسی فضل



عورتوں کی اور بیٹی اوس باپ کی جو سب میں افضل ہے۔ میں نے رسول اللہ کی رائے سے تجاویز نہیں کیا۔ اور نہیں عمل کیا میں نے مگر رسول کے حکم پر۔ بیشک تم نے گفتگو کی اور بات بڑبڑادی۔ اور سختی اور ناراضی کی۔ اب اللہ معاف کرے ہمارے لیے اور تمہارے لیے۔ اسکے بعد یہ ہے کہ میں نے رسول کے ہتیار اور سواری کے جانور علی کو دیدیے۔ اور لیکن جو کچھ اٹھکے سوا ہے اس میں میں نے رسول اللہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہم جماعت انبیاء و رسول کی سیراٹ دیتے ہیں نہ چاندی کی۔ نہ زمین کی۔ نہ کھیتی کی۔ نہ مکان کی۔ اور لیکن ہم سیراٹ دیتے ہیں ایمان اور حکمت اور علم اور سنت کی اور عمل کیا میں نے اُس پر جو حکم کیا تھا۔ اور میں نے نیک نیتی کی ہے۔ تو جناب سیدہ نے فرمایا کہ بیشک رسول اللہ نے فدک مجھ کو ہیہ کر دیا ہے۔ ابو بکر نے کہا اِس پر گواہ کون ہے۔ تو آئے علی بن ابیطالب اور اُم ایمن اُن دونوں نے فاطمہ کے لیے گواہی ہیہ کی دی۔ پھر آئے عمر بن خطاب اور عبداللہ بن عوف اُنھوں نے یہ گواہی دی کہ رسول اللہ صلعم فدک کو تقسیم کر دیتے تھے تو ابو بکر نے کہا کہ اسے رسول کی بیٹی تو نے سچ کہا اور علی اور اُم ایمن نے بھی سچ کہا اور عمر نے بھی سچ کہا اور اُس کا تصدیق یہ ہے کہ جو تیرے باپ کے لیے تھا وہ ہی تیرے لیے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا راقوت رکھ لیتے تھے۔ اور باقی کو تقسیم کر دیتے تھے اور اٹھاتے تھے اُس میں سے اللہ کی راہ میں۔ اور میں تیرے لیے اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ فدک میں وہ ہی کردن کا جو رسول کرتے تھے۔ تو اُس پر فاطمہ راضی ہو گئیں اور فدک میں اُسی پر عمل کرتے کا ابو بکر سے عہد لیا اور ابو بکر فدک کی پیداوار کو لیتے تھے اور جتنا اہلبیت کا خراج ہوتا تھا اُن کے پاس پہنچ دیتے تھے۔

پھر ابو بکر کے بعد اور خلفائے نبویؐ بھی یہی کیا رہا تاکہ کہ حاکم ہو لی سعادۃ تو امام حسنؑ کی وفات کے بعد مروان نے فدک کے ایک ٹلٹ کو اپنی جاگیر بنالیا پھر اپنی خلافت کے زمانہ میں اپنے بیٹے خاص کر لیا اور مروان کی اولاد کے پاس رہا یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس پہنچا تو اُس نے اپنی خلافت کے زمانے میں فدک کو اولاد فاطمہؑ پر رد کر دیا۔

پس کہا شیعوں نے کہ یہ اوّل حق تھا جو رد کیا گیا اور اہلسنت نے کہا بلکہ لے لیا اوس نے اُسکو اپنی ملک میں بعد اُسکے بہہ کر دیا اُسکو اولاد فاطمہؑ پر پھر لے لیا اُسے یہاں تک کہ دولت بنی اُمیہ کی ختم ہو گئی پس رد کیا اُسکو ابو عباس صفاح نے اولاد فاطمہؑ پر۔ پھر لے لیا اُسکو منصور نے۔ پھر رد کر دیا اُس کو انسکی بیٹے مہدی نے۔ پھر لے لیا اُسکو اُس کے دونوں بیٹوں موطیٰ و ہارون نے۔ پس اسبطور سے بنی عباس کے ہاتھ میں رہا تا زمانہ مامون پس رد کیا اُسکو مامون نے اولاد فاطمہؑ پر۔ اور باقی رہا عہد زمان متوکل تک۔ پس لے لیا اُسکو متوکل نے۔ اور دیدیا اُسکو عبداللہ ابن عمر بازیا رکو۔ اور روایت کی گئی جو کہ اسی فدک میں گیا رہ درخت تھے خرمہ کے۔ جن کو رسول خدا صام نے اپنے ہاتھ سے بویا تھا۔ بنی فاطمہ ہریشہ اُسکے ثمر حاجیوں کو پیش کرتے تھے پس اُسکے صلہ میں وہ اُنکو بہت مال کثیر نذر کرتے تھے پس بازیا رنے ایک شخص کو بھیجکر اولاد درختوں کو کٹوایا اور جب وہ درخت کاٹ کر واپس بھیڑ آیا تو مفلج ہو گیا اور اس قضیہ میں شیعوں اور اُنکے مخالفین میں نہایت اختلاف ہے اور ہر فریق کے لئے کلام طویل ہے ۛ

جس مضمون شرح ابن شیم پر خط کھینچا گیا ہے اس پر صنف مخاطب استدلال کر کے یہ کہتے ہیں کہ اس روایت کے ملاحظہ کے بعد نہ غضب فدک کی شکایت باقی

رہی نہ ناراضگی اور خشمی کا وجود رہا اور اس طعن کی بزرگست گئی کہ  
فرمان علی مرتضیٰ موسومہ شہان بن خلیفہ بن زینہ علیہ السلام نے نسبت  
سہامہ خدک کے لکھا اور انکی شرح ابن شیم نے کی ہے اب تک دیکھنے سے ظاہر ہے کہ ابن  
نے اپنے نزدیک واقعات تاریخی کی حیثیت سے جو تخریر روایات کا یہ بیان کیا  
بیان کیا ہے اور یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ روایات فرقہ شیعہ کی ہیں لیکن ہم بتا رہے  
ہے کہ وہ روایات کہ جن سے واقعات تاریخی کا نتیجہ نکالا جاتا ہے سنت کے بیان کی ہیں  
مگر جب ابن شیم نے کسی روایت کی نسبت یہ نہیں لکھا کہ وہ شیعوں کے یہاں  
لیتے ہیں تو مصنف مخاطب کو لازم تھا کہ اس روایت کو جس میں یہ بیان ہے کہ فاطمہ  
راضی ہو گئیں کلا اور پیپر مصنف مخاطب کو محبت ہے دکھاتا ہے کہ وہ روایت نہ جوں  
کے یہاں کی ہے اور اس کتاب کا نام ظاہر کرتے تاکہ شیعہ اوکدہ دیکھیں کہ اس  
روایت کا روای کون ہے اور وہ کتاب کس کی تصنیف سے ہے اور ابن شیم کی کتاب  
شرح نہج البلاغۃ کتاب حدیث شیعوں کی یہاں کی نہیں ہے کہ اس میں روایت  
رضامندی جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہ کے منقول ہونے سے یہ لازم آتا ہے  
کہ وہ روایت شیعوں کے یہاں کی ہے بلکہ یہ سبب اسکے کہ ابن شیم شیعی المذہب  
تھے اور انہوں نے اپنی اس کتاب میں یہ قصہ کیا جو کہ روایات کتب مذہب اہل سنت کے  
شرح کریں تاکہ اہلسنت پر حجت ہو۔

سوائے اس روایت کے کہ جس میں مصنف ہی جناب شیعہ کی مذکور ہے  
اور پیپر زم علیہ رحمۃ اللہ بحث کریں گے ابن شیم شامی نے اس مقام پر جن روایات سوائے  
تاریخی لکھے ہیں ان روایات کو شامی ابن ابی الحدید نے اسی مقام پر اپنی شرح  
میں مفصل یہ قید سلسلہ راویوں کے لکھا ہے اور یہ ظاہر کر دیا ہے کہ جو کچھ انہوں نے

اخبار اور سیر سے نقل کیا جو وہ زبانی اہل حدیث اور ان کی کتابوں سے ہے۔ شیعوں کی اور ان کے لوگوں کی کتابوں سے نہیں ہے۔ ابن ابی الحدید نے اپنے نفس پر شرم بکری ہے کہ وہ شیعوں کے یہاں سے کچھ جمع نہ کریں اور یہ شرط انہوں نے غنی نہیں رکھی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ شارح ابن شیم نے جو نتیجہ کہ اس موقع پر لکھا ہے وہ شیعوں کے یہاں کی روایات اور کتب سے نہیں ہے۔ بلکہ مخالفین مذہب اہل شیعہ سے ہے۔ جسکو ابن ابی الحدید نے منقول کیا ہے بلکہ اونٹ۔ اند کو جو قاطعہ اور علی صلوات اللہ علیہما پر رہے اور اس استخفاف کو جو ان دونوں کا کیا گیا۔ (مثل خانہ قاطعہ کے جلا دینے کا قصد اور اُم طحال زن نا حشہ کی مثال اور لومڑی اور اسکی دم کی گواہ ہونے کی تمثیل کے) ان روایات سے جو شارح ابن ابی الحدید نے لکھے ہیں۔ ابن شیم نے واقعات تاریخی کے بیان میں چھوڑ دیا ہے۔

وہ روایت جس سے رضامندی جناب سیدہ کی سنف مخاطب استدلال کرتے ہیں۔ ابن شیم نے یہ لفظ ”روی“ محمول کے نقل کی ہے اور اہل قن ایسی روایت کو ضعیف اور غیر متحد جانتے ہیں۔ جب تک کہ اسکی تہمید دوسری روایتوں سے نہ ہو۔ اور خود کتب معتدلاہ سنت کے روایات صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جناب سیدہ قضیہ فدک میں ناراض ہوئیں اور نہ ما کرتی رہیں اور ناراضگی کی حالت میں مرگئیں اور وصیت نہ کیا۔ ان کے تالاف کرنے والے انکے خسر یک جنازہ نہ ہوئے۔ اس روایت میں جنس نوکر ایسی ہو یا نہ جناب سیدہ کا ہے سو اسے مفسدہ دیا گیا کہ رضامندی کے باقی نقل مضمون ایسا ہے کہ جو وہ روایت ابن ابی الحدید نے بیان کی ہے۔

جلد اول بحث سبب وفات سیدہ فاطمہ علیہا السلام روایتی بحث فدک

اور اُن روایات کو شارح ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے اور جہاں اس روایت میں  
 رضا مندی جناب سنیّدہ کا ذکر ہے وہاں تھیں روایت یوں شروع ہوا ہے کہ  
 لا جب ابو بکر نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ جماعت انبیاء  
 میراث نہیں دیتے ہیں تو جناب سنیّدہ نے فرمایا کہ بیشک رسول اللہ نے  
 فدک بخیر کر دیا ہے۔ ابو بکر نے کہا او سپر گواہ کون ہے تو کئے علی بن ابیطالب  
 اور اُمّ ایمن اور دونوں نے فاطمہ کے لئے گواہی مانگی دی۔ پھر آئے عمر ابن  
 خطاب اور عبد الرحمن بن عوف انہوں نے یہ گواہی دی کہ رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم کو تقسیم کر دیتے تھے تو ابو بکر نے کہا کہ اے رسول کی بیٹی تو نے سچ کہا اور  
 علی اور اُمّ ایمن نے بھی سچ کہا اور عمر نے بھی سچ کہا اور اسکا تصدیق یہ ہے کہ جو  
 تیرے باپ کے لیے معاہدہ ہی تیرے لیے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 فدک سے تمہارے قوت رکھ لیتے تھے اور باقی کو تقسیم کر دیتے تھے اور اٹھائے  
 انہیں سے اللہ کی راہ میں اور میں تیرے لیے اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ فدک میں  
 وہ ہی کردنگا جو رسول اللہ کرتے تھے تو سپر فاطمہ راضی ہو گئیں اور فدک میں  
 اسی پر عمل کرنے کا ابو بکر سے عہد لے لیا اور ابو بکر فدک کی پیداوار کو لیتے تھے  
 اور جتنا اہلیت کا خرچ ہوتا تھا اونکے پاس بھیج دیتے تھے یا سوائے فقہ  
 رضا مندی جناب سنیّدہ کے باقی یہ کل مضمون بعینہ ایک روایت میں مندرج ہے  
 جسکو شارح ابن ابی الحدید نے منقول کیا ہے جو اہل سنت کے یہاں کی تروا  
 ہے بیشک ابن شیم نے جس وقت جس کتاب میں اس روایت کو دیکھا تھا انہیں  
 ذکر رضا مندی جناب سنیّدہ کا موجود تھا اور اسی روایت میں ذکر رضا مندی  
 جناب سنیّدہ کا شرح ابن ابی الحدید میں جو طہران کے چھپی ہوئی ہے موجود نہیں ہے  
 تو اس حالت میں امر و حال سے خالی نہیں ہو سکتا کہ یا تو ابن شیم نے جس کتاب

میں یہ روایت دیکھی تھی اوسمیں فقرہ رضامندی جناب سیدہ کا بڑا یا لایا گیا تھا اور  
یا شرح ابن ابی الحدید مطبوعہ حال سے فقرہ رضامندی جناب سیدہ کا  
نکال ڈالا گیا ہے۔ اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس فقرہ کا بڑا ہانا اور نکالنا کس فتنے  
کے مفید ہے اور جس فرقہ کے مفید ہو وہی فرقہ اسکا مرتکب ہوگا۔ اگر اصل روایت  
میں وہ فقرہ نہیں تھا جیسا کہ روایت شرح ابن ابی الحدید میں نہیں ہے اور وہ  
روایت اس کتاب میں موجود تھی جسکو ابن شمیم نے دیکھا تھا تو صحیح ہے کہ اس فقرہ  
کا بڑا نام مفید اہلسنت ہے اسیلئے اہلسنت نے اپنے یہاں کی روایت اور کتاب  
میں وہ فقرہ بڑھا دیا۔ اور اگر وہ فقرہ اصل روایت میں درحقیقت تھا جیسا کہ  
ابن شمیم نے دیکھا تو شرح ابن ابی الحدید کی کتاب سے وہ فقرہ وقت طبع کتاب  
کے یا اور کسی وقت کسی شیعہ نے نکال ڈالا ہو کہ جسکا ہونا شیعوں کے مفید  
لیکن جب وہ فقرہ رضامندی جناب سیدہ کا درمیان روایت شرح ابن شمیم اور  
اور شرح ابن ابی الحدید کے مختلف فیہ اور صحت اسکی مشتبہ ہو۔ تو وہ فقرہ  
واسطے رضامندی جناب سیدہ کے قابل استدلال کے نہیں ہو سکتا مگر یہ فقرہ  
قابل تسلیم کے ہو کہ وہ روایت مخالفین شیعہ کی ہے۔ خواہ اس میں وہ فقرہ  
رضامندی جناب سیدہ کا ہو یا نہ ہو۔ اور یہ خیال مصنف مخاطب کا کہ ابن شمیم کے  
نقل کر نیسے شیعوں پر قابل حجت ہو غلط ہے۔

یہ روایت جس میں رضامندی جناب سیدہ کی حکایت ہو وہ بیان  
کسی امام اہلسنت کی طرف سے نہیں ہے جو قابل حجت کے ہو سکے بلکہ وہ بیان کسی  
راوی مجہول کا ہے جس سے کسی واقعہ کے سمجھنے اور اسکا استنباط کرنے میں غلطی  
ہوئی ہے۔ وہ واقعہ صرف یہی ہے کہ جب جناب فاطمہ زہرا کو ان کی مرضی کے  
موافق جس حیثیت سے کہ انہوں نے دعویٰ کیا تھا فدک حضرت ابو بکرؓ کو واپس

نہ آیا اور جناب سیدہ اور علی مرتضیٰ کی جنتوں کی سماعت نہی تو جناب سیدہ چپ ہو کر غضب اور ناخوشی کی حالت میں گھر کو چلی آئیں۔ اور علی مرتضیٰ نے حضرت ابو بکر پر کوئی حملہ نہ کیا۔ اور فدک حضرت ابو بکر کے حصہ میں چھوڑ دیا اور فدک حضرت ابو بکر کے قبضہ میں رہا جس حیثیت سے کہ ان کے اور مومن کے قبضہ میں رہا۔ اس واقعہ کی نسبت علی مرتضیٰ نے اُس فقرے میں (جسکی شرح میں ابن تیم نے روایت زیر بحث لکھی ہے جس میں رضامندی جناب سیدہ کا ذکر ہے) فرمایا ہے کہ ایک قوم نے بخل کیا اور دوسری قوم فوسخت کی، چونکہ وہ سخاوت بطیب خاطر اختیار ہی نہیں تھی۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے بتایا ہے۔ اور درحقیقت مجبوری سے فدک حضرت ابو بکر اور دوسروں کے قبضہ میں چھوڑا گیا اور اُس کے واپس کر لینے میں حملہ نہ کیا گیا۔ اس لیے اسی رگد کو سخاوت کہا گیا اور حال مراد اس پر صبر کر بیٹھے ہیں۔

اور اسی امر کو اہل سنت کے یہاں کی روایتوں میں کسی نے مراد نہ کر سکتا چپ ہو جانے سے اور کسی نے کفایت باز آنے سے لی ہے جیسا کہ ابن ابی الحدید نے بھی نقل کیا ہے۔ اس محل پر اس روایت میں ہول اس سنت نے مراد در حدیث رخصی جانے سے لی۔ ایسی حالت میں ایسی روایت سے یہ غضب فدک کی شکایت رفع ہو سکتی ہے۔ نہ ناراضگی اور خفا کا وجود مٹ سکتا ہے نہ اوس طعن کی جڑ کٹ سکتی ہے۔

مصنف غلط ہے اس موقع پر قضیہ بحث فدک کو بیان کیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فدک قبضہ خلیفہ وراثت میں رہنا چاہئے تھا اور حضرت فاطمہ کو نہیں دیا جاسکتا تھا۔

ہم نے خیمہ بکول جلد اول۔ سالہ روشنی صفحہ ۳۴۴ میں فصل بحث قضیہ

فدک پر کی ہو جو صرف روایات کتب اہلسنت پر مبنی ہے اور جس کو غلطی عند  
مصنف مخاطب کی بحث فدک میں ظاہر ہو جاتی ہو اور طعن ضبطی فدک کا برقرار  
اور قائم رہتا ہے۔

مصنف مخاطب نے اس موقع پر جو عندیہ اپنا ظاہر کیا ہو۔ مبین انہوں نے  
کچھ واقعات کو تبدیل کیا ہو اور کچھ نتیجہ غلط نکالا ہو اسلئے حکم اس موقع پر بھی ضرور  
ہو کہ انکی حقیقت کو دکھائیں۔

مصنف مخاطب بحث فدک کا بیان دین شروع کرتے ہیں کہ بعض قطعاً  
جو مسلمانوں کے حملہ کے وقت کافروں نے مغرب ہو کر بغیر لڑائی کے مسلمانوں  
کو دیدیتے تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حاجتوں کے واسطے اپنے قبضہ  
میں رکھ لیے تھے جنہیں ایک فدک تھا اور اسکے علاوہ سات قطعہ مہینہ سے  
مٹی تھے وہ بھی یہودی نصیر سے ملے تھے۔ ان کے علاوہ بھی بعض قطعہات خیر  
کے تھے جسکو جہادین فتح کیا تھا وہ ان سے بانچان حصہ حق رسول ملتا تھا جہاد  
میں سے جو غنیمت کا مال آتا تھا اوس میں سے بھی حق رسول ملتا تھا یہی رسول کی  
آمدنی تھی اور یہی رسول کا خزانہ تھا۔ اپنا خرچ بھی اس میں سے کرتے تھے اور سب ہاشم  
کو بھی کچھ دیتے تھے۔ مہمانوں اور باہشہوں کے سفیروں کی مہمانداری بھی  
اسی میں سے ہوتی تھی جہاد کے وقت سواری اور تہیاء رزق اور زاد راہ اسی میں  
سے تھا۔ مجاہدین کی بھی مدد کرتے تھے۔ کسیکو گھوڑا یا اونٹ بھی دیتے تھے کسیکو  
ہتیار یا زاد راہ دینا پڑتا تھا اصحاب صفہ کی خبر گیری کرتے تھے سلطنت کے  
جتنے مصارف ہوتے تھے وہ سب اسی میں سے ہوتے تھے صدقہ کا مال جو  
آجاتا تھا وہ فوراً تحقیق پر ایم ہو جاتا تھا تمام ضروریات سلطنت صرف ترکات  
نہ تھے رسول کی پیرویوں کا نفقہ اور نبی ہاشم کا وظیفہ بھی اوس میں سے ادا



نہیں ہو سکتا تھا یہ آمدنی ان تمام مصارف کے مقابل میں ایسی تھوڑی تھی کہ ہمیشہ رسول کو عسرت پتی تھی یہ سب زمینیں تعلق حیثیت سلطنت اور جہاد کے حامل ہوئی تھیں اسی لیے یہ سلطنت کے مصارف کیلئے تھیں۔ رسول اللہ نے انکو ذاتی ملکیت نہیں بنایا تھا اللہ کا مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے تھے یا بنظر ظاہر یہ سمجھ لو کہ سلطنت کا مال تھا کہ

سوائے فداک کے جو سات قطعے مدینہ سے ملتی تھے اور جو یہودی نصیر سے ملے تھے ان کی نسبت درمیان شیعہ اور سنی کے کچھ بحث نہیں ہے اور وہ قطعات نہ اوس دعویٰ میں شامل تھے جو فداک کے متعلق جناب سید نے حضرت ابو بکر کے سامنے کیا تھا جیسا کہ روایات خود کتب اہلسنت سے ظاہر ہو اور ان سات قطعوں پر جناب سیدہ کی طرف سے دعویٰ پیش نہ ہونے کی وجہ یہ ہوئی جو کہ یہ سات قطعہ پیغمبر نے فاطمہ علیہ الصلوٰۃ پر وقف کرتے تھے اور بذریعہ اوس وقف کے جناب سیدہ نے اپنے قابض بنائے ہیں اور حضرت ابو بکر نے یہ سات قطعہ اپنے قبضہ میں نہ لائے تھے۔

لیکن جو قطعات کہ جہاد میں جنگ ہو کر حاصل ہوئے اسکی آمدنی میں یا جو مال غنیمت میں ملے اور عین پانچواں حصہ جو رسول کا اور بیٹا کا مقرر تھا اس شخص کا دعویٰ بیشک جناب سیدہ نے کیا تھا اور جس سے ناسخ وہ محرم کی گئیں لیکن اس موقع پر بحث صرف فداک سے ہے۔

فداک کی نسبت مصنف مخاطب قبول کرتے ہیں کہ وہ بغیر لڑائی کے ملا تھا اور تمام علمائے اہلسنت اسوقت تک قبول کرتے چلے آتے ہیں کہ جو مال بغیر گھوڑے ڈولنے یعنی جنگ کے حاصل ہو وہ خاصۃً اور خالصۃً صرف واسطے پیغمبر کے تھا اور جو مال کہ گھوڑے دوڑا کر اور جنگ ہو کر حاصل

ہو اور عین پانچواں حصہ رسولؐ اور ان کے اہلبیت کا حق تھا اور باقی کل مسلمانوں کا جو شریک اس جنگ میں ہوئے اور ان دو تون قسموں کو دینے کا مال غنیمت کہتے ہیں اسی قاعدہ کے بموجب فداک کہ بغیر گھوڑے دوڑانے اور جنگ کے حاصل ہوا تھا جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا مال دینے کا خالصہ اور خالصہ واسطے بغیر کے تھا۔ اور انہیں پیغمبرؐ کو اختیار ذاتی تصرف اور قبضہ کا اسی حیثیت سے تھا جس حیثیت سے کہ دیگر مسلمانوں کو اپنے حق کے تصرف کا مال غنیمت میں حاصل ہوتا تھا۔ فداک میں کوئی حق کسی دوسرے مسلمان کا نہیں تھا۔ اور اگر فداک میں کوئی حق کسی مسلمان کا بطور مال غنیمت کے ہوتا تو پیغمبرؐ ان کو مسلمانوں پر برا تقسیم کر دیتے۔ اور حضرت فاطمہؑ کو ہرگز ہمہ یا عطائہ فرماتے۔ روایات خود کتب اہل سنت سے ملتا ہر پہ کجا ب فاطمہؑ دعویٰ ہوا عطیہ کے ذریعہ سے اول کیا تھا اور جس کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ دعویٰ کا چھوٹا گوالی مرتضیٰ اور ام ایمن کی گواہی کو قابل منظوری کے نہ سمجھ کر حضرت ابو بکرؓ نے دعویٰ ہمہ اور عطیہ کا جو جناب سیدہ کی طرف پہلے پیش ہوا تھا نامنظور کر دیا اور بحث اس امر کی کہ یہ شہادتیں قابل منظوری کے تھیں یا نہیں ایک جدا لگانہ بحث ہے جس کو ہم بحث فداک میں پہلے لکھ چکے ہیں۔ اور روایات کتب اہل سنت سے یہ بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ بذریعہ ہمہ یا عطیہ کے فداک پر قبضہ جناب سیدہ کا تھا کیا اس الزام کا پیغمبرؐ پر عائد کرنا لوگ پسند کرتے ہیں کہ فداک جو مال مسلمانوں کا تھا پیغمبرؐ نے اپنا حق ذاتی قرار دیکر اپنی دختر کو قایض کر دیا اور کیا لوگ اس بات کو کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبرؐ سے زیادہ کوئی شخص جاننے والا ہو کہ فداک ذاتی ملکیت پیغمبرؐ کا تھا یا نہیں اور بذریعہ ہمہ یا عطیہ کے جناب سیدہ پر پیغمبرؐ منتقل نہیں کر سکتے تھے

یہ امر فک ذاتی ملکیت پیغمبر کا نہیں تھا جیسا کہ اس وقت مصنف مخاطب کہتے ہیں حضرت ابو بکرؓ لایا ان کے صلح کاروں نے وقت منظور کی اور بذر یحہ ہبہ اور عطیہ کے نہیں کہا۔ بلکہ وہ دعویٰ اس بنا پر منظور کیا گیا کہ شہادت نہ یہ یہاں عطیہ کی کافی نہیں ہو اگر حضرت ابو بکرؓ کے ذہن کے موافق شہادت ہبہ یا عطیہ کی کافی ہوتی تو ہر کوئی اس امر کا قائل ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اس دعویٰ کو منظور کر لیتے اور اس حالت میں یہ امر لازم آ جاتا کہ فک خالصتہ اور خاصہ پیغمبر کا تھا اور وہ ذاتی اختیار تھا نہ کہ اور پر رکھتے تھے لیکن حقیقت حضرت ابو بکرؓ اس کے طرفدار ہیں اس لیے کہ کرتے ہیں کہ فک ذاتی ملکیت پیغمبر کا ہر دور وہ جناب سے ہے جس کے دعویٰ کو اس بنا پر منظور کر دیتے کہ فک ذاتی ملکیت پیغمبر کا نہیں ہوا اور کل مسلمانوں کا حق ہوا اور پیغمبر کو اس کے ہبہ اور عطیہ کا اپنی دختر کو اختیار حاصل نہیں تھا۔

جس وقت کہ حضرت ابو بکرؓ نے جناب سے گواہ طلب کر کے قید اور تسلیم اس امر کی لازم آگئی کہ فک ذاتی ملکیت پیغمبر کا ہوا اور پیغمبر اسے انتقال کا اختیار رکھتے تھے صرف گواہوں سے اس امر کا ثابت ہونا چاہیے تھے کہ پیغمبر نے جناب فاطمہ کو ہبہ یا عطا کیا یہ سچ ہے کہ پیغمبر کے قبضہ خالص میں جو زمینیں آتی تھیں یا انگوٹس و نکاحی خاص شرع تھا اور سکو وہ اپنی ذات پر اپنی ازواج پر اپنی دختر پر اور پیغمبر جنگ میں یا مہمانی میں صرف کرتے تھے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آ سکتا کہ انہوں نے ان چیزوں کو ذاتی ملکیت نہیں بنایا یا سچے کے بموجب حکم آیت لا داما قالہ علی رسولہ منہم ما اود (اور جو کچھ مال غنیمت دیا خدا نے اپنی رسول کو

بعض عظیمہ من خیل و لار کاب کا اور مسلمانوں میں سے پس زمین دوسرا  
 میں تھے گھوڑے اور اونٹ کے ایسی چیزیں ان کی ذاتی ملکیت نہ بنائی تھیں  
 اور کوئی شخص جب تک کہ اپنی ذاتی ملکیت کو راہ خدا میں وقف نہ کر دی اور  
 اپنا حق ملکیت ساقط نہ کر دے تب تک کسی چیز سے کسی کا حق ملکیت ختم نہیں  
 ہو سکتا۔ مجرد اس امر سے کہ کوئی شخص اپنی ذاتی ملکیت سے کچھ مصارف خیر  
 اور راہ خدا میں صرف کرتا ہی کسی بادشاہ کو یہ حق نہیں ہو سکتا کہ اس شخص  
 کی وفات کے بعد اس متوفی کے حق ملکیت پر قبضہ کر لے اور اسکو وقف فی سبیل اللہ  
 سمجھ لے یہ امر مسلمہ ہے کہ پیغمبر اپنے حقوق خاص اور خالص کو اپنی ذات پر  
 اور اپنے اختیار سے صرف کرتا تھا یہاں تک کہ اپنی ازواج کا دین مہر ادا کیا جیسا کہ  
 قرآن میں نازل ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَعْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجًا  
 الَّتِي آتَيْتَ أَجْرَهُنَّ وَمِلْكَتُ  
 يَمِينِكَ مَا آتَاكَ اللَّهُ

اے نبی تحقیق ہم نے حلال کیں وہ  
 تیرے عورتیں تیری ایسی عورتیں  
 کہ دیا تو نے انکو اجورہ (مہر) انکا

اور جو کچھ مالک ہوا دینا ہاتھ تیرا اس چیز سے کہ دے کر دیا ہو اللہ نے  
 پس صحیح ہے کہ انہوں نے ان کے حقوق کو فی سبیل اللہ قرار نہیں دیا تھا اور نہ سلطنت  
 کا خزانہ تھا بلکہ یہ حقوق اس سردار اور بادشاہ مومنین اور مسلمانوں کی ملکیت  
 ذاتی تھی جیسے کہ دیگر مال غنیمت مومنین اور مسلمان کا حق ہوتا تھا اور جیسے  
 کہ وہ مومنین اور مسلمان اپنا مال غنیمت مصارف خیر اور راہ خدا میں صرف  
 کرتے تھے اور اس سے ان کے حقوق اور ملکیت قابل اسکے نہیں ہو سکتے تھے  
 کہ بادشاہ اپنے قبضہ کر لے ویسے ہی بعد پیغمبر کی وفات کے کسی بادشاہ کو یہ حق  
 نہیں ہو سکتا کہ پیغمبر کے ان حقوق پر قبضہ کر لے اور نہ وہ شامل خزانہ سلطنت

کے سمجھا جاسکتا ہوا سیلے کہ بیت المال سلطنت علیحدہ چیز ہو اور ذاتی مال اور خزانہ علیحدہ چیز ہوتی ہے۔

یہ ذاتی حقوق جس زمانہ میں کہ پیغمبر کو حاصل ہو گئے تھے اوس زمانہ میں تجاہل و شک کے لیے پیغمبر کو قرض لینے کی ضرورت ہوتی تھی مگر پیغمبر کی حسرت ذاتی کیسی طرح سمجھی نہیں جاسکتی تھی اسیلئے کہ قرآن میں خدا نے پیغمبر کی نسبت فرمایا ہو:

وَوَجَدَكَ عَالِمًا غَنِيًّا ۝ اور پالا (خدا نے) تجھ کو درویش پس غنی کیا کیا اور یہ اہمیت اور خدا کا اسی لحاظ سے ہے کہ جو خدا نے مال غنیمت میں خاص اور خاص حق پیغمبر کا سوائے مسلمانوں کے قرار دیا ہو۔ آیت

وَمَا آفَاكُمُ عَلَىٰ رَسُولٍ مَّا أَوْ ۝ اور جو کچھ مال غنیمت دیا خدا نے اپنے جہنم علیہ من خیل ولا رکاب لکے رسول کو (اور مسلمانوں) میں سے پس نہیں دوڑا کے ہیں تجھے گھوڑے اور اونٹ (لشکر کا ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں پیغمبر کے لیے حق خاص اور خالص مقرر ہوا ہو۔ اور حق خمس پیغمبر اور ان کے قرابت داروں کے لیے جو قرار دیا گیا ہو وہ آیت شہورہ ہی انھیں حقوق خاص اور خالص کی وجہ سے خدا نے پیغمبر کو درویشی کی حالت سے غنی کر دینا فرمایا ہے۔ اور معاملہ خلافت دارائے خزانے کا اس سے علیحدہ ہی خدا نے خلافت کے متعلق جو ایک تین نادرل فرمائی ہیں اوس میں عام مسلمانوں سے خطاب ہو غرضات و توجہات خطاب نہیں ہے۔

خدا ایمان والوں اور عمل صالح کرنے والوں سے وعدہ فرماتا ہے کہ ہم تمہیں ایسوں کو عطا فرمائیں فی الارض (باب شہادت) دیکھو کیا فرماتا ہے ایمان لاؤ ساتھ اللہ اور رسول کے اور خرچ کرو اوس جیسے کہ گردانا لگو جانشین پہنونا لگا

بیچ اوسکے کا لینے جنگو پہلے خلافت فی الارض تھی پھر فرما تاہی کہ پھر کیا ہمنے تسکو  
 خلیفہ فی الارض (باب شاہ) پھر فرما تاہی وہ ایسا ہی جسے گردانا لگو خلیفہ زمین کا ہے  
 اور پورے وہ آیات ہمنے بحث فدک میں لکھی تھیں ہن اعادہ کی ضرورت نہیں  
 ہے۔ اس سے ظاہر ہی کہ معاملہ ذاتی غنی ہونے پیغمبر کا علیحدہ ہی معاملہ بادشاہت  
 کے بنانے کا مسلمانوں کو علیحدہ ہی اور جو مال کہ ذاتی پیغمبر کا تھا وہ مال سلطنت کا  
 مال نہیں ہو سکتا اور جو مال کہ سلطنت کا تھا وہ ذاتی پیغمبر کا نہیں ہو سکتا۔ اور  
 پیغمبر جو کچھ اپنے ذاتی مال سے اصلاح مسلمانوں اور وسعت قومی اور ملکی میں صرف  
 فرماتے تھے وہ اذکار قوم اور ملک پر سلوک و احسان تھا منجانب خدا انہر صرف  
 کرنا واجب نہیں تھا البتہ قومی سلطنت کے کام کے لیے وہ کبھی قرض لیتے تھے جہاں  
 اسکے کہ وہ منی ہو چکے تھے جیسی کہ تجنیر حبیش اسامہ میں کہ جو زمانہ عرض میں پیغمبر  
 نے لڑ کر کشی کا حکم دیا تھا حالانکہ اس زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سلطنت  
 دوسری سلطنت یا کسی شخص خاص سے قرض لے لیتی ہی اور اسکا ادا ذیلہ سلطنت  
 کے ہوتا ہے نہ کہ اسکی ذات کے متعلق۔ اور اس قرضہ لینے سے وہ بادشاہ  
 ذاتی حیثیت سے مفلس نہیں سمجھا جاتا ہے۔

پیغمبر نے تجنیر حبیش اسامہ کے لیے جو قرضہ لیا تھا۔ وہ قرضہ بعد وفات  
 پیغمبر علی مرتضیٰ نے ادا کیا حالانکہ حضرت ابو بکر کو جو بادشاہ ہو گئے تھے اس  
 قرضہ کا ادا کرنا لازم تھا کس قدر تعجب کی بات ہے کہ قرضہ جو بادشاہت پر تھا اسکو  
 علی مرتضیٰ بوجہ وصیت پیغمبر ادا کریں اور بادشاہ حضرت ابو بکر  
 بنیں۔ اس میں شک نہیں کہ پیغمبر تمام قوم مسلمانوں اور تمام ملک مسلمانوں کے  
 بادشاہ قرار پا گئے تھے اور تمام روئے زمین پر سلطنت کا حق رکھتے تھے  
 اور بادشاہت کی وجہ سے وہ مالک ان تمام زمینوں اور چیزوں کے تھے

جو مسلمانوں یا دوسرے لوگوں کے قبضہ میں تھیں اور علاوہ اودن خاصہ میں  
اور مال کے جسمین ذاتی حق ملکیت رکھنے والے تھے سلطنت کے متعلق اور زمین  
اور چیزیں تھیں اودن میں بھی اودن کو اختیار تھا جیسے کہ تمام بادشاہوں کو  
ہوتا ہو کہ کسی زمین یا مال سلطنت کو جس کیس کو چاہیں ہبہ یا عطا فرما دیں کہ  
ایسا اختیار تو دیکھ سہ تمام بادشاہوں کو از روئے اصول سلطنت کے حاصل  
ہوتا مستحق چلا آتا ہے اور جو کوئی بادشاہ زمین یا مال سلطنت کسی کو ہبہ یا عطا  
کر دے اسکو بادشاہ آئندہ بحال اور برقرار رکھتا ہو اگر وہ بادشاہ آئندہ  
بادشاہ سابق کے ہبہ یا عطیہ کو ضبط کر لے گا تو یہ امر داخل اسکی براخلاقی کے سمجھا جاتا  
ہو اور یہی مسئلہ مذہب اسلام میں پیغمبر اور امام زمانہ اور خلیفہ برحق اور سلطان  
عادل کے لیے مقبول چلا آتا ہو۔ اس اصول پر اگر فک متعلق مال سلطنت کے  
تھا اور پیغمبر نے حضرت فاطمہ کو ہبہ یا عطا کر دیا تھا تو حضرت ابو بکر کو زیبا  
نہیں تھا کہ وہ اسکو ضبط کرتے۔

بادشاہ کے حقوق ذاتی اور حقوق متعلق سلطنت میں صرف یہ  
فرق ہوتا ہو کہ بعد ایک بادشاہ کے دوسرا بادشاہ حقوق سلطنت پر قبضہ  
پاتا ہو لیکن بادشاہ بجائے ایک بادشاہ کے وہ بھی ہو سکتا ہو کہ جسمین وہ  
اور صاف موجود ہوں جو قواعد اصول سلطنت میں قرار پائے ہیں یعنی  
استخلاص۔ قرابت۔ انتخاب۔ انتخاب میں ان امور کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ  
اس شخص کو منتخب کیا جائے کہ جسمین وصف شرفیت اور علم اور شجاعت  
کا صاحب اعلیٰ ہو یہ بحث ہم مشرح کلمہ چکے ہیں۔ میں اس بات کو بیشک تسلیم  
کرتا ہوں کہ حق سلطنت میں میراث جاری نہیں ہوتی ہے بلکہ حق سلطنت

صفحہ ۵۶

انہیں اصول سے پیدا ہوتا ہے چر بیان کیا گیا مگر حقوق ملکیت ذاتی بادشاہت میں وارث جاری ہوتی ہے اس سلسلے کے اس کو کچھ تعلق حقوق سلطنت سے نہیں ہوتا۔

جناب فاطمہؓ نے اول دعویٰ ہمہ باعطا فرک کا کیا تھا فدک خواہ ملکیت ذاتی خالص اور خاص پیغمبرؐ کی تھی جیسا کہ اب تک کہا گیا ہے خواہ تعلق سلطنت سے ہے جیسا کہ اس وقت مصنف مخاطب کہتے ہیں دونوں حالتوں میں ہمہ باعطا اس کا سبب پیغمبرؐ صحیح اور درست تھا لیکن جب دعویٰ ہمہ باعطا کا نام منظور ہوا اور فدک حقیقت ملکیت ذاتی خالص اور خاص پیغمبرؐ کا تھا اور انہیں وارث جاری ہو سکتی تھی تب جناب فاطمہؓ نے فدک پر دعویٰ وارث کیا کہ جو کسی طرح سے قابل نامتظوری نہیں سمجھا جاسکتا جس میں نہ گواہ کی ضرورت تھی اور نہ شاہد کی۔

مصنف مخاطب فدک کے عطیہ یا ہبہ نہ ہونے پر ابوداؤدؓ جو منجملہ صحاح اہل سنت ہے ایک روایت کا ذکر کرتے ہیں کہ فدک کو جناب فاطمہؓ نے مانگا تھا مگر رسولؐ نے انکار کر دیا اور وجہ اسکی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اسکا کام جس میں روپیہ خرچ کرنیکی ضرورت تھی اسلئے زیادہ عزیز تھے۔

خود علماء اہل سنت کا یہ اعتقاد اور اطمینان نہیں ہے کہ کل روایات

کتب صحاح سنہ صحیح ہیں یا قابل اعتقاد کے ہیں۔ اور یہ روایت ابوداؤدؓ کی جسکو مصنف مخاطب حجت لائے ہیں قابل اعتماد کے کسی طرح نہیں ہو سکتی اور اسی وجہ سے مصنف مخاطب نے اس روایت کو پورا نقل نہیں کیا اور صرف اثنا فقرہ لکھ دیا کہ فدک کو جناب سیدہؓ نے مانگا تھا رسولؐ نے انکار کر دیا اور وہ پوری روایت یہ ہے کہ عبداللہ بن الجراح نے روایت



کی ہو۔ کہ جسکا آخری راوی مغیرہ کو ظاہر کیا ہو کہ اس نے کہا کہ جمع کیا عمر بن  
عبدالعزیز نے نبی مروان کو جسوقت کہ خلیفہ ہوا وہ اور کہا کہ بیشک رسول  
صلعم کے لئے فدک تھا اور خرچ کرتے تھے اس سے۔ اور اسی بن سے پھر دیکھو  
تھے بنی ہاشم کے اطفال کو اور تزویج کرتے تھے اس سے انکی راہرونگی اور  
بیشک فاطمہ بنی مغیرہ سے چاہا یہ کہ گردانے اس فدک کو فاطمہ کے لئے پس الحار  
کیا پیغمبر نے اور یہی حالت تھی حیات رسول اللہ صلعم میں یہ اتنا کہ گذر گویا بنی  
راہ پر جس جسوقت کہ پادشاہ ہوئے ابو بکر عمل کیا اس فدک میں جو چاہے کہ عمل کرتے  
تھے بنی اپنی زندگی میں یہاں تک کہ گذر گئے ابو بکر اپنی راہ پر۔ پھر جسوقت کہ  
پادشاہ ہوئے عمر عمل کیا عمر نے اس فدک میں مثل اس کے کہ عمل کیا اں دونوں  
یہاں تک کہ گذر گئے وہ بھی اپنی راہ پر۔ پھر جد اکریا اسکو مروان نے گردانے اور اس نے عمر بن  
عبدالعزیز کے کما عمر یعنی ابن عبدالعزیز نے پس دیکھتا ہوں میں کہ امر منع کیا  
بنی نے فاطمہ کو نہیں جو واسطے میرے حق اور بیشک گواہ کرتا ہوں میں نکو تحقیق  
کہ میں لوٹا تا ہوں اس فدک کو اسی طرح پر جس طرح تھا بعد رسول اللہ صلعم میں  
اس روایت سے ظاہر ہو کہ عمر ابن عبدالعزیز نے اس بخشش کو کہ جو مروان نے  
اپنی پوتے عمر ابن عبدالعزیز کو کی تھی اس دلیل سے کہ پیغمبر نے اپنی بیٹی فاطمہ کو فدک  
نہ دیا باطل سمجھا اور فدک کو اس حالت پر کہ جس حالت پر عہد پیغمبر میں سمجھا  
یعنی شامل خلافت کے رکھا حالانکہ تمام مورخ اسنت کے متفق ہیں کہ عمر  
ابن عبدالعزیز نے فدک خاص قبضہ بنی فاطمہ میں دیا تھا اور یہی سند  
غالبہ سنت نکال دیا تھا اور یہی وجہ ہے شیخ عبدالحی عمر ابن عبدالعزیز کا نام  
بنی کتا یون میں اس سیاہی سے نہیں لکھتے ہیں جس سیاہی سے اوس کے  
نام تمام کسی دوسرے خلیفہ کا لکھتے ہیں۔ اور جب روایت سے ثابت ہے کہ

عمر بن عبد العزیز نے فداک کو خلافت سے جدا کر کے خاص بنی فاطمہ کے حوالے کر دیا تو اس روایت میں جو یہ امر مذکور ہے کہ پیغمبرؐ نے فداک کو فاطمہ کے دینے سے انکار کر دیا باطل ہوتا ہے۔ اور یہ لازم آتا ہے کہ عمر بن عبد العزیز کے نزدیک یہ یقین ہو گیا کہ فداک پیغمبرؐ نے فاطمہ کو دیدیا تھا اور اسی وجہ سے مروان نے جو عمر بن عبد العزیز کو دیدیا تھا اس کو باطل سمجھ کر اور فداک کو حق خالص فاطمہ قرار دیکر حوالہ بنی فاطمہ کر دیا۔ متعدد روایات معتمد کتب اہلسنت سے جسکا حوالہ ہم پہلے بحث فداک میں دیکھ چکے ہیں ظاہر ہے کہ جب آیت ۲۲

وَأَن تَقْرَءُوا لَہِ الْقُرْآنَ فَاذْكُرُوا أَنَّہُ تَعْلَمُ (دے اے پیغمبرؐ قرآن، یاد رکھو کہ وہ جانے والا ہے) کوئی دلیل ہوئی تو پیغمبرؐ نے فداک اپنی دختر فاطمہ کو دیدیا اور جناب سیدہ کا فداک پر قبضہ تھا اور انہوں نے دعویٰ ہمہ یا عطیہ کے ذریعہ کیا تھا۔ اسکی نسبت کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ دعویٰ انہوں نے جھوٹ کیا تھا گو وہ دعویٰ بوجہ ناکافی ہونے شہاد کے نامعلوم کیا گیا بقا بد ان تمام روایات کے ابو داؤد کی ایک روایت مخالف ان تمام روایات کے اہلسنت نے منظور نہیں ہو سکتی۔

عمر بن عبد العزیز کے بیان میں یہ نہیں ہے کہ یہ امر اسکو کمان سے معلوم ہوا کہ جناب فاطمہ نے فداک پیغمبرؐ سے مانگا تھا اور پیغمبرؐ نے انکار کر دیا۔ یہ نیا ہے کہ پیغمبرؐ نے جناب فاطمہ نے اپنے گھر میں یا پیغمبرؐ کی کسی بی بی کے گھر میں جہاں اس وقت پیغمبرؐ تشریف رکھتے ہوئے فداک کو مانگا ہو گا بدینک کہ کوئی راوی ایسا نہ کہ جو جناب فاطمہ یا پیغمبرؐ کی کسی بی بی کے گھر میں موجود ہونے کی شان رکھتا ہو تب تک ایسا داؤد قبول نہیں کیا جا سکتا عمر بن

عبدالغفر نے کسی راوی کا نام نہیں لیا اور یہ بیان نہیں کیا کہ اُسکو کیونکر علم ہوا اور یہ عقل نہیں قبول کرتی ہے کہ جناب سیدہ نے فداک پیغمبر سے سہی۔ نبوی مین پاکسی دوسرے مقام پر گھر باہر جہان مجمع اصحاب کا موجود ہو طلب کیا ہوا اور پیغمبر نے انکار کر دیا ہوا اگر ایسا ہوتا تو جسوقت کہ جناب سیدہ نے حضرت ابو بکر کے سامنے دعویٰ بذریعہ ہبہ یا عطا اس کے کیا تھا تو اسوقت اصحاب ضرور ظاہر کرتے کہ ہمارے سامنے جناب سیدہ نے فداک پیغمبر سے مانگا تھا اور انہوں نے انکار کر دیا کہ ایسی شہادت واسطے ابطال دعویٰ فاطمہ کے بہت مؤثر ہوئی اور صرف ایسی شہادت کا اثر دعویٰ پر نہ پڑتا بلکہ علی مرتضیٰ اور ائمہ اہل بیت کی گواہی کے بطلان کیلئے بھی حجت ہو سکتی۔

روایات سے بھی ظاہر ہے کہ جب جناب سیدہ نے دعویٰ کیا تھا تو حضرت ابو بکر نے ہر ایک صحابی اور موجودین سے تلاش کی تھی کہ خلاف دعویٰ اُنکے پاس کچھ فرمودہ پیغمبر ہے لیکن کسی کے پاس کچھ نہیں نکلا۔ ایسی حالتوں میں روایت ابو داؤد کی جس میں یہ بیان ہے کہ پیغمبر نے فاطمہ کو فداک دینے سے انکار کر دیا کسب طح صحیح قرار نہیں پاسکتی۔

آیت مین جو یہ ذکر ہے کہ: اے پیغمبر قرابت والوں کو دیدے حتیٰ اُنکا اُس سے ظاہر ہے کہ جناب سیدہ کا فداک مین کچھ حق تھا اور ہم بتائیں گے کہ جناب سیدہ کا حیات پیغمبر مین کیا حق تھا پیغمبر نے جو فداک ہبہ یا عطا جناب سیدہ کو کیا تھا وہ بہ سبب محبت یا عزیز ہونے حضرت فاطمہ کے بطور سلوک کے نہیں کیا تھا جو یہ سمجھا جائے کہ اللہ کے کام مین پیغمبر کو خراج کرنا زیادہ عزیز تھا بلکہ فاطمہ کو فداک بوجہ اس کے کہ اون کا حق تھا پیغمبر خدا نے اون کو دیا اور کسی کا حق اسکو دینا مقدم اور اولیٰ ہو کہ وہ مال راہ خدا۔

میں صرف کیا جائے۔

تمام عرب کو تسلیم تھا اور تمام مسلمان قبول کرتے چلے آتے ہیں۔ کہ حضرت خدیجہ ماورجناب فاطمہ زہرا ایک اعلیٰ درجے کی دو نعمت مالدار تھیں۔ جنکی ابتداء پیغمبر نے ملازمت اختیار کی تھی اور پیغمبر کی اس زمانہ میں حالت عشرت کی تھی جیسا کہ خدا نے بھی ابتدائی حالت پیغمبر کی پیشی کی فرمائی ہے اور پھر انہوں نے اُنکے ساتھ نکاح کر لیا اور جب تک کہ وہ زندہ رہیں اسوقت تک پیغمبر نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت نہیں کی تھی اسوقت تک پیغمبر کو انکے کاموں میں زیادہ خرچ کرنے کا کوئی موقع یا ضرورت نہیں ہوئی تھی لیکن زمانہ ہجرت خدا کے کاموں میں مال کثیر صرف کرنے کی ضرورت ہوئی چنانچہ اس وقت ہجرت کے ایک اونٹ حضرت ابوبکر سے پیغمبر نے لے لیا اور ہم کو خرید کیا جس میں نفع کثیر حضرت ابوبکر کو ملا تھا اور اسی اونٹ پر پیغمبر مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر کے تشریف لائے تھے اور پیغمبر قتل ہو جانے سے محفوظ رہے اور اسکے بعد جو اخراجات عزوات اور سریات یعنی آراستگی اور مصیبا کرنے سامان جنگ اور فوج کے ہوتے تھے اسکا اندازہ ہم بھی نہیں کر سکتے مگر مصنف فرماتے ہیں کہ ان اخراجات میں جو پیغمبر نے صرف کیا وہ مال پیغمبر کی پس کمان سے آیا تھا اسکا جواب ہر شخص جو ذرا برابر بھی ایمان رکھتا ہے یہی دیکھتا ہو کہ وہ مال اور دولت حضرت خدیجہ الکبریٰ کی تھی جو پیغمبر نے خدا کے کاموں میں صرف کی ہو اب میں سوال کرتا ہوں کہ قبل وفات حضرت خدیجہ کے پیغمبر جو کچھ اپنے اوپر یا کسی کار خیر میں صرف کرتے تھے وہ باجارت

سہ دیکھو ما ریح النبوة ۱۱

حضرت خدیجۃ الکبریٰ ضرور صرف کرتے تھے لیکن پیغمبر کا اخلاق اور غیرت کسی طرح نقصانی اسکے نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اپنی زوجہ کا مال صرف کرے اور بہ نیت نہ رکھتے ہوں کہ جسوقت اونسکے ہاتھ میں مال آئے اس نے معاوضہ میں زمین اگر سلطان اسی امر کے قائل ہو جائیں کہ پیغمبر نے ملازمت اور نکاح حضرت خدیجہ کے ساتھ اسی نیت سے کیا تھا کہ اذکار مال اور دولت اپنے اوپر اور اپنی مرضی سے بغیر نیت ادائے معاوضہ صرف کریں تو میں اس شخص کو جو ایسی بغیرتی اور بد اخلاقی کی خور کھتا ہو پیغمبر نہیں مانسکوتا۔

لیکن ابد و فوات حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی جو مال اور دولت حضرت خدیجہ کی باقی رہی وہ پیغمبر نے کیونکر اور کسکی اجازت سے صرف کی اس سے پہلے اشتہار و رہن صرف مال اور دولت کی بعد و فوات حضرت خدیجہ کے لاحق ہادی تھیں جو جب مذہب اہلسنت کے اور روایت حضرت ابو بکر کے جو ضابطی حدک کے وقت فرمائی ہے پیغمبر مال اور دولت میں حضرت خدیجہ کے کوئی حق نہیں رکھتے تھے کہ یہ پیغمبر نہ کسی کا وارث ہوتا ہی اور نہ پیغمبر کا کوئی وارث ہوتا ہی بلکہ اور پیغمبر مذہب شیعہ کے مال و دولت مٹو کہ حضرت خدیجہ میں چوتھا حصہ پیغمبر کا تھا لیکن تین ربح حصہ حضرت فاطمہ کا تھا اور حضرت فاطمہ اسوقت نابالغ تھیں جسکے ولی بیشک پیغمبر تھے مگر میں اب اہلسنت سے یہ پوچھتا ہوں کہ پیغمبر نے جو یہ کل مال اور دولت مٹو کہ حضرت خدیجہ کا تھا کے کاموں میں صرف کر دیا وہ کس کی اجازت سے اور آیا وہ صرف بغیر نیت اور ارادہ ادائے معاوضہ کے تھا؟ اگر کوئی یہ قبول کری کہ وہ مال اور دولت پیغمبر نیت اور ارادہ ادائے معاوضہ کے صرف کر دیا گو وہ صرف خدیجہ کے کاموں میں ہو مگر پیغمبر کا اپنا مال نہیں تھا۔

آیا ایسا صرف پیغمبر کر سکتے تھے؟ اور پیغمبر کو ایک لڑکی نابالغ کا مال جسکے وہ ولی تھے تصرف کرنا جائز تھا؟

اگر پیغمبر کا ایسا اختیار اور جواز قبول کیا جائے تو ضروریہ لازم آئے گا کہ ایک نابالغ بچہ کا پیغمبر مال اور دولت صرف کرنے والا تھا۔ اور اس سے جو الزام پیغمبر پر لازم آتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ پس بجز اسکے کوئی چارہ نہیں ہے کہ یہ قبول کیا جائے پیغمبر نے یہ نیت اور ارادہ ادا کرتے معاونہ کے اس مال کو صرف کیا۔

پیغمبر نے جو کچھ مال اور دولت حضرت خدیجہ کا خدا کے کاموں میں صرف کیا اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ فدک خاص اور خالص کہ جس میں کسی دوسرے مسلمان کا حق نہیں تھا نبی کے قبضہ میں آیا چونکہ وہ فدک ایسے مال اور دولت کے خراج سے حاصل ہوا تھا کہ جس میں حضرت فاطمہ کا حق تھا اسی لئے خدا نے فرمایا ہے کہ: "اے پیغمبر دے اپنے قریب داروں کو حق اون کا لے اور یہ حق فاطمہ کا دینا مستحکم اور اولے تھا کہ پیغمبر اس کو خدا کی راہ میں صرف کریں۔"

جب آیت قرآنی سے یہ ظاہر ہو کہ پیغمبر کو یہ حکم ہوا کہ وہ قریب داروں کو حق دینے سے انکار کیا تو یہ مضمون روایت کا مخالف آیت قرآنی کے ہوا اور یہ امر ضرور قابل قبول کے ہے کہ پیغمبر نے ضرورتاً تعمیل آیت قرآنی کی جس سے ہمیں عطا فدک کا جناب فاطمہ کو قبول کرنا لازم آتا ہے اور اگر یہ امر ہے کہ پیغمبر نے فاطمہ کو فدک دینے سے انکار کر دیا تو عللاً اہلسنت بتا دیں کہ پیغمبر نے تعمیل اس آیت قرآنی کی کیا کی اور پیغمبر کے قریب داروں کا وہ کیا حق تھا

بیسکے دینے کا خدا نے اسے فرمایا ہے۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ روایت ابو داؤد میں جو ذکر انکار پیغمبر کا ہے وہ بغرض ابطال دعویٰ فاطمہ کے وضع کیا گیا ہے جب یہ دیکھا ہے کہ صحیح دعویٰ جناب سیدہ کا جوہر یا عطیہ کے بموجب تھا ایک حجت ناکافی سے منظور کیا گیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ جناب سیدہ نے اپنے ہاتھوں کے آبلے دکھائے جو رقی کے پکانے اور چکی کے پیسنے سے بڑے تھے رسول اللہ سلم نے ان کے جواب میں تسبیح ان کو بتا دی لیکن یہ حالت جناب سیدہ کی اسی سبب سے ہو گئی تھی کہ جناب سیدہ کی ماں کا مال اور دولت پیغمبر نے جو حق جناب سیدہ کا تھا ایسے خدائی کام میں صرف کیا تھا کہ جس کا نتیجہ بادشاہت کا حاصل ہونا لازمی تھا اور تسبیح جو جناب سیدہ کو پیغمبر نے بتائی اوس سے غرض پیغمبر کی یہی تھی کہ اسے فاطمہ کو یا کو یا کروا کر واپس سزا کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ جو خدائی کام میں صرف ہو گیا اوس کا نتیجہ ایک وقت ایسا ہو گا کہ ملکوں کی وجہ سے قاہر الیائی ہو جائے گی بعد اسے خدا نے پیغمبر کی نسبت فرمایا ہے کہ پیغمبر کو خدا نے درویش پایا تھا اور تو لوگوں کو دیا کہ اسی جگہ سے یہ امر بھی پایا جاتا ہے کہ مذہب اسلام میں دین اور دنیا علیحدہ علیحدہ چیزیں نہیں ہیں جناب سیدہ کو پیغمبر نے جو تسبیح بتائی تھی اور اوس میں جو ایما تھا وہ اسی طرح پورا ہوا کہ حصول فداک جو مال اور دولت حضرت خدیجہ کے صرف کا نتیجہ تھا وہ پیغمبر نے بموجب حکم خدا کے حضرت فاطمہ کو دیدیا۔

خصال بن ابویہ میں کہیں میرت اور خصلت پیغمبر اور آئمہ علیہ السلام کی جمع کی گئی ہیں بیشک یہ روایت ہے کہ جناب سیدہ رسول کے پاس

مرض الموت میں قشریٹ الماکن اور کہا کہ یہ دونوں بچے ہیں انکو کچھ میراث  
دیکھیے تو رسولؐ نے فرمایا کہ حسن کو میری مہیبت اور حمزہؑ شہین کو میری  
جرات ملے گی،

انہی کی اسی شان ہوتی ہے کہ مال دنیا سے سوا کچھ ضروری  
چیزوں کے کچھ ادھکے پاس ذاتی نہیں رہتا ہے چنانچہ پیغمبرؐ خدا کے پاس بھی  
سوائے اصلاح اور سواریکے گھوڑے اور اونٹ اور لباس کے وقت وفات کے  
اور کچھ نہیں تھا اصل میراث پیغمبرؐ کی اونکے علم اور اونکے خصال میں ہوتی  
ہی۔ جناب سیدہ زہراؑ نے مرض الموت پیغمبرؐ میں چاہتی تھیں کہ جو کچھ اشیاء اور  
اسباب ادھک کے باب چھوڑ دیں وہ میراث میں جھکو نہ ور لیگی البتہ انہوں نے  
اپنے بچوں کے واسطے پیغمبرؐ سے یہ خواہش کی کہ پیغمبرؐ کی خصلتوں میں سے  
ادھکے بچوں کو ملے اور حقیقت میں ایسی خواہش سے مقصود جناب سیدہ کا  
یہ تھا کہ پیغمبرؐ ان کے بچوں کے حق میں خدا سے دعا کریں کہ پیغمبرؐ کے خصال انکے  
بچوں کو ملین اور پیغمبرؐ نے اسوقت جناب سیدہ کے منشاء اور مقصود کو  
خوبی سمجھ لیا تھا کہ یہ اپنے بچوں کے لیے میری خصلتیں مانگتی ہے اور اسی  
سبب پیغمبرؐ نے جناب سیدہ کی خواہش کے بموجب یہ فرمایا کہ حسن کو  
میری مہیبت اور حسین کو میری جرات ملیگی۔

اس سے یہ لازم نہیں آسکتا ہی کہ پیغمبرؐ جو کچھ مال اور اسباب چھوڑنے  
والے تھے انہیں سے حق ارث جناب سیدہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور خلاف  
قرآن پیغمبرؐ یہ سمجھ سکتے تھے کہ میرے مال اور اسباب میں فاطمہ کو کچھ ارث  
نہیں مل سکتا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ حسینؑ کے لیے فاطمہؑ پیغمبرؐ سے کچھ میراث  
مانگ بھی نہیں سکتی تھیں کہ حیات فاطمہؑ میں میراث پیغمبرؐ حسینؑ کو مل



نہیں سکتی تھی اور نہ فاطمہ پیغمبرؐ سے خلاف قرآن مانگ سکتی تھیں ایسے الزام جو خلاف قرآن ہوں پیغمبرؐ اور فاطمہؑ پر اہلسنت لگا سکتے ہیں مگر شیعہ ایسے الزاموں کو ہرگز قبول نہیں کر سکتے کہ جس سے فاطمہؑ اور پیغمبرؐ کے معصوم ہونے میں فرق آوے۔

رسول صلعم کی صرف یہ تمنا ہی نہ تھی کہ بڑا اگرچہ نبوت ختم ہو چکی مگر یہ لایمی سلطنت ان کے بعد اسی طرح قائم ہے بلکہ بوجہ مرضی خداوند عالم کے رسول اللہؐ کا مقصد یہ تھا کہ سلطنت قومی مسلمانوں کی بعد پیغمبرؐ کے اسی طرح قائم ہے جس طرح کہ پیغمبرؐ کا حیات میں قائم ہو چکی تھی اور اسکی توسیع یہاں تک ہو کہ تمام دنیا میں مذہب اسلام جاری ہو کر تمام جہان پر یہ قومی سلطنت قائم ہو جائے مگر صرف اس جائداد یعنی مذک کی آمدنی محض اخراجات سلطنت کیلئے (ایسی جیسی ہے کہ اُس میں حق ذاتی ملکیت پیغمبرؐ کا یا ان کی اولاد کا ساقط ہو) قرار نہیں پاگئی تھی بلکہ اوسکے مالک کے اختیار میں تھا کہ جب قدر اسکی آمدنی سے چاہن اپنی ذات پر اور جب قدر چاہن مصرف خیر امور سلطنت میں خرچ کریں اور چونکہ اس جائداد میں حق ملکیت ذاتی پیغمبرؐ اور ان کی اولاد کا تھا اس لیے پیغمبرؐ نے اوس کو جناب سیدہ کے نام ہبہ یا عطا کر کے قبضہ دیدیا تھا۔

پیغمبرؐ نے جو اس جائداد کو جناب سیدہ کے نام منتقل فرمایا اور علیؑ مرتضیٰ کو جو اپنا وصی مقرر کیا کہ بوجہ عورت ہونے جناب سیدہ کے اور نابالغ ہونے حسنینؑ کے جو اولاد رسول تھے وصی مقرر کرینکی ضرورت تھی تو اس سے صاف مقصد پیغمبرؐ کا ظاہر ہے کہ خلافت اپنے سلطنت کے لیے مرتضیٰ کے اور ان کے بعد حسنینؑ کے ہاتھ میں رہے گی اور وہ اپنی

مرضی کے موافق اس جائداد یعنی فدک سے جس قدر چاہیں گے امور سلطنت میں بھی صرف کر سکیں گے جب تک کہ وہ سلطنت قومی اور لٹری باقہ میں علی اثر تھنے کے اور ان کے بعد حسین علی اور ان کی اولاد کے نہ آئی تب تک اس جائداد کی آمدنی اشیاء سے ضروریات سلطنت میں ہرگز صرف نہیں کی جاسکتی تھی جس طرح کہ عہد پیغمبر میں صرف ہوتی تھی۔ کہ پیغمبر بھی اس جائداد میں حق ذاتی ملکیت کا رکھتے تھے اور علی مرتضیٰ بذریعہ وصایت پیغمبر کے جناب سیدہ اور حسین کی طرف سے اور زمانہ ابتدائے خود علی مرتضیٰ اور حسین علی اور دیگر اہل بیت کی اولاد آئمہ اہلبیت حق ذاتی ملکیت کا رکھنے والے ہوتے اور اپنے اختیار سے آمدنی اس جائداد کی امور سلطنت میں خرچ کرتے جس قدر ضرورت سمجھتے اور اسی فعل ہیہ یا عطا پیغمبر سے یہ امر بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر سلطنت کو حق اپنے اہلبیت کا سمجھتے تھے اور فدک کا ہیہ اور عطا صرف ایک ایسی سبکدوش تھی کہ سلطنت اہلبیت کے باہر نہ جاسکے لیکن جناب مرضی اور منشاء پیغمبر کے سقیفہ بنی ساعدہ میں جب سلطنت اہلبیت رسالت مکالم کی گئی اور حضرت ابو بکر کو بادشاہ مقرر کیا گیا تو فدک سے حق ملکیت ذاتی جناب سیدہ یا آئمہ اہلبیت کا سا قطن نہیں ہو سکتا اور نہ یہ لازم آسکتا کہ فدک کو سلطنت کے تحت قرار دیکر جناب سیدہ اور آئمہ اہلبیت کو ان کے حق سے محروم کر کے ان کو بیدخل کر دیا جائے اور بادشاہ وقت یہ حیثیت بادشاہ ہونے کے اپنے اختیار سے اس کی آمدنی امور سلطنت میں خرچ کرے کسی بادشاہ کو یہ حق نہیں ہو سکتا کہ بغیر رضا اور اجازت بلکہ بغیر عطا کسی مالک کے اس کی جائداد کی آمدنی کو گودہ مالک تحت سلطنت میں رہتا ہو امور سلطنت میں صرف کرے اگر ایسی جائداد ملکیت کسی مالک پر کسی بادشاہ کو قبضہ کر لی

ضرورت ہوتی ہے تو لازم ہوتا ہے کہ وہ معاوضہ اوسکا اوسکا مالک کو دے  
جیسا کہ اسی اصول کو موافق کچل برٹش گورنمنٹ جو ہندوستان میں حکومت کر رہی ہے عمل  
کرتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اگر بضرورت سلطنت فدک کا لینا مقصود تھا  
تو معاوضہ فدک کا آمدنی سلطنت میں سے دیتے۔

چنانچہ شامی ابن ابی الحدید نے تو اسکے متعلق کہ عیوض دے کر دختر  
رسول کو راضی کر لینا چاہیے تھا۔ اگر مسلمان فدک سے دست بردار نہیں  
ہوتے تھے یہ مسئلہ شریعت کا لکھا ہے کہ عیوض ہے امام کو کہ ایسا کرے  
بغیر مشورہ مسلمانان حبشہ کے مصلحت دیکھے کہ حضرت ابوبکرؓ کو بھی وصو  
بنظر تکریم جناب سیدہ کے اس سے بہتر کوئی مصلحت نہ تھی کہ وہ معاوضہ  
جناب سیدہ کو دیکر راضی کر لیتے۔ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ نے جناب سیدہ سے  
یہ کہا تھا کہ تم میرا مال و دولت لے لو جیسا کہ بعض روایات اہلسنت کا  
مقصود ہے مگر جناب سیدہ اوس کا لینا قبول نہیں کر سکتی تھیں کہ ملکیت ذاتی  
حضرت ابوبکرؓ کی تھی اور حضرت ابوبکرؓ امور سلطنت کے لئے فدک کو لینا  
چاہتے تھے جیسا کہ اہلسنت کی طرف سے اس زمانے میں زور دیا جاتا ہے۔  
لیکن اس سے یہ ظاہر ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ فدک کو ملکیت ذاتی جناب سیدہ  
کی سمجھتے تھے اسلئے اسکے معاوضہ میں اپنا ذاتی مال و دولت دینا چاہتے  
تھے مگر حضرت ابوبکرؓ کو یہ چاہیے تھا کہ فدک واسطے مصارف امور سلطنت کے  
ضبط کر کے قبضہ جناب سیدہ سے نہ نکالتے بلکہ اپنا مال و دولت جو جناب  
سیدہ کو دینا چاہتے تھے امور سلطنت میں صرف کرتے جیسا کہ پیغمبرؐ نے جناب  
خدیجہ الکبریٰ اور اپنا اور جناب سیدہ کا ذاتی مال و دولت خدا کی کاموں  
میں صرف کیا ویسے ہی اس سلطنت کو خدا کی کام سمجھ کر حضرت ابوبکرؓ کو

اپنا مال و دولت صرف کرنا چاہیے تھا۔ اور اگر بلا معاوضہ واسطے مصارف سلطنت کے فک کا لینا حضرت ابو بکرؓ کو یا اون کے بعد اون کے جانشینوں کو مقصود تھا اور اسکی آمدنی امور سلطنت میں خرچ کی جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ پیغمبر جیسے صرف کرتے تھے۔ (حالانکہ اسکی نوعیت میں فرق ہے) تاہم جیسے کہ صرف مال حضرت خدیجہ سے جو یہ نتیجہ ہوا تھا کہ پیغمبرؐ کو فک حیثیت ملکیت ذاتی کے ہاتھ آیا اور وہ دراصل حق جناب فاطمہ کا تھا اور پیغمبرؐ نے بموجب آیت ربانی جناب سیدہ کو دیدیا تو حضرت ابو بکرؓ کو یا حضرت عمرؓ کو چاہیے تھا کہ جب امور سلطنت متعلق آمدنیان زیادہ وسیع ہو گئیں اور بیت المال لبالب ہو گیا تو وہ فک اور اس کے مصارف سے جو کچھ کہ توسیع سلطنت کی ہوئی تھی اور اسکا حصہ جناب سیدہ یا اون کی اولاد آئمہ الہیہ کو واپس کیا جاتا یا یہ دونوں بزرگوار فرما جاتے کہ آئندہ کسی بادشاہ اس سلطنت کو ایسا کرنا لازم ہوگا تو بھی البتہ کہا جاسکتا تھا کہ پیغمبرؐ نے سلطنت کو جیسا اپنے عہد میں چلایا ویسا ہی اون کے بعد خلفائے لیکن سلطنت کو اور فک کو جس طرح پر کہ خاندان رسالت سے نکالا اور جو لوگ کے اسکے مستحق تھے اون کے قبضہ میں نہ جانے دیا اور اس کے حالات تاریخ اسلام سے بخوبی ظاہر ہیں جن کو جا بجا ہم اپنی مجلدات روشنی میں روشن کر چکے ہیں۔ اصل امر وہی ہے کہ ہر ایک زمانے میں حضرت ابو بکرؓ پر امر فک میں جو الزام عائد ہوا ہے اس کے دفع کرنے میں طرفداران حضرت ابو بکرؓ انواع و اقسام سے پہلو بدل کر کوشش کرتے ہیں لیکن ہر کوشش کے نتیجہ پر کوئی نہ کوئی بات ایسی پیدا ہو جاتی ہے کہ جس سے عذر گناہ بدتر از گناہ کی مشمل صادق آتی ہے۔ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ مول سلطنت داری کا وسیع قانون اصلی حقداران و دعوے داران سلطنت کے کمزور کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

ایسی اصول پر حضرت ابو بکرؓ کو جبکہ انکو بے محل سلطنت حاصل ہو گئی تھی کہ  
 کو سو اسے ضبط کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ بغیر اسکے دعویٰ راق سلطنت  
 کمزور نہیں ہو سکتے تھے اور نہ حضرت ابو بکرؓ سلطنت کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتے  
 تھے کہ پیغمبر خدا ایسی ہی تدبیر تقار اور قیام کی اپنے الہیت میں قائم اور برقرار  
 کر گئے تھے اور خدا کا بنیاد سیدہ کو بموجب آیت ربانی کے دیدیا تھا۔ درحقیقت  
 حضرت ابو بکرؓ مجبور تھے کہ یا سلطنت کو چھوڑیں یا قدک کو ضبط کریں یہی  
 ایک پہلو اصول سلطنت داری کا ہو سکتا ہے جو حضرت ابو بکرؓ کو امر خدا میں  
 الزام سے بچا سکتا ہے گو وہ خلاف مرضی خدا اور رسول کے اور خلاف اوس  
 بند و بست کے جو پیغمبر پر برکرتے رہے الزام لے لینے خلافت اور خدا  
 سے بری نہوسکیں۔

یہ کہنا مصنف مخاطب کا کہ اس سلطنت کے مصارف اللہ کے کام تھے  
 اور اللہ کو مدد کے بموجب رسول کو یہ بھی معلوم تھا کہ آئندہ برکت کا چشمہ ایسی  
 سلطنت پر جوشش کرنے والی ہے یا اگرچہ صحیح ہے لیکن یہ کہنا مصنف مخاطب کا  
 کہ: پس آپ نے یہ فرمایا کہ انبیاء کے تہ کے میں میراث جاری نہیں ہوتی  
 بلکہ جو کچھ ہم چھوڑیں وہ اللہ کا مال ہو گا صحیح نہیں ہو سکتا۔

مصنف مخاطب کی اس تقریر سے یہ امر پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر نے  
 خدائی کاموں میں صرف کرنے کے جوش میں ایسا فرمایا کہ انبیاء کے تہ کے  
 میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ انبیاء چھوڑیں وہ اللہ کا مال ہے یا  
 مگر پیغمبر کا ایسا جوش اور ایسا فرمان کسی طرح قبول نہیں کیا جاسکتا جس میں  
 پیغمبر پر مخالفت قرآن اور بد اخلاقی کا الزام عائد ہو۔ آیات قرآنی خاصہ  
 انبیاء کے ذکر میں نازل ہوئی ہیں جن کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ اور جسے

ظاہر ہے کہ حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے اور حضرت زکریا نے خدا سے یہ دعا کی کہ میں اپنے بنی اعمام سے ڈرتا ہوں جو پیچھے میرے پوہن گے اور میری زوجہ بائج ہے پس تو مجھ کو بخش دے ایسا ولی کہ وارث ہو میرا اور وارث ہو آل یعقوب کا لگا اور عام آیتہ جو مسلمانوں کی میراث کے متعلق نازل ہوئی ہے اسی پیغمبر کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا اور نہ قرآن میں کوئی خاص آیت پیغمبر کے لیے ایسی نازل ہوئی کہ جس کے لحاظ سے وہ یہ فرماتے کہ یہ جو کچھ ہم چھوڑیں وہ اللہ کا مال ہے ۱۱

تمام انبیاء اور پیغمبر مسلمانوں کے بشر تھے اور قرآن میں جزو بدن اور قرابتاً روئے لیے انبیاء اور غیر انبیاء جیسے انبیاء بری نہیں کیے گئے جس قدر ذکر اور حکم میراث کا ہے وہ اخلاق سے ملو ہے تاکہ کسی بشر یا پیغمبر کا کہ وہ بھی بشر ہیں وارث محتاج اور بھیک مانگنے کے قابل نہو جائے۔ اگر پیغمبر اپنے درنا کو محروم کرنے والا اپنی میراث سے قبول کیا جائے تو وہ از حد بد اخلاق سمجھا جائیگا حالانکہ بوجہ پیغمبر ہونے کے کہ جس پیغمبر کی بوجہ سے اور اپنی اولیٰ العزمی کے باعث بادشاہ قرار پا جائے یا اپنی قدیم امارت کو وسیع سلطنت بنا دے زیادہ صاحب خلاق بتھا۔ دیگر بشر دن کے ہونا چاہیے۔ پیغمبر کو جیسا خدا کے کاموں میں صرف کرنے کا اعلیٰ درجے کا جوش ہو ویسا ہی لازم ہے کہ وہ واسطے حفاظت حقوق اپنے قریب اور دور سر لوگوں کے اخلاق کے قائم رکھنے میں ہرجوش ہو۔

خدا نے انسان کی کہ جن میں پیغمبر شامل ہو فطرت میں یہ امر وضع کیا ہے کہ وہ اپنی اولاد و اقارب کو زیادہ دوست اور عزیز رکھے اور انکی بہبودی اور ترقی کا خواہ ہو اور انکے بعد دیگر انسانوں اپنی قوم کا اعلیٰ قدر مراتب۔ اور ایسی ہر قانون قدرت الہی نافذ ہے۔ میری سمجھ میں پاکستانی فلاسفر عالم کی سمجھ میں یہ امر کیسے

نہیں اسکتا کہ خدا اور اُسکے رسول نے خانات وضع فطرت انسانہ کی اور خلافت قانون قدرت کے ایسی ہدایت کی ہو کہ جس سے پیغمبر کے وارث اور قرابتدار قطعی محروم ہو سکیں۔ کیونکہ خدا کے فعل کے خلاف اوسکا قول نہیں ہو سکتا یہ مسئلہ مسئلہ شریعت کا ہو چکا ہے کہ حق اللہ کی کمی اور نقصان کی معافی خود اللہ کے اختیار میں ہے لیکن حق العباد کی کمی اور نقصان کی معافی نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ بندہ خود اوسکو معاف نہ کرے۔

خدا کے کاموں میں پیغمبر بے شک اپنے مال و دولت کو بہ نسبت دیگر بنادگان خدا کے زیادہ جوش سے صرف کر سکتا ہے اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ پیغمبر مال و دولت دنیا سے سوا ادنیٰ چیزوں کے جنکا تعلق حوائج ضروری معیشت اور معاشرت سے ہوتا ہے کچھ ترکہ نہیں چھوڑتے۔ خدا کے کاموں میں صرف کرنا مال و دولت کا اُسی وقت سمجھا جاسکتا ہے کہ جبکہ وہ مال اُنکا اپنا ذاتی ملکیت ہو لیکن کسی دوسرے کا مال خدا کے کاموں میں صرف کرنا گو مالک کی مرضی کے موافق ہو یا اُسکی خلاف مرضی کے نہ ہو وہ درجہ نہیں رکھ سکتا کہ جو پیغمبر کی ذاتی ملکیت ہو بلکہ ایسی حالت میں جبکہ کوئی مال و دولت کسی مالک کے موافق مرضی اوسکے ہو یا خلاف مرضی اُسکے نہ صرف کیا جائے تو اخلاق مقتضی اسکا ہوتا ہے کہ جب کہ ایسے مال و دولت کے صرف سے کوئی سلطنت یا کوئی جائیداد ذات خاص پیغمبر کو حاصل ہو تو وہ سلطنت اور جائیداد اُسی مالک مال و دولت کو یا اوسکے وارث کو دیدیا جائے۔ جسکے مال و دولت کے صرف سے وہ سلطنت یا جائیداد بہم پہنچی۔

یہی اصول اخلاق تھا کہ جس کے بموجب حضرت خدیجہ کے مال و دولت سے قومی سلطنت کی سرداری اور خدک جو بذات خاص پیغمبر کو حاصل ہوا پیغمبر نے

بموجب ہدایت خدا کے اٹھو اپنے اہلیت کے لئے دیدیا۔ اور جس اوٹکے لئے مقرر کر دیا۔ اگر یہ امور اسی حیثیت سے مانے جائیں تو پیغمبر سے زیادہ کوئی بد اخلاق اور قرآن کا نہ ماننے والا سمجھا نہیں جاسکتا۔

یہ بیان مصنف مخاطب کا کہ ۱۷ یہ حدیث (۱۷) انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ ہم چھوڑیں وہ اللہ کا مال ہے (۱۸) اکثر صحابہ کو معلوم تھی عباس اور علیؑ کو بھی معلوم تھی مگر مقتضائے بشریت سہو ہو گیا تھا ابو بکرؓ کے یاد دلانے سے یاد آگئی (۱۹) بالکل غلط ہے۔

ہم پہلے کتب معتد اہلسنت سے دکھا چکے ہیں کہ جسوقت جناب سیدہ کا دعویٰ فدک کا بر بنا رہا یا عطا کے شہادت کو ناجائی قرار دیکر نامنظور کیا گیا اور جناب سیدہ نے بر بنا سے ارث دعویٰ کیا۔ اسوقت حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ اور حاضرین سے تلاش کی کہ اُنکے پاس خلاف دعویٰ جناب سیدہ کے کوئی فرمودہ رسولؐ ہے تو کسی کے پاس کچھ نہ نکلا اسوقت حضرت ابو بکرؓ تنہا نے وہ حدیث پیغمبرؐ کی سنائی کہ ۱۷ ہم گروہ انبیاء کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے اور جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے (۲۰) جسوقت جناب سیدہ نے ارث کا دعویٰ کیا تھا اسوقت علیؑ رضی اللہ عنہ نے بہت زور سے اٹھکی تائید کی تھی۔ اور جسوقت کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں عباس اور علیؑ نے دعویٰ ارث کا کیا تھا جیسا کہ کتب معتد اہلسنت سے ہم پہلے دکھا چکے ہیں اور خود مصنف مخاطب نے بھی آئندہ قبول کیا ہوا اسوقت تک تو ثابت ہو کہ عباس اور علیؑ کو بھی علوم تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کا فرمان صحیح نہیں ہو۔

مصنف مخاطب کو کسی روایت کسی کتاب سنی یا شیعہ سے یہ امر دکھانا چاہیے تھا کہ عباس اور علیؑ کو مقتضائے بشریت سہو ہو گیا تھا ابو بکرؓ کے



یاد دلانے سے یاد آگئی۔ اور جب حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عباسؓ اور علیؓ نے دعویٰ ارث کا کیا تھا تو پھر یہ کیسے سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ حدیث ابو بکرؓ کے یاد دلانے سے یاد آگئی۔ کیا مصنف مخاطب کے ہم خیال یہ کہیں گے کہ ابو بکرؓ کے یاد دلانے سے اسوقت یاد آگئی تھی۔ اور پھر وہ بھول گئے تھے۔ کوئی ایسی روایت کتاب شیعہ یا سنی میں درج نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ ۲۲ عباسؓ اور علیؓ کو وہ حدیث معلوم تھی مگر مقتضای بشریت سہو ہو گیا تھا ابو بکرؓ کے یاد دلانے سے یاد آگئی لہٰذا خود عباسؓ اور علیؓ نے اس امر کو کسی موقع پر بیان کیا ہو نہ کسی اور راوی نے اسکا ایسا بیان کرنا ظاہر کیا ہو۔

مصنف مخاطب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس حدیث کے مضمون کا پستہ شیعوں کی روایتوں میں بھی ملتا ہے اور کتاب کافی سے یہ سنہ لاتے ہیں کہ ۲۳

عمر بن ابی عبد اللہؓ قال ان العلماء  
درتہ الانبیاء روڈ آگ ان الانبیاء  
لم یورثوا اور حماد و لادنیاء و ادا نا  
اوہ تو ااحادیث من احادیثہم ۲۴  
(کتاب نعیم)

امام جعفر صادقؓ و صادق علیہ السلام سے  
روایت ہے کہ انبیاء کے وارث  
علمائین اور یہ اس سے کہ انبیاء نے  
میراث نہیں دی درہم اور دنیا میں  
اور نعیم میراث دی انہوں نے

مگر حدیثین ۲۵

امام جعفر صادقؓ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور وہ ارشاد اذکار کا باعتبار واقعہ کے ہے نہ باعتبار حکم کے انہوں نے یہی ارشاد کیا ہے کہ انبیاء کے وارث علماء ہیں اور یہ اسلئے ہے کہ انبیاء نے میراث نہیں دی درہم اور دنیا میں یعنی درہم اور دنیا وہ کچھ چھوڑتے تھیں ہیں اور انہوں نے میراث دی احادیث کی اپنی احادیث سے۔ یعنی جو کوئی کہ علم پیغمبر کا عالم ہو وہی وارث

نبی کا ہوتا ہے۔

امام نے اپنی اس ارشاد میں حکماءِ سنین فرمایا ہر کہ پیغمبر کی اولاد اُس کے متروک میں حق رکھنے والی نہیں ہو یا اُس کے متروک میں سے جو کچھ قدرے قلیل ہو وہ اس کی اولاد کو نہ ملتا چاہئے۔

اس ارشاد امام کی مراد صرف یہ ہی کہ پیغمبر درہم و دینار تو چھوڑتا نہیں لیکن اس کے علم کا جو عالم ہوا اُس کا وہ وارث ہی۔ لہذا اس ارشاد امام کے ہمو یہ دیکھنا چاہئے کہ بعد پیغمبر کون شخص عالم اُن کے علم کا تھا اور جو کوئی عالم اُن کے علم کا ہو یا وارث نبی کا قبول کرنا چاہئے۔

اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بعد پیغمبر کے عالم اُن کے علوم کا کوئی علی تفسیر سے زیادہ نہ تھا اور خود پیغمبر متعدد و مقعون پر افضلیت علم علی مرتضیٰ علیٰ فراہم فرمایا بلکہ اپنے علم کا علی مرتضیٰ پر حصر کر دیا ہے۔ پس وارث پیغمبر کے علی مرتضیٰ ہی ہو سکتے تھے اور اپنے علم کے سبب سے پیغمبر نے سلطنت قومی حاصل کی تھی اُس کی سرداری کا ہمتا قی سوائے علی مرتضیٰ کے اور اُن کے بغیر گمانہ اہلبیت کے اور کوئی نہیں رکھتا تھا کہ یہ تمام ائمہ اہلبیت علم پیغمبر کے عالم تھے اور دوسروں پر علم پیغمبر کے جاننے میں فضیلت رکھتے تھے اور پیغمبر خود فرما رہے تھے کہ میرے اہلبیت کو تعلیم مت کرو کہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں جیسا کہ کتب اہل سنت سے پہلے دکھایا جا چکا ہے۔

مصنف مخاطب حضرت ابوبکر کو الزام سے بری کرینگے لہٰذا یہ کہتے ہیں کہ عجب رسول صلعم کے پیروکاروں نے خلافت کی بیعت ابوبکر سے کر لی اور عظیم اُن کے سپرد ہوئے اور جناب سیدہ اور عباس نے اُس تمام جائیداد میں میراث کا

۱۰ دیکھو جلد اول حصہ خیمہ بحث فک صفحہ ۲۶۱

نبی کا ہوتا ہے۔

امام نے اپنی اس ارشاد میں حکماءِ ستین فرمایا، ہر کہ پیغمبر کی اولاد اُس کے تروک میں حق رکھنے والی نہیں ہو یا اُس کے تروک میں سے جو کچھ قدرے قلیل ہو وہ اُس کی اولاد کو ملنا چاہیے۔

اس ارشاد امام کی مراد صرف یہ ہی کہ پیغمبر و رہم و دیار تو چھوڑتا نہیں لیکن اُسے علم کا جو عالم ہو اُس کا وہ وارث ہی۔ لحاظ اس ارشاد امام کے ہلکویہ دکھنا چاہئے کہ بعد پیغمبر کون شخص عالم اُنکے علم کا تھا اور جو کوئی عالم اُنکے علم کا ہو وہ وارث نبی کا قبول کرنا چاہئے۔

اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بعد پیغمبر کے عالم اُنکے علوم کا کوئی علی مرتضیٰ سے زیادہ نہ تھا اور خود پیغمبر متعدد و مقعون پر افضلیت علم علی مرتضیٰ کی ذرا جگہ میں بلکہ اپنے علم کا علی مرتضیٰ پر حصر کر دیا ہے۔ پس وارث پیغمبر کے علی مرتضیٰ ہی ہو سکتے تھے اور اپنے علم کے سبب سے پیغمبر نے سلطنت قومی حاصل کی تھی اُسکی سرداری کا ہمتقاق سوائے علی مرتضیٰ کے اور کس کے بعد اگر ائمہ اہلبیت کے اور کوئی نہیں رکھتا تھا کہ یہ تمام ائمہ اہلبیت علم پیغمبر کے عالم تھے اور دوسروں پر علم پیغمبر کے جاننے میں فضیلت رکھتے تھے اور پیغمبر خود فرما کرتے تھے کہ میرے اہلبیت کو تعلیم مت کرو کہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں جیسا کہ کتب اہل سنت سے پہلے دکھایا جا چکا ہو گا۔

مصنف مخاطب حضرت ابوبکر کو الزام سے بری کر نیکی لے رہے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں نے خلافت کی بیعت ابوبکر سے کر لی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں نے ابوبکر سے بیعت کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس تمام جاہلہ و بدینہ میراث کا

سہی بن اور بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کا اس حدیث کو سن کر دعویٰ نہ کرنا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے اس لیے کہ ان دونوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اونکے باپوں کے ہاتھ میں خلافت آگئی ہو مگر اہل سنت کی ان روایتوں سے یہ بیشک ظاہر ہو کہ جناب سیدہ اور عباس اور علیؓ کو اور ازواج پیغمبرؐ کو مطلق اس حدیث کی خبر نہیں تھی۔ اور تحقیق میں یہ امر نہایت تعجب انگیز ہو کہ پیغمبرؐ اس امر سے اپنی اولاد اور قرابت داروں اور ازواج کو آگاہ نہ کریں کہ وہ انکی میراث میں کچھ نہ پاویں گے اور کار تبلیغ رسالت کو نام چھوڑ جائیں اس دعویٰ کے سبب سے حضرت ابوبکرؓ کو عجیب مشکل لاحق نہیں ہوئی بلکہ عجیب مشکل میں خلافت کے قبول کرنے سے گرجتا رہوئے۔ اگر وہ خلافت قبول نہ کرتے اور خلافت ان لوگوں کے ہاتھ میں رہتی جتنے قبضہ میں یہ جائداد تھی تو حضرت ابوبکرؓ کے سامنے یہ مشکل پیش نہ آتی مگر خلافت مراد جناب سیدہ کے حضرت ابوبکرؓ کو جواب دینا کچھ دشوار نہیں تھا۔ چنانچہ ایسا جواب دے ہی دیا۔ ورنہ اس تمام جائداد پر مشورون کو قبضہ دہینے سے یہ دشواری پیدا ہوتی تھی کہ ضروریات سلطنت کا انجام کما سے ہو۔ ورنہ عرب کی سلطنت کے لیے یہ جائداد خزانہ اور سرمایہ تھی بلکہ پیغمبرؐ اپنے وفات کے بعد سلطنت کو ایسی حالت میں چھوڑا کہ اسکی آمدنیوں اسکے اخراجات کے لیے کافی تھیں۔ غنیمت کا مال جو معاوضہ فوجی خدمت کا تھا نہ کوہ اور صدقات اور کفارہ جات اور جرزیہ۔ کی آمدنیوں مقرر ہو چکی تھیں چنانچہ بعد وفات پیغمبرؐ مال بحرین اسقدر کثیر آیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے متادی کرادی تھی کہ جس کسی سے پیغمبرؐ نے وعدہ عطا کیا ہو۔ حاضر ہوا اور جو کوئی حاضر آیا اور جس قدر اس نے پیغمبرؐ کا وعدہ دینے کا بیان کیا حضرت ابوبکرؓ نے بغیر غنیمت کسی گواہ کے کچھ پس و پیش نہ کر کے مال کثیر بحرین کا لوگوں کو دیدیا اور شاہین نے بغیر کسی گواہی

کے حضرت ابوبکر کے ایسے دیدنیے کی نسبت یہ رسے لکھی ہیں کہ پیغمبر کی حدیث  
 سبکو معلوم تھی کہ کوئی اُن پر چھوٹ نہیں باندھ گا اور یہ لوگ خیر امت سے ہیں  
 حضرت ابوبکر نے صرف اُنکے دعویٰ پر اعتماد کیا مگر افسوس ہے کہ قاطعاً نہر نے  
 یہ دعویٰ کیا تھا کہ رسول نے فدک جھکو ہبہ کر دیا ہے وعدہ ہبہ کا بیان نہیں تھا اور  
 علیؑ نے اور حسینؑ اور ام ایمن نے گواہی ہبہ کی دی مگر یہ بیچارے مدعیہ اور بیچارے  
 گواہ اس قابل بھی نہ سمجھ گئی کہ وہ رسول پر چھوٹ نہیں باندھ سکتے اور وہ خیر امت  
 جب سلطنت کی آمد نیان قائم ہو چکی تھیں تو یہ کہنا کہ ضروریات سلطنت  
 کا انجام کمانسے ہوتا یا فدک کی ضبطی انجام دہی ضروریات سلطنت کے لئے قرار  
 دینا ایک مغالطہ ہے۔

غور کرو کہ پیغمبر نے جب سے کہ قیام دین اسلام اور سلطنت اور وحدت  
 امارت قریش کا ارادہ کیا اور یہ امر مسلم ہے کہ پیغمبر اس وقت درویش تھے جیسا کہ  
 خدا نے قرآن میں فرمایا تو اس وقت اس کا یہ عظیم کے ضروریات کا انجام کمانسے کیا  
 ہم بتا چکے ہیں کہ مصارف ان ضروریات کے پیغمبر مال حضرت خدیجہ سے لے کر  
 اپنے مال ذاتی سے جو کچھ کہ اُنکے پاس ہوتا تھا کرتے تھے اور اُسکے صرف کرنا کہ وہ  
 اختیار رکھتے تھے جیسے کہ ہر مسلمان اپنے مال سے مصارف خیر میں صرف کرنے  
 کا اختیار رکھتا ہے۔ اور بعض اوقات آخر زمانہ میں پیغمبر مصارف ان ضروریات  
 کے لئے عرض بھی لیتے تھے جیسا کہ آخر اپنے وقت میں پیغمبر جیش اسامہ کے لئے  
 قرض لیا اور وہ قرضہ بموجب وصیت پیغمبر کے علیؑ نے ادا کیا۔ اگر حضرت  
 ابوبکر صحیح خلیفہ اور نائب رسول ہوتے تو وہ ان ضروریات سلطنت کے مصارف کا  
 انجام اسی روش پر کرتے کہ جس روش پیغمبر خدا نے کیا تھا اور اگر اُس روش پر نہیں

ریسکتے تھے تو انکو چاہئے تھا کہ خلافت سے دست بردار اور مصارف ضروریات سلطنت کی مشکل سوسیکدوش ہو جاتے۔ انکو یہ نہیں کرنا چاہئے تھا کہ پیغمبر کی ذاتی ملکیت پر کہ جو خاص اور خالص پیغمبر کا حق بموجب آیتہ قرآنی کے قرار پایا تھا یا اُس حق فاطمہ زہرا کو کہ جو بموجب ہدیہ عظیمہ کے از روئے آیتہ قرآنی مل گیا تھا یا بذریعہ ارث کے جس میں حق فاطمہ کا تھا خلافت مرضی انکو بحکم خلافت اور بادشاہت کے قبضہ کر لیتے اور یہ قبضہ بعینہ ایسا ہی تھا کہ جس پر بلا معاوضہ کسی مسلمان کی مال و دولت پر جو اُسکو بذریعہ حصہ غنیمت دیا کسی دوسرے حق سے حاصل ہوا ہو قبضہ کر لیا جائے۔

پیغمبر نے ہر پہلو پر نظر کر کے یہ انتظام کیا تھا کہ خلافت اور سرداری قومی علی مرتضیٰ کے ہاتھ میں جسکا وہ حق اور قابیلیت رکھنے والے تھے اور ان کے بعد اسکا رسول اللہ اُس پر قابض ہوں اور پیغمبر کو صرف مال و دولت حضرت خدیجہ سے تو نگری حاصل ہوئی اور جسقدر جایز و بموجب مسئلہ ہونے لگا پیغمبر کو نکال کر علی کہ اُس میں حق جناب فاطمہ زہرا کا تھا کہ سبب شرف مال و دولت حضرت خدیجہ کو وہ جایز و بموجب نبوی تھی پیغمبر نے اُس تمام جایز و بموجب آیتہ قرآنی کے فاطمہ زہرا کو ہدیہ عطا اور وقف کر دیا جسکا مقصود یہی تھا کہ یہ جایز و بموجب (علی مرتضیٰ) کے قبضہ میں ہوگی وہی کار خلافت اور بادشاہت کو چلا سکے گا پیغمبر نے اپنے عمل سے وہ حقیقت مسئلہ جانشینی کے استحکام کو ظاہر کر دیا تھا پیغمبر نے اُس قدر تمیز و تشخیص اُسامہ کی جو وصیت علی کو کی تھی اُسکا منشا بھی صاف یہی تھا کہ یہ مصارف سلطنت کے جو میں قرض لیکر کئے ہیں اور انکو میں بوقت ضرورت اپنے ذاتی مال سے ادا کرتا تھا تم بھی اپنے اُس ذاتی مال سے جو تم کو دیا گیا ہے ادا کرتا اور وہ حقیقت یہ ایک ہدایت تھی کہ اپنے ذاتی مال سے اُس سلطنت میں صرف کرنا امور

ریسکتے تھے تو انکو چاہئے تھا کہ خلافت سے دست بردار اور مصارف ضروریات سلطنت کی مشکل سو سیکند و ش ہو جائے۔ انکو یہ نہیں کرنا چاہئے تھا کہ سینئیر کی ذاتی ملکیت پر کہ جو خاص اور خالص پیغمبر کا حق ہو جو اب آیتہ قرآنی کے قرار پایا تھا یا اس حق فاطمہ زہرا کو کہ جو بموجب ہسب یا عطیہ کے از روئے آیتہ قرآنی مل گیا تھا یا بذریعہ ارث کے جس میں حق فاطمہ کا تھا خلافت مرضی انکی بحکم خلافت اور بادشاہت کے قبضہ کر لیتے اور یہ قبضہ بعینہ ایسا ہی تھا کہ جسے بلا معاوضہ کسی مسلمان کی مال و دولت پر جو اسکو بذریعہ حصہ غنیمت دیا کسی دوسرے حق سے حاصل ہوا ہو قبضہ کر لیا جائے۔

پیغمبر نے ہر پہلو پر نظر کر کے یہ انتظام کیا تھا کہ خلافت اور سرداری قومی علی مرتضیٰ کے ہاتھ میں جب کا وہ حق اور قابلیت رکھنے والے تھے اور انکے بعد اسکا رسول اللہ اس پر قابض ہوں اور پیغمبر کو صرف مال و دولت حضرت خدیجہ سے تو نگری حاصل ہوئی اور جب قدر جایز و بموجب مسئلہ یوسفؑ کی پیغمبر کو نصیب ملی کہ اس میں حق جناب فاطمہ زہرا کا تھا کہ سبب شرف مال و دولت حضرت فاطمہ کو وہ جایز و پیغمبر کو ملی تھی پیغمبر نے اس تمام جایز کو بموجب آیتہ قرآنی کے فاطمہ زہرا کو ہبہ یا عطا اور وقف کر دیا جسکا مقصد وہی تھا کہ یہ جایز اوجس عملی اثر تفسیر کے قبضہ میں ہوگی وہی کار خلافت اور بادشاہت کو چلا سکے گا پیغمبر نے اپنے عمل سے وحقیقت مسئلہ جانشینی کے استحکام کو ظاہر کر دیا تھا پیغمبر نے اپنے قرآنہ تمیز جیش اسامی کی جو وصیت علی کو کی تھی انکا منشا بھی صاف یہی تھا کہ یہ مصارف سلطنت کے جو عین قرض لیکر کئے ہیں اور انکو میں بوقت ضرورت اپنے ذاتی مال سے ادا کرتا تھا تم بھی اپنے اس ذاتی مال سے جو تم کو دیا گیا ہے ادا کرنا اور درحقیقت یہ ایک ہدایت تھی کہ اپنی ذاتی مال سے اس سلطنت میں صرف کمال امور

تمام تہذیب تسلطیتیں جبکہ قدم تخت سلطنت پر ہوتا ہوا اور جبکہ خزانہ  
میں ایک سبب بھی نہیں ہوتا اور وہ ناجائز طور پر کسی کا مال لینا بھی گوارا نہیں  
کرتے وہ انتظام سلطنت کا یونہی کیا کرتے ہیں کہ اپنی کل قوم اور رعایا سے  
بقدر استطاعت کے مصارف سلطنت کا اصل کوٹے ہیں۔ لیکن ایسا وہی  
سلطنتیں کرتی ہیں کہ جو عالم اور اصول سلطنت سے آگاہ ہوتی ہیں۔ لیکن جو  
بادشاہ کہ مصارف سلطنت کے لئے کسی شخص واحد کا مال و متاع خلاف مرضی  
مالک اور بلامعاوضہ ضبط کر لے تو اہل اصول سلطنت کے بموجب ایسے  
ایسے فعل کو مخلوق ظلم کے لفظ سے پکارے گی۔

پیغمبر کے عہد میں فوج اور لشکر کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں تھی ہر مسلمان فوجی  
کام کرتا تھا اور بعض اس خدمت کے مال غنیمت سے حصہ پاتا تھا  
جس سے مقصد یہ ہے کہ فوج کا کوئی خرچ علیحدہ ذمہ سلطنت کے نہیں تھا  
مگر مال غنیمت جو عداوت فوجی خدمت کا تھا و حاصل آمدنی سلطنت تھا  
عادہ اس کے زکوٰۃ اور صدقات اور کفارہ جات اور جزیہ یہ تمام آمدنی  
ایسی تھیں جبکہ تعلق عام امور سلطنت سے تھا جو ایک قسم کی آمدنی تھی  
اور پیغمبر کا کہ جو بادشاہ تھے خاص صورت کا مال غنیمت کہ جبین ہٹ  
اور گھوڑے نہ دوڑائے گئے ہوں یعنی بغیر جنگ حاصل ہوا ہو جیسے  
فدک اور پیغمبر کی طرف سے اُنکے اہلبیت کا جو بادشاہ آئندہ تھے اور  
خمس پیغمبر اور اُنکے ذوی القربی کا یعنی بادشاہ موجودہ اور  
بادشاہ آئندہ اُنکے اہل بیت کا بموجب آیات قرآنی کو خالص  
اور حاص حق بطور نذرانہ شاہی قرار دیا گیا تھا جہاں سے اُنکو  
اختیار تھا کہ اپنے اوپر اور اپنی ازواج اپنے خاندان یعنی بنی ہاشم



اور دیگر مصارف خیر امور سلطنت میں جس جس قدر چاہیں اپنی مرضی اور اختیار سے صرف کریں۔ یہ دوسری قسم کی آمدنی تھی۔

بعد پیغمبر (ادشاہ) کے لازم تھا کہ بادشاہ آئندہ وہی شخص ہوتا کہ جسکے ہاتھ میں اور جسکا حق آمدنیوں قسم دوم میں تھا اور پہلے قسم کی آمدنیوں جو شخص امور سلطنت سے متعلق تھیں وہ بھی اُنکے ہاتھ میں ہوتیں تو یہ تمام مصارف ازواج پیغمبر کا نفقہ دینا۔ بنی ہاشم کے ساتھ سلوک کرنا سلطنت کے مہانوں کی ضیافت۔ غیر ملک کے سفیروں کی مدارات۔ اپنی طرف سے جا بجا سفیروں اور قاصدوں کے بھیجنے کے ضروریات۔ مجاہدین کا سامان۔ محتاجوں کی اعانت۔ جنگوں ایک ایک کر کے مصنف غائب نے شمار کیا ہے باسانی چل سکتے تھے۔

لیکن جب انتظام پیغمبری کو توڑا گیا اور جن لوگوں کا کہ حق دوسری قسم کی آمدنیوں میں تھا انکو امر سلطنت سے علیحدہ رکھا گیا تو یہ دشواری اپنے اختیار سے خود ان لوگوں نے قبول کی کہ جنھوں نے قسم دوم کی آمدنی کے حق داروں کو امر سلطنت سے علیحدہ کیا۔

اگر بنی امیہ خلافت انکے متعلق رکھنے کے مصارف امور سلطنت کے نہیں چل سکتے تھے کہ اسی امر کو وہ نے اوسل امر کو وہ کام تکب کرایا کہ دوسری قسم کی آمدنیوں سے حقداروں کو محروم کیا گیا۔ ان حقداروں کی ناخوشی پیغمبر کی ناخوشی ہے اور انکی اذیت پیغمبر کی اذیت ہے۔

مصنف مخاطب اس کہنے کے بعد کہ کسی تہید دست کو تخت سلطنت حوالہ کر دیا جائے  
اور خزانہ کا ایک حصہ بھی اُسکو نہ دیا جائے اور وہ ناجائز طور پر ہر کسی کا مال لینا بھی  
گوارا نہ کرے گا یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس شکل کے ہر پہلو پر غور کر کے  
رسول اللہؐ کو فشا، فشا، فشا اسی کو پورا کرنا مقدم سمجھا اور اللہ پر توکل کر کے رسولؐ کی تہ  
ستادی اور یہ کہدیا کہ اس جائیداد کی آمدنی جس طرح رسولؐ صرف کرتے تھے اسی طرح  
میں بھی صرف کروں گا سر مو تھا ورنہ کروں گا۔

جو سلطنت پر چھوڑ گئے تھے وہ ایسے نہیں تھے جس پر یہ اطلاق ہو سکے کہ وہ اپنی  
آزادیوں سے اپنا مصارف پورا نہیں کر سکتی تھی گو اُسکے پاس خزانہ تھا مگر خزانہ بن سکتا تھا  
اور حضرت ابو بکرؓ کی شان بھی ایسی نہیں تھی جن کے نسبت یہ کہا جاسکے کہ ایک تہید دست  
کو تخت سلطنت حوالہ کر دیا۔ میں حضرت ابو بکرؓ کو جو تہید دست نہیں سمجھتا اس میں ملنے والی  
مال پر چنداں نگاہ رکھنے والا نہیں بلکہ میں اس مال کو دیکھ رہا ہوں جو بعد وفاتِ پیغمبرؐ حضرت  
ابوبکرؓ کے ہاتھ میں آیا اور جسکو حضرت ابو بکرؓ نے یہ دروغ صرف کر کے لیا اب خزانہ ختم ہوا۔

یہ بھی میں ابھی بتا چکا ہوں۔ تہید دست تاجدار کو جس کے پاس خزانہ نہ ہو اور ناجائز طور پر  
ہر کسی کا مال لینا بھی گوارا نہ کرے مصارف انتظام سلطنت کے لیے اُسکو اپنی قوم اور رعایا سے  
بقدر استطاعت ہر فرد بشر کے لینا چاہیے اور کسی شخص واحد کا خلاف مرضی اُس کے مال و  
دولت ضبط کر لینا نہیں چاہیے۔

حضرت ابو بکرؓ سے خلاف اسی قاعدہ اصول سلطنت داری کے دو معین آئے کہ انہوں نے  
مصارف سلطنت کے لیے ہر مسلمان اور رعایا سے اسی قاعدہ نہیں چاہی اور حقِ خاص اور ملکیت  
ذاتی قاطعہ دھرا اور اہلیتِ بغیر کا ضبط کرنا گوارا کیا۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے اس شکل کے جو  
مصنف مخاطب قرار دیتے ہیں ہر پہلو پر غور نہیں کیا اور نہ رسولؐ اللہ کے فشا کا پورا کرنا  
مقدم سمجھا اور نہ اللہ پر توکل کر کے رسولؐ کی حدیثِ مشائی۔ اور نہ یہ کہ چاہے اس جائیداد کی

آمد فی جس طرح رسول صرف کرتے تھے اسی طرح میں بھی صرف کرونگا سر مو تجا و زنہ کرونگا۔  
صحیح ہو سکتا تھا اور نہ یہ امر صحیح ہو کہ وہ جواب سن کر جناب سیدہ نے بھی اس حدیث کی تکذیب  
نہیں کی حضرت ابو بکرؓ جناب سیدہ سے گویہ کہا کہ میرا کچھ مال جو وہ حاضر ہو گیا اکیلا نہ کچھ  
یہاں کی روایت میں ہو لیکن حضرت ابو بکرؓ نے نیک نیتی سے رسولؐ کے منشا پور کر کے نیک قصد  
نہیں کیا۔ اور نہ اس امر کو ٹھیک سمجھا کہ اگر جناب سیدہ ناراض ہو گئی تو اللہ ناراض ہوگا۔  
اور نہ اس فرض کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ جس طرح بخاری کی روایت سے ثابت ہو اسی طرح  
جناب سیدہ ناراض ہو گئیں۔ نہ یہ تسلیم ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن جناب سیدہ ضرور عذاب  
ہو جائیں گی۔ رسول اللہؐ کا منشا یہی تھا کہ مذکور خلافت میرے اہلیت اور علی مرتضیٰ کی  
قبضہ میں رہے گی، میں وہ حق اور جسکی وہ قابلیت رکھتے ہیں۔ اور وہی امور سلطنت میں اپنی  
مرضی کے موافق صرف کرے گا کہ فی مذکور اختیار رکھیں گے۔ اگر حضرت ابو بکرؓ اور  
خلافت کو چھوڑ دیتے اور قبضہ فاطمہؓ زہراؓ اور علی مرتضیٰ کا رہنے دیتے تب البتہ یہ سمجھا جاتا کہ حضرت  
ابو بکرؓ نے رسول اللہؐ کا جو منشا تھا اسی کا پورا کرنا مقدم سمجھا۔ اور اللہ پر توکل کر کے رسولؐ کی  
حدیث سنا دینا کیسے تسلیم ہو سکتا ہو جبکہ وہ حدیث جو حضرت ابو بکرؓ نے سنائی خلافت آیات قرآنی  
کے اور حضرت صدیقؓ اپنے اول خطبہ خلافت میں اپنی مصیبت میں شیطان کا ہونا اور  
اسکو اپنا گواہ کر دینے والا قبول کر چکے ہیں اور یہ بھی قبول کر چکے ہیں کہ پیغمبرؐ کے ساتھ فرشتہ تھا پھر  
وہ کس طرح اس جائداد کی آمدنی اسی طرح صرف کر سکتے تھے جس طرح رسولؐ صرف کر سکتے تھے  
اور جو زمین سر مو تجا و زنہ ہو سکے۔

اس جائداد میں جو صحیح ملکیت ذاتی خاص رکھتے تھے اور اپنی مرضی کے موافق عمارت  
خیر میں بھی صرف کرتے تھے۔ اور حضرت ابو بکرؓ اس جائداد میں کوئی حق ملکیت ذاتی نہیں  
رکھتے تھے پھر کس طرح یہ امر قبول کیا جاسکتا ہو کہ اس جائداد کی آمدنی جس طرح رسولؐ صرف  
کرتے تھے اسی طرح وہ بھی صرف کر سکیں گے اور سر مو تجا و زنہ کریں گے یا

مثلاً رسول کے اس جائداد کی آمدنی کے صرف کرنا اطلاق اسی شخص کی نسبت ہو سکتا ہے جو اس جائداد میں مثل رسول کے حق خالص رکھنے والا ہو۔

پیغمبر نے اس جائداد کو اپنی دختر کے نام ہیہ باعطا کر دیا تھا جس پر قبضہ انکی دختر کا موجود تھا اس دعویٰ کو جو نامعلوم رکھا گیا یہ بھی اللہ پر توکل کر کے تھا۔

بعد از منظوری دعویٰ ہیہ باعطا کے دعویٰ ارنٹ کو جو خلاف قرآن تھا حضرت ابو بکرؓ نے ایک حدیث پیش کر کے نامعلوم رکھا۔ اسی سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ حدیث سنانے کو وقت کس پر توکل کیا تھا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے قرآن پر توکل نہیں کیا بیان پر حضرت فاطمہؓ کے توکل نہیں کیا۔ علی مرتضیٰ کے اظہار پہلے پر توکل نہیں کیا کہ جن کی نسبت پیغمبر فرما گئے تھے کہ وہ قرآن کے ساتھ اور قرآن اُسکے ساتھ ہے اور وہ تم سب میں راضی ہو۔

اس امر پر توکل نہیں کیا کہ اگر اس جائداد میں حق ملکیت ذاتی پیغمبر کا یا کسی قسم کا حق حضرت فاطمہؓ کا نہیں تھا تو پیغمبر نے ہیہ باعطا کر کے جائداد کو سیدہ کے قبضہ میں کیوں دیا تھا۔ کیا اس امر پر توکل کر لیا تھا کہ پیغمبر ایسی جائداد کو کہ جس میں نہ پیغمبر حق ملکیت ذاتی رکھتا ہو نہ کسی قسم کا حق اس میں اسکی دختر کا ہو اور وہ جائداد جس واسطے مصادر اور خیر کے ہو اُسکو ناجائز طور پر پیغمبر نے ہیہ باعطا کر کے قبضہ میں اپنی دختر کے دید یا تھاجس کا وہ اختیار نہیں رکھتے تھے۔ اور جبکہ پیغمبر کو بادشاہ ہونے کے کسی اراضی تعلق سلطنت کو بھی کسی کو ہیہ باعطا کر دینے کا اختیار رکھتے تھے تو انکے اس عمل کے منسوخ اور رد کرنے پر کس پر توکل کیا گیا؟

اگر حضرت ابو بکرؓ دعویٰ ہیہ باعطا یا دعویٰ ارث کو جو طرٹ سے جناب سیدہ کو پیش ہوا تھا منظور کر کے قبضہ جناب سیدہ کا چھل رکھتے اور جناب سیدہ جو حق ملکیت اس جائداد میں رکھتی تھیں اور وہ اپنی مرضی کے موافق آمدنی کی کسی با اختیار خود صرف کر تھیں تو یہ کتنا

صادق آسکتا تھا کہ اس جائیداد کی آمدنی جس طرح رسول صرف کرتے تھے اسی طرح جناب سیدہ بھی صرف کر تگی اور سر مو تھاد زہنو گا۔

حضرت ابو بکر اگر یہ بھی کہتے کہ جائیداد کو قبضہ جناب سیدہ میں بدستور رکھتے اور وصارت اسکے وہ آپتے اختیار سے صرف کرتیں ان سے حضرت ابو بکر بقدر مصارف ضرورتوں بادشاہ کے ملکہ بلدا کرتے اور وہ بقدر مناسب دیدیا کرتیں تو بھی اس قدر کہا جاسکتا تھا کہ اس جائیداد کی آمدنی جس طرح رسول صرف کرتے تھے اسی طرح حضرت ابو بکر نے اس صرف کو قائم رکھا۔

جناب سیدہ نے صریح اس حدیث کی جو حضرت ابو بکر نے بیان فرمائی ہے تکذیب کی ہو اور صرف جناب فاطمہ نے نہیں بلکہ علی مرتضیٰ نے بھی۔ اور ان دونوں نے واسطے تکذیب اور بطلان اس حدیث کے آیات قرآنی پیش کی ہیں جو میراث کی مسلمانوں اور با تخصیص میراث انبیاء کے بارہ میں ہیں۔ اور جب خلاف مقصد حضرت ابو بکر کے آیات قرآنی جناب فاطمہ اور علی مرتضیٰ نے پیش کیں تو اس سے سوائے اسکے کہ انھوں نے حضرت ابو بکر پر یہ ثابت کر دیا کہ تمھارا بیان اور مقصد خلاف قرآن کے ہو اور جو مقصد کہ خلاف قرآن کے ہو وہ سوائے جھوٹ ہونے کے اور کچھ نہیں سمجھا جاسکتا۔

روایت کتب السنۃ سے یہ بھی ظاہر ہو کہ جب دعویٰ مذکور کا بذریعہ یہ باعطا کو ابتدا جناب سیدہ نے پیش کیا تو حضرت ابو بکر نے فرمان داد گشت اور سخا قہنہ کا جناب سیدہ کو لکھا۔ یا لیکن حضرت عمرؓ نے صحن مسجد میں جناب سیدہ کی پاس جیب پر فرمان دیکھا تو انھوں نے وہ فرمان جناب سیدہ کو ہاتھ سے لیکر پھاڑ ڈالا اور حضرت ابو بکر کو یہ نمائش کی کہ اگر تم مذکور کو چھوڑ دو گے تو مسلمانان فقہ کما فی الامین کو اور جو مصارف جنگ کے تمھاری سر پر موجود ہیں کہاں سے کرو گے؟ اس سے ظاہر ہو کہ حضرت ابو بکر کے دل میں اس وقت تک خیال ضعیفی مذکور کا نہیں تھا کہ حضرت عمرؓ کی ہدایت نے حضرت ابو بکر کے قلب پر اس بات کا اٹھایا کہ ضعیفی مذکور کی خواہ مخواہ ایک امر ضروری ہے

سیدہ دیکھو تاریخ سیدائین الاموی و انساب الامویون حضرت زین العابدین علی بن ابی طالبؑ

اور اسی اللہ کے سبب سوا دل حضرت ابو بکرؓ نے دعویٰ سہ یا عطا کے بابت گواہ طلب کیے مگر اسی اللہ نے شہادتوں قابل یقین کو خلاف مراد اپنے قرآنی ناکافی قرار دلوا دیا اور اسی اللہ نے خلاف قرآن وہ حدیث حضرت ابو بکرؓ سے کھلوائی۔ کیا خوب اقدس پر توکل ہو کہ خلاف قرآن غیر خدا کے الفاظ پر عمل ہوا اور کہا جائے کہ اقدس پر توکل کیا گیا۔ اور پھر یہ بھی کہا جائے کہ جناب سیدہ نے اس حدیث کی تکذیب نہیں کی۔

حضرت ابو بکرؓ کو اپنا مال جناب سیدہ کو دینا چاہتے تھے وہ بطور رحمان اور خیرات کے جناب سیدہ کو دینا ظاہر کرتے تھے کہ ایسے مال کو ایسے بیان سے جناب سیدہ گریز نہیں کر سکتی تھیں ان اگر حضرت ابو بکرؓ جناب سیدہ سے یہ کہتے کہ دعویٰ سہ یا ارب کا تمہارا ہوتا ہے تو اور بے شک تم جنت طہیت کے مسیر تارض ہو لیکن مجھ کو واسطے معارف سلطنت کے اس جائداد کے لینے کی ضرورت ہو تم مجھ کو میرا مال ہوا اس کے عوض میں لیلو۔ اس وقت یہ معلوم ہوتا کہ مال حضرت ابو بکرؓ کا کس قدر بڑا ہو گا کہ فی معاوضہ فک کا ہو سکتا ہو یا نہیں وہ جناب سیدہ کو کیا جواب دیتی ہیں۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ نے ایسا نہیں کیا بلکہ حضرت ابو بکرؓ کے عمل سے یہ ظاہر ہو رہا کہ انھوں نے کسی دعویٰ میں جناب سیدہ کو خدا نہیں جانا اور نہایت فحش اور خلاف تہذیب و اخلاق کلمات کے ساتھ اپنے بیان میں جناب سیدہ سے خطاب کیا اور اپنے آپ کو یوحنا بادشاہ ہو جانے کے مستحق قبضہ کا سمجھا۔ ایسی حالت میں جناب سیدہ حضرت ابو بکرؓ کے مال کو نہ گریز نہیں کر سکتی تھیں اور حضرت ابو بکرؓ کہ اس بات کو ظاہر کرنے کی کہ میرا مال تم لوگوں صرف اسی وجہ سے جرات ہوئی کہ حضرت ابو بکرؓ جانتے تھے کہ جناب سیدہ میرا مال سہرا نہ لین گی۔

درحقیقت حضرت ابو بکرؓ کو اپنا مال خدا کرنا منظور نہ تھا ورنہ اس پہلے ہی کہ فک جناب سیدہ کے قبضہ سے ضبط کر لیں اور اپنا مال جناب سیدہ کو دے دیں ضرورت نہیں تھی بلکہ فک اپنے قبضہ سیدہ کا حال رکھ کر اپنا مال معارف سلطنت میں صرف کر سکتے تھے اور ضلعی فک

کی ضرورت ہی نہ سمجھتے۔

اگر حضرت ابوبکر اپنا مال ذاتی یا اپنے عزیز اقارب کا مال ذاتی امور سلطنت میں صرف کرتے تو سمجھا جاتا کہ حقیقی نائب رسول ہیں اور جس طرح کہ پیغمبر نے مال صرف کیا تھا اسی طرح سے یہ بھی اپنا اور اپنے قابو کا مال صرف کرتے ہیں۔ مگر نہیں حضرت ابوبکر نے اپنا مال مصادر سلطنت میں صرف کرنے سے محفوظ رکھا تا کہ انکی دختر اس مال میں وارث انکی ہو جیسا کہ بعض روایات کے بموجب جناب سیدہ نے محبت کی تھی کہ تمہاری مال میں تمہاری بیٹی وارث ہو اور میں اپنے باپ کے مال میں وارث نہوں اپنے مال کا محفوظ رکھنا اور دختر رسول کا مال واسطے مصادر سلطنت کے ضبط کر لینا اور ایسی حدیث خلاف قرآن بیان کر دینا کہ پیغمبر کا کوئی وارث نہیں ہوتا نشان پیغمبری کو انکی ادلا دے حق میں وبال جان قرار دیتا ہے۔ ان جھگڑوں کو ظاہر ہو نیکی بعد ہرگز تسلیم نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابوبکر نے کچھ بھی نیک نیتی سے رسول کا متبادل پر آکر کرنے کا قصد کیا۔ صاف واضح حدیث پیغمبری کی خود اہلسنت کے بیان موجود ہو کہ جس نے اذیت پہنچائی فاطمہ کو اذیت دی جگہ اور جو کوئی غضب میں لایا فاطمہ کو وہ غضب میں لایا جگہ اور مینک اللہ غضب فاطمہ سے غضب میں آتا ہے اور فاطمہ کی خوشنودی سے خوشنود ہوتا ہے اور سورہ احزاب میں خود خدا فرماتا ہے۔

عجولک ایذا دیتے ہیں بادویں گے اللہ اور اسکے رسول کو نفرت کرتا ہو اللہ اونپر دنیا اور آخرت میں اور عیا کیا ہے واسطے

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا عَظِيمًا ۝

اُن کے عذاب ہو لٹاک ۛ

خلافت ان ارشاد خدا اور رسول کے کہتے سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر جناب سیدہ فاطمہ بھی ہو جائیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں حضرت ابوبکر نے تو نہیں سمجھا تھا جیسا کہ حضرت فاطمہ نے اُنکا سمجھا تھا کہ لیا ہو اگر حضرت ابوبکر ایسا سمجھتے تو حضرت فاطمہ کے دروازہ پر

وہو پ میں بغرض حصول انکی رضامندی کے کیوں کھڑے رہتے۔ اور حب بخاری کی روایت سے ناراضگی اور غضب میں آکا جناب عیدہ کا مرتے دم تک صریح ثابت ہو تو اسکے فرض کرینکی ضرورت نہیں ہو اور جناب عیدہ کو حضرت ابو بکرؓ نے بیان راضی نہیں کیا تو قیامت کے دن وہ کیسے راضی ہو سکتی ہیں قیامت روز جزا اور سزا کا ہو اور مقدمہ فک میں قیامت کے دن کے متعلق جناب عیدہ حضرت ابو بکرؓ کو مخاطب کر کے یہ فرما گئی ہیں جس میں آیات قرآنی سے اقتباس ہو یہ اسی کردہ مسلمین آیا سلب کجاؤں میں اپنے ارث سے۔ تعجب ہے کہ ابوبکرؓ تو اپنے باپ کا وارث ہو اور میں اپنے باپ کی وارث ہوں البتہ تم لوگوں نے ایک امر قبیح ظاہر کیا ہو پس اس ابوبکرؓ کو اس ناقہ فک کو اسی حال پر کہ وہ بالان سے آراستہ اور رن دھار سو بندھا ہوا ہو اپنے پاس رہنے دے روز حشر تک کہ اس روز ناقہ فک تیری خاصیت کیو اسے تیرے روبرو آوے اور اس روز کہ ہم تجھ کو غامت میں ملاقات کریں۔ اس وقت خوب تر حکم خدا ہمارے اور تیرے درمیان ہو گا۔ اور کفیل ہمارے امر کے محض مطلق ہوں گے اور وعدہ گاہ ہماری اور تیری قیامت ہے اور ہر وقت قیامت وہ امر ظاہر ہو گا جس کا وعدہ کیے گئے ہیں۔ اور ہر چیز کے کیے چاہئے قرار ہی اور جان جاوے گا کہ تم لوگ اسکو جن جن پر عذاب خدا نازل ہو گا کہ اسکو ذلیل و خوار کر دیگا اور اس پر عذاب سیدہ گش جائیگا۔

یہ سچ ہو جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں کہ عرب کی سلطنت تمام چار بھیجا اللہ کا دین پھیلانے اور کلمہ توحید کے قائم کرینکے لیے قائم ہوئی تھی۔ لیکن مصنف مخاطب کو اسی جگہ پر غور کرنا چاہیو اور بتانا چاہیو کہ یہ سلطنت جو قائم ہوئی تھی اسکے قائم کرنے میں صرف کہاں سے نکلا اور کس نے کہا تھا؟ پیغمبر کے ہاتھ میں حیوت کہ انھوں نے اس سلطنت کے قائم کرنے میں صرف کیا فک نہیں تھا پس حضرت ابو بکرؓ کو بھی چاہیے تھا کہ وہ بغیر ضبط کرنے اس فک سے بچتا تھا۔ یہاں عیدہ کے مشہور خطبہ کا جو حکو علماء اہل سنت نے منقول اور مذکور کیا جو۔



سلطنت پر جو کچھ مصارف عاید ہوتے وہ صرف اپنے مال سے کرتے یا دوسرا بند و بست کرتا جیسا کہ پیغمبر نے کیا تھا۔

مصنف مخاطب اسی عرب کی سلطنت کے لیے یہ کہتے ہیں کہ یہ اس کے کام حضرت ابوبکرؓ نے اسی مختصر خزانہ سے چلانا شروع کیے۔ ازواج مطہرات کا خراج بنی ہاشم کا وظیفہ اور تمام ضروریات خلافت اور رہات سلطنت کا سامان اسی میں سے تھا۔ اگر یہ جانکر ادخواب شیدہ کو حواسے کرو سجاتی تو اس وقت ضروریات سلطنت پورا کرنے کی کوئی سہیل نہ تھی۔ البتہ اس وقت کے بعد رفتہ رفتہ یہ سلطنت اللہ کے فضل سے ایسی غالب ہو گئی کہ تمام جان اس نے سخر کر لیا اور یہیں سے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی رائے نہایت صائب تھی اور بیشک سب سے مقدم اسی سلطنت کی ضروریات تھیں جس کا نتیجہ ایسا عمدہ ظاہر ہونے والا تھا۔

یہ امر تسلیم نہیں ہو سکتا کہ عرب کی سلطنت کے کام حضرت ابوبکرؓ نے اسی مختصر خزانہ سے چلانا شروع کیے اور ازواج مطہرات کا خراج بنی ہاشم کا وظیفہ اور تمام ضروریات خلافت اور رہات سلطنت کا سامان اسی میں سے تھا۔

کسی روایت یا واقعہ تاریخی سے یہ امر قابل اطمینان ہے کہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت ابوبکرؓ اسی مختصر خزانہ سے وہ مصارف جس کا مصنف مخاطب نے شمار کیا ہے صرف کرتے تھے بلکہ محمدؐ حضرت ابوبکرؓ میں ازواج مطہرات کے خراج اور بنی ہاشم کے وظیفے کے تقرر کا وجود ہی نہیں ہوا۔ اور نہ ضروریات خلافت اور رہات سلطنت ایسی انکو پیش آئیں کہ جن میں ضرورت کسی مضارن کی ہوتی جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کو جو کچھ ضرورت قتل اور جنگ کی پیش آئی ہو وہ اندرون سلطنت عرب کے تھی کہ جو بعد پیغمبرؐ میں قائم ہوئی تھی۔ انکو بیرون سلطنت ترسیع سلطنت کے لیے باجماعت سلطنت کے سامان کے لیے کوئی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ اور اندرون سلطنت کے انتظام کے لیے جو ضرورت پیش آئی وہ قابل کسی صرف کے نہیں تھی۔ مسلمانوں کو اس ضرورت میں جنگ کرنا پڑا تھا تو انھوں نے بغیر کسی معاوضہ کی جنگ

کی تھی جیسے کہ عہد پیغمبر میں ہوتا تھا۔ ورنہ ہلکو کوئی تباہی کہ حضرت ابو بکرؓ نے کس وقت اور کس ضرورت کے لیے سلطنت کے کام میں آمدنی فذک سے کقدر صرف کیا۔ نہایت قابل انوس کے یہ امر بھی ہو کہ مصنف مخاطب نے جو اخراجات بیان کیے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے اسی خزانہ سے چلائے اُس میں بالتخصیص حضرت فاطمہؓ اعلیٰ مرتبہ رضی اللہ عنہا یا حسینؓ کا نام نہیں ہو جیسا کہ ازواج اور بنی ہاشم کی تخصیص ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ علیؓ رضی اللہ عنہ اور فاطمہؓ اور حسینؓ شامل بنی ہاشم کے تھے تو ایسا کتنا ٹھیک نہیں ہو سکے گا خود پیغمبر بنی ہاشم میں سے ان کی تخصیص کر گئے تھے اور ابو کاخورد و نوش و دیگر مصارف شامل کسی دوسرے بنی ہاشم کے نہیں تھے کسی سند سے یہ دکھانا چاہیے تھا کہ حضرت فاطمہؓ اور علیؓ رضی اللہ عنہ کو بھی کچھ خرچ کے لیے کیس وقت دیا گیا۔

حضرت ابو بکرؓ نے اسی مختصر خزانہ سے سلطنت عرب کے کام چلائی شروع کیے یا نہیں؟ امر بحث طلب نہیں ہو۔ بحث طلب امر یہ ہو کہ حضرت ابو بکرؓ نے فذک قبضہ فاطمہؓ سے جو نکال کر اپنے قبضہ میں کر لیا یہ فعل حضرت ابو بکرؓ کا جائز تھا یا نہیں؟ اور اس کا جواز اور غیر جواز اس امر پر موقوف ہو کہ فذک حق ذاتی پیغمبر اور حضرت فاطمہؓ کا تھا یا نہیں؟ ہم کیا بذریعہ منقول اور کیا بذریعہ معقول اچھی طرح سے اس امر کو دکھانے کے ہیں کہ فذک حق ذاتی پیغمبر اور حضرت فاطمہؓ کا تھا اور حیثیت حق ذاتی کے اُن کے قبضہ میں رہا۔ اور جب فذک حق ذاتی حضرت فاطمہؓ کا تھا تو حضرت ابو بکرؓ کو کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اُس کو اپنے قبضہ میں کرتے تو مصارف سلطنت یا دیگر سلوک اُس کی آمدنی سے کیے ہوں۔ بعینہ اس کی ایسی ہی مثال ہو کہ کوئی شخص ناحق کسی کے مال و دولت پر قبضہ کر کے اور اُس کو مصارف خیر میں صرف کرے تو بموجب شریعت اور اصول اخلاقی کئے ایسے شخص کا عمل قطعاً ناجائز ہوگا اور ایسے مخالف شرع اور اصول اخلاقی کے عامل کو عورت غلام میں جو کچھ لٹا چاہیے یا کھا جائے گا وہ میرا محتاج بیان نہیں ہو۔ اگر حضرت ابو بکرؓ

جائز مال سے سلطنت عرب کے کام چلانے میں البتہ انکا ایسا عمل قابلِ مع کے ہوتا اور یہ امر بالکل غلط ہے کہ یہ اگر یہ جائداد خواب ٹیڈہ کو حوالہ کر دیجاتی تو اسوقت ضروریات سلطنت پورا کرنے کی کوئی سبیل نہ تھی نہ اس کے اسلئے کہ سلطنت کے مصارف کے لیے آمدنی ان اسکی عمر پیچیدہ بن قائم ہو چکی تھیں۔ اور بعد وفات پیغمبرین کا مال کثیر آیا اور حضرت ابو بکرؓ نے اسکو مضبوط کرکھا اہم ابھی تفصیل سے دوسری سبیل جائزہ ضروریات سلطنت کے پورا کرنے کی بھی بتا چکے ہیں اور پیغمبر کی مثال دیکھ چکے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کو تو سلطنت قائم شدہ ملی تھی مگر حقوق کے پیغمبر نے اجرا دین اور قیام سلطنت کا ارادہ کیا تھا اسوقت وہ درویش تھے اور انکو زیادہ مصارف کی ضرورت تھی تو پیغمبر نے کہا ان سے اور کیونکر ان معیار کو پورا کیا۔ اگر حضرت ابو بکرؓ سچے نائب رسولؐ اور خلیفہ برحق ہوتے تو وہ حق فاطمہ کو نا واجب ضبط کر کے کوئی سبیل جائزہ مصارف ضروریات خلافت کے لیے نکالتے۔ لیکن یہ امر علی مرتضیٰ سے ہی ہو سکتا تھا کہ وہ مذکور قبضہ فاطمہ زہراؓ میں سماں رکھ کر دوسری سبیل جائزہ سے مصارف سلطنت کی ضرورتوں کو از ردی عدل کے پورا کر سکتے کہ وہ ابتدائے عمر سے پیغمبرؐ کے کاموں میں رازدار اور ان کے ساتھ اور انکی طرف سے کام کرنے میں تعلیم پیغمبری کے بموجب تجربہ حاصل کر چکے تھے۔

پیغمبرؐ نے نسبت امر سلطنت کے جو کچھ کیا اور جو کچھ انکی مرضی تھی جب کسی امر پر کسی حیثیت سے بحث ہوتی ہو تو نتیجہ اسکا ہی پیدا ہوتا ہو کہ یہ پیغمبرؐ کے خلیفہ علی مرتضیٰ کا رہنا چاہیے تھا اور حضرت ابو بکرؓ کے عمل خلیفہ ہوئے۔

حضرت ابو بکرؓ کے اسی مختصر خزانہ سے کہ سلطنت چلانے کے بعد مصنف مخاطب جو یہ کہتے ہیں کہ ہر فتنہ رفتہ رفتہ سلطنت اللہ کے فضل سے ایسی غالب ہو گئی کہ تمام جان اس نے مسخر کر لیا اور بنین سے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابو بکرؓ کی رائے نہایت صائب تھی کہ مسیحا ایسا کہنا مصنف مخاطب کا قابل قبول کے نہیں ہو سکتا۔

سلطنت عرب نے تمام جہان کو اس وقت تک بھی سخر نہیں کیا اور نہ خلفائے ثلاثہ اور  
نبی امیہ و بنی عباس کے زمانہ میں نہ کسی اور مسلمان بادشاہ کے زمانے میں تمام جہان  
سخر ہوا۔ تاریخی واقعات سے اس وقت تک کی جو کوئی حالت دیکھے گا وہ اس بیان کو کرے  
سلطنت عرب نے تمام جہان کو سخر کر لیا، مضحکہ کی نگاہ سے دیکھے گا۔

حضرت ابو بکرؓ نے عہد میں تو سلطنت عرب نے کچھ تسخیر نہیں کی البتہ حضرت عمرؓ کے  
عہد میں زیادہ اور حضرت عثمانؓ اور دیگر خلفائے بنی امیہ کے عہد میں کم کم فتوحات مسلمانوں کو  
ہوئے۔ لیکن چھ قدر فتوحات مسلمانوں کو ہوئے وہ اسی قوت مسلمانوں کی وجہ سے ہوئے  
جو عہد رسولؐ میں قائم ہو چکی تھی۔ اور سلطنت کے مصارف کے لئے اسکی آمدنیان معین  
ہو چکی تھیں اور وہ آمدنیان خلیفہ اور مسلمانوں کے ہاتھ میں آتی تھیں۔

مخرو ذک کی آمدنی انہو سلطنت میں صرف ہونے سے وہ فتوحات نہیں ہوتے  
ہیں اگر بموجب مرضی خدا اور رسولؐ کے بعد پیغمبر خلیفہ قبول کیا جاتا اور نصب خلیفہ کی  
پابندی تمام مسلمانوں میں اثبات اور ضبط جہل واقع نہ ہوتا کہ جس کے سبب سے تمام جہان  
سلطنت میں آتا۔ ان تمام قوموں کی اور ایک حد پر محدود ہو گئی۔ اور خلاف شرع  
پابند ہوتے۔ یہ وہی ہے جو اس مذہب پر غیہ مسلمانوں کے ہاتھ سے تباہ ہو گئی۔ ایسی حالت  
میں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ضبطی مذہب نبوت حضرت ابو بکرؓ کی رائے کے صاحب ہونیکا ہو  
بلکہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت قبول کرنے اور مذہب ضبط کرنے اور بادشاہت علی مرتضیٰ  
قرابتدار رسولؐ سے اور مذہب فاطمہؓ سے نکالنے نے نقصان پہونچا یا کہ شیوع مذہب  
اسلام اور اسکی فتوحات ملکی کو تمام جہان پر ہونے سے روکا۔ اور خلاف مرضی خدا اور  
رسولؐ اور مخالف شریعت جو امر کوئی قرار دے یا کوئی امر کسی سے ظہور میں آدے  
یا اسکے ذریعہ سے چند روزہ کیتقدرائد ہوا سکورائے صاحب نہیں کہا جاتا۔ ایسے  
سو دکا مال نیان ہو۔ اور نہ ایسے امور کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کا فضل نہیں

شامل ہو۔

جب لوگ موافق مرضی اور ہدایت خدا و رسول کے عمل کریں اور اُسکے ذریعہ سے یہودی اور ترقی حاصل ہو اسیٰ خدا کے فضل کا شامل ہونا کہا جاسکتا ہے۔

بے شک سب سے مقدم اسی سلطنت کی ضروریات تھیں لیکن اُن ضروریات کا رفع ہونا اسی پر موقوف نہیں ہو سکتا ہے کہ خلاف مرضی خدا و رسول کے بے محل خلیفہ مقرر کر لیا جائے اور ناحق کسی کا مال ضبط کر کے سلطنت کے کاموں میں صرف کیا جائے اور اُس سے عمدہ نتیجہ چند روزہ جو دوسری وجہ سے ظاہر ہوا ہو غلطی سے سمجھ لیا جائے جس کے باعث سے آخر کار نقصان اور خراب نتیجہ پیدا ہو۔

مصنف مخاطب الزام معاملہ فدک کے حضرت ابوبکر کو بری کرنے کے لیے یہ طنز بھی کرتے ہیں کہ ۷۰ ابوبکر کو یہ مقابلہ ایسے نازک وقت میں پیش آیا تھا جب عرب کی سلطنت کے پاس اس جائداد کے سوا اور کوئی خزانہ اور سرمایہ نہ تھا۔ مگر علی مرتضیٰ نے اسوقت بھی یہی معاملہ کیا جب یہ سلطنت عظیم الشان سلطنت ہو چکی تھی اور خراب امی کے مقرر کیے ہوئے عامل زیادہ اور ابن جابر و دو غیر دونوں ہاتھوں سے بیت المال کو لوٹا رہے تھے۔ یہ امر تسلیم نہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو یہ معاملہ ایسے نازک وقت میں پیش آیا تھا جب عرب کی سلطنت کے پاس اس جائداد کے سوا اور کوئی خزانہ اور سرمایہ تھا۔ سلطنت کے مصارف کے لیے آمدنیان مقرر ہو چکی تھیں اور بعد وفات پیغمبر مہاجرین کا مال اس قدر کثیر آیا تھا کہ جس کو اگر حضرت ابوبکر محفوظ رکھتے تو خزانہ سلطنت عرب کا بالباب ہو جاتا لیکن اُنھوں نے اُس مال کثیر کو لوگوں کی داد و ہش میں بیدار بیچ بیچ کر دیا کہ لوگ اُنکے خلیفہ ہونے سے خوش ہو جائیں۔

حضرت ابوبکر نے فضیلت فدک کا معاملہ اسوقت کیا ہے کہ جب سلطنت عرب کی قائم ہو چکی تھی اور نصب خلیفہ پر ابھی کوئی جنگ و جدل نہیں تھا اُسکی آمدنی اگر مجرم و احتیاط سے

صرف کچا بتی تو اس کے اداسے مصارع کے لیے کافی بھی تھی۔ لیکن علی مرتضیٰ کے ہاتھ میں یہ بت کہ وہ سلطنت آئی بالکل درہم برہم تھی اور باغیوں کے انتظام کی طرف توجہ نہ لگوا رہا تھا نہ لینے دی کہ دیگر انتظام اندرونی سلطنت کو وہ بموجب حکم خدا اور رسول کے کر سکتے اور جب علی مرتضیٰ نے دعویٰ یہہ اور ارث فاطمہ زہرا کی تصدیق اور تائید کی جو جس سے یہ ظاہر ہو کہ خلاف مرضی علی مرتضیٰ کے ضلعی ذک کی واقع ہوئی انکی نسبت پر کسی طرح گمان نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے حکم ضلعی کو صحیح اور جائز جان کر اپنے زمانہ خلافت میں قائم رکھا بلکہ انکے ایک خطبہ سے جہین انھوں نے خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں جو کچھ بدعنوانیاں ہوئی ہیں ادیکھا شمار کیا ہے اور اس میں داپسی ذک کی طرف بھی اشارہ ہے اور جس پر پہلے بھی بحث ہو چکی تھی۔

علی مرتضیٰ جو رد ذک کا حکم نہ مل سکے اسکی وجہ وہی ہو سکتی ہو جو انھوں نے اس خطبہ میں فرمائی ہو اور جس کا نتیجہ یہی ہو کہ اندرون سلطنت کے انتظام کے ختم ہونیکا وقت نہیں آ سکا تھا۔

زیاد اور ابن جابر و علی مرتضیٰ کے مقرر کیے ہوئے عامل نہیں تھے بلکہ پہلے سر ذخیل سلطنت چلے آتے تھے۔ زیاد اور ابن جابر و دو کے بعد جو مصنف مخاطب نے وغیرہ کا لفظ لکھا ہو اس سے مراد انکی غالباً عبداللہ ابن عباس سے ہو۔ لیکن زیاد اور ابن جابر و اور عبداللہ ابن عباس کی نسبت یہ کہنا کہ وہ دونوں انھوں سے بہت المال کو لوٹ رہے تھے بالکل غلط ہو زیاد اور ابن جابر و دو کی نسبت جس وقت پہلی مرتضیٰ کی مخالفت کی یا جادہ راستی سے انحراف کی اور عبداللہ ابن عباس کی نسبت غلط فہمی کی اطلاع ہوئی ہو تو زانیہ مرتضیٰ نے اس کا تدارک فرمایا ہو۔ ردیکو جلد ۵ سالہ روشنی صفحہ ۳۳۵

تاریخ ۲۴۲

جلد اول کا پہلا صفحہ ۱۱۱۔ جلد دوم صفحہ ۱۱۱۔ پہلا خطبہ شریف

مصنف مخاطب حضرت ابو بکرؓ کے لئے یہ بھی کہتے ہیں کہ :  
 حضرت ابو بکرؓ نے تمام صحابہ کے سامنے یہ تصفیہ کیا اور کسی نے ناپسند نہیں کیا : تمام صحابہ  
 تو نہیں مگر جو صحابہ اور جن لوگوں نے کہ حضرت ابو بکرؓ کے نام پر اس وقت بیعت کی تھی اور  
 ان کو اپنی طرف سے خلیفہ بنایا تھا ان کی نسبت بھی یہ کہنا تو بہت مشکل ہو کہ : انھوں نے  
 : فاطمہؓ کے دعویٰ کے خلاف حضرت ابو بکرؓ کے تصفیہ کو دل سے پسند کیا : البتہ حضرت  
 ابو بکرؓ کے فیصلہ پر وہ لوگ ساکت ہو رہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آج تو انھوں نے  
 انکو خلیفہ بنایا اور کل اُنکے فیصلہ پر ناپسندیدگی اور ناخوشی کا اظہار کر کے اپنی حماقت کو  
 ظاہر کر دیا۔

جب وقت کہ حضرت فاطمہؓ کو گذشت کا فرمان حضرت ابو بکرؓ نے لکھ دیا تھا جس کو  
 حضرت عسکریؓ لیکر چاک کر ڈالا دیگر صحابہ نے اس وقت بھی کچھ نہیں کہا اور جب وقت کہ دعویٰ  
 اس پر حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ سے کوئی حدیث بغیر مخالفت دعویٰ شدہ دریافت کی تو اس وقت  
 بھی کسی نے کچھ نہیں کہا اور جب حضرت ابو بکرؓ نے خود ہی ایک حدیث بغیر کسی سنا دی تو ابھی  
 وہ اٹھامٹھ گتے رہ گئے جب انھوں نے حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ بنایا تھا تو سوائے اس کے کچھ  
 اور کرتا بھی نہیں جاسیے تھا کہ جو کچھ خلیفہ کرتے اسکو کرنے دیں۔

یہ بھی ظاہر ہو کہ جن لوگوں نے کہ حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ بنایا تھا یا اسکا خلیفہ ہونا قبول  
 کیا تھا ان کی اپنے فائدہ پر کہ جسکی خلیفہ سے توفع رکھتے تھے زیادہ نظر تھی۔ دوسرے جو اہل  
 صلہ و رحمہ کی خوشنودی کی انکو کچھ پروا نہیں تھی۔

اسکے بعد مصنف مخاطب اُس قصہ کا ذکر کرتے ہیں کہ جو اہل سنت کی ہاں ایک دہائی  
 میں مذکور ہوا جو حسین علی مرتضیٰ اور حضرت عباس حضرت عمرؓ کے سامنے دعویٰ کرتے  
 ہوئے آئے ہیں اور حضرت عسکریؓ حضرت ابو بکرؓ اور اپنی نسبت اُن سے یہ کہا جو کہ تم  
 دونوں نے ہم دونوں کو کاذب۔ آثم۔ غادر اور خائن جانا اور غیبہ اُن دونوں کی

نسبت علی مرتضیٰ کا ایسا جاننا حضرت عمرؓ کی تہذیب سے محبت کرتے ہیں۔ مصنف مخاطب کی روایت کے مضمون کو اپنی طبع سے اس موقع پر بنانا چاہتے ہیں کہ الزام کا ذب۔ انتم غادر اور فائین ہونے کا حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے رفع ہو جاوے۔ لیکن اس حجت الزامی کے مقابلہ میں وہ الزام کو رفع نہیں کر سکے۔

جناب امیر اور عباس نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو بصورت دیگر دعویٰ پیش کیا تھا جیسا مصنف مخاطب کا بیان ہو مصنف مخاطب خود تفصیل اُس دعویٰ کی نسبت یہ قبول کرتے ہیں کہ یہ منقول نہیں ہے۔ قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدعویٰ میراث حق تولیت چاہتے تھے۔ یعنی یہ کہتے تھے کہ جب یہ جائداد وقت رسولؐ ہو تو اس کے متولی اور متصرف بقدر اپنے اپنے حصہ ارث کے وارثان رسولؐ ہونے چاہیں اسکے جواب میں عمرؓ نے اول تو قبضہ دینے میں عذر کیا جب انھوں نے دوبارہ اکر اصرار کیا تو عمرؓ نے رسولؐ کے ساتھ باغ جو مدینہ میں صدقہ رسولؐ کھلانے تھے حوالے کر دیئے چنانچہ عباس اور علیؓ نے اُن باغوں پر قبضہ کر لیا مگر نتیجہ یہ ہوا کہ باہم جھگڑا پڑا۔

لیکن جس روایت سے کاذب، انتم غادر اور فائین کہ ہوا حضرت شعیبؓ کا بموجب علم عباسؓ اور حضرت علیؓ کے حضرت عمرؓ نے قبول کیا ہی اُس روایت میں کوئی مضمون ایسا نہیں ہے جس سے وہ قرائن جو مصنف مخاطب نے ظاہر کیے ہیں پیدا ہو سکیں نہ کسی اور روایتوں سے مصنف مخاطب نے ایسے قرائن کا کھانا ظاہر کیا ہے۔ اور عجیب ترین یہ ہے جو مصنف مخاطب ظاہر کرتے ہیں کہ بدعویٰ میراث حق تولیت چاہتے تھے یعنی یہ کہتے تھے کہ جب یہ جائداد وقت رسولؐ ہے تو اس کے متولی اور متصرف بقدر اپنے اپنے حصہ ارث کے وارثان رسولؐ ہونے چاہیں۔

مصنف مخاطب نے یہ خیال نہ کیا کہ جب یہ جائداد وقت فی سبیل اللہ ہو تو اس میں



دعویٰ حق تولیت اور وہی تولیت بھی بذریعہ ارث کے کیا معنی رکھتا ہو؟ اور حضرت عیسیٰ  
سات باغ رسول کے جو مدینہ مین صدقہ رسول کھاتے تھے حوالہ حضرت عباس اور حضرت  
علی کے کر دے جیسا کہ مصنف مخاطب ظاہر کرتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے کس نابردہ  
صدقات رسولؐ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے حوالہ کر دے تھے اور حق تولیت  
میں ارث کیسے جاری کر دیا تھا؟ اصل امر وہی ہو جیسے شیعوں کے بیان میں داہد ہوا ہو  
جس پر پہلے بحث ہو چکی ہو کہ یہ سات قطعہ باغات مدینہ بھی ملکیت خالص پیغمبر کے تھے  
اور پیغمبر نے اپنی دختر حضرت فاطمہؓ پر وقف کر دیے تھے جس سے شریعت محمدیؐ میں وقف لاوا لاوکا  
مسئلہ نکلا ہو اور یہ قطعات مدینہ خباب سیدہ کے قبضہ میں بدستور چھوڑ گئے ہیں اور ضبط  
نہیں کیے گئے۔ یہ بیان اور قرینہ مصنف مخاطب کا بالکل غلط ہے کہ حضرت عمرؓ نے عباس  
اور علیؓ کو ان سات قطعوں کے اول دینے میں غدر کیا اور بھردیا۔ اور پھر باہم  
ان دونوں کے جھگڑا ہوا۔ بلکہ یہ قطعات بدستور قبضہ فاطمہؓ زہراؓ میں اور ان کے بعد ان کے  
ورثا کے قبضہ میں چلے آئے ہیں۔ اس حالت میں ایسے فرائض کے لیے مصنف  
مخاطب جو راوی بنتے ہیں انکا بیان کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہو اور جب فرائض منظرہ لنگہ  
تسلیم نہیں ہو سکتے تو مضمون کا ذب آثم غادر اور خائن کی تعبیر جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں  
کیسے اہل نظر منظور کر سکتے ہیں۔

روایت زیر بحث سے یہ امر ضرور پایا جاتا ہے جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں  
کہ ”ایک مرتبہ دونوں لڑتے ہوئے عمر کی مجلس میں آئے۔ اور عباس نے  
عمر سے مخاطب ہو کر یوں کہا کہ اے امیر المومنین میرا اور اس کا ذب آثم  
غادر اور خائن کا فیصلہ کر ا دیجیے“ یہ کلمات جو حضرت عباس کے علی مرتضیٰؑ کی نسبت  
روایت میں درج ہیں اول کلمات کی نسبت مصنف مخاطب یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ  
کہ ”یہ کلمات عباس کی زبان سے نہایت جوش غضب میں علی کی نسبت

نکدہ۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان جس پر بے حد خفا ہوتا ہے اسکی نسبت سخت عیب لگا دالے کلمہ اسکی زبان سے نکلتا ہے مین مگر معنی حقیقی اُسکے ہرگز مراد نہیں ہوتے بلکہ جوش غضب کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے جناب سیدہ کے کلمات پوجین ارج۔ اسی طرح بمقتضائے بشریت عباس کی زبان سے جو یہ کلمے حضرت علیؑ کی نسبت نکلے مین بھی ہرگز عباس کا یہ مقصود نہ تھا کہ علیؑ مین درحقیقت یہ عیب موجود ہیں بلکہ جوش غضب مین یہ الفاظ زبان سے نکل گئے۔

یہ اسے مصنف مخاطب نے جو ظاہر کی ہے اُسکے ظاہر کرنے کے وقت انھوں نے انسانوں کے اقسام پر نظر نہیں کی۔ جو لوگ کہ تعلیم اور تربیت یا عورتوں مین اور اُسکے اخلاق درست اور مکمل صدق و صفا کا ہوتا ہے اُنکو اگر کسی شخص کے فعل یا عیب پر کوئی بغیض و غضب ہوتا ہے تو اُسکے عندیہ مین وہ عیب اُس عیب کا ضرور محقق ہوتا ہے اور اُسی محقق کی وجہ سے اُسکو جوش غضب کا ہوتا ہے اور بقدر تحقق عیب کے جوش غضب مین بھی ویسے ہی الفاظ زبان پر آتے مین کہ جو اُسکے حقیقی عیب کو ظاہر کرنے والے ہوں ایسے لوگوں سے غیر ممکن ہے کہ جس کسی پر بے حد خفا ہوں اسکی نسبت سخت عیب لگانے والے کلمے اُسکی زبان سے نکل جائیں اور معنی حقیقی ہرگز مراد اُسکے نہ ہوں۔ اُنکی خفگی اور غصہ محض حق ہوتا ہے اور اُس خفگی اور غصہ مین امر حق سے تجاوز نہیں کرتے مین اُنکا بغیض و غضب ہی ناحق نہیں ہوتا ہے مگر مصنف مخاطب کے نزدیک کل انسان ایک ہی قسم کے سلوم ہوتے مین جن مین کسی قسم کا تفرقہ نہیں ہوتا اور حضرت عباس کو مصنف مخاطب ایسا ہی قرار دیتے مین کہ جن لوگوں کے دل مین کچھ ہو اور زبان پر کچھ ہو۔

مصنف مخاطب جناب سیدہ کے کلمات ”پوجین ارج“ کی مثال اس موقع پر دیتے مین جن پر پہلے ایک سے زیادہ موقوفوں پر بحث ہو چکی ہے وہ مثال

اس موقع پر صادق بنین اسکتی جناب سیدہ نے جو کلمات علیؑ مرتضیٰ سے خطاب میں کہے ہیں وہ کلمات مستلزم کسی عیب کے نہیں ہیں اور نہ خلاف شرع اور تہذیب کے ہیں اور نہ خلاف واقعہ ہیں۔ بلکہ عن کلمات سے جناب سیدہ نے خطاب کیا ہے اُس سے اصلی مقصود جناب سیدہ کا علیؑ مرتضیٰ کو جوش دلانا تھا کہ جناب سیدہ کے طلب حق میں وہ جتنا اقوال پر حملہ کریں۔ اور معاملہ حل نہ کرنے کا نہایت غور طلب تھا جیسا کہ خود علیؑ مرتضیٰ کے خطبہ شہ شقیہ میں فرمایا ہے کہ ”میں سوچتا رہا کہ دست برد سے حملہ کروں یا اندھوں کی اندھا دھند پر جھرسا کروں“۔

روایت زیر بحث میں جو کلمات حضرت عباسؑ کی زبان حضرت علیؑ کی نسبت مندرج ہیں اُس کے معنی ہرگز یہ نہیں ہو سکتے کہ عباسؑ کا مقصد تھا کہ علیؑ میں درحقیقت یہ عیب موجود ہے اور جوش غضب میں خلاف مقصود یہ الفاظ ان کی زبان سے نکل گئے۔“

ان کلمات عباسؑ کے متعلق مقابلہ رائے مصنف مخاطب کے جو میں نے بحث کی اُس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ میں اس بات کا قائل ہوں کہ حضرت عباسؑ کے جو کلمے روایت زیر بحث میں منقول ہوئے ہیں وہ درحقیقت حضرت عباسؑ کی زبان سے نکلے تھے۔ نہیں۔ بلکہ یہ روایت جہنمیں وہ کلمات درج ہیں محض اہل سنت کے بیان کی ہو۔ اور شیعوں کے بیان نہ کسی ایسی صورت کے دعوے کی جیسا کہ مصنف مخاطب بیان کرتے ہیں خبر ہے اور نہ شیعوں کے نزدیک حضرت عباسؑ علیؑ مرتضیٰ کی نسبت ایسے کلمے زبان پر لا سکتے تھے۔

شیعوں کے یہاں کی روایت سے صرف اس قدر ظاہر ہوتا ہے کہ **ابن سفل** رسولِ عباسی نے اُن (سات اٹھواں) کے بابت فاطمہ سے جھگڑا کیا پس علیؑ و زینہؑ نے گواہی دی کہ فاطمہ پر قفس ہیں۔ لیکن سالہ حسینیہ میں جو گفتگو سے کبیر حسینیہ اور ابراہیم عالم اہلِ اہلسنت میں سرور بار بار دونوں رشید ہوئی تھی ادا وہ فہم کی گئی ہے اور میں لکھتا ہوں کہ ابراہیم نے حسینیہ سے سوال کیا عباس اور علیؑ جو جھگڑتے ہوئے خلیفہ کے سامنے گئے تھے اُن میں کون حق پر تھا۔ حسینیہ نے یہ جواب دیا کہ اُن دونوں کی مثال ایسی تھی کہ جیسے دو فرشتے حضرت داؤدؑ پر لازم دینے کے لیے حضرت داؤدؑ کے سامنے جھگڑتے ہوئے گئے تھے شیعوں کے یہاں ایسے کلمات حضرت عباسؑ کے حضرت علیؑ کی نسبت کہیں منقول نہیں ہیں۔ ایسے کلمات اہلسنت نے نہایت ہی حضرت عباسؑ کے علیؑ پر قفس کی نسبت وضع کر لیے ہیں تاکہ لوگوں کی نگاہوں میں حضرت علیؑ اور عباسؑ اور شیخین مساوی حالت میں ہو جائیں۔ اور علیؑ اور عباسؑ شیخین کو جیسا جانتے تھے جس کی تصدیق حضرت عمرؓ نے اس روایت میں کی ہے، ویسا ہی لوگ یہ جانتے ہیں کہ علیؑ کو عباسؑ جیسا ہی جانتے تھے۔

اسکے بعد مصنف مخاطب یہ ظاہر کرتے ہیں کہ **عمرؓ** نے اس کے جواب میں اوّل تو حدیث یاد دلائی کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ہمارے مال میں میراث نہیں ہوگی اور جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ اس حدیث کی اُن دو تہوں نے اور تمام اہلِ مجلس نے تصدیق کی۔ پھر اس جائداد کو جس طرح رسولِ صلعم خرچ کیا کرتے تھے اس کا ذکر کیا۔ سب سے انکی بھی تصدیق کی۔

یہ امور اگرچہ روایت زیر بحث میں درج ہیں لیکن قبول کرنا یا تصدیق کرنا صحت بیان حضرت عمرؓ کو حاضرین مجلس اور علیؑ و عباسؑ کا اگر اس وقت

سے سمجھا جائے تو اس روایت کے وضعی ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہتا کہ اس مضمون کے خلاف خود معتد روایات اہلسنت سے عہد ابوبکرؓ میں ظاہر ہے۔ تاہم الخلفاء علامہ سیوطی اور صواعق مخرقہ علامہ ابن حجر عسقلانی میں موجود ہے کہ "اشتمل کیا لوگوں نے بیچ میراث پیغمبرؐ کے۔ پس نپایا کسیکے پاس اس سے کچھ عہد۔ پس کہا ابوبکرؓ نے میں نے سنا ہے رسول اللہؐ کو وہ فرماتے تھے کہ ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہوں اور جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہی ہے۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے تلاش منع ارث پیغمبرؐ کی فرمائی جبکہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے دعویٰ حضرت فاطمہؓ کا پیش ہوا تھا اور اس وقت کسیکے پاس منع ارث پیغمبرؐ کا علم نہیں نکلا تو عہد حضرت عمرؓ میں اس کے جاننے والے اور تملیق کہنے والے کہا ان سے پیدا ہو گئے۔ اور علیؓ اور فاطمہؓ خلاف اس حدیث کے ہو حضرت ابوبکرؓ نے اس کی براہ کلمہ واحد رکھتے چلے آئے ہیں۔

ایسی حالتیں کیسے سمجھا جاسکتا ہے کہ علیؓ اور عباسؓ نے صحت بیان حضرت ابوبکرؓ کو قبول کیا ہو خصوصاً جب کہ اُلوقت بھی یہ دونوں حضرت عمرؓ کے سامنے دعویٰ ارث پیغمبرؐ کا کرنے گئے تھے جیسا کہ روایت زبیرؓ سے ظاہر ہوتا ہے جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ عباسؓ اور علیؓ جانتے تھے کہ پیغمبرؐ اپنی میراث سے منع کر گئے ہیں اور با وصف علم کے ناحق دعویٰ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کے سامنے گئے کہ ایسا وصف عباسؓ اور علیؓ کی نسبت قبول کرنا قابل شرم ہو۔ اور اسی قسم کے وجوہ سے شارحین صحیح مسلم اور علامہ اہلسنت قائل ہو گئے ہیں۔ کہ یہ روایت وضعی ہو چکی تفصیل تشیید المطاعن میں درج ہے۔ تاہم گویہ یہ روایت

۱۰ دیکھو صفحہ ۲۸۸ پہلا حصہ فقہیہ جلد اول

وضعی ہو جو حجت الزامی کہ شیعہ لگاتے ہیں اُس سے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ  
بری نہیں ہو سکتے کہ وہ روایت صحیح مسلم میں درج ہو اور اہلسنت پر  
قابل حجت ہو مگر شیعوں پر حجت نہیں ہو سکتی ہے اُن امور کے بابت کہ  
جو مخالف اعتقاد اور مقصد شیعوں کے ہو۔

ہاں اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمرؓ نے صرف یہ واقعہ عہد حضرت ابو بکرؓ  
کا بیان کیا تھا کہ جب فاطمہؓ نے دعوے ارث کا پیش کیا تھا تو حضرت ابو بکرؓ  
نے حدیث پیغمبرؐ ظاہر کی کہ یہ ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہو اور  
جو کچھ ہم چھوڑے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہو؟ اُس واقعے کی نسبت حاضرین اور  
عباس اور علیؓ کا قبول کر لینا سمجھا جاسکتا ہو جیسا کہ اس وقت بھی ہم اس بات  
کو قبول کر سکتے ہیں کہ ایسا واقعہ حضرت ابو بکرؓ کے سامنے پیش آیا تھا لیکن  
اس واقعے کے قبول کرنے سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ حضرت ابو بکرؓ نے  
جو حدیث پیغمبرؐ کی سنائی تھی وہ بھی صحیح تھی! جو کچھ کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت  
عمرؓ نے اپنے اپنے عہد میں فرمایا تھا وہ بھی ٹھیک تھا۔

پھر مصنف مخاطب اُس تقریر حضرت عمرؓ کو روایت زیر بحث سے  
لیتے ہیں کہ جس میں اُنکا بیان ہو کہ ”جب ابو بکرؓ نے میراث نہ دی تو تنے اُسے  
کا ذب۔ آثم۔ غادر۔ اور خائن۔ سمجھا اور پھر جگو بھی ایسا ہی سمجھا۔ پھر میں نے  
نمکو یہ باغ دیدیے اور تنے یہ عہد لے لیا کہ تم اُسکو سیطرہ خرچ کرو جیسو  
رسولؐ سچ کرتے تھے اگر تم اس عہد پر قائم نہیں تو واپس کر دو ایسے سوا  
میں کوئی اور فیصلہ نہیں کر سکتا۔“

لیکن جب حضرت عمرؓ نے یہ باغ عباسؓ اور علیؓ کو دیدیے تھے تو یہ کہنا  
حضرت عمرؓ کا کیسے ٹھیک سمجھا جاسکتا ہو کہ تنے جگو بھی کا ذب۔ آثم۔ غادر۔ اور

خان کے سمجھا۔

اس پر بھی مصنف مخاطب حضرت عمرؓ کی اس تقریر کو حکیمانہ ظاہر کر کے یہ کہتے ہیں کہ: ”وہ تقریر اوکی باہمی اصلاح کے لیے تھی اگرچہ کلمات و دشمنان فقط عباسؓ نے کہہ تھے مگر خطابؓ میں علیؓ کو بھی شامل کر لیا کہ عباسؓ کو یہ ناگوار نہ ہو کہ ملاست فقط ہمارے علیؓ کو نہ کی اور علیؓ کو یہ سمجھا دینا بھی قصود تھا کہ انہیں سے عباسؓ کے مزاج میں سختی ہو تمہارے مزاج میں بھی۔“ یہ جو کلمات عباسؓ نے علیؓ کو کہے تھے وہ عمرؓ نے ابو بکرؓ اور اپنے ادیب بھی الزام ٹانگ کر لینے تاکہ علیؓ کو کیسے تسکین ہو جائے۔ عباسؓ نے جو کلمات علیؓ کو کہے تھے حالانکہ علیؓ ان عیوب سے بالکل پاک تھے۔ اس سے عمرؓ نے یہ نتیجہ نکالا کہ جو شخص نمازی مرضی کے خلاف کارروائی کرے خواہ وہ کارروائی حق ہو مگر تم اسکو کاہل و آثم و غادر و خان و کھدیتے ہو۔ چنانچہ علیؓ نے کوئی ظلم اور خیانت نہیں کی مگر انکی کارروائی جو عباسؓ کی مرضی کے خلاف تھی اور انکو کاذب و آثم و خان و غیرہ کہہ دیا۔

تقریر حضرت عمرؓ کو حکیمانہ ایسے ہی حکیم کہہ سکتے ہیں کہ جو وہی رہنمائی اختیار کریں جو مصنف مخاطب نے اس تقریر کے معنی بیان کر نہیں اختیار کی ہے۔ حضرت عباسؓ کے جو دشمن کلمات روایت میں علیؓ مرتضیٰؓ کی نسبت درج ہیں اگر وہ کلمات حضرت عمرؓ کے نزدیک علیؓ مرتضیٰؓ کی نسبت صحیح نہیں تھے جیسا کہ مصنف مخاطب خود قبول کرتے ہیں کہ علیؓ اور عیوب سے بالکل پاک تھے یا تو کیا تقریر کا حکیمانہ پہلو یہی ہو سکتا ہے کہ عباسؓ کی نسبت کچھ نہ کہا جائے کہ تم کوئی عیب رکھتے ہو یا وصف رکھتے ہو اور علیؓ کو عباسؓ کے ساتھ ملاست کرنے میں شامل کر لیا جائے۔ اور مصنف مخاطب کے نزدیک عباسؓ ضرور ملاست

قابل حضرت عمرؓ کے نزدیک قرار پائے ہیں اور اس ملامت میں علیؓ کو بھی حضرت عمرؓ نے شامل کر لیا ہے لیکن مصنف مخاطب کے نزدیک مقصود حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کی نسبت تھا اسوجہ سے کہ انھوں نے علیؓ کی نسبت کلمات سخت ظاہر کئے تھے لیکن روایت کے مضمون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ اور علیؓ کو برابر ملامت کرنا صرف انکے دعویٰ اور باہم جھگڑے کی وجہ سے تھا سو کوئی شخص محض دعویٰ کرنے سے قابل ملامت کے ہوتا ہے اور نہ مدعا علیہ ہونے سے۔

حضرت عباسؓ اور علیؓ کو مصنف مخاطب نے اپنی تعبیر تقریر حضرت عمرؓ میں قابل ملامت کے سمجھا ہے لیکن حضرت عمرؓ میں علیؓ مرآتے کو قابل ملامت یا حضرت عباسؓ کے ساتھ ملامت میں شریک کرنے کی جرات کیسی کسی کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ قول پایا جاتا ہے۔ لولا علیؓ لملک عمرؓ جسکو بارہا فرمایا ہے اور جسکا مقصود یہ ہے کہ بمقابلہ اسے علیؓ کے حضرت عمرؓ نے اپنی رائے اور سمجھ پر ہمیشہ ملامت کی ہے تو پھر کیسے یہ سمجھیں آسکتا ہے کہ وہی حضرت عمرؓ علیؓ کو ملامت کرنے کے قابل ہو جائیں یا انکو علیؓ کی ملامت کرنے کی جرات ہو۔

پھر یہ عجیب تقریر اور عجیب تعبیر حکیمانہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے جو کلمات درشت علیؓ کی نسبت کہے وہی کلمات حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ اور اپنی نظر حائد کرنے اور یہ سمجھ لیا کہ عباسؓ نے جو علیؓ کی نسبت وہ کلمے کہے اور عباسؓ اور علیؓ نے جو حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کی نسبت کہے وہ خلاف مراد ہیں۔ یعنی کسی میں وہ عیوب نہیں ہیں حالانکہ حضرت عمرؓ نے یہ بیان کیا ہے عباسؓ اور علیؓ سے خطاب کر کے کہ اے تھے ابو بکرؓ کو اور محکو کا ذپ اے اثم! غادر! خائن! جانا! ایسی تقریر نہ باہم علیؓ اور عباسؓ کی اصلاح کے لیے ہو سکتی ہے اور نہ اسکا یہ مقصود ہو سکتا ہے



کہ ”علی کو یہ سمجھا دیا کہ جیسے عباس کے مزاج میں سختی ہے تمہارے مزاج میں بھی ہے تم دونوں کا ایک سا حال ہے۔“ اور نہ علیؑ مرتضیٰ کو ایسی تقریر سے تسکین ہو سکتی تھی۔

حضرت عمرؓ کی تقریر سے جو نتیجہ کہ مصنف مخاطب نے نکالا ہے وہ باعتبار مضمون روایت کے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا البتہ اس کا صاف نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو شخص تمہارے حق کے خلاف کارروائی کرے تم اسکو کاؤب کے غادر کے آثم کے خائن کے جانتے ہو۔ اور عباسؓ نے جو یہی کلمے علیؑ کی نسبت کہے اس نزاع کا فیصلہ حضرت عمرؓ نے کچھ نہیں کیا۔ اگر حضرت عمرؓ نزاع باہمی عباسؓ اور علیؑ کا فیصلہ کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ عباسؓ نے وہ کلمے علیؑ کی نسبت ٹھیک کہے ہیں یا نہیں۔ اور چونکہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے خلاف حق علیؑ اور عباسؓ کے جیسا کہ روایت سے واضح ہے فیصلہ کر دیا تھا اس لیے ان دونوں کا حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو کاؤب کے آثم کے غادر کے خائن کے جاننا ٹھیک تھا جسکی تصدیق حضرت عمرؓ نے کی ہے۔

جب روایت میں حضرت عمرؓ کے بیان میں عباسؓ اور علیؑ کی نسبت یہ الفاظ ہیں کہ ”تم نے ایسا ہم دونوں کو جانا کے اور یہ الفاظ نہیں ہیں کہ یہ جیسا تم دونوں نے ہم دونوں کو کہا کے تو تعبیر میں مصنف مخاطب کی یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ وہ کلمات برائے گفتن تھے“ نہ ان کلمات کا اظہار یقیناً ان عیوب کا تھا۔ جو وقت حضرت عمرؓ نے عباسؓ اور علیؑ کا یقین حضرت ابو بکرؓ اور اپنی نسبت ظاہر کیا ہے اور جواب میں حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا ہے کہ ابو بکرؓ اور میں دونوں صادق اور نیک اور راستہ اور حق بات کی پیروی کرنے والے ہیں۔“

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ اور اپنی نسبت جو یقین صدقؓ نہ کوئی اور رشد اور پروکار حق ہونے کا ظاہر کیا ہو وہ صریح ہو کہ بمقابلہ یقین عباسؓ اور علیؓ کے ہو جیسا کہ وہ دونوں ان دونوں کو جانتے تھے۔ اگر عباسؓ اور علیؓ کے یقین کے وہ معنی لیے جائیں جیسا کہ مصنف مخاطب تعبیر کرتے ہیں کہ "برائے گفتن تھا تو حضرت عمرؓ نے جو اپنا یقین صدقؓ نہ کوئی اور رشد اور پروکار حق ہونیکا نسبت حضرت ابو بکرؓ اور اپنے ظاہر کیا ہے وہ بھی نہ برائے گفتن ہے نہ اور مراد اون کی یہ تھی کہ یہیہ اوصاف ہم دونوں میں نہیں ہیں"

مصنف مخاطب اپنے بیان نتیجہ میں حضرت عمرؓ کی طرف سے عباسؓ اور علیؓ کو خطاب کر کے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ "تکو کوئی شکایت نہیں چاہئے کہ تم دونوں کی یہ عادت ہے کہ جو شخص تمہاری مرضی کے خلاف کوئی کاروائی کرے اوکو تم ایسا کہہ دیا کرتے ہو "ایسا نتیجہ جس حیثیت سے کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں روایت سے تو نکلتا نہیں۔ ہاں مصنف مخاطب طرف سے حضرت عمرؓ کی ایسی عادت عباسؓ اور علیؓ کی ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن ایسی عادت شیعہ عباسؓ اور علیؓ مرتضیٰ کی اس حیثیت سے قبول کر سکتے ہیں کہ جو شخص اونکی مرضی کے خلاف کاروائی کرے اوکو وہ ایسا سمجھتے تھے کیونکہ شیعہ علیؓ کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں "سنتی چاہیں اون کی نسبت ایسا اعتقاد رکھیں یا نہ رکھیں کہ علیؓ کی مرضی وہی ہوتی تھی کہ جو حق ہوتا تھا اور جو کوئی کہ خلاف اونکی مرضی کے کرے خلاف حق کا کرنے والا ہے۔ اور شیعوں کے نزدیک عباسؓ اور علیؓ کے باہم اختلاف نہیں تھا۔ اور وہ خلاف حق کرنے والے کو ایسا ہی جانتے تھے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی نسبت

بیان کیا ہے۔ البتہ شیعہ حضرت عمرؓ کی ایسی عادت قبول کر سکتے ہیں کہ انکی مرضی ناحق اور نا واجب کے خلاف اگر کوئی کارروائی کرنا چاہے انکی نسبت خلاف انکی شان کے کہہ دیا کرتے تھے۔

مصنف مخاطب نے جو کچھ فدک کی نسبت بحث کی ائین جب یہ دیکھا کہ اعلان دعویٰ فاطمہؓ پر جو بذریعہ ہبہ اور انہوں نے کیا تھا کچھ اثر نہیں پڑتا ہے۔ اور نہ دعویٰ فدک بذریعہ ہبہ کے کوئی تردید پور یہ معقول ہو سکتی ہے اس لئے وہ اس غلط کہتے پر مجبور ہوئے ہیں کہ یہ حضرات شیعہ نے اس طعن کو زیادہ سخت کرنے کے لیے بڑے زور شور سے یہ بھی تصنیف کر لیا کہ رسولؐ نے فدک فاطمہؓ کو ہبہ کر دیا تھا اس پر بھی ترقی کر کے یہ کہتے ہیں کہ خدا کی طرف سے قرآن کی آیت میں یہ حکم نازل ہوا تھا انھوں نے اس میں امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت ہے جس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ یہ امام نے فرمایا کہ جب اللہ نے اپنے نبی پر فدک فتح کرادی تو اپنی نبی پر یہ آیت نازل کی (اور دے قرابت والے کو اس کا حق) تو نہ سمجھے رسولؐ صلعم کہ وہ کون ہیں۔ تو رجوع کیا اُن میں جس جڑ میں سے اور رجوع کیا جس جڑ میں سے اپنے رب سے تو اللہ نے وحی بھیجی کہ فدک کو فاطمہؓ کی طرف دفع کر دو گا اسکے بعد رسولؐ صلعم نے فاطمہؓ کو بلا کر فدک بڑی اہتمام سے ہبہ کیا اور انہوں نے اس ہبہ کو قبول کیا۔

ہبہ کی روایت صرف شیعوں کے یہاں نہیں ہے بلکہ معتزلی کتب میں بھی موجود ہے اور یہ کہ ہبہ کے بموجب حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے سامنے دعویٰ پیش کیا اور حضرت ابو بکرؓ نے گواہ طلب کیئے اور علیؓ نے مرنے اور ائمہ اہل بیتؑ اور جانشینانِ رسولؐ اللہؐ کو گواہی دی ہے۔ اور نصاب کے پورا نمونے کی محنت پر یا شہادت تا کا فی تصور کر کے حضرت ابو بکرؓ

نے وہ شہادتین نامنظور کی ہیں اور علماء اہل سنت نے جو کچھ بحث کی ہے اس امر پر کی ہے کہ وہ شہادتین کافی تھیں یا نہیں کسی عالم سستی نے یہ نہیں کہا کہ مضمون ہبہ یا عطا مصنوعی ہے۔ اور نیز علماء اہلسنت نے معتد روایتوں سے یہ بھی لکھا ہو کہ جس وقت نازل ہوئی یہ آپت کہ نہ دے لے پیغمبر قرابتدار و کو حق اون کا لا پیغمبر نے فاطمہ کو بلا کر فدک اونکو دید یا بلا کہ جب فریقین کے کتب سے یہ امر ظاہر ہے کہ نہ واث ذائقہ فی حقہ کے نازل ہونے پر حضرت مسلم نے فدک فاطمہ کو ہبہ یا عطا کر دیا تو فدک کے فاطمہ کو ہبہ یا عطیہ ہونے میں شجانب پیغمبر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور خلاف مسئلہ شنی اور شیعوں کے مصنف مخاطب کا یہ کہنا کہ شیعوں نے روایت ہبہ یا عطا تصنیف کر لی کیسے طرح مقبول نہیں کیا جاسکتا ہو۔ یہ البتہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ شیعوں اور شنی دونوں نے ایسی روایتیں تصنیف کر لیں لیکن اسکی وجہ بتانی چاہیے کہ شعیوں نے ایسی روایتیں کیوں تصنیف کیں۔ یہاں شعیوں کی نسبت تو وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ پر الزام لگانے کے لیے ایسی روایت تصنیف کی۔ لیکن انکی نسبت بھی یہ بتانا چاہیے کہ شعیوں نے تواء بخواد بلا وجہ خلاف واقعہ ایسی روایت کیوں تصنیف کی۔ آئمہ اہلبیت کے ہاتھ میں خلافت نہیں ہی جس سے یہ گمان ہو کہ خلافت سے شیعہ متمتع ہوتے تھے اور اس لالچ میں ایسی تصنیف کی۔ ہاں مصنف مخاطب اور انکے ہم خیال یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام

۱۔ کتاب دقاوالوفی شیخ عبدالحق وفضل الخطاب کتابالموافقات زوجہ محمد یار سا و حاشیہ شرح عقائد لصفی از صلح الدین دمی و صلح محمد بن حجر و شرح ملافت و نہایت العقول از غفراری و معارج النبوت و مخرازسی در تحت تفسیر آیت و اما فاولہ در تفسیر کبریا ۱۱۲ دیکھو تفسیر مشہور سید علی تفسیر تخریج آیت و معارج النبوت و دقاوالعمر و بیاض برابھی و کلام المال شیخ علی متقی

اہلبیت نے جھوٹ بولا لیکن ایسا اگر کوئی امام اہلبیت کی نسبت اہلسنت کے لئے تو اُنکے ہم بہت مشتاق ہیں ورنہ صحابہ کسی امام اہلبیت کو کوئی درجہ نہیں تھی کہ وہ کسی امام اہلبیت پر تہمت کرے۔

مصنف مخاطب روایت کتاب کافی شیعہ پر اُبطالان کے لیے حجت کرتے ہیں کہ یہ امر عجیب ہے کہ پیغمبر اپنے اقربا کو بھی نہیں جانتے تھے اللہ ایسے کلام سے مخاطب کرے کہ پیغمبر اس کا مطلب بھی نہ سمجھیں بلکہ یہ اعتراض اس امر پر ہے کہ روایت کتاب شیعہ میں یہ مضمون ہے کہ پیغمبر نے نہ سمجھا کہ وہ قرابتدار کون ہیں۔ اور نہ جوع کیا اوسمین جبریل سے اور نہ جوع کیا جبریل نے اپنے رب سے تو اللہ نے وحی بھیجی کہ فدک کو فاطمہ کے حوالے کر دو لیکن یہی مضمون بعینہ کتب معتد اہلسنت میں بھی منقول ہوا ہے۔ جو اعتراض مصنف مخاطب نسبت روایت کتاب شیعہ کے وار د کرتے ہیں وہی اعتراض نسبت معتد روایات کتب اہلسنت کے وار د ہوگا۔ لیکن جب اونکو غلط اعتراض کر نیکا روایت کتاب شیعہ پر کچھ باک نہیں ہوا تو اونکو روایات کتب اہلسنت پر بھی اُنکے مصنوعی ہونے کے اعتراض کرنے میں کچھ شرم نہیں آسکتی۔ مگر ہم حقیقت اس امر کی دکھاتے ہیں کہ پیغمبر نے اون قرابتدار اونکو حضرت جبریل کے ذریعہ سے کیوں پوچھا کہ جنکو فدک دیدن کا خانے حکم دیا تھا۔؟

پیغمبر کے قرابت دار بعید بھی تھے اور قریب بھی تھے اور قریب تر بھی تھے۔ قریب تر تو حضرت فاطمہ اور عیسیٰ پیغمبر کی اولاد تھے۔ اور قریب علیؑ رضی اللہ عنہ اور عقیل تھے۔ اور بعید حضرت عباس اور ابولہب یا مکی اولاد تھی۔

پیغمبر نے اور ہر کسی نے اس بات کو سمجھ لیا اور ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ

پیغمبرؐ کے قرابت دار کون کون ہیں لیکن جائدا و جنگو دیجائے آیا وہ جملہ قرابت دار ہو  
 دیجائے یا کسی خاص طبقہ والے کو یا کسی خاص شخص کو کسی خاص طبقہ میں  
 سے۔ اور پیغمبرؐ کے ذہن میں یہ امر ضرور ہو گا کہ جائدا دیتے ہیں صرف مال و دولت  
 حضرت خدیجہ کا۔ کہ اس وجہ سے جائدا دو۔ فدک میں حق فاطمہؑ نہ ہر اکا  
 ہو۔ اور آیتہ میں یہ لفظ تھا کہ اوسکا حق دید۔ و ذوالقربیٰ۔ کا لفظ اس بات  
 کو حاوی ہو سکتا تھا کہ کل قرابت داروں کو دیا جاسکے۔ اور نیز اس وجہ سے  
 کہ پیغمبرؐ بغیر تخصیص کسی ایک قرابت دار کو فدک دیدیتے تو دوسرے قرابت داروں  
 کے قلب کو مراد آیت کے متعلق تسکین نہوتی۔ ایسی حالت میں پیغمبرؐ کو  
 ضرور تھا کہ وہ اذروئے وحی کے اوس تردد کو طے فرمادین۔

یہ بیان مصنف مخاطب کا بالکل غلط ہو کہ یہ حضرات شیعہ نبی جتنے  
 احکام تصنیف کیے ہیں وہ سب ایسے ہیں کہ پیغمبرؐ کو اون کا ایک دو مرتبہ  
 برد کرنا پڑا ہے یا

جہاں کھین آیات قرآنی میں اجمال ہوا ہے یا کسی صحابی کی سمجھ میں  
 نہیں آیا ہو سنی شیعہ دونوں کے یہاں اکثر احادیث پیغمبرؐ ایسی موجود ہیں کہ  
 جسے تفسیر آیات قرآنی کی ہوئی ہے اور وہ تفسیر از روئے وحی کے سمجھی گئی  
 ہو اور اس وجہ سے حدیث پیغمبرؐ کو نص مانتے ہیں کہ پیغمبرؐ بغیر وحی کے کچھ نہیں  
 کہتا تھا اور اسی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ نے انہی خطبہ میں فرمایا ہے کہ ”پیغمبرؐ  
 کے ساتھ فرشتہ تھا یعنی وہ اوس کے ذریعہ سے خدا سے پوچھ کر  
 ہر امر کرتے تھے“

اہلبیت کے حق میں جس قدر آیات نازل ہوئی ہیں اور اوسکے متعلق جو  
 احادیث ہیں اون کل میں کوئی امر ایسا نہیں ہو کہ جسکی نسبت یہ کہا جاسکے

کہ ایک دو مرتبہ رد کرنا پڑا۔

خود مصنف مخاطب نے صرف دو حدیثیں اور شمار کرائی ہیں ایک بشارت حسین اور دوسری ولایت علیؑ کی تبلیغ میں۔ جن کی نسبت ہم پہلے دیکھا چکے ہیں کہ بد شک ان مفتون پر ضرورت اس امر کی تھی کہ پیغمبر خدا سی خواہش کسی نہ کسی امر کی کرین۔

ایسے ہی اس آیت - ذَا الْقُرْبَىٰ حَقُّہُ - کے متعلق ضرورت بیشک سب سے زیادہ تھی کہ اس کی مُراد بذریعہ وحی کے حل کیجائی۔

عرب کا ہر شخص اس آیت کا مطلب ہر گز نہیں سمجھ سکتا تھا بلکہ جو ان اور بوڑھے بھی حل نہیں کر سکتے تھے۔ مصنف مخاطب آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ یہ ہر قرابت والے کا حق صلہ رحمہ ادا کر لینے ہر قریب کے ساتھ احسان کرنا علماء اہلسنت نے (جب کا حوالہ ہم ابھی اوپر دیکھا چکے ہیں) لفظ حق کا جو آیت میں ہے اس کے معنی صلہ رحمہ کے نہیں سمجھے۔ بلکہ حق سے مراد فدا کیے سے سمجھی ہے۔ اور عرب کی زبان میں صلہ رحمہ کے ساتھ لفظ حق بولا بھی نہیں جاتا۔ صلہ رحمہ کی جگہ یوں بولا جاتا ہے کہ صلہ رحمہ کو برقرار رکھنا چاہیئے یعنی ذوالارحام سے بکشاؤہ پیشانی پیش آنا لازم ہے۔ اور رعایت رحمہ کرنی چاہیئے۔ اور رعایت رحمہ کرنے کے محاورہ میں لفظ رحمہ نہیں آتا ہے۔ قطع رحم کے متعلق قرآن میں جہاں مذمت کی گئی ہے وہاں یہ بولا گیا ہے۔

ایمانزدیک ہو گئے ہو تم اگر دالی ہو  
جاؤ تم یہ کہ فساد کرو تم زمین پر اور

فَنُلْهِكُمْ عَنِ آلِهَتِكُمْ إِنَّ تَقْسِيَةً ۙ  
فِي الْأَرْضِ وَتَقَطُّعُ أَوْحَانِكُمْ ط

۱۔ جلد اول چوتھا حصہ ص ۱۱۱ نمبر ۱۱۱ ح ۱۱۱ جلد دوم ص ۱۱۱-۱۱۲

اور قطع رحم کرو گے تم یا اگر آت ذوالقرنی حقہ سے مراد صلہ رحم دینے کی ہوتی جیسا کہ مصنف غلط کہتے ہیں تو یہ آیت یوں ہوتی۔ لَا تَقْطَعُ أَرْحَامَكَ اور اگر یہ مراد ہوئی کہ ہر قریب کے ساتھ احسان کرے جیسا کہ مصنف غلط کہتے ہیں تو جیسے کہ یہ آیت نازل ہوئی ہو کہ ۛ

باپ اور ماں کے ساتھ نیکی کرنا اور  
قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں  
کے اور کمزوروں کو نیکو بات اچھی کہنا۔

بِأَنۡوَاعِ الْخَيْرَاتِ احْسَانًا وَذُحًى اَلْقُرْبٰی  
وَالْيَتَامٰی وَالْمَسٰكِیۡنَ وَتَوَّالِیَ النَّاسِ  
حُسْنًا۔

یہ آت ذالقرنی حقہ کے یوں نازل ہوتا ۛ و بذی القرنی احسانا یا آیت زیر بحث۔ پوری یوں نازل ہوئی ہے ۛ  
آت ذالقرنی حقہ والمسکین السبیل کے دسے قرابت دار کو حق ادسکا اور مسکینوں کو اور ابن السبیل کو جسک اس آیت کا نفس بن پیغمبر سے متعلق ہے جس میں صاف حکم ہے کہ اے پیغمبر اپنے قرابت دار کو دسے مسکینوں کو دسے ابن السبیل کو دسے اگر قرابت دار کو دینے سے مراد صلہ رحم ہی تو مسکین اور ابن السبیل کے مقابلہ میں صلہ رحم کیوں کر سمجھا جاسکتا ہی۔ مگر ہاں جب وہ مسکین اور ابن السبیل قرابت دار پیغمبر کے سمجھ لیے جائیں۔

اور اس آیت کے مسکین اور ابن السبیل جب قرابت دار پیغمبر کے سمجھے جائیں تو کوئی وجہ نہیں ہو کہ آیت خمس کے یتیم اور مسکین اور ابن السبیل قرابت دار پیغمبر کے نہ سمجھے جاوین جنکا ذکر بعد رسول اور ذوی القرنی رسول کے آیت خمس میں ہی اور جبکہ لیے خمس میں حق قرار دیا گیا ہو اگر آیت ذی القربی حقہ میں حق سے مراد صلہ رحم سمجھی جاوے جیسا کہ مصنف غلط کہتے ہیں تو بھی ہمارے مقصود کے خلاف نہیں ہو سکتا کہ اس



حالت میں معنے اوس آیتہ کے یہ ہوں گے کہ اے پیغمبر قرابت دار کا حق یہ وجہ صلہ رحم یعنی قرابت کے دیدے اور وہ حق قرابت کا نام چیزوں میں سمجھنا چاہیے اس لیے فدک میں بہ وجہ قرابت کے جو حق فاطمہ کا تھا اود کے دینے کا حکم خواہ مخواہ ماننا لازم آتا ہے۔

مصنف محاطب موئین کے قلوب میں دوسوہ ڈالنے کے لیے یہ تقریر بھی کرتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے اگر ایسے اہتمام کے بھٹا عطیہ ہوتا تو اللہ کی سخاوت میں کیا کمی تھی سلطنت سلیمان کی بھی کوئی حقیقت نہ تھی مگر تعجب تو یہ ہے کہ جبریل جس عطیہ کی سند لیکر آئے وہ تھوڑی سی بے حقیقت زمین تھی او سپر طرہ یہ ہے کہ وہ بھی جناب سیدہ کو نصیب نہ ہوئی اور اس کے مانعین کی فہرست میں جناب امیر کا نام بھی درج ہوا ہے

خدا فی اس موقع پر اپنے ایک خاص بندہ کو یہ حکم دیا ہو کہ بے تو میرے دوسرے خاص بندہ کا حق دیدے جیسے کہ تمام بندگان خدا کو حکم ہے کہ جس کسی کے پاس کوئی حق دوسرے بندے کا ہو وہ اسکو دیدے اور خدا کا حکم تو ایسی قدر ہے کہ کوئی بندہ کسی دوسرے بندے کا حق اپنے پاس نہ رکھے اور اس حکم کے اپنے میں کوئی اہتمام نہیں۔ لیکن جب کوئی بندہ کسی دوسرے بندے کا حق دیتا ہو تو اسے لینے یہ سب اہتمام کیا جاتا ہے کہ دستاویز بھی لکھی جاتی ہو گواہیان بھی کرائی جاتی ہیں اور قبضہ بھی دلایا جاتا ہے۔

اسکے ہم معنے نہیں سمجھتے کہ اللہ کی سخاوت میں کیا کمی تھی سلیمان کی بھی کوئی حقیقت نہیں تھی کیا اسکے معنے یہ ہیں کہ جو کوئی بادشاہ کسی حصہ ملک کا ہو جاتا ہے اس حصہ ملک کا اسکی بادشاہت میں آجانے سے سمجھا جاوے کہ خدا کی سخاوت ہے اگر یہی مذہب اسلام میں معنی لیے جائیں تو مذہب

اسلام سے پہلے تمام عرب اور روم و شام میں اور مصر و ایران میں سلطنت کسی تھی اور نہ سب اسلام میں جو حضرت یزید کو سلطنت مل گئی ان سب سلطنتوں کو سمجھنا چاہیے کہ خدائے اپنی سخاوت سے دیدی تھیں۔ جس کسی کا ایسا ایمان ہو۔ ہو۔ مگر میرا ایمان یہ ہے کہ خدائے اپنی قدرت سے آدم کو (ابو البشر نبین بلکہ جنس آدم کو) ایسا پیدا کیا کہ وہ قوت بادشاہت کی رکھتا ہو۔ اور دیگر مخلوق خدا کو جو کچھ زمین پر ہے۔ یہ کر کرنے والا اپنی حکمت و تدبیر سے ہو۔ اور یہی معنی ہیں کہ انسان خلیفۃ الارض ہو۔ لیکن اس بنی نوع انسان میں ہر فرد بشر بادشاہ نہیں ہو سکتا ہو۔ وہی ہونا چاہیے کہ جس میں بادشاہت کرنے کے اوصاف ہوں اور ان اوصاف کو خدائے قرآن میں بتایا ہے اب یہ امر انسانوں کے اختیار میں ہے کہ جس کسی کو چاہن بادشاہ قبول کر لیں خواہ ان میں اوصاف بادشاہت کے ہوں یا نہ ہوں یا جس کسی میں اوصاف ہوں اور وہ ان اوصاف کی وجہ سے حق بادشاہت کا رکھتا ہے اس حق کو غیر حقار چھین لینا تاریخ دنیا میں سیکڑوں مثالیں اس بات کی موجود ہیں کہ جو لوگ اوصاف بادشاہت کا رکھتے تھے ان کو بادشاہت نہیں ملی یا ان کے ہاتھ میں نہیں رہی اور دیگر مقامات جو زمین منتقل ہو گئی۔

جہاں کہیں کہ بادشاہت مقام جو زمین منتقل ہوئی ہے شمنف مخاطب کے ہم خیال اوس کو اللہ کی سخاوت سمجھیں گے مگر ہم نہیں سمجھ سکتے سلطنت عرب جو پیغمبر کو ملی تھی پیغمبر نے اس کے قائم رکھنے کی اپنی پابندی میں جس میں علی مرتضیٰ بھی شامل ہیں بہت کوشش اور تدبیر بن اور بندوبست کیے۔ مگر وہ ان کے ایک یہ بندوبست بھی تھا کہ فدک فاطمہ کو دیدیا تاکہ خلافت

اہلبیتؑ باہر قائم نہ ہو سکے اور وہی بادشاہت تمام جہان میں قائم ہو جاتی۔  
 حضرت امام جعفر صادقؑ پر خلیفہ عرب نے فدک کا واپس کرنا چاہا تو  
 آپؑ فرمایا کہ فدک تمہے واپس دیا نہیں جائیگا اور اے عہدہ دہی بتا  
 کہ جو اس عہدہ کی سلطنت کے عہدہ دہے تھے آپس خزانے تو اپنی خزانوں میں  
 کچھ کمی نہیں کی جسکے مقابلہ میں سلطنت سلیمانؑ کی بھی کوئی حقیقت نہیں تھی  
 اور حق سلطنت کی جبین اس فدک بھی داخل ہو اور بہت سی سندھین  
 تبریک لائے ہیں جو قرآن میں موجود ہیں۔ حقیقت میں ایسی تاجدار ہی پر  
 یہ طرہ ہے کہ جناب سیدہ کو جو اہلبیت میں داخل ہیں وہ تاجدار ہی کو تاج  
 نصیب ہونے نہ دی۔ مگر تابعین کی فہرست میں جناب امیر کا نام کیا کیونکہ  
 نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے جہانگیر ممکن ہوا کوشش کی کہ بادشاہت اور  
 فدک اہلبیت پیغمبر میں قائم رہے اور جب وہ خلیفہ ہوئے اور باغیوں کا جو  
 تھا اسوقت بھی انہوں نے اپنا ارادہ رد فدک کا کہ سلطنت اہلبیت میں  
 آگئی تھی ظاہر فرمایا ہوا دنگا نام فہرست میں اول اذن مودین کے ہے کہ  
 جنھوں نے تاکید حق جناب سیدہ اور اہلبیت کی کیا فدک اور کیا  
 خلافت میں کی ہے۔

مصنف مخاطب نے اس پُرسانے ڈھکوسلے کے ظاہر کرنے میں بھی کمی  
 نہیں کی کہ یہ آیت کی ہے اور فدک مدینہ میں ملا تھا پھر یہ جوڑ کیونکہ صحیح  
 ہو گا اس بات پر درمیان علماء شیعہ اور سنی کے پہلے بھی بحثیں ہو چکی ہیں  
 یہ امر محقق ہے کہ قرآن موجودہ کیا از روئے آیتوں کے اور کیا از روئے  
 سورتوں کے تبریک نہزل نہیں ہے اور نہ ہر آیت کی نسبت یہ لکھا ہے

لے روشنی جلد ۶ صفحہ ۲۰۶۔

کہ سورت اور کہان نازل ہوئی۔ یہ بات تو علیؑ رضی اللہ عنہ کو ہی معلوم تھی اور انکا  
جس کیا ہوا قرآن لیا نہیں گیا۔ ایسی حالت میں کس طرح اطمینان ہو سکتا ہے کہ  
کہ ان آیت مکی ہو اور کون مدنی۔

علماء شیعہ نے خود اقوال علماء اہلسنت سے ثابت کر دیا ہو کہ سورہ نو  
یونکی یا مدنی قرار دیا گیا ہے وہ بوجہ غلبہ آیات کے ہو اور ایسا ہوا ہے کہ سورہ  
مکہ میں کوئی آیت مدنی ہے اور سورہ مدنی میں کوئی آیت مکی ہے۔ دیکھو  
تفسیر اتقان علامہ سیوطی جسیمن وہ کہتے ہیں کہ سورہ مکہ وہی ہے جو کہ مکہ میں  
نازل ہوا اگرچہ بعد ہجرت ہوئے اور امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں تحت  
تفسیر آیت۔ وَنَاخِلُكَ أَثَرُ الْيَوْمِ لَمْ يَكُنْ لَكَ مَكَّةُ مِّنْ نَّازِلٍ هَؤُلَاءِ مَكَّةُ مِّنْ مَّكَّةِ  
رسول خدا کا نہیں تھا اور تفسیر کبیر میں سورہ فاتحہ کی نسبت یہ بھی لکھا ہے کہ  
یہ سورہ ایک بار مکہ میں نازل ہوئی۔ اور دوسری بار مدینہ میں۔ اور نوح البلاغہ  
میں ابن ابی الحیثمہ نے یہ سلسلہ شرح آیت اَلَمْ اُخْسِبِ الْاِنْسَانَ کہ جو شروع سورہ  
عنکبوت ہے لکھا ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اور یہ سورہ عنکبوت بالافتقار  
مکی ہے۔ اور اس سورہ کو بسبب غلبہ آیات کی تک مکی کہا گیا ہے اور مثل اسکے  
قرآن میں بہت ہے چنانچہ سورہ نحل مکی ہے بالاجماع۔ مگر تین آیتیں آخر کی مدینہ  
میں بعد یوم اُحد نازل ہوئی ہیں۔

ابن ابی الحدید نے جو یہ کہا ہو کہ مثل اسکے قرآن میں بہت ہیں میں انکا  
اور مشہور آیت کا حوالہ دیتا ہوں یعنی آیت غار قطعی مکی ہو اور سورہ ہرات  
جسیمن آیت غار ہی قطعی مدنی ہے۔

مصنف مخاطب اس آیت زیر بحث کو جو مکی قرار دیتے ہیں یہ بیان  
اونکا غیر محقق اور غیر قابل اطمینان ہے۔ البتہ یہ آیت سورہ مکی میں ہی

اور یہ ثابت ہو چکا کہ سورہ کئی مین مانی آیتیں بھی ہیں۔  
اب مین اپنی نازہ تحقیق لکھتا ہوں کہ آیت زیر بحث قطعی مکتی ہے۔ فک  
پیغمبر کو زمانہ فتح خیبر مین خالصتہ ملا اور اسپر اسید وقت سے اثر ملکیت  
ذاتی پیغمبر کا پیا۔ اہوایہ واقعہ سکہ ہجری کا ہے بعد اسکے سکہ ہجری مین  
فتح مکہ کی ہوئی اور فتح مکہ کے وقت پیغمبر مکہ مین موجود تھے اور کچھ مدت  
تک پیغمبر مکہ مین رہے اور مکہ سے حنین اور طائف کو فتح کرتے ہوئے مدینہ مین  
تشریف لائے۔

جب مکہ جو اصل دارالامارۃ پیغمبر کا تھا فتح ہو گیا اور خیبر مین فک پیغمبر کو  
جو خاصتہ ملا تھا اور سپر حق ملکیت پیغمبر کا مستحکم اور مضبوط ہو گیا تب بعد فتح مکہ  
کے مکہ مین یہ آیت ”وآت ذالقرنی حقہ نازل ہوئی اور یہی موقع اس آیت کی  
نزول کا تھا۔ لیکن پیغمبر نے بسبب اسکے کہ اونکو حنین اور طائف کے فتح  
سے اطمینان نہیں ہوا تھا اور فاطمہ بھی مکہ مین ساتھ نہیں تھیں اسلئے پیغمبر  
نے عقل چاہتی ہے کہ تعمیل اس آیت کی مدینہ مین پہنچنے تک ملتوی رکھی تھی  
اور جب مدینہ مین پہنچے تب دوبارہ یہی آیت پھر نازل ہوئی اور پیغمبر نے  
مدینہ مین فک فاطمہ کو دیدیا اور چونکہ پہلی مرتبہ یہ آیت مکہ مین نازل  
ہوئی تھی۔ اسلئے دوبارہ نزول کو یہی اس آیت کے سورہ کئی  
مین داخل کر دیا گیا ہو۔

سنٹی اور شیعہ دونوں کے یہاں کی روایتوں مین جو یہ ذکر ہے کہ  
پیغمبر نے اون قرابتداروں کی تخصیص چاہی کہ جنکا حق فک مین سمجھا جا  
اور جسکے سبب جبرئیل کا نزول وحی لیکر دمرتہ سمجھا جاتا ہے وہ قابل یقین  
کے ہو کہ یہ آیت دوبارہ نازل ہوئی ہے اور جبرئیل نے پیغمبر کو تخصیص اس

قرابتہ ارکی بتادی جو فہرگ میں حق رکھتا تھا۔ اور دوبارہ آیتہ کے نزول کو وقت جو نام فاطمہ کا آیت میں ظاہر نہیں کیا گیا اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی سے کہ دوبارہ جو تخصیص نام جناب فاطمہ کی ہوئی وہ تفسیر آیتہ کی تھی اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تفسیر آیتہ کی داخل آیتہ کر دی گئی ہو۔

مصنف مخاطب نے جب یہ دیکھا کہ یہ روایت سینوں کی کتابوں میں بھی موجود ہے تو انکو کوئی چارہ نہیں معلوم ہوا۔ بجز اس کہنے کے کہ یہ سفینو مکی کسی ایسی کتاب میں اوسکا پتہ نہ ملے گا جس میں روایتیں مع سند کے منقول ہوتی ہیں بالفرض اگر کسی غیر معتد کتاب میں ہو تو اس کے روی شیعہ غالی اور کذاب ہون گے۔

جن معتد کتابوں اور معتد علماء اہل سنت نے اس حدیث کو منقول کیا ہے۔ علماء شیعہ ان کتابوں اور ان علماء کا حوالہ اس بحث میں دے چکے ہیں۔ مصنف مخاطب کو چاہیے تھا کہ وہ اصل ہر روایت کے راوی کو اور اسکی سند کو دیکھتے اگر کسی میں سند نہ ہتی تو اوسکو ظاہر کرتے اور اس کے راوی کی نسبت کتب رجال سے دکھاتے کہ اس کے راوی شیعہ غالی اور کذاب ہیں اور علماء معتد نے اپنی کتب معتد میں اپنی نادانی سے ان روایتوں اور ان راویوں پر اعتماد غلط کیا ہے۔ اور جب تک کہ وہ ایسی تحقیق سے نہ دکھائیں مجرد قیاس کہ جب کا معمول صحیح نہوا ہے یہاں کے راویوں کو شیعہ غالی اور کذاب کہہ دینے سے اوکھی گلو غلط نہیں ہو سکتی۔

مصنف مخاطب اس پر بھی تعجب کرتے ہیں کہ تمہیہ کے وقت رسول نے دو مردوں کو گواہ بھی نہ کر لیا کہ دعویٰ ہیہہ کے وقت گواہی دیتے ہیں۔ چنانچہ بعد ازاں کے پہلے حصہ ضمیمہ میں جہان خدک پر بحث کی ہے وہاں بموجب آیتوں کے

جو ہر معاملہ کے لئے شہادت کا جُدا گانہ حکم ہی بتا دیا ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا حکم معاملات دین میں ہو اور معاملہ بیع میں کچھ نصاب گناہوں کا بتایا نہیں گیا صرف یہ کہا گیا ہے کہ گواہ کر لو اور یہ بھی کہا گیا ہے نہ تکلیف دو کا تب کو اور گواہ کو۔ یعنی گواہ اور کا تب کی چندان ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب جائداد غیر منقولہ کا انتقال عمل میں آتا ہے تو قبضہ دلا دیا جاتا ہے اور وہی قبضہ وسیلہ ملک ہوتا ہے، اور جناب فاطمہ کا قبضہ موجود تھا۔

پس دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا قاعدہ معاملہ انتقال جائداد سے متعلق نہیں تھا۔ اور نیز قاعدہ نصاب گناہوں کا گواہی کے لیے متعلق اہل معاملہ کی ہے قاضی کے لئے یہ ضرور نہیں ہے کہ اہل معاملہ کیسے جو قاعدہ مقرر کیا گیا ہے اس کے بموجب گواہ طلب کرے شہادت کی منظوری کے لئے صرف مباشرت قلبی قاضی کی کافی ہے جو ایک گواہ یا ایک بیان مدعی یا مدعا علیہ پر ہو سکتی ہے۔

مصنف مخاطب اس طعن شیعوں کا اٹھانا بھی چاہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جناب سیدہ کے گھر جلسے کا قصد کیا تھا اور یہ کہتے ہیں کہ مد ار اس طعن شیعوں کا ایک روایت پر ہے جو صاحب انزال الحقائق نے مصنف ابن ابی شیبہ سے نقل کی ہے جس کا اصل یہ ہے کہ کچھ لوگ جناب سیدہ کے گھر میں جمع ہو کر یہ شورہ کیا کرتے تھے کہ ابو بکرؓ سے خلافت چھین کر علیؓ کو خلیفہ بنادیں عمر کو جو یہ خبر ہوئی تو وہ جناب سیدہ کے پاس آئے اور یہ کہا کہ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہمو تمہارے باپ تھے اور ان کے بعد سب سے زیادہ محبت ہمو تمہارے لیکن یہ امر اس بات کا مانع نہیں کہ اگر یہ لوگ

مقدار سے پاس جمع ہوں تو میں یہ حکم کروں گا کہ اوپر گھر چلا دیا جائے چنانچہ  
اسکے بعد جب وہ آئے جناب سیدہؓ نے اون سے کہا۔ یا کہ عمر قسم کہا گئے ہیں کہ  
تم پر گھر جلد دین گے بیشک جو انہوں نے قسم کھائی ہو اسکو وہ پورا کرینگے تم یہ مان  
چکے جاؤ اور اب مت ڈرو!

شیخین کا طعن جناب سیدہؓ کے گھر جلائے کے قصہ۔ حضرت عمرؓ کا یا  
انکی نسبت جناب سیدہؓ کے دروازے پر آگ اور لکڑی کے جمع کرنے کا یا جناب  
سیدہؓ کے دروازے پر آگ لگا دینے کا مدار صرف اس روایت پر نہیں ہے۔  
جو صاحب ازالۃ الخلفاء نے نقل کی ہو بلکہ ان معتمد روایتوں کتب معتمد علماء  
جہاد و ثقافۃ اہلسنت پر بھی ہے جسکو ہم جلد اول (حصہ ۱۱) ماہ اگست ۱۹۷۷ء  
صفحہ ۱۵۵ و ۱۵۶ جناب سیدہؓ و جلد ۴ صفحہ ۵۶ و جلد ۵ صفحہ ۱۳۹ و ۱۴۰  
۱۵۵ و ۱۵۶ میں مفصل لکھ چکے ہیں۔ گو کتب صحاح میں ان کا پتہ نہ ہو مگر جن کتب میں  
ادرجن علماء نے اپنی کتابوں میں روایات کو لیا ہو وہ محدث ضرور تھے۔  
اگر وہ روایات مجہول ہو تیں تو وہ محدث ان روایتوں کو ہرگز نہ لیتے۔  
مصنف مخاطب کا یہ بیان غلط ہے کہ کسی محدث نے اونکی تصحیح نہیں کی یا وہ  
روایتیں مجہول ہیں یا کسی دوسری روایت سے اس مضمون کی تصدیق نہیں ہوئی  
جیسے بکوال کتب اور ان کے علماء کے جو ان روایات کو یکجا کر دیا ہے اس کے  
دیکھنے سے تمام بیان مصنف مخاطب کا غلط ہونا ظاہر ہو جائیگا۔ جن علماء  
اہلسنت نے موقع اس طعن کا روایتوں کو اپنی کتب میں درج کر کے دیا ہے  
اور یہ آگ لگائی ہے وہ مثل طبری اور اقدسی اور عثمان ابن ابی شیبہ اور  
ابن عبد ربہ المغزی اور ابن خزاعہ و مصنف کتاب المحاسن و انفس الجوہر و  
عبد اللہ ابن ابی شیبہ و بلاذری و ابن عبد البر صاحب استیعاب و ابوبکر جوہری



صاحب کتاب سقیفہ وقاضی جمال الدین واصل و ابوالفضل اسمعیل بن علی بن محمد  
صاحب کتاب المختصر وابن قتیبہ و ابراہیم بن عبد اللہ مبنی الشافعی صاحب کتاب اللغات  
وسیطی صاحب جمع البوامع و ملا علی متقی صاحب کنز العمال و شاہ ولی اللہ صاحب  
ازالۃ الخفا وغیرہم ہیں۔

جس روایت کو مصنف مخاطب نے نقل کیا ہو وہ جس کتاب میں ہو اسکو  
مصنف مخاطب یہ کہتے ہیں کہ اُس میں ہر قسم کی روایتیں بیان تک کہ جھوٹی روایتیں  
بھی موجود ہیں اور نادر الوجود ہونے کی وجہ سے اس کتاب میں تحریف ہونے کا  
استمال ہو سکتا ہے قصہ یہ کہو مسلم نہیں۔“

مصنف مخاطب کی مراد اس کتاب سے یا تو ازالۃ الخفا ہو یا تصنیف ابن ابی  
شیبہ ہو جس سے کہ صاحب ازالۃ الخفا نے لیا ہو۔ اُس میں اگر ہر قسم کی روایتیں  
بیان تک کہ جھوٹی روایتیں بھی موجود ہیں تو مصنف مخاطب کا ایسا اقبال اپنے  
بیان کے علماء کی نسبت شیعوں کا دل خوش کرنے والا ہو لیکن مصنف مخاطب اپنا  
جی ایس بیان سے خوش نہیں کر سکتے کہ اس روایت کا پتا صحاح میں نہیں ہو،  
صحاح میں بھی بہت کچھ جھوٹی روایات کے علماء اہل سنت قابل ہو چکے ہیں اگر  
اُن میں بھی اسکا پتا ہوتا تو مصنف مخاطب وہی کلمہ اُنکی نسبت بھی لکھ سکتے تھے  
جو غیر صحاح کی نسبت لکھا ہو۔ درہل اس زمانے کے علماء اہل سنت کی  
یہ عادت ہو گئی ہے کہ جس روایت کو ایسا پاتے ہیں کہ جس سے طعن اُنکے مذہب  
پر آوے خواہ وہ روایت صحاح کی ہو خواہ غیر صحاح معتمد علماء کی جھوٹ  
آلہ ہاتھ میں لیکر گریز کرتے ہیں۔ ورنہ قابل غور ہو کہ جب بڑے بڑے علماء  
سابقین اپنی تصانیف میں احراق خانہ فاطمہ کے متعلق روایات درج کر چکے  
اور وہ مطابق روایات کتب اہل شیعہ اور معتزلہ کے بھی ہیں تو کیسے سمجھا جاسکتا ہے

کہ وہ روایات جھوٹ ہیں یا نا درالوجود ہیں یا تحریف کا احتمال ہو۔ شیعوں کو یہ قدرت کس روز نصیب ہوئی ہے کہ وہ ان تمام کتابوں کو جمع کر کے اُس میں تحریف کر سکیں۔ اور اس فقرہ سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے جیسا کہ مصنف مخاطب نے انکار کیا ہے اور یہ کتنا مصنف مخاطب کا کہ جس طعن کا مارا ایسی غیر معتد روایت پر ہودہ قابل جواب نہیں ہے کیسی کی نگاہ میں وقعت نہیں رکھ سکتا۔ جبکہ مارا اس طعن کا ایسی روایتوں پر ہے کہ جبکہ کثیر علماء اہلسنت نے لیا ہو تو ایسا طعن درحقیقت لاعلاج اور لاجواب ہے۔

یہ ابن ابی شیبہ وہ شخص ہو کہ فضل و جلالت و اعتماد و اعلیٰ راہوں کا اسی اشرہ رہے کہ بخاری اور مسلم نے اُنسی سے روایات کو اخذ کیا ہے اور اپنی جمیع میں اُسکی احادیث پر اعتماد کر کے لائے ہیں اور ایسے ہی ابو داؤد و نسائی۔ اور ابن حنبل نے بھی اپنی اپنی صحاح میں اُس سے اخراج روایات کا کیا ہے۔ اور علامہ بیہقی کاشف میں لکھتے ہیں کہ: اوسکی نسبت کہا ہے کہ ہم نے اوس سے زیادہ یاد رکھنے والا نہیں دیکھا اور ان سب میں حفظ تھا جن لوگوں کو کہ ہم نے پایا وہ ثقہ اور حافظ صاحب تصانیف تھا یا فقیہ برآۃ الجنان میں اوسکی نسبت یہ تحقیق کرتے ہیں کہ وہ امام ایک ہی ظلاموں میں سے صاحب تصانیف کبار ہے ابو زر عہ نے کہا کہ اوس سے زیادہ کوئی یاد رکھنے والا نہیں دیکھا۔ اور ہمارے زمانے میں علم حدیث چار شخصوں پر تھی ہوا ہے ابو بکر بن شیبہ سیر حدیث میں یکتا تھا اور ابن معین جمع کرنے میں۔ اور ابن المدینی اعلم۔ اور احمد بن حنبل فقیہ کا اور صاحب فیض القدر نے بھی شد و مد سے اسی ابن شیبہ کی توثیق کی ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے یسٹان الحمدین میں جو کچھ انکی نسبت لکھا ہے وہ اُسے بھی زیادہ اجود پر ابن ابی شیبہ

کی نسبت لکھا گیا ہے ایسے شخص کی روایت کو غیر معتد سمجھنا اور اس قصہ کو تسلیم نہ ماننا مصنف مخاطب کی ہی جرات ہو۔

مصنف مخاطب حضرت عمرؓ کے مقولہ کی یہ تعبیر بھی کرتے ہیں کہ بڑے کہ انہوں نے یہ کہا کہ گھر جلا دوں گا یہ نہیں کہا کہ جناب سیدہ کا گھر اور پھر جلا دوں گا۔ تہہ۔۔۔ فقط اونکو تھی نہ جناب سیدہ اور جناب امیر کو۔ جناب سیدہ کے گھر جلائے گیا تعلق۔ اور انہیں بھی گھر جلا نا مقصود نہ تھا۔ اس محاورہ کا استعمال فقط ڈرانے اور دھمکانے کے لیے تھا۔

یہ تعبیر طعن اور الزام سے بچا نہیں سکتی جو لوگ کہ جناب سیدہ کے گھر میں جمع تھے یا جمع ہوتے تھے اون پر گھر جلا دینے کو حضرت عمرؓ نے کہا تو مقصود حضرت عمرؓ کا اس گھر کے جلا دینا ہوا کہ جو گھر جناب سیدہ کا تھا۔

ابن قتیبہ نے یہ روایت کی ہے کہ جب عمرؓ نے یہ کہا باہر آؤ تم اور نہیں گھر کو اور جو کوئی ہے امین اسکو میں جلا دے دیتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ فاطمہ اس گھر میں ہے حضرت عمرؓ نے کہا اگرچہ ہوئے اور ابن خرا بہ نے لکھا ہے کہ بڑے جب عمرؓ نے یہ کہا کہ جلاؤ نگائیں اوسکو اور جو کوئی کہ اس میں ہے۔ راوی نے کہا کہ اس گھر میں تو فاطمہ اور علیؓ اور حسنؓ و حسینؓ اور گردہ اصحاب البیہودین پس کہا فاطمہ نے آیا جلاؤ لگا تو بھپور میرے بچوں پر۔ کہا۔ قسم خاکی کے کتاب عقد فرید میں ابن عساکر نے یہ لکھا ہے کہ بچے عمرؓ ایک چنگاری آگ کی رسا ارادے سے کہ جلاؤں انہیں گھر کو۔ پس بلین فاطمہ عمرؓ کو اور کہا اسے پسر خطاب تو ایسے آیا ہو کہ جلاؤ سے تو گھر ہمارا کہا بان اور اسی طرح علامہ ابوالفدا اور علامہ بلاذری نے لکھا ہو۔

ایسی حالت میں یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہو کہ گھر جلا نے کا مقولہ حضرت

عمر کا صرف اُن لوگوں پر تھا کہ جو اُس گھر میں جمع تھے نہ جناب سیدہ اور جناب امیرؓ، جبکہ روایات میں صاف و صریح ہے کہ علیؓ مرتضیٰ اور جناب سیدہ اور حسنینؓ پر بھی گھب لانے کا اقرار حضرت عمرؓ کا موجود ہو۔“

یہ امر کہ حضرت عمرؓ کا ایسا کہنا صرف دھکی اور تہدیدا اور ڈرنے کے لیے تھا اور گھر جلانا مقصود نہ تھا، ایسی تہدیدا اور دھکی اور ڈرانا بدتر گھر جلانے سے ہو کہ جس تہدیدا اور دھکی اور ڈرانے پر جناب فاطمہؓ کو یقین ہو جائے کہ حسینؓ حضرت عثمانؓ نے قسم کھا کے ایسا امر ظاہر کیا ہے۔ اور ایسی تہدیدا اور دھکی اور ڈرانا فاطمہؓ کو برابر اس کے ہو کہ جیسے کوئی پیغمبرؐ کو تہدید کرے یا دھکی دے۔ اور ڈراوے۔ اسی جگہ سے سمجھ لینا چاہیے کہ ایسی تہدیدا اور دھکی اور ڈرانا کس بات کو لازم آتا ہو۔

مصنف مخاطب اخیر میں یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ سابق ثابت ہو چکا کہ جناب امیرؓ کو خلافت ابو بکرؓ سے تعرض کرنا ہرگز منظور نہ تھا اور عباس اور ابوسفیان نے جب یہ رائے دی تھی تو جناب امیرؓ نے اس خیال کو فتنہ بتایا تھا۔ بلکہ جناب امیرؓ اس شخص سے لڑنا جائز سمجھتے تھے جو ان کی خلافت سے انحراف کرے۔ پس ظاہر ہے کہ جو لوگ کہ خلافت ابو بکرؓ کے رائے دیتے ہو گئے وہ درحقیقت جناب امیرؓ کی رائے کے مخالف ہو گئے۔ پس عثمانؓ نے اُن لوگوں کو دھمکا یا کہ جناب امیرؓ کے رائے کے مخالف تھے۔ کیا عجب ہو کہ جناب امیرؓ نے خود ہی عثمانؓ سے یہ تحریک کی ہو کہ اُن لوگوں کو دھمکا دو تاکہ ہمارے گھر میں فساد کے مشورے کے لیے جمع نہوا کرین و اللہ اعلم بالانہواب۔“

جلد ششم کے شروع میں جو مثنوی بحث کی ہو اُن میں سے واضح ہو جاتا ہے کہ جناب امیرؓ کو خلافت حضرت ابو بکرؓ سے اس حیثیت سے تعرض کرنا کہ تلوار لیکر

یا اپنے ساتھ ایک گروہ قائم کر کے خلافت ابو بکر پر حملہ کریں منظور نہ تھا اور  
خصوصاً سوقت مین کہ عباس اور ابوسفیان نے جب ایسی راے دی تھی  
کہ سوقت علی مرتضیٰ کے ایسا کرنے سے قومی سلطنت مسلمانوں کی جو قائم ہوئی  
تھی وہ تباہ ہو جاتی۔ اور جناب امیر نے خود خلافت حضرت ابو بکرؓ کو فتنہ بتلایا  
تھے اور سوقت شور و شغب اُن لوگوں کا زیادہ تھا جنکو مانعین ذکوۃ کہا  
جاتا تھا اور اُن لوگوں کا جو مرتد ہو گئے تھے۔ ایسے وقت مین علی مرتضیٰ کی  
بیشک یہ راے تھی کہ سکوت اور صبر کیا جائے اور قومی سلطنت مسلمانوں کو  
تباہ نہ کیا جائے۔

ہم پہلے یہ بھی دکھایا ہے کہ سوقت مدینہ پر عہد حضرت ابو بکرؓ مین اہل  
ارتداد نے اور مصنوعی پیغمبر کے لشکر نے حملہ کیا ہی سوقت علی مرتضیٰ تھے تاہم مذہب  
اسلام اور قومی سلطنت کے لیے مستعد جنگ ہوئے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر  
ہو جاتا ہے کہ جناب امیر نے حضرت ابو بکرؓ کی کوئی ذاتی حمایت اور مدد نہیں کی  
نہ اُس شخص سے لڑنا جائز سمجھتے تھے جو اُنکی خلافت سے انحراف کریں  
حقیقت یہ کہ اُنکی خلافت کو جائز اور صحیح نہ سمجھتا ہو۔ اس لیے کہ خود علی مرتضیٰ اُنکی  
خلافت کو جائز اور صحیح نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ اُنکے اکثر ارشادات سے ثابت  
ہو چکا ہے۔ البتہ قومی سلطنت کو جو کوئی تباہ کرنا چاہے اور دین اسلام سے  
مرتد ہو جاوے اُس سے لڑنا علی مرتضیٰ پسند کرتے تھے۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ جو لوگ خلافت  
ابو بکرؓ کی مخالفت کی راے دیتے ہو گئے وہ درحقیقت جناب امیرؓ کی راے کے

۵۷ جلد ۷ صفحہ ۱۶۶ - ۱۶۷ خط علی مرتضیٰ بنام معاویہ ۱۲ ۵۷ جلد ۴ صفحہ ۲۳۵ - ۲۳۶

۵۷ جلد ۵ صفحہ ۱۶۶ - ۱۶۷ جلد ۴ صفحہ ۲۳۶

مخالف ہوں گے اور حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو دھمکایا جو جناب امیرؓ کی رائے کے مخالف تھے یا یہ معاملہ اسوقت کا ہی کہ جب حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ مقرر ہونے کے لیے یہ کوشش ہوتی تھی کہ سب لوگ اور بنی ہاشم اور علیؓ مرتضیٰ حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ اور حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت تمام نہیں ہو چکی تھی۔ اسوقت علیؓ مرتضیٰ کی ایسی رائے ہوتی تو خود علیؓ مرتضیٰ اور بنی ہاشم اور بعض دیگر صحابہ پیغمبرؐ کہ جو تابع مرضی علیؓ مرتضیٰ کے تھے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے اور جو لوگ کہ علیؓ مرتضیٰ کے گھر میں مشورہ خلافت کے لیے آتے تھے انکو خود علیؓ مرتضیٰ منع کر دیتے۔ اور علیؓ مرتضیٰ نے جو مرتدین اور مخالفین دین اسلام سے عمداً ابو بکرؓ میں جنگ کی وہ اسوقت کا معاملہ ہو کہ جب حضرت ابو بکرؓ عام طور پر خلیفہ قبول کر لیے گئے تھے اور بعد وفات جناب سیدہ علیؓ مرتضیٰ سے بھی مصالحت ہو گئی تھی کہ حضرت ابو بکرؓ علیؓ مرتضیٰ سے طلب بیعت نہ کریں گے اور علیؓ مرتضیٰ انکی خلافت میں جنشل نہ ڈالیں گے۔ پس یہ خیال مصنف مخاطب کا بغیر کسی سند کے محض ایک واہمہ ہے کہ کیا عجب جناب امیرؓ نے خود ہی عمرؓ سے یہ تحریک کی ہو کہ ان لوگوں کو دھمکا دو تاکہ ہمارے گھر میں فساد کے مشورہ کے لیے جمع نہ ہوا کریں یا ایسا واہمہ قبول کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ علیؓ مرتضیٰ خود بانی اسکے ہوئے کہ فاطمہؓ اور حسنینؓ کا گھر ان پر علاوہ انکو ایسی دھمکی دو۔ حالانکہ ایسا واہمہ علیؓ مرتضیٰ کی نسبت کیسے قبول نہیں جاسکتا جب کہ یہ قبول نہ کر لیا جائے کہ کسی وقت میں علیؓ مرتضیٰ پیغمبرؐ کی نسبت انکا گھر اوپر علاوہ دینے یا پیغمبرؐ کو ایسی دھمکی دینے کا مشورہ اور صلاح حضرت عمرؓ کو دے سکتے تھے۔

خود علی مرتضیٰ اور حسنین اور فاطمہ کا اُن لوگوں کو منع کر دینا کافی تھا۔ حضرت عمرؓ سے اُس مہینہ مدینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور نہ اسکی حاجت تھی کہ فاطمہ اور حسنین کو علی مرتضیٰ ایسی دھمکی دیتے ہیں شریک ہوں۔

کچھ شبہ نہیں ہے کہ مصنف مخاطب اپنے ان قیاسات کو جو کچھ اُنھوں نے اپنے اس رسالہ جلد دوم نصیحۃ الشیعہ میں مخالفت شیعوں کے لکھے ہیں اسکی صحت پر وہ خود مطمئن نہیں ہیں اور اُنکو خلافت محل قیاس جانتے ہیں ایسوجیسے اُنھوں نے اخیر میں یہ لکھ دیا کہ وہ واللہ علم بالصلوات اور ایسا لکھنا اٹکا ٹھیک بھی ہے۔ اسلئے کہ وہ ائمہ اہلبیت اور انبیا پر بغیر سے کچھ نہیں لیتے ہیں جہاں سے کہ شیعہ لیتے ہیں اور ہر امر پر شیعوں کو ویسا ہی یقین ہو جاتا ہے کہ جیسے بغیر کے فرمودے پر۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ عَلِيُّ وَبِیْ اللَّهِ وَالْأَمَّتُ الْمُتَّقُونَ بِحُجَّةٍ لِلَّهِ

راقم بین ہوں وہی خاص شیعہ

یا داشت واضح ہو کہ یہاں تک جلد دوم نصیحۃ الشیعہ کی مضامین کو متعلق بحث ختم ہوئی اگرچہ اس بحث کی ابھی جلد ہفتم میں صرف ایک چو ماہی کی ہی نمبر کو ختم کیا ہی لیکن ان نمبر کو نصف اول جلد ہفتم بھنا چاہیے تاکہ اس نمبر کو سمجھنے میں آسانی ہو کہ جلد دوم نصیحۃ الشیعہ کی مضامین کے متعلق اس حصہ نصف اول جلد ہفتم میں بحث ختم ہوئی ہے۔ جلد ثالث نصیحۃ الشیعہ کی بحث کا سلسلہ آئندہ نمبر ان ہی جلد ہشتی میں شروع کیا جائیگا اور وہ حصہ نصف ثانی جلد ہفتم کا ہو گا لہذا حصہ ہی ختم کر کے منہیں کو شروع کیلئے ایک قصیدہ منقبتیہ لکھا جاتا ہے جو ہر مجلس صدر انجمن ابائیہ کو سالانہ جلسہ عینہ غدیر کے موقع پر ہمارے دوست امیر اکاظم حسین محسن نے اپنی تازہ تصنیف سے پڑھا تھا۔

خزاق رباشش۔ اڈیٹر۔

## قصیدہ مشعلر مناظرہ عاشق معشوق منقبت وصفی مصطفیٰ نفس حضرت خیر الوری یعنی علی رضی اللہ عنہ

شوق رسوائی ہو دامنگیر خدیل نہیں  
ہر قدم پر دیتے ہیں ارمان صد آفرین  
غیر ممکن ہو کہ اب دم بھر ٹھہر جاؤں کہیں  
ہر قدم میں ہوتی ہو طویک منزل بھر میں  
جلد رکھ کر طرہ ادب سے آسانی پر چین  
کھل گیا مانتہ غشی کے غنچہ قلب حزن  
جیسے بکس کی دعا جا سوئی عرش برین  
پھر نہ نام بنان گر خور آنکھ کھین  
اتفاقاً بڑ گئی مجھ پر نگاہ شملین  
غیر سے کہنے لگا دیکھو یہ محبت تو نہیں  
جس طرح ممکن ہو دل آو اسے یہ سحر قرین  
فترے فترے آخر آیا پیش یا زمرہ بین  
بحر مون کھیلج بھیجی کی نگاہ شمر گین  
یہاں نیاز عشق نے دل کی سیرلی وقت کین  
کیون چلا آیا میان محفل عشرت قرین  
فتنے کو خورشید سے ہر گر کوئی نسبت نہیں  
اس طرح کی عاشقی کا ہم کو خاک آئے یقین

بے طلب جاتا ہوں سونہر یا زمرہ بین  
دل بڑھاتی جاتی ہیں بڑھ بڑھ کر ہم حشرین  
اضطراب شوق نے دی قوت رفت ر برق  
عجالت امید و حسرت ہو کہ یہ اعجاز ہے  
بڑھ کر قسمت نے صدای کعبہ مقصود ہے  
ہو کہ کیسا اور ادب کیسا کہ نہیں کیسی عقل  
زمر جانا نہیں گیا یہ سہل شوق اس طرح  
زمر وہ جسکی فضا پر روضہ رضوان نیشار  
یہ ٹھٹھنے ہی کو تھا چھپکر اسٹم ایک باد سے  
اب کہاں تاب تحمل بس قیامت ہو گئی  
بے بلائے زمر میں آیا اور اسپر یوں بڑ  
نود چلا میں پھر تو بن کر قیدی اسیستہ و سیم  
آٹھ چار اس ظالم بیگانہ سے جب ہوئی  
خنجر ابرو کو ناز خوش کن کھنچا اودھر  
ہو کہ زمر یہ کہا شن تو سہی او بے ادب  
مجھے اور دعویٰ گفت کیا خدا کی شان ہے  
گوں بظاہر اک باطن دلیں پریت کچھ اور



تم وہ ہو بدنام کر دو ساری دنیا میں اُسے  
 روزگار نامہ تمہا سے سانچا ایک کھیل ہے  
 کیوں ہمیں تو کرتے ہیں وعدہ و فادار بکا بھی  
 کون سے تارے چن وجہ جنبش دیوار و دُور  
 کیا تمہا یہی وہ دل ہی باعث آواز خلق  
 خوب ہی سمجھے حقیقی اور مجازی کے رموز  
 بچتے کار ہی جنوں اور یہ خیال حشام واہ  
 سچ کہو چشم حقیقت بین اگر رکھتے ہو تم  
 حیرت افزا جہان کیونکر نمود صورت کی  
 سیسے کی ہی دم سی ہوا ہی نیم عالم کو فریغ  
 حالت نرگس مٹے بھر پر روشن ہو گئی  
 کون ہی وہ جو نہیں میری جوانی پر نشان  
 نقشِ حبیب ہر عاشق میرا ہر نقشِ قدم  
 فردہ و صلت میرے منہ سے ہو کار عیسوی  
 میری کو بچہ کو زمانہ کہتا ہو باغ بہشت  
 شکر یہ پہنچ گیا دوست صمیمے غرور  
 ہو کسی کو خاک کی تائی کا دعویٰ خلق میں  
 فتنہ پردازی تمہاری بد تو ہے ہی عیان  
 حسن پر خوش فاسق کس ایں قیامت کا غرور  
 صاف تو پہچانے کہ ہے شاعر وہ کو دو دعا  
 خود ہی اپنے دل میں سمجھو کہ گیسوت دراز

رحم کہا کر جو بٹھائے ایک دم اپنے قرین  
 روز رکھتے ہو کہ نکلی جاتی ہی جان خدین  
 کیوں یہ شکایت بھی شب فرقت کی کڑو میں  
 کونسی میں ہیں رخنہ ساز پر خ ہفتین  
 شعلہ نار سقر ہے جس کی آہ آئین  
 خواب سوسو دین کی بربادی دنیا و دین  
 میرے عاشق بنے آئے شکر رب العین  
 دوسرا دیکھا ہو مجھ کو عالم میں حسین  
 آئینہ مجھے گویا صنعتِ حسن آفرین  
 میری ہی رنچر فدا میں ماہ و خورشیدین  
 باغ میں مجھے لڑائی تھی نگاہ سرگین  
 کون ہی وہ جو نہیں کھو بیٹھا دنیو دین  
 میرا در عشق داروے دل اندو گین  
 بار بار تازہ ہوئی ہی میت قلب خیرین  
 میرے گھر کے آج پر صد فی ہر قصر حرمین  
 حسن عارض پر عونت اسکا دنیا میں  
 عیب ہر صورت میں ہے جزا صحت فرین  
 حضرت آدم سے چھوٹا گلشنِ خلد برین  
 پاؤں رکھتے ہیں زمینِ نخت سے بالائی زمین  
 کھدیا نرچ کو جنھوں نے روکش ماہِ حسین  
 جسے گریو چھو تو کھدین ہیں یہ مارا ستین

یہ جو اینکا زمانہ چلتی پھرتی چھاؤں ہے  
 پھر ایجنکی طرح تم خود کروں گے شوق  
 اپنے گھر بیٹھے رہا مگو مسیحائی پر ناز  
 افریقی کے لیے چلتے ہوئے جادو یہ ہیں  
 شاد ہو ہو شاعر محلو کہتے ہیں صہبہ  
 بیوفائی سے ہزاروں کو مہوڑا دیا  
 کیا بھکاری کو پتہ کہ کوا کس شہر بہشت  
 بھگو دعویٰ ہو کہ میں ہوں رونق بازار عشق  
 بھگو یہاں ہے زبان سے لوں اگر نام وفا  
 مغل عالم میں کیا ہوتا فروغ شمع حُسن  
 جان دیکر عاشقی کو میں نے زندہ کر دیا  
 نوادہ ہر آؤ دکھا دوں میں تمہیں انجگر  
 اپنے سینے میں رکھتا ہوں دل پڑا عین  
 بے اثر کہتے ہوں نالوں کو میرے یہ تو کہو  
 میں وہ دیوانہ جہاں بیجا ہوں راہ عشق  
 مگو حُسن صورت اور چوک ملا سیرت کا حُسن  
 شہر یہ ہو لاف بیجا ہے اگر تو بہ کرو  
 بادہ پندار کا نشہ تمہاری سر میں ہو  
 میری آنکھوں کی تقدیر میں ہو دیا بے تحفہ  
 کون امیر المومنین فرمانرواے ملک شرع  
 وہ علی روشن ہیں عالم بھر پر جگہ مجھ سے

اتھڑ سے جسکو ابھی دکھا ابھی کچھ بھی نہیں  
 سائے سے بھاگے جو آؤ یوسف دل قرین  
 سیکڑوں بجا رقت چھوٹے زیرین  
 نام رکھا ہو لکڑی کا چشمہ سر گین  
 اب ذرا ایمان کھنا ہی ہو طرہ دین  
 کچ ادا کی سی کیا خون دل اندوہ گین  
 خواب میں بھی تھنہ دیکھا ہے کبھی خلدیرین  
 میں یہ سودا خریدا بیچ کر جان حزمین  
 جان جا پر نہ چھوڑوں دامن صفت یقین  
 بنتا پر دانہ نہ کر سیرا دل اندوہ گین  
 سیرکت کش ہوں گرا انصاف رکھو حرمین  
 تو سہی شرم کا مغرب میں چھپے مہربین  
 خود کہے ضو ان جسے گلہ حسنہ برین  
 تھا مٹا تھا کون بتیابی سو تلبا زنین  
 نگاہ گر قلیں واسق کو بنا ہوں ہم نشین  
 اب اگر اٹھے تو میں دیکھوں نگاہ شہر گین  
 اپنی اس دعویٰ کا دلوادوں ابھی مگو یقین  
 میں ہوں مست سرے سب امیر المومنین  
 میرے نظارے کی وادی وادی امین نہیں  
 ہادی اول علی بیضہ امام المقتدین  
 جن کا ایک بندہ ہو ہر حالت میں خود سیدین

|  |   |
|--|---|
| <p>توڑ ڈالنا باب خیر صورت نامہ جو میں نے<br/>کم ہوا انکسرت زور بازو کی روح الامیں<br/>اسقدر تھا شوق وصل شاہ ایمان و دین<br/>استیاق سمع میں ہو زحمت قبر میں<br/>جسکے پوتے کو خدا فرما سے زین العابدین<br/>مطلع نو کا تصویر ہو گیا دل میں مکین<br/>وہ کند فکر جا پہنچی سر عرش برین</p>   | <p>ایک دو فاقون میں خالق زودہ قوت کی عطا<br/>ایک شمشیر و ضربت کا ہی یہ بھی مجھ پر<br/>زال دنیا پر نہ کی ادلے توجہ اپنے<br/>اسکے رخ کی فنا شبکو پڑھی جائے اگر<br/>طاقت انسانی میں کیونکر آسکے<br/>کیا عجب ذہن رسامی ہو جو کار جبریل<br/>ابنیم دشوار مضنون حقیقی کا شکار</p>  |
| <p>آپ کو شاہی مبارک اسی خدیو مسکین<br/>ہو مبارک مونسو کو نعمت تکمیل دین</p>  |   |
| <p>ایں دل ہی نہیں ہیں بشارت ختم المسکین<br/>صاف ظاہر ہو گیا آج آئی عید مومنین<br/>عید وہ جسکی تجلی سے ہوئی روشن زمین<br/>ہو گئے مالک خدائی کے امیر المومنین<br/>وان ہوا شوق افریقاں رحبت مہر میں<br/>شجست میں گونج اٹھا آواز شرع میں<br/>کیونچہ انکار و نیر لٹیں شکست اعلیٰ دین<br/>آپ ہی زینت درگاہ رب العالمین<br/>نفس کی فرقت کسی صورت میں سکتی نہیں<br/>ہیں نہان دلمیں علوم اولین آخرین<br/>حل مشکل میں نہوں کیونکر رگ جانکے قرین<br/>آپے جو قوت کی تعلیم جسببریل امین</p> | <p>آگے جب بیکل مثل رحمت پروردگار<br/>عارض پر نور سے طالع ہو عشرت کی شکر<br/>عید وہ مشہور عالم جو کہ ہو عید عید<br/>ہو گئی تبلیغ احکام خداوند کریم<br/>جانشین حضرت خیر النوری ایسا تو ہو<br/>ہو چکے جسد و جی مصطفیٰ مہربان<br/>اسی جسد و جی دنیا میں دوزخ کا مزار<br/>ہوا نزل کی صبح یا معراج یا شام اپد<br/>اسیے درپردہ معراج میں احمد کیساتھ<br/>بلکہ اسم اللہ کی تفسیر سے روشن ہوا<br/>آپ وجہ اللہ میں بفضل خدا کی حضور<br/>ہو گئی اسکیل میں تکمیل رموز معرفت</p> |

دامن نیسان ادب کے ماری کو بیکھر سنا  
 بنگد یکو اپنے کعبہ بنایا ہاتھوں ہاتھ  
 بر تکلف مہدین فرد کو دو دیکرے کیا  
 کیا ٹھہرتے آپ کی برقی نگہ کے رو  
 آپ کیا پیدا ہوئے گویا نصیب جاگ اٹھا  
 عالم انوار میں کی ایسی تسبیح خرا  
 دیکے سائل کو اگوٹھی اپنے وقت ساز  
 آپ مفلس کو دکھائیں معجز کی شان اگر  
 نور سوا نکرازل میں گرنے کا اقتباس  
 آپ کے سارے کھینچی حسن یوسف کی شبیہ  
 چارہ ساز بیکار بخشیں جہاں کو حضور  
 سامنے جسکے سیمائی ہو شکل محور پہ  
 حکم سی جو آپ کے عالم میں سرتابی کرے  
 اسے معاذ اللہ جس دلیں نہواونکی ولا  
 متحد بالذات یوں احمد محل سو آپ  
 شعلہ تہر اپکا ہو مائل رفعت اگر  
 شمع بزم حسن مولا کا اگر اٹھے ڈھوان  
 گر کیسکے معجزیہ گنگ بولی اٹھا تو کیا  
 ہوں مریض جان بلکہ آپ گریہ دار  
 انبیاء میں جس جگہ ظاہر کیا عجز و ادب  
 شاہد رعب آپکا پھینکے اگر تیرا مان

وقت تجلش دامن حسی، انکی آستین  
 اس ید اللہ کی کرد صد کھنکھون نہواں  
 بچنے میں یوں دیکھا زور رب العالمین  
 ہوئے گر لاکھوں حجاب پردہ صدق و یقین  
 عرش پر یوں فوق لیجائے نہ کعبہ کی زمین  
 ہو گیا جس حقیقت دان دل عرش پرین  
 مول لیلی کل متاع قرب رب العالمین  
 سنگریز او سکے دامن میں بین دشمن  
 عالم افروزی نکر تی ماہ تابا کی جبین  
 ای تو اللہ زور خاتمہ حسن فسرین  
 سوزن بچہ سنگر کا ہو تیر و نشین  
 آپ کی وہ سلطنت ہوا رشہ دنیا و دین  
 صورت گردن ہو اسکی جانکی شہن شہین  
 بخشش اسکی بھر کسی صورت ممکن ہی  
 نفس آئینہ میں جس صورت ہو چو کلین  
 فکے مار برقی شمن میں ہو اگر جا نگریہ  
 خلد میں کا جل بنائیں او سکولیکر جو رین  
 آپ فضل حکم سے ہوئی گویا زمین  
 دی خیر صحت کی پھر کر ہر نگاہ واپسین  
 ملے کیا ہو آپ سے وہ بادۂ علم و تابین  
 اپنی دلسے ہاتھ اٹھالیں ضیغم سیران

فرزند سکندر پادشاه جو و جادو و آپ کا  
 کاش کر چیر محل کشا چیر چپا و خود اوقات  
 حضرت موسیٰ کی پھر حسرت برآئی ہوئی  
 اے اقا قوم مغیری اکلے دیا ہوا صاف  
 آپ کے دم سے ملا آدم کو آستی کا لباس  
 حشر میں پھر دیکھوں کھینچے کس طرح نازق  
 بس میں اے حشر کلام مختصر ہے کام مل  
 یا اہلوی آنکھیں ہیں جتنا کہ محو دید  
 عاشق کو اپنے مشغو تو کئی جتنا کہ ملک

جتنے مومن ہیں طوافِ روضہ شہین ہیں  
 لکھتی ہو قسمت مبارک قناد خلو ہا خالدین

۱۲۳

مین نے متواتر کیا رسالہ ہذا میں اور کیا پرائیویٹ  
تحریر کے ذریعہ سے جلد ششم ۱۹۹۷ء کے چندہ کی بابت  
بادب گذارش کیا مگر افسوس ہے کہ میری گزارش پر توجہ  
نہ ہوئی اب پھر اتنا س ہے کہ براہ کرم چندہ واجب الادا جلد  
عطا فرما کر رہن منت فرمائیے۔  
الراقم مرزا قریب

سجاد اہل اسلام یہ علم کلام کی مشہور و معروف کتاب تصنیف جناب مرحوم غفران مآب  
 مولوی سیّد ولد ار علی صاحب طاب ثرا ہے جو حسین دہرین و طبعین و غیرہ کی شہادت  
 حکیمانہ حیثیت سے وضع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ہنوز طبع نہیں ہوئی تھی اب خاندان اجتہاد کے ہی  
 چند نامور محدثین نے ایک جزو ماہوار چھاپے کلام خمسہ سے انتظام کیا جو اس کی قیمت سالانہ علاوہ  
 محصول ڈاک چار ہے۔ اگر یہ کتاب ترجمہ ہو کر چھپتی جیسی کہ زمانے کو ضرورت ہے۔ تو میں  
 خیال کرتا ہوں کہ مفید عام ہوتی ہوگی۔ کتب خانہ عربی کے جانتے دانوں کی تعداد اس زمانے  
 میں بظاہر زیادہ ہوئی ہے۔ اگر دنیا اللہ دیکھا جائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ  
 ہے۔ میرا حال بھی عموماً دین اور دنیا کے مابین ہوتا ہے۔ لیکن جو امدادی شریعت  
 کے تحت رہا ہوں گا۔ میں اس کتاب کے کوثرین اپنی پوشش عموماً پہن کر رہتا ہوں۔

کتاب کا نام "کلام خمسہ" ہے۔ اس کا تصنیف جناب مرحوم غفران مآب  
 مولوی سیّد ولد ار علی صاحب طاب ثرا ہے جو حسین دہرین و طبعین و غیرہ کی شہادت  
 حکیمانہ حیثیت سے وضع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ہنوز طبع نہیں ہوئی تھی اب خاندان اجتہاد کے ہی  
 چند نامور محدثین نے ایک جزو ماہوار چھاپے کلام خمسہ سے انتظام کیا جو اس کی قیمت سالانہ علاوہ  
 محصول ڈاک چار ہے۔ اگر یہ کتاب ترجمہ ہو کر چھپتی جیسی کہ زمانے کو ضرورت ہے۔ تو میں  
 خیال کرتا ہوں کہ مفید عام ہوتی ہوگی۔ کتب خانہ عربی کے جانتے دانوں کی تعداد اس زمانے  
 میں بظاہر زیادہ ہوئی ہے۔ اگر دنیا اللہ دیکھا جائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ  
 ہے۔ میرا حال بھی عموماً دین اور دنیا کے مابین ہوتا ہے۔ لیکن جو امدادی شریعت  
 کے تحت رہا ہوں گا۔ میں اس کتاب کے کوثرین اپنی پوشش عموماً پہن کر رہتا ہوں۔

